لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ
مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ

شروانی نامہ

یعنی

اور شروانی خاندان (سلف و حال) موجودہ ہندوستان

کے

تاریخی حالات اور شجرات

مرتبہ

حاجی عباس خاں شروانی۔ بی اے (علیگ)
ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر مؤلف "حیات مسعودی" و "تاریخ التواریخ"

بعد

نظر ثانی و اہتمام نگرانی مولوی حاجی محمد مقتدی خاں شروانی
جرنلسٹ و پبلسٹ و مالک شروانی بک ڈپو

شروانی پرنٹنگ پریس، علی گڑھ

محرم الحرام ۱۳۷۳ھ
ستمبر ۱۹۵۳ء

[قیمت ۵ر] [۲

مختصر فہرست کتب

تصنیفات نواب صدر یار جنگ بہادر

سیرۃ نبوی صلعم

ذکر الحبیب خصوصاً معجزات کے ذکر میں نہایت معتبر و مستند ۲ر

ذکر جمیل حضور صلعم کی مقدس حیات و پاکیزہ اخلاق کا نہایت موثر مرقع ۱۲ر

شانِ رسالت قرآن شریف سے لفظ شاکلہ کی تفسیر بیان کر کے حضور کی حیات مبارک کے چند واقعات کو اس پر منطبق کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴ر

رسالتِ عامہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلعم کی رسالت تا قیام قیامت تمام ملکوں، قوموں، اور نسلوں کے لئے ہے ۴ر

شمع ہدایت یہ کہ حضور کی تعلیم الٰہی ہی ہدایت کی ہے جیسے تاریکی میں شمع ۔ ۔ ۔ ۳ر

ذکر شریف حضور صلعم کے پاک عادات اور نیز چند معجزات کا بہترین ...

پیغام رحمت خدا کی طرف سے ذریعے سے مخلوق کو توحید، امن، علم، مساوات، حقوق، عدل، پارسائی و تقویٰ اور صفا کے کیسے کیسے جانفزا پیغام ملے ۔ ۔ ۔

ذکر مبارک حیاتِ مبارک کے ... پہلوؤں پر بحث (زیر تصنیف) ۔

سیرۃ اصحاب

سیرۃ الصدیق حضرت ابوبکر صدیق ... کی معتبر سوانح عمری ۔ اپنے مضمون ... انگریزی میں ترجمہ ہو گئی ہے

سیرۃ صلحا و علما وغیرہ

ذکر محبوب حضرت پیران پیر ... پاکیزہ حالات ۔ ۔ ۔ ۔

ملنے کا پتہ: محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

شروانی نامہ

ضروری تصحیح ۔ حبیب گنج کے شجرہ (صفحہ ۳۳۹ سطر ۱۴، اولاد نواب صدر یار جنگ) میں محمد عزیز جلیل عرف چھوٹو میاں کا نام سہواً رہ گیا جو عبید الرحمٰن خاں سے چھوٹے اور سعید الرحمٰن خاں سے بڑے (گویا سنجھلے) تھے اور جن کا انتقال تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں سنہ ۱۹۱۱ء میں ہوا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ناظرین براہ کرم تصحیح کر لیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ذیل میں ہم اپنے واقر تمیز عزیز مولوی ریاض الرحمٰن خاں ایم اے (خلف مولوی حاجی عبید الرحمٰن خاں سلمہٗ نبیرہ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم) کا لکھا ہوا "پیش لفظ" (جو ہماری خاص فرمائش کی تعمیل میں ہے) اس امید اور دعا کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ ان کے ہم عصروں اور ہم عمروں کے لئے ان کی یہ تحریر خامہ (جو اگرچہ نبوں میں نہیں ہوتی، تاہم جیسی کچھ ہے) صدا بصحرا ثابت نہ ہو۔ "لعلہم یتفکرون"

ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں خاندانوں اور قبیلوں کے احوال کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

اس سے ہمیں یہ اندازہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ ایک خاص زمانے اور خاص ماحول میں سماج کے مختلف عناصر کے طرز زندگی، ان کے مشاغل اور افکار و نظریات کی کیا نوعیت تھی۔ انھوں نے ترقی کے منازل کیسے طے کئے۔ اور ان کے زوال و پستی کے کیا اسباب ہوئے۔

آج کی دنیا میں حالات جس تیزی سے بدل رہے ہیں، زمانہ جس جوش و خروش سے

آگے بڑھ رہا ہے اور اپنی تیز گامی میں ماضی کے نقوش کو جس بے دردی سے مٹاتا جا رہا ہے اُس کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر کر اپنے ماضی پر ایک نظر ڈالیں، اس میں جو اُجلے نقوش ہمیں دکھائی دیں انھیں مستقبل کے لئے دلیلِ راہ بنائیں اور پھر آگے بڑھیں۔

"شروانی نامہ" اسی قسم کی ایک کوشش ہے جس میں شمالی ہندوستان کے ایک مشہور اور باوقار خاندان کے گزشتہ سرمایہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس میں سے مستقبل کے لئے روشن اور تابناک موتی چن لئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کی روشنی میں شروانی خاندان کی نئی نسل آگے بڑھے اور زمانے کی ترقیوں کا ساتھ دینے کی اہلیت اپنے اندر پیدا کر سکے۔

یہ تقریباً پانسو صفحے کی کتاب (جو آپ کے ہاتھ میں ہے) تین حصوں میں منقسم ہے: پہلا حصہ شروانیانِ سلف کے حالات میں ہے اور شروانی خاندان کی ابتدا سے ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط (آغاز انیسویں صدی) قائم ہونے تک کے حالات پر حاوی ہے۔ دوسرا حصہ انگریزوں کے تسلط (آغاز انیسویں صدی) سے موجودہ دور تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ اور تیسرے حصہ میں شروانی خاندان کی مختلف شاخوں کے شجرے مہیا کر دیئے گئے ہیں۔

سب سے اہم اور مفید مطلب کتاب کا پہلا حصہ ہے جس میں شروانیوں کے آبائی وطن، وجہ تسمیہ، ہندوستان میں آمد، یہاں کی عوامی اور قومی زندگی میں اُن کے اثر و رسوخ، پٹھانوں کے دوسرے قبیلوں اور گوتوں سے اُن کے تعلقات اور آویزش، ملک کے مختلف حصوں میں اُن کی آمد و رفت، مغلوں سے اُن کی چھیڑ چھاڑ اور اس کے نتیجہ میں اُن کے اثر و رسوخ میں کمی، نواح علی گڑھ وایٹہ میں اُن کی آمد اور حصول زمینداری کے لئے اُن کی تگ و دو، جاٹوں سے اُن کی جنگ و جدل، اُن کی

بعض شاخوں کی زمینداری سے محرومی اور دوبارہ حصول کی داستان درج ہے۔

اس داستان کے مطالعے سے جو سب سے روشن نقش ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے وہ شجاعت و مردانگی، جرأت و استقامت اور عالی حوصلگی و فراخ دلی کا نقش ہے اور یہ ایسے اوصاف ہیں جو ہمیشہ پٹھانوں کا طرۂ امتیاز رہے ہیں۔ اور افغانستان وغیرہ میں آج بھی ہیں۔ دوسرا حصہ اس لحاظ سے نسبتاً کم زور ہے کہ شروانی بجائے سپاہی کے رئیس بن گئے اور جہاں ان میں ایک طرف ریاست کی شائستگی، تہذیب، اور متانت آ گئی وہاں وہ بڑی حد تک ان مردانہ صفات سے محروم بھی ہو گئے جو ان کے آباؤ اجداد کا سرمایۂ زندگی تھیں۔ اس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنی زمینداری اور ریاست کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کی خاطر غیر ملکی حکومت کا آلۂ کار بن گئے اور معدودے چند مستثنیات کے علاوہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کا کردار ہمیشہ غیر پسندیدہ ہی رہا۔ اس کی سب سے تاریک مثال ہمیں بغاوت سنہ ۱۸۵۷ء کے دوران میں ملتی ہے جب کہ سوائے ایک اسماعیل کے پٹھانوں کے شروانیوں کی دوسری تمام شاخوں نے غیر ملکی حکومت کے تسلط کو اس ملک میں دیرپا بنانے کے لئے اپنی آخری کوششیں صرف کر دیں۔

اس حصے کے مطالعے سے ہمیں سب سے بڑا اطمینان یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ اس دور کے شروانیوں نے زندگی کی مختلف راہوں میں اپنے لئے تگ و دو کے میدان تلاش کئے۔ اور ان کی بڑائی کسی ایک سمت میں محدود ہو کر نہیں رہ گئی۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے جو میرے خیال سے شمالی ہند کے بہت کم خاندانوں کو حاصل ہوگا۔ پہلے کے لوگوں کو تو جانے دیجئے خود ہماری ہی آنکھوں دیکھے اس خاندان میں اگر ایک طرف نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں اور نواب ابوبکر خاں نے حکام رسی، اثر و رسوخ اور شان و شوکت میں زیادہ سے زیادہ بلندی حاصل کی تو دوسری طرف مسٹر

تصدق احمد خاں اور مسٹر نثار احمد خاں نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بعد میں آنے والوں کے لئے اپنے قدموں کی روشن نشان چھوڑے تیسری طرف نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں، مولوی محمد یونس خاں، اور مولانا چودھری عبدالحمید خاں نے علم و فضل کے بلند ترین بینار سے تک پہونچ کر دم لیا۔ چوتھی طرف خان بہادر مولوی خلیل الرحمٰن خاں اور چودھری محمد شعیب خاں نے زہد و اتقا اور داد و دہش میں نام پیدا کیا۔ پانچویں طرف پروفیسر محمد ہارون خاں اور محترمہ زاہدہ خاتون نزہت[1] نے اپنی علمی اور ادبی کاوشوں سے شروانی خاندان کو روشناس خلائق کرایا۔ اور چھٹی طرف حاجی محمد موسیٰ خاں اور مولوی عبیدالرحمٰن خاں نے مسلمانوں کے سیاسی اور تعلیمی اداروں سے وابستہ رہ کر قابل قدر خدمات انجام دیں۔

یہ چند نام میں نے صرف مثال کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ ان اوراق کا مطالعہ کرنے والے کو اور بھی ایسے بہت سے گلہائے تر و تازہ ملیں گے جو اس کے مشام جان کو معطر کر دیں گے۔

اس موقع پر ایک خیال ضرور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہ سب کارنامے تو ایک نسل اوپر تک کے بزرگوں کے ہوئے۔ ہماری موجودہ نسل (جس کے ہاتھ میں نہ صرف شروانی خاندان کے مستقبل کی تعمیر و ترقی کا کام ہے بلکہ جسے ملک و قوم کے مستقبل کو بنانے اور سنوارنے میں بھی دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے) اُس کے کیا کارنامے ہیں۔ اور وہ مصافِ حیات میں حصہ لینے کے لئے کہاں تک تیار ہے۔ افسوس ہے کہ اس کا جواب دینے کے لئے مجھے کچھ تلخ باتیں عرض کرنی پڑیں گی (اپنے بزرگوں سے بھی اور ساتھیوں سے بھی) اُمید ہے کہ میری معروضات درخورِ اعتنا قرار پائیں گی اور ان میں چھپے ہوئے خلوص کو سمجھنے میں کوتاہی نہیں کی جائے گی۔

---

[1] ز۔ رخ بش یا نزہت (زاہدہ خاتون شروانیہ نزہت) نواب مزمل اللہ خاں مرحوم کی منجھلی صاحبزادی اور نواب رحمت اللہ خاں

شروانی خاندان کے بزرگوں کے تمام روشن کارناموں کے باوجود ہماری نگاہ کے سامنے یہ حقیقت باربار ابھرتی ہے کہ انھوں نے چند مستثنیات کے علاوہ ہمیشہ اپنا اوڑھنا بچھونا زمینداری ہی کو بنائے رکھا۔ اور ان کا خیال کبھی اس طرف نہیں گیا کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح یہ نظام بھی فانی ہے۔ اور اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے ذریعۂ معاش کے لئے اسی ایک نظام کے محتاج نہ رہیں۔ بلکہ تجارت صنعت وحرفت، ملازمت اور دوسرے پیشوں کے اختیار کرنے کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ تاکہ ایک طرف ہماری نگاہوں کے سامنے زندگی کی نئی نئی راہیں کھلیں اور دوسری طرف ہماری آئندہ نسلیں اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق اپنے لئے پیشوں کا انتخاب کرسکیں۔

کہا جاسکتا ہے کہ زمینداری کے کام میں اتنا پھیلاؤ تھا کہ اسی سے فرصت ملنی محال تھی، پھر کسی اور طرف کیسے توجہ کی جاتی؟

میں اسے تسلیم کرتا ہوں لیکن مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ خاندان کے مختلف افراد کسی ایک شخص پر اعتماد کرکے زمینداری کا کام اس کے ہاتھ میں چھوڑ سکتے تھے اور خود دوسرے پیشوں کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے۔ یہ بات عملاً ناممکن نہیں ہے اور ایسا ہوتا بھی رہا ہے کہ زمینداری کے کام کی دیکھ بھال کسی ایک آدمی کے ذمہ رہی ہے لیکن اس صورت میں بھی دوسرے لوگوں نے اسی کا دست نگر ہوکر زندہ رہنا پسند کیا ہے۔ اور ان کا خیال دوسرے پیشے اختیار کرنے کی طرف کبھی شاذونادر ہی گیا ہے۔ اس سے کئی نقصان ہوئے۔ شروانی خاندان کے افراد کا دارومدار اپنی معاش کے لئے صرف زمینداری ہی پر ہوگیا۔ ان میں وہ وسعت خیال اور آزادیٔ افکار پیدا نہیں ہوسکی جو باہر نکلنے اور باہر کی دنیا دیکھنے سے ہوتی۔ وہ ہمیشہ آپس کے جھگڑوں میں پھنسے رہے اور ان کا سارا وقت اور ساری توجہ اس پر صرف ہوتی رہی کہ خاندان کی کون سی شاخ اونچی ہے۔

اور کون سی نیچی، کون ہمارے برابر کا ہے اور کون ہم سے کم تر درجے کا۔ ان کی آئندہ نسلوں کے لئے ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے ذرائع مسدود ہو گئے۔ اور وہ آنے والے دور میں بڑی حد تک بے یار و مددگار رہ گئے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑا غضب یہ ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے اپنی اولاد کی تعلیم کی طرف بہت کم توجہ فرمائی۔ علی گڑھ جیسے مقام سے وابستہ ہونے کے باوجود (جہاں سر سید احمد خاں مرحوم و مغفور کی توجہ اور خلوص کی بدولت ایک عرصے سے علم کے سوتے پھوٹ رہے ہیں) ہمارے خاندان کی علمی تہی مائیگی کا یہ عالم ہے کہ ہمارے ہاں ایم اے اور بی اے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اور صنعتی اور سائنٹفک تعلیم کا حال تو اس سے بھی بدتر ہے۔

اس خاندان کے لوگوں کو جو فراغت اور اطمینان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اُس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ دس بیس آدمی اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان سے باہر گئے ہوتے، دس بیس نے ڈاکٹری اور انجینئری کی تعلیم حاصل کی ہوتی، دس بیس پروفیسری اور بیرسٹری کر رہے ہوتے اور دس بیس صنعتی و حرفتی اداروں سے وابستہ ہوتے۔ لیکن یہاں یہ عالم ہے کہ اول تو لکھے پڑھے ہی معدودے چند ہیں اور جو ہیں بھی وہ ایک فرسودہ اور کرم خوردہ نظام سے وابستہ رہنے کی بدولت کسی طرح بھی بے پڑھے لکھے لوگوں سے بہتر حالت میں نہیں ہیں۔ ہماری ترقی کی راہ میں ایک اور رکاوٹ یہ تخیل رہا ہے کہ ہمارا خاندان بہت اونچا ہے اور ہماری رگوں میں خالص افغانی خون دوڑ رہا ہے! اس لئے فلاں کام ہمارے کرنے کا ہے اور فلاں کام ہمارے کرنے کا نہیں ہے۔ دراصل اس قسم کے تخیلات ہمارے جاگیردارانہ نظام کی پیداوار ہوتے ہیں اور چونکہ ہمارا باڈی اور جمیر خالص جاگیردارانہ نظام سے بنا ہے اس لئے اس قسم کے تخیلات کا ہمارے اندر پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ اسی کے ماتحت ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ اپنے خاندان سے باہر شادی بیاہ کرنا معیوب سمجھا جس سے یہ تو فائدہ ہوا

کہ ہماری نسل اپنے آبائی کردار سے بالکل محروم نہیں ہوگئی لیکن نقصان بھی ہوا کہ ہمارے خاندان میں بیرونی خون کے ساتھ بیرونی نظریات و خیالات بھی جگہ نہیں پا سکے۔ اور ایک طرف علم الحیوانات کے قانون کے مطابق ہماری نسل کم زور ہوگئی اور دوسری طرف اس میں نئے حالات کا مقابلہ کرنے اور اُن پر قابو پانے کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

کہا جا سکتا ہے کہ آخر ہمارے بزرگوں نے بھی تو ان تمام خامیوں کے باوجود ترقی کی اور اپنا اور اپنے خاندان کا نام روشن کیا، پھر ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انحطاط جس طرح انسانوں میں اسی طرح خاندانوں میں بھی ایک روز میں رونما نہیں ہو جاتا، وہ تو آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر سماج کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے لئے جتنا سخت مقابلہ آج کی دنیا میں کرنا پڑتا ہے اتنا شاید اب سے پہلے کبھی نہیں کرنا پڑتا تھا۔ "بقائے اصلح" (سروائول آف دی فٹسٹ)
کا قانون آج اتنی شدت سے چار دانگ عالم میں جاری و ساری ہے کہ تیسرے درجہ کے لوگ تو الگ رہے دوسرے درجے کے لوگوں کا بھی ترقی کرنا اور سماج میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنا محال ہو گیا ہے۔ یہ بھی زمانے کا نیرنگی ہے کہ جاگیردارانہ نظام (جسے ایک روز بہرحال ختم ہونا تھا، اس لئے کہ دنیا کا رجحان کافی عرصے سے اس کے خلاف ہو گیا تھا) ہمارے ہی زمانے میں ختم ہو کر رہا۔ لیکن میرے خیال سے یہ بھی ایک طرح اچھا ہی ہوا، اس کے نتائج ہماری موجودہ دو نسلیں ہی بھگت لیں گی، بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے تو راستہ صاف ہو جائے گا۔ اور وہ تو ان خامیوں اور نقائص سے بچی رہیں گی جو اس نظام کی بدولت ہمارے اندر پیدا ہو گئے تھے۔

یہ ہے ہماری نسل کے لوگوں کے لئے سوچنے کی بات کہ کیا ہمارا کام اپنے موجودہ زوال اور پستی کے اسباب و وجوہ بتا کر ختم ہو جاتا ہے یا انھیں دور

کرنے کے لئے بھی ہمیں کچھ کرنا ہے۔؟ مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک ہم نے اس طرف بالکل توجہ نہیں کی ہے!

کرنے کے کام دو ہیں: ہمیں ایک طرف اپنے بزرگوں کے روشن کارناموں کو اپنے لئے شمعِ راہ اور نشانِ منزل بنانا چاہیئے۔ اور دوسری طرف نہ صرف موجودہ حالات (بلکہ آنے والے انقلاب) کے لئے بھی اپنے کو تیار کرنا چاہیئے میں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب تک جو کچھ پیش آیا ہے وہ تو ابتدا کی بات ہے، اصلی انقلاب تو ابھی آنا باقی ہے۔ اور اب اس کے آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں ہے ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا؟
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

کہیں ایسا نہ ہو کہ جب یہ انقلاب آئے تو ہمیں اپنے استقبال کے لئے غیر آمادہ پائے اور جس طرح ہم موجودہ تبدیلی پر حیران و سراسیمہ ہیں اسی طرح اس وقت بھی ہاتھ ملتے ہوئے صرف حیرانی اور سراسیمگی ہی رہ جائے۔

حصولِ آزادی اور تقسیمِ ہند کے بعد امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد نے ہندستان کے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

"یہ ٹھیک ہے کہ وقت نے تمہاری خواہشوں کے مطابق انگڑائی نہیں لی .... (اور اس انقلاب کی) ایک کروٹ نے تمہیں بہت حد تک خوف زدہ کر دیا ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ تم سے کوئی اچھی شے چھین لی گئی، اور اس کی جگہ کوئی بری شے آ گئی۔ یہ واقعہ نہیں ہے واہمہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بری شے چلی گئی۔ اور اچھی شے آ گئی۔ ہاں، تمہاری بے قراری

اس لئے ہے کہ تم نے اپنے تئیں اچھی شے کے لئے تیار نہیں
کیا تھا۔ اور بُری شے ہی کو ملجاؤ ماویٰ سمجھ لیا تھا ......
عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو، یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لئے
تیار نہ تھے بلکہ اب تیار ہو جاؤ۔ ستارے ٹوٹ گئے لیکن سورج تو
چمک رہا ہے۔ اس سے کرنیں مانگ لو اور اندھیری راہوں میں
بچھا دو جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے۔"

ہم مسلمان بھی ہیں اور زمیندار بھی اور اس لئے ہمیں بجائے ایک کے دو انقلابوں سے ہو کر گزرنا پڑا ہے اور ابھی ایک تیسرے انقلاب سے ہو کر اور گزرنا ہے۔ اس لئے امام الہند کا یہ مشورہ اور سب لوگوں سے زیادہ ہمارے حسب حال اور مفید مطلب ہے اور ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمیں جہاں ماضی سے استفادہ کرنے میں ہچکچانا نہیں چاہیئے وہاں اپنی باگ ڈور بھی اس کے ہاتھ میں نہیں دے دینی چاہیئے۔ بلکہ ماضی میں جو کچھ شاندار اور قابل عمل نظر آئے اس سے مستقبل کے بنانے اور سنوارنے میں کام لینا چاہیئے۔ ادنیٰ اور کم تر درجے کی چیزوں سے اپنا دامن آلودہ نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ خذ ما صفیٰ و دع ما کدر کا اصول اسی کا متقاضی ہے۔

اس سلسلے میں کارل مارکس[1] نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ "ماضی کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہے لیکن ہماری نگام ... کے ہاتھ میں نہیں ہے"

ہمیں حاجی محمد عباس خاں ... کا شکر گزار ہونا چاہیئے جنہوں نے مواد کی فراہمی

---

[1] جرمن کارل مارکس (۱۸۱۸ء–۸۳ء) مشہور جرمن یہودی اشتراکی انتصادی لیڈر کا سلسلہ کمیونسٹ اور اکثر سوشلسٹ تحریکوں کا روح رواں۔

کے باوجود نہایت تحقیق و تفتیش سے شروانی خاندان کی تاریخ میں اتنی اچھی کتاب مرتب فرمائی ہے۔ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی اور حافظ حاجی عبدالجلیل خاں شروانی بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے محمد عباس خاں صاحب شروانی کے ساتھ اشتراک عمل کرکے اس کتاب کی ترتیب اور اشاعت کا کام آسان کردیا۔

یہ کتاب شروانی خاندان کے لوگوں کی ہمت افزائی کی تو مستحق ہے ہی لیکن اس کے مطالعہ سے دوسرے اہل ذوق بھی کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ریاض الرحمٰن شروانی

حبیب منزل،
علی گڑھ:
۵ ستمبر ۱۹۵۳ء

تاریخ خاندان شروانی

(نوشتہ نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم)

مسلمانانِ ہند کے کم خاندان ایسے ہیں جن کی ازابتدا تا انیدم صحیح تاریخ موجود ہو اور بہت کم خاندان ایسے ہیں جن کی نجابت شرافت اور شان وشکوہ قائم ہو۔ البتہ یہ شرف خاندان شروانی کو حاصل ہے۔

خاندان شروانی (جس کے باعث آج علی گڑھ تمامی ہند میں خاص شہرت رکھتا ہے) بفضلِ اللہ خدا کے فضل سے دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔

شروانی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کا اصل مولد قصبہ شروان ہے جو سلطنت افغانستان

له اور محترم حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم بھی شروانی ۲۲ اور عام عزت کے مستحق ہیں جنہوں نے اب سے تقریباً پون صدی پہلے (۱۳۰۶ھ) میں اس ضروری کام کی

میں واقع ہے۔ آج بھی نواح قندھار میں اس خاندان کے افراد موجود ہیں۔

ہندوستان میں سب سے پہلے اس خاندان کے تین حقیقی بھائی غلزئی، لودی اور شروانی آئے تھے۔ لودیوں کے زمانۂ حکمرانی میں اس خاندان کو بہت عروج ہوا تھا۔ سکندر لودی کے وزیر اسی خاندان کے ایک بزرگ عمر خاں شروانی تھے جن کی خداداد عملی قابلیت اور شجاعت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ عمر خاں بہلول لودی کے عہد حکومت میں با اقتدار تھے۔ اور وہی سکندر لودی کی تخت نشینی کے باعث ہوئے تھے۔ شاہزادہ جلال لودی کم سن تھا۔ اس کی ماں کی خواہش اور کوشش تھی کہ وہ تخت نشین ہو۔ عمر خاں نے اس کو سلطنت کے استحکام کے منافی سمجھ کر اپنی کوشش و تدبر سے سکندر لودی کو تخت نشین کیا۔ کسی زمانہ میں جو عروج سادات بارہہ کو تھا وہی کیفیت عمر خاں کی تھی۔ ان کے بیٹے محمد خاں شروانی سرکار کول کے حاکم تھے۔ علی گڑھ کا مشہور قلعہ (جو اب مٹ کر محلہ بالائے قلعہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے) ابتدا میں انھیں نے محمد گڑھ کے نام سے بنوایا تھا۔ نواب نجف خاں کے عہد میں اس کا نام نجف گڑھ ہوا پھر مرہٹوں نے اس کو جدید طرز پر بنا کر اس کا نام علی گڑھ رکھا تھا جس نام سے اب یہ شہر مشہور ہے)۔

لودیوں کے عہد میں سپہ سالار افواج کو "اعظم ہمایوں" کا لقب ملا تھا۔ ابراہیم لودی کے عہد حکومت میں اعظم ہمایوں ایک شروانی تھے۔ بابر نے شاہزادہ ہمایوں کے ولیعہد ہونے کے بعد اس لقب کو موقوف کیا تھا۔ اکبر کے عہد میں خان زماں خاں لودی حاکم جونپور کی شکست کے بعد یہ محمد خاں شروانی جونپور کے صوبیدار مقرر ہوئے۔ یہ واقعات تاریخ فرشتہ، واقعات بابری اور اکبر نامہ میں درج ہیں۔

شیر شاہ کی چیرہ دستی اور بنگال میں سلیمان خاں و داؤد خاں کے مقابلوں نے سلاطین مغلیہ کی پالیسی پٹھانوں کی طرف سے بدل دی۔ اس وقت شروانیوں نے مضافات کا رخ کیا۔ عہد اکبری و شاہجہانی میں کچھ لوگ ضلع علی گڑھ و ایٹہ میں آ کر آباد ہوئے اور زمینداریاں پیدا کیں۔ جب سے اس وقت تک یہ خاندان یہاں آباد ہے۔ کچھ حصہ اس خاندان کا پنجاب کی طرف گیا۔ مالیر کوٹلہ کے فرماں روا شروانی ہیں۔ نواب والاجاہ کی رفاقت میں کچھ شروانی مدراس پہونچ گئے تھے (جن کا سلسلہ اب تک وہاں موجود ہے)۔

سنہ ۱۸۰۳ء میں اس نواح میں انگریزی عملداری قائم ہوئی۔ اس وقت محمد باز خاں رئیس بھیکم پور تھے

ضلع علی گڑھ کے مواضعات کنوبی، بھیکم پور وسکندرہ راؤ میں بھی شروانی آباد ہوئے گو ان سب میں مقتدر بزرگ خاندان بازخاں ہی کے تھے جو علاوہ دیگر اوصاف کے انتہائی دور اندیش تھے۔ انھوں نے برطانیہ کی قوت کا صحیح اندازہ کر کے سب سے اول انگریزی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور ہر طرح کی مدد برٹش حکومت کو دی تھی حالانکہ ان کے ایک سے زیادہ ہمعصر کوتہ اندیشی کا شکار ہوئے۔ بازخاں کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے حاجی محمد داؤد خاں صاحب خاندان کے بزرگ ہوئے جو اپنی دینداری، فیاضی اور کنبہ پروری میں بہت مشہور تھے۔ ان کی دیانت کا اس درجہ شہرہ تھا کہ لارڈ ولیم بنٹنک گورنر جنرل ہند نے ان کو آگرہ کا صدر الصدور مقرر کیا تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستانیوں کے واسطے یہ عہدہ معراج کمال تھا۔ کچھ عرصہ ملازمت کے بعد اس سے مستعفی ہو کر ۱۸۳۹ء میں ایک بڑے قافلہ کے ہمراہ منزل بمنزل سفر کر کے بیت اللہ شریف لے گئے تھے۔ جب تک ملازمت کی کسی مسلمان پر مسلمان کے سود کی ڈگری نہیں کی۔ یوم جمعہ کو ہمیشہ بعد نماز جمعہ اجلاس پر تشریف لے جاتے تھے آپ کے دو صاحبزادے ہوئے۔ ایک حاجی غلام احمد خاں صاحب، والد ماجد نواب مزمل اللہ خاں دوسرے محمد عنایت اللہ خاں صاحب۔

حاجی غلام احمد خاں صاحب اوائل عمری سے آخرت کے طالب اور دنیا سے نفور تھے اور گو تو انہی شامل اس بیان میں ہے مگر دنیاوی کاروبار سے کبھی کوئی سروکار نہیں رکھا ساری عمر یاد مولیٰ اور عبادت معبود میں گزار دی۔

محمد عنایت اللہ خاں صاحب (عم بزرگوار نواب صاحب) بڑے علم دوست بزرگ تھے اور سر سید کے خاص دوست اور مددگار رہے تھے کالج میں اُن کی بہت یادگاریں موجود ہیں۔ یعنی بارک کے بہت کمروں پر آپ کے نام کے کتبے موجود ہیں۔ اسٹریچی ہال میں آپ کا کتبہ نصب ہے۔ بانڈ ہاؤس ڈیوٹی وال پر بھی آپ کا نام باقی موجود ہے۔ کالج کا سب سے بڑا اکارآمد کنواں آپ ہی کا بنوایا ہوا ہے جس کی تاریخ ہے "؎ خضر بنگر ہمت عنایت اللہ" ایک نہایت خوبصورت فوارہ آپ کا مدد گار رہا جو پہلے کرنل گنج میں تھا اب سوامنگر پانچ سو میں منتقل ہو کر پہنچ گیا ہے، قابل دید ہے۔

آنریبل مسٹر نواب صاحب نے آپ ہی کی گود میں پرورش پائی ہے اور اس وجہ سے بچپن ہی سے موصوف کو کالج سے خاص تعلق رہا ہے۔

محمد حبیب الرحمٰن خاں

مصارف طبع اس حصہ خاص (دیش نقطام) کے مولوی ریاض الرحمٰن خاں صاحب "ذوکار حیال" مجھ نے ادا کئے۔

نظم

مندرجہ ذیل نظم نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر مرحوم مغفور نے شروانی اسکول (قلعہ چھبرہ ضلع علی گڑھ) کی رسم افتتاح (اگست ۱۸۹۶ء) کے موقع پر پڑھی تھی جس میں شروانیوں کی تاریخ کے بعض جستہ جستہ واقعات اور چند قدیم و جدید برگزیدہ ہستیوں کا ذکر ہے۔ اسے ہم آں مرحوم کی شکر آمیز یاد اور دعائے مغفرت کے لئے مرحوم کے ضخیم مطبوعہ کلیات موسومہ "درج لولوئے نفحات" مرتبہ (مع دیباچۂ دلچسپ) مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی صاحب سے لے کر نقل کرتے ہیں۔

بسم اللہ خیر الاسماء

اے صنادیدِ قومِ شروانی (۲۲) وے مفخّر بہ نسلِ افغانی
اے بزرگانِ خانوادۂ ما وے جوانانِ اہلِ خانی
از قدومِ شریفِ تان امروز فخر دارم ز فضلِ یزدانی
در قدم رنجہ کردنِ احباب شد دلم شاد و چشم نورانی
شکر واجب بود بذمّۂ من کہ چنین ست حکمِ قرآنی
لہذا اظہارِ منت و احسان عرضِ مطلب کنم بآسانی
خواہم ایں شعر ہائے نغز و لطیف گر توجّہ کنید ارزانی
چہ حکایت کنم ز تصنیفِ خویش اے لبادرہائے پنہانی

دلِ من پُر ز دردمندیِ قوم — جان بود مبتلای حیرانی

جگرِ من کبابِ سیخِ الم — تنِ من پیکرِ پشیمانی

همه روزم به فکر می‌گذرد — همه شب این غم و پریشانی

در خیالِ عروج و پستیِ قوم — منم و صد هزار حیرانی

یادِ ایامِ شهریاریِ غور — یادِ آن صولتِ خراسانی

یادِ آن جدِّ پاکِ شاه حسین — که بغزنت کرد مهمانی

یادِ ابنای عمِّ لودی‌ها — یادِ آن طمطراقِ سلطانی

یادِ اقبال و شوکتِ سوری — یادِ فرّ و شکوهِ شاهانی

یادِ اوجِ زمانِ شاه‌جهان — مرحمت‌های ظلِّ سبحانی

یادِ آن ثروتِ شجاعت خان — وان سپهداریِ عمر خانی

یادِ شان و شکوهِ راجِ مئو — یادِ آن مردِ یوسفِ ثانی

یادِ هنگامه‌های مرهته‌ها — حملهٔ شیرمردِ درّانی

یادِ جنگ و جدال با جاتان — یادِ زخم و سنان و پیکانی

یادِ انعام ازگشایش‌ها — کان دلیر امیرِ لاثانی

بر سرِ اجدادِ ما کرامت کرد — آنچه بودش به حدِّ امکانی

یادِ هژده صد و سه سالِ مسیح (۱۸۰۳) — یادِ فتحِ عظیمِ برطانی

یادِ تسخیرِ قلعهٔ کوئل — یادِ تخلیص از پریشانی

یادِ آن افسرانِ انگریزی — یادِ بخشش و سپاسدانی

یادِ آن بازخانِ با اقبال — بر روانش درودِ یزدانی

بود چون شیرِ شرزه در میدان — جانِ ایمان در مسلمانی

یافت عزت ز نیتِ انگلش — گشت اقبالِ قوم را بانی

کرد جنگِ عظیم در دادول — با تفنگ و بہ تیرِ ترکانی
زخم ہا خورد در صفِ ہیجا — آخرش یافت تمغِ تابانی
یادِ داؤد خانِ نیک اختر — صدرِ اعلائے بزمِ انسانی
یادِ اوجِ عروج و اقبالش — ہمچو خورشید در درخشانی
یادِ حج و زکوٰۃ و صوم صلوٰۃ — یادِ حبّ و ودادِ ایمانی
ہر یکے در محبتش کوشاں — ہندو و ہم یہود و نصرانی
گرد بر گردِ خوانِ الطافش — عربی، کابلی و ایرانی
خوش بیاں، خوش مذاق، خوش تدبیر — ماہرِ فنِّ طبِّ یونانی
در سخاوت چو حاتمِ طائی — در محبت چو پیرِ کنعانی
صاف گو، راست بازِ صدق بیاں — متوکل بفضلِ رحمانی
ربط و ضبطش بجا کمالِ زماں — عزتش در عیان و پنہانی
خیر خواہیش در زمانۂ غدر — واں خلوصش بہ تاجِ برطانی
کوششش از برائے امنِ امان — ہمہ با صرفِ مالی و جانی
ربِّ اغفر لہ وارحمہ — انت باقٍ و کلنا فانی
تا کجا قصۂ سلف خوانم — از خلف یا یدم سخن رانی
آں سلف صالح و خدا آگاہ — ایں خلف غرقِ بحرِ عصیانی
آہ از جہل و از تجاہلِ ما — آہ از خودسری و خود دانی
آہ از کینہ و نفاق و حسد — آہ از ابتری و ویرانی
آہ از معصیت پناہیِ ما — آہ از جذبہائے شیطانی
آہ از غفلت و تغافلِ ما — آہ از بے سری و سامانی
آہ از کردہائے ناکرد — سہل انکاری و شفقت رانی

آه ازین زبان شهرآشوب — آه ازین زبان طوفانی
شرم از نخرهاے بیهوده — شرم بر غمزهاے شترانی
آوخ از کردهاے ناهموار — آوخ از سلب ننگ افغانی
حیف بر ما و بر شرافت ما — حیف بر غلبهاے شهوانی
قوم من مست خواب ناز و غرور — وقت خواهان سعی مردانی
تا کجا کاهلی و سستی و جهل — تا کجا دست غم به پیشانی
از براے خدا و بهر رسول — واگزارید راه نادانی
همه بالاتفاق برخیزید — همه با یک دل و یک جانی
هر یکے با کمال صدق و صفا — هر یکے در رضاے یزدانی
حمله کوشید در ترقی قوم — اے بزرگان آگاهی و دانی
اطلبوا العلم بر زبان آرید — همه از دولت مسلمانی
دین و دنیا تلاش افغان ست — علم و دولت معاش شروانی
تیره شان شد قلم زبان شمشیر — کاندر آماجگاه چوگانی
گر زمانے برین روش باشید — حق دهد خاتم سلیمانی[1]
گو همت خاتم سلیمان چیست؟ — علم دنیا و علم عرفانی
علم باشد عصاے موسیٰ — علم شهر را کند نگهبانی
علم جان بخش چون دم عیسیٰ ست — هم جهان بخش و هم جهان بانی
علم در هر زبان که باید نیکوست — عربی یا زبان سریانی

---

[1] کنایه بلیغ از بین اتحه که سلیمان خان صاحب رئیس چهتره بالی سنال داغ برداشته و توجه بجانب [illegible] سرکار ازنهادت [illegible] و قضاے ایزد کردگار بچشم بماند و از تمام کار [illegible] انا لله و انا الیه راجعون»

(محمد تقی خان شروانی مرتب دیوان نواب صاحب مرحوم [illegible] «درج لولوے فصاحت»)

مختصر در زمانهٔ امروز   علم حاجت بود بجز رانی
گر از آسمان نبارد علم   این نه آید ز مشق دهقانی
علم خواهد که جان بمن بازید   تا دهم اجر فضل رحمانی
علم گوید که صرف زر بکنید   تا کنم بر شما دُر افشانی
پس عزیزان ز نو شدا عیۓ علم   درد خود را کنید درمانی
بس مزمل زبان بکام گزار   تا کجا این همه غزل خوانی
تا کجا وعظهاے نغز و شگرف   تا کجا پندهاے لقمانی
تا کجا رزم گو چو فردوسی   تا کجا بزم خوان چو خاقانی
تا کجا فیض خواه از سنجر   تا کجا راز جو ز قاآنی
حال به شغل دعاے قوم بکوش   درگذر از فلان و بهمانی
رب ارحم علی جماعتنا   حال ما ایزدا تو می دانی
بطفیل نبی و آل نبی   رحمت خویش را ارزانی
شوق علمی بخش و ذوق عمل   حل مشکل ما بآسانی
دولت حب دین و دنیا بخش   دور دار از خراب و ویرانی
دوستان شاد دشمنان پامال   جان حُساد در پریشانی
سعی هاے حبیب رحمن خان   جمله مشکور کن کرمانی
درس گاه علوم مدرسه را   ذات او باد سیّد ثانی
من و سوداے خیرخواهی قوم   قوم و دریاے جود ربانی

شکر گویان فضل تو باشم
تا بآن دم که جان بستانی

نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر مرحوم

کا دیوان

(موسومہ)

"درج لولوئے فصاحت"

(جس سے مندرجہ بالا نظم نقل کی گئی ہے) متعدد اصناف کلام حمد، نعت منقبت، غزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی، وغیرہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اور "شروانی پرنٹنگ پریس" کا عمدہ کاغذ پر اور بہت اچھا چھپا ہوا ہے۔ نواب صاحب ممدوح مرحوم کے فرزند رشید نواب رحمت اللہ خاں صاحب مدظلہ کی طرف سے مفت تقسیم ہوتا ہے۔ شائقین ذیل کے پتہ پر درخواست روانہ کریں:

محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

مصارف طبع اس حصۂ خاص (نظم) کے نواب رحمت اللہ خاں صاحب (حیات میاں) نے علاوہ اپنے عطیہ کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اس چھوٹی سی کتاب کو راقم الحروف اُن ٹُنّی اور شروانی اصحاب
کے نام نامی سے منسوب کرتا ہے جن کو اپنے خاندانوں اور
اسلاف کی تاریخ سے دلچسپی ہے اور جنھوں نے اس
کام میں راقم الحروف کا ہاتھ بٹایا۔ ع

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

چمنستان
علی گڑھ:
سنہ ۱۳۷۲ھ
۱۹۵۳ء

راقم آثم
عبّاس شروانی

فہرست ماخذ

شروانی نامہ

۱- تاج المآثر مصنفہ نظام الدین حسن نظامی نیشاپوری سنہ ۶۱۴ھ / ۱۲۱۷ء

۲- طبقات ناصری مصنفہ قاضی ابو عمر عثمان منہاج ابن السراج سنہ ۶۵۸ھ / ۱۲۵۹ء

۳- تاریخ فیروز شاہی مصنفہ مولانا ضیاء الدین برنی سنہ ۷۵۸ھ / ۱۳۵۷ء

۴- تزک بابری مصنفہ بابر بادشاہ از سنہ ۹۳۲ھ تا بہ سنہ ۹۳۶ھ

۵- تاریخ شاہی مصنفہ احمد یادگار معروف بہ تاریخ سلاطین افاغنہ سنہ ۹۸۲ھ

۶- واقعات مشتاقی مصنفہ مولانا رزق اللہ مشتاقی سنہ ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء

۷- طبقات اکبری معروف بہ تاریخ نظامی مصنفہ مولانا نظام الدین ہروی سنہ ۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۳ء

۸- منتخب التواریخ مصنفہ ملا عبد القادر بدایونی سنہ ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۷ء

۹- اکبر نامہ و آئین اکبری مصنفہ علامہ ابو الفضل سنہ ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء

۱۰- تاریخ شیر شاہی عرف تحفۂ اکبر شاہی مصنفہ عباس شروانی بعہد اکبر بادشاہ

۱۱- تاریخ فرشتہ عرف بہ گلشن ابراہیمی حکیم محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ سنہ ۱۰۱۵ھ

۱۲- تاریخ داؤدی مصنفہ عبد اللہ سنہ ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ء بعہد جہانگیر

۱۳- تاریخ مخزن افاغنہ عرف مرآت افاغنہ عرف [تاریخ] خان جہانی خواجہ نعمت اللہ ہروی سنہ ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء

۱۴- بادشاہ نامہ ملا عبد الحمید لاہوری سنہ ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۳ء بعہد شاہجہاں

۱۵- خلاصۃ التواریخ سوجان رائے بھنڈاری سنہ ۱۱... / ۱۶...ء

۱۶- منتخب اللباب میر محمد ہاشم خافی خان سنہ ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۱ء

۱۷- تاریخ احمد شاہی محمد علی خان انصاری پانی[پتی] سنہ ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء

۱۸- چہار گلزار شجاعی ہرچرن داس میرٹھی سنہ ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء

۱۹- صحیح الاخبار مصنفہ سروپ چند کھتری سنہ ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء

۲۰- تاریخ مظفری محمد علی خان انصاری پانی پتی سنہ ۱۲۲۵ھ

۲۱- تاریخ فرخ آباد مورخ منور مصنفہ منور علی خاں سنہ ۱۲۵۵ھ

۲۲- داستان ترکتازان ہند مرزا نصر اللہ خان ایرانی سنہ ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء

۲۳- یادداشت مرتبہ حکیم اللہ خان صاحب شمر[ی] بلونوی مرحوم سنہ ۱۳۰۶ھ

۲۴- تاریخ خورشید جہاں شیر محمد خاں سنہ ۱۳۱۱ھ

۲۵- حیات افغانی مصنفہ سردار محمد حیات خاں

۲۶- مآثر الامرا مصنفہ صمصام الدولہ شاہنواز خان

۲۷۔ خلاصۃ الانساب حافظ رحمت خاں روہیلہ
۲۸۔ گلستان رحمت نواب مستجاب خاں روہیلہ
۲۹۔ سفرنامہ برنیر ترجمہ انگریزی مطبوعہ
۳۰۔ تاریخ شاہ عالم ثانی مصنفہ ڈبلیو فرینکلن
۳۱۔ تاریخ مرہٹہ مصنفہ گرانٹ ڈف
۳۲۔ سوانح اسکنر مصنفہ جیمس بیلی فریزر
۳۳۔ قلمی تاریخ اترولی مصنفہ محمد زاہد حسن قانونگو سنہ ۱۸۵۲ء موجودہ کتاب خانہ حبیب گنج
۳۴۔ علی گڑھ اسٹے ٹس سنہ ۱۸۳۳ء لغایۃ سنہ ۱۸۵۶ء سے۔ آر۔ ہچینسن
۳۵۔ کنز التواریخ (تاریخ بدایوں) مصنفہ مولوی رضی الدین
۳۶۔ ایپی گرافیا انڈیکا (کتبہ جات متعلقہ مرتبہ محکمۂ آثار قدیمہ حکومت ہند) ترجمہ انگریزی
۳۷۔ آرکیولوجیکل سروے رپورٹ ہند (رپورٹ ہائے متعلقہ آثار قدیمہ) جنرل کننگ ہم
۳۸۔ آرکیولوجیکل رپورٹ شمالی ہند۔ فیوہرر
۳۹۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ، ایٹہ، بلند شہر
۴۰۔ رپورٹ بندوبست علی گڑھ سنہ ۱۸۸۲ء
۴۱۔ یادداشت متعلقہ خاندان شروانی مؤلفہ مولوی ظفر حسن خاں شروانی بلونوی مرحوم
۴۲۔ یادداشت مرتبہ حاجی ہدایت اللہ دتاولی علی گڑھ۔ تقریباً سنہ ۱۹۲۵ء
۴۳۔ مقالات شروانی نواب صدر یار جنگ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں شروانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

شروانی نامہ

(مقدمہ)

مطالعۂ تاریخ کے فوائد

حمد و نعت کے بعد واضح ہو کہ ہر ایک پڑھے لکھے (خاص کر غور و فکر کرنے والے) انسان کے لئے تاریخ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، نہ محض اس وجہ سے کہ تاریخ گزرے ہوئے زمانہ کو حال سے ملا کر آیندہ کے واسطے اچھے سبق دیتی ہے اور کار آمد باتیں او ر مثالیں بتاتی ہے (جیسا کہ ہمارے مشہور مورخ عالم فاضل محدث مفسر مولانا عبدالحق دہلوی مرحوم نے فرمایا ہے) ؎

مقصود اہلِ ذوق زا ذکارِ رفتگاں
تنبیہ عبرت است چہ مسکیں، چہ بادشاہ

یہ شعر تفسیر ہے قرآن مجید کے اس ارشاد کی کہ:-

"لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب"-

اس قسم کا مطالعہ اس وجہ سے اور بھی لازمی ہے کہ اس کے ذریعہ سے اسلاف کے کارنامے موجودہ نسلوں میں تازگی، ہمت اور جواں مردی کی روح پھونکتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ بلندی و پستی، عروج و زوال میں ان کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ تاریخ کا جاننے والا ملک ملت اور قوم کو دوسروں کی خدمت پر آمادہ کرتا ہے اور افراد کو اپنی حالت سدھارنے پر

کمربستہ۔ وہ بتاتا ہے کہ غلامی سے آزادی کس طرح حاصل ہوسکتی ہے اور آزادی میں اس کی ذمہ داری اور فرض منصبی کیا ہے۔

تاریخ بھی مرغانِ چمن کی طرح پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ او سونے والے غافل مسلمان اُٹھ اور جلد اُٹھ اور مجھ سے سبق لے۔ قطع نظر ان حالات کے تاریخ یوں بھی ایک دلچسپ مضمون ہے۔ وہ بولتی ہوئی تصویروں کا سینما ہے۔ ایک تصویر پردہ پر آتی ہے اور کچھ کہہ کر اور اپنا کام دکھا کر چلی جاتی ہے۔ دوسری دل بہلاتی ہے تیسری اچھی باتوں کا سبق دیتی ہے۔ چوتھی بری باتوں سے بچنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اور وقت نہسی خوشی میں کٹ جاتا ہے۔

عدم واقفیت اور دست نگری و پست ہمتی کا نقصان

خاص کر آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنی روایات کو پس پشت ڈال کر کس قدر نقصان اٹھایا۔ پھر ہماری بدقسمتی سے ایسے مسلمانوں میں توم شناسی کا درجہ تو بہت ہی بلند ہے کیونکہ وہ بری طرح پستی اور تنزل کے گڑھے میں پڑی ہے۔ اس سے نکلنے کے واسطے ہاتھ پیر مارنا اس کے لئے از بس ضروری ہے۔ اگر ایک زمانہ میں ان شروانیوں کے موشان عروج کے بعد پستی میں گرے تو وہ خدا کے فضل اور اپنے بل بوتے پر پھر سنبھل گئے۔ اسی طرح اب اس تاریک اور زوال کے زمانہ میں ان کو سنبھلنے کی کوشش کرنا چاہئے اور "لا تقنطوا من رحمۃ اللہ" کو مشعل راہ بنانا چاہئے۔ افسوس ہے کہ مسلمان خدائے عزوجل کے احکام اور ہادی برحق روحی فداہ صلعم کی ہدایتوں اور اقوال کو بھول کر فانی انسانوں کی امداد سے آسرا لگائے ہوئے ہیں۔ "فوض امری الی اللہ" اور "السعی منی والاتمام من اللہ" کا سبق بھول گئے جس سے دین اور دنیا دونوں ہاتھ سے جا رہے ہیں۔ نہ ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے۔

آج کل سیاسی، اقتصادی، مالی اور سماجی اور بے دینی کے ہیجان میں مسلمانوں کے واسطے ضروری ہے کہ وہ اس سے نکلنے کے واسطے ہاتھ پیر چلائیں اور جمود اور خشی کی حالت سے بیدار ہوں۔ آخر یہ خواب خرگوش کب تک؟ عزل و نصب کے تھپیڑوں سے بچنے کی فکر کرنا چاہئے۔ محض قسمت اور فلک کج رفتار کو برا بھلا کہنے سے کیا حاصل ہے۔

خبرت ہست کہ مرغانِ چمن می گویند
کا خرا سے خفتہ سر از بالشِ غفلت بردار

انھی جذبات کے ماتحت یہ گنہ گار امیدوار رحمتِ پروردگار مسلمانانِ ہند کے ایک مخصوص خاندان کی بابت اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے یہ تاریخی مضمون پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ اس مخصوص خاندان (یعنی شروانی پٹھانوں) کے حالات پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے اور اس قبیلہ کے حالات تاریخ میں اس قدر منتشر ہیں کہ ان کو یکجا کر کے سلسلہ کے ساتھ پیش کرنا ضروری سمجھا گیا۔ زمانے کی دست برد سے کتنے جواہر ریزے غائب ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ آج ہم ان کے لئے آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں۔ تھوڑے دن میں رہے سہے تاریخی اوراق بالکل مفقود ہو جائیں گے۔ اور شروانی اپنے اسلاف کو بھول جائیں گے۔ ایک زمانہ میں یہ قوم یا تو ہندوستان کے پٹھان بادشاہوں کا دست راست بنی ہوئی تھی، مغلوں سے مقابلہ پر آتی تھی، اور ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھی یا آج اپنی زمینداریوں سے محروم ہو کر مقابلۃً گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہے۔ اور اب تو ہندوستان کی موجودہ حکومت کے ہاتھوں وہ بالکل ہی پستی میں جا پڑی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ہماری علمی بے مائگی، تاریخی مواد کی کمی، اس مضمون کو بے مزہ بنا رہی ہے اور ہماری مشکل راہ میں خاردار مغیلاں کا کام کر رہی ہے۔ مگر یہ زرّیں مقولہ ہماری ہمت بڑھاتا ہے کہ ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

خدائے عزّوجل سے دعا ہے کہ ؎

ما بدیں مقصدِ عالی نتوانیم رسید
ہاں مگر لطفِ شما پیش نہد گامے چند

مواد کی کم یابی

شروانی قبیلہ کے حالات اور اس کا تاریخی مسالہ اس قدر وسیع نہیں کہ اس پر کوئی بڑی بسوط کتاب لکھی جا سکے۔ خاص کر اس وجہ سے کہ عروج کے زمانہ میں اس کے اسلاف اہلِ سیف رہے ہیں نہ کہ اہلِ قلم۔ انھوں نے آیندہ نسلوں

کے واسطے اپنے حالات کو اور شجرہ جات کو قلمبند کرنے سے گریز کیا۔ محض سیاسی اور فوجی دوڑ
دھوپ میں لگے رہے۔ ان میں تاریخی علم اور روایات سینہ بسینہ چلتی تھیں۔ زمانہ حال کے
پڑھے لکھے اور واقف حضرات نے اس طرف توجہ نہ کی (بجز معدودے چند ہستیوں کے) مگر
ان کا علم بھی ان کی ذات یا گھرانے تک محدود رہا جس نے نشر و اشاعت کی روشنی نہ دیکھی۔ آخرالذکر
طبقہ اور اس انجمن کی آخری شمع جو قومی اور خاندانی تاریخ پر تیز روشنی ڈال سکتی تھی وہ نواب صدر یار جنگ
بہادر مولانا ڈاکٹر الحاج حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کی ذات بابرکات تھی مگر حیف صد
حیف کہ وہ بھی حال میں گل ہو گئی۔ اس کام میں اس مایہ ناز اور قابل قدر ہستی نے (جو آج ہماری
آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہے) قدم قدم پر ہماری ہمت افزائی کی اور ہر قسم کی امداد
بہم پہنچائی۔ مگر افسوس ہے کہ چند وجوہ سے یہ ناچیز کتاب موصوف مرحوم کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی۔
ہم نے اس بارہ میں موصوف کے مشہور کتاب خانہ واقع حبیب گنج ضلع علی گڑھ سے اور خاندانی
حالات کے بارے میں مرحوم کی چھوڑی ہوئی یادداشتوں سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کتاب خانہ
میں جو مختصر سی یادداشت خاندانی حالات کے بارے میں ہمارے کرمفرما مولانا ظفر حسن خاں مرحوم
شروانی بلونوی نے چھوڑی اس سے ہم کو بہت مدد ملی۔ مرحوم نے یہ کام بڑی عرق ریزی سے شروع
کیا تھا مگر افسوس ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اس کو مکمل نہ کر سکے۔ اسی طرح دوسرے بزرگ
مرحوم سمیع اللہ خاں صاحب بلونوی کے چھوٹے سے قلمی رسالے سے (جو سنہ ۱۳ھ میں بلونہ
کے حالات میں مرتب کیا گیا) ہم کو بڑی مدد ملی۔

"شروانی" کی وجہ تسمیہ

مسلمانوں کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے
حضرات اکثر سوال کر بیٹھتے ہیں کہ لفظ "شروانی"
کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ کیا وہ شر و فساد کے بانی مبانی تھے یا شیروان سے آئے تھے یا
شتربانی کرتے تھے۔ ان کے مورث کب کہاں سے اور کیوں ہندوستان میں آئے کہاں
بسے کیا کیا اور اب کہاں کہاں موجود ہیں اور کیا حالت ہے؟ اس مختصر کتاب میں انہی سوالات
کے جوابات ہیں۔ اور سینہ کے اس کینوس میں انہی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ صاحبان
ذوق و علم اس ناچیز کتاب کو دیکھ کر آئندہ اس سنگلاخ زمین میں اور گل کھلائیں اور اس

مضمون پر ہم سے زیادہ وسیع اور گہری روشنی ڈالیں اور ہماری کمی کو پورا کر دیں "فضّلنا بعضھم علیٰ بعض"

ہم نے اس مضمون کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مناسب سمجھا:

حصّۂ اوّل شروانیانِ سلف کی بابت، حصّۂ دویم شروانیان زمانۂ حال کے متعلق اور حصّۂ سویم خاندانِ شروانی کے شجرہ جات کے بارے میں۔

زمانہ حال سے مراد انیسویں صدی عیسوی کے آغاز سے (جبکہ انگریزوں کے قدم شمالی ہندوستان میں جمے) آج تک ہے۔ اس میں اس قبیلہ کی ممتاز ہستیوں کے تذکرے ہیں جن سے اس خاندان کے دوبارہ عروج پر روشنی پڑتی ہے۔ امید ہے کہ ان کے حالات سے آج کل کے حالات کا مقابلہ کرکے ہماری آنکھیں کھلیں گی۔

حصّۂ سویم بھی ہماری ناچیز رائے میں ضروری ہے کیونکہ اب سے چند پشتوں کو چھوڑ کر ہم کو اپنے اسلاف کے مسلسل شجرے بھی معلوم نہیں ہیں اور آیندہ اتنے بھی یاد نہ رہیں گے۔

شکریۂ معاونین اس حصّۂ سویم کی تدوین اور ترتیب بڑی جان فشانی عرق ریزی اور مقامی تحقیقاتوں اور خاندانی روایتوں کی فراہمی کے بعد حاجی حافظ عبدالجمیل خاں صاحب شروانی رئیس حسن پور نے کرکے ہمارا ہاتھ بٹایا اور خاندان اور تاریخ پر احسان کیا۔ خدائے تعالیٰ حاجی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ وہ قدم قدم پر ہمارے شریک بنے اور مشورہ دیتے رہے۔

مولوی عبدالشاہد خاں صاحب شروانی (اسسٹنٹ اورینٹل سکشن لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ناظم اعلیٰ جمعیت العلماء علی گڑھ، مؤلف و مرتب "باغی ہندوستان" "کاروانِ خیال" "زبدۃ الحکمۃ" وغیرہا) سے ہم کو بڑی بڑی مدد ملی۔

اسی طرح بڑی احسان فراموشی اور فرو گذاشت ہوگی اگر اس سلسلہ میں مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی بلونوی کا ذکر نہ کریں۔ موصوف نے ہم کو نہ صرف افرادِ شروانیان کے متعلق مسالہ بہم پہونچایا بلکہ اپنے سالہا سال کے تجربہ اور واقفیت کی بنا پر ہم کو مفید مشورے دے کر اور کتاب کی طباعت کے انتظام میں عملی حصہ لے کر ہمارا ہاتھ بٹایا۔ بلا موصوف کی مدد کے

ہم اس تالیف کو شائع نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے خاندان اور علم تاریخ پر احسان کیا۔ موصوف ہی کی علمی و عملی دلچسپی سے نواب بہادر ڈاکٹر الحاج سر محمد فضل اللہ خاں مرحوم کے دیوان اور نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی ڈاکٹر حبیب الرحمن خاں صاحب مرحوم کے مقالات کی اول مرتبہ اور غالب زماں خاں مرحوم مغفور کی کوشش سے جو اصلاح خاندان شروانی میں مسائل شرعی کی بنا پر عمل میں آئی (جو کتاب کی شکل میں چھپ چکے تھے مگر نایاب تھے) ان کی طبع اول ۱۲۶۶ھ سے ایک سو چار سال بعد دوبارہ چھپنے کی نوبت آئی۔ اور خود اپنی طرف سے شروانی سیریز کے سلسلہ میں ایک درجن سے زیادہ کتابیں اور رسالے طبع اور شائع کئے۔ ان سب سے ہم نے فائدہ اٹھایا اور مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب کو دعائیں دے رہے ہیں۔

نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم مغفور کے خلف الصدق مولوی حاجی عبید الرحمن خاں صاحب شروانی سابق ایم ایل اے رئیس حبیب گنج سکریٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سابق خازن مسلم یونیورسٹی کے ہم خاص طور سے مشکور ہیں۔ موصوف نے ہر طرح ہماری ہمت افزائی کی۔ اپنے مشہور کتب خانہ میں کتابوں کے دیکھنے کی آسانی بہم پہونچائی اور بڑی فراخ دلی سے اس نازک زمانہ میں اس کتاب کی طباعت میں حصہ لیا۔ خدائے تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر دے۔

پروفیسر حاجی ہارون خاں صاحب شروانی سابق صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن رئیس دتاولی اور ان کے بھائی حاجی محمد شیث خاں صاحب شروانی نے بھی تاریخی حالات اور مفید مشوروں سے ہم کو بہت مدد دی جس کے بغیر شروانی خاندان دتاولی کے حالات نامکمل رہ جاتے۔

عبد الصبور خاں صاحب شروانی بی اے رئیس بھیکم پور نے ان ناچیز سطور میں شروانی خاندان بھیکم پور کے حالات پر نظر ثانی کرکے احسان کیا۔

جن حضرات نے ہم کو طباعت کے اخراجات کا انتظام کرنے میں مالی مدد دی ان کو خدا جزائے خیر دے آمین! ہم ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

اظہارِ حقیقت

اگر اس ناچیز کتاب میں نادانستہ یا بغرض اظہار حقیقت تاریخی کسی پر تھوڑی بہت نکتہ چینی ہو گئی ہو تو یہ خیال نہ گزرے کہ

کسی کا دل دکھانا ہم کو مقصود نہ تھا۔ حاشا وکلا ہم اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ اسی طرح کسی کی جائز تعریف کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ قوم اور اس کے افراد کی بیجا مدح سرائی یا تفاخر سے کام لیا گیا "پدرم سلطان بود مرا چہ" صرف اظہار حقیقت ہمارا منشا ہے ؎

صادق ہوں اپنے قول میں غالبؔ! خدا گواہ!!
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے!!!

اعترافِ کوتاہی

راقم الحروف نے حضرت نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم مغفور کے مشورہ پر ایک مرتبہ سابق صوبہ پنجاب و سرحد وغیرہ میں دورہ کرکے حالات شیروانی کے کھوجنے اور مسالہ فراہم کرنے کا ارادہ کیا تھا یہ کام شروع کیا مگر افسوس ہے کہ چند وجوہ سے مکمل نہ ہو سکا تقسیم ملک نے اور بھی مشکل کر دیا۔ جو کچھ مسالہ مل سکا وہ ناظرین کے سامنے حاضر ہے۔ اتفاق اور اختلاف ان کا فعل ہے ہم کو تسلیم ہے کہ نفس مضمون اور اس کے اظہار اور زبان کے لحاظ سے ہماری روشنائی پھیکی ہے مگر قوموں کے بنانے اور بگاڑنے والے احکم الحاکمین سے دعا ہے کہ صبغۂ رجسٹری کی روشنائی کی طرح وہ عرصہ تک قائم رہے۔

اس خیال سے کہ شاید ناظرین اور ناقدین اس کتاب کو فسانۂ عجائب یا راقم الحروف کی من گھڑت کہانی نہ سمجھیں ہم نے شروع میں ماخذ حالات کی فہرست دے دی ہے۔ اور کہیں کہیں زیر متن حوالے دے دیئے ہیں ؎ سعدیؒ۔

بماند سالہا این نظم و ترتیب	ز ما ہر ذرہ خاک افتادہ جائے
غرض نقشے ست کز ما یاد ماند	کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت	کند در کار مسکینے دعائے

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

شروانی نامہ

حصّہ اوّل

(شروانیانِ سلف)

اصلی وطن قبل اس کے کہ قوم شروانی کے حالات پیش کئے جائیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس کا اصلی وطن ملک افغانستان کا وہ حصہ جو روہ کہلاتا ہے اور اس کا ملحقہ علاقہ تھا جہاں اب وہ خال خال رہ گئے ہیں۔ اس ملک کی وجہ تسمیہ پر اور اس میں رہنے والوں پر روشنی ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ علاوہ بریں یہ ظاہر کئے ہوئے بغیر کہ وہ شروانی کیوں کہلائے، ان کا ماحول کیا تھا، وہ جوق جوق ہندوستان میں کب اور کیوں آکر بسے ان کی کہانی نامکمل رہ جائے گی۔ افغانستان کا نام تو بہت سے حضرات نے سنا ہوگا مگر اس کی وجہ تسمیہ اور جغرافیائی حالات سے کم حضرات واقف ہوں گے۔

ہمارے ملک کے شمال اور مغربی سرحد پر پہاڑ کے درۂ خیبر سے نکل کر اور اس سے بہت تھوڑے فاصلہ پر افغانستان کا پہاڑی ملک شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے ملک بلوچستان سے اوپر درۂ بولان سے نکل کر یہ ملک ہم کو ملتا ہے۔ اس پہاڑی اور دریائی علاقہ کی آب و ہوا مائل بہ سردی ہے۔ جغرافیائی پیمائش کے لحاظ سے وہ ۳۰ اور ۳۵ درجہ شمالی عرض البلد اور ۶۰ اور ۶۵ درجہ مشرقی طول البلد کے درمیان واقع ہے، سمندر سے دور اور چاروں طرف خشکی اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے چٹیل اور ٹھنڈے پہاڑوں نے اور آب و ہوا نے اس میں بسنے والوں کی عادت، طرزِ معاشرت، تمدنی، سماجی

اور مالی اور ملکی خصوصیات پر بڑا اثر ڈال رکھا ہے۔ زراعت کی کمی ہے۔ البتہ تجارت کا کچھ سلسلہ ان میں ہے۔ معدنیات موجود ہیں مگر حکومت اور ملک اب تک ان سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ باشندگان میں سختی اور محنت برداشت کرنے کی عادتیں مزاج میں درشتی رنگ عمدہ صحت اور تندرستی) پائی جاتی ہے۔ پھلوں کی بہتات اور ٹھنڈی آب و ہوا نے ان کو سرخ سفید بنا رکھا ہے۔ اس کے قبائل میں آزادی اور حریت کا مادہ کوٹ کوٹ کر قدرت نے بھر دیا ہے، جس کی وجہ سے آج تک کسی حکومت نے ان پر پورے طور پر قابو نہیں پایا۔ ان کے ملک کے شمال میں روسی ترکستان، مشرق میں دریائے سندھ اور پٹھانوں کی ریاست ہائے چترال، باجوڑ اور سوات واقع ہیں۔ جنوب میں چند خود مختار قبائل (جو آئے دن پڑوسیوں کو دق کرتے رہتے ہیں) اور ملک بلوچستان ہے مغرب میں ملک ایران واقع ہے۔ پڑوسی ہونے کی وجہ سے افغانستان و ہندوستان میں ہزارہا سال سے تعلقات رہے ہیں، خواہ وہ امن اور صلح کے ہوں یا لڑائی کے، تجارت کے ہوں یا باہمی امداد کے۔ دونوں ملکوں کے مذہب، تمدن اور سیاسیات ایک دوسرے سے متاثر ہوئے ہیں۔ پھر افغانستان اور درہ خیبر کیا اس کی مشرقی سرحد کے قریبا سے گزر کر وسط ایشیا سے آنے والی آرین اقوام ہندوستان میں آئیں۔ ان کے بعد دولت حاصل کرنے کے لالچ سے یا زرخیز اور نرم آب و ہوا کے ملک میں بسنے کی غرض سے بہت سی قومیں اور گروہ افغانستان اور درہ خیبر کے ذریعہ ہو کر ہندوستان آئے۔ باہر سے آنے والی جنگجو اور تجارت پیشہ اقوام کچھ افغانستان میں کچھ ہندوستان میں بس گئیں اور کچھ لوٹ مار کر کے چلی گئیں یہاں ان لوگوں نے کچھ باتیں سیکھیں اور کچھ سکھائیں ایسی حالت میں صاف ظاہر ہے کہ دونوں ملکوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا اور رہے گا۔

افغانستان، افغان اور پٹھان کی وجہ تسمیہ

افغانستان کے معنی ہیں افغانوں کے رہنے کی جگہ۔ فارسی کا ستان اور سنسکرت کا استھان دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ مگر افغانستان نام نسبتاً نیا اور حال کا ہے۔ حضرت مسیح سے دو ڈیڑھ ہزار سال

(یا اس سے بھی زیادہ) قبل ویدک دھرم کے زمانہ میں اس ملک کا پرانا نام "پکھتا" **परवता** تھا۔ اسی سے پختونا نکلا۔ یونانیوں کے قائد اعظم سکندر کے ساتھ آنے والے یونانیوں نے اس کو "بیکٹریا" اور ایرانیوں نے اس کو "باختر" یا "باختریا" بنا دیا۔ یہ تماشا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ زبان میں تبدیلیاں ایک بڑی دلچسپ بحث ہے۔ آگے چل کر یہی پکھتا لفظ پٹھان اور ان کی مادری زبان پختون یا پشتو کی وجہ تسمیہ بنا۔ مورخین (اور بالخصوص مسلمان مورخین) نے لفظ پٹھان کے بارے میں خوب عقلی گدّے اڑائے۔ بعض نے کہا کہ افغانستان میں بسنے والی قوم پٹھان اس وجہ سے کہلائی کہ وہ سب سے پہلے ہندوستان کے شہر پاٹن یا پٹنہ میں آکر آباد ہوئی۔ "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" کی مثل اس قول پر صادق آتی ہے۔ اوّل تو پٹھان پٹنہ کی طرف بہت ہی حال کے زمانہ میں آئے۔ اور پھر یہ خیال کہ وہ درمیانی مقامات کو چھوڑ کر پٹنہ میں آئے، سراسر لغو ہے۔ کیا افغانستان کے کل پٹھان پٹنہ میں چلے آئے۔ اگر چند ہزار نفوس بھی چلے آئے ہوں تو جو لوگ افغانستان میں رہ گئے وہ پٹھان کیوں کہلائے۔ بعض نے قیاس کیا کہ یہ قوم پٹھان اس وجہ سے کہلائی کہ ان کے مورث اعلیٰ قیس عبدالرشید کا ایک بیٹا پٹن تھا۔ مگر ان حضرات نے یہ نہ سوچا کہ قیس سے پہلے بھی پٹھان یہاں رہتے تھے اور پٹن کی اولاد پٹنی کہلائی جو آج تک دونوں ملکوں کی سرحد کے آس پاس موجود ہے۔ پھر ایک تیسرے گروہ نے یہ گل کھلایا کہ اس قوم کے مورث حضرت خالد بن ولید (مشرف باسلام سنہ ھ) اسلام سے مشرف ہونے کے بعد غزوات میں بہادری اور جاں نثاری دکھانے کی وجہ سے حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتّان کا خطاب دیا۔ عربی زبان میں بتّان جہاز کے سب سے نیچے کے پیندے کو کہتے ہیں۔ ہندی کا پیندا، انگریزی کا باٹم اور عربی کا بتّان ایک ہی نسل سے ہیں۔

کیا خوب! ملک پکھتا میں بسنے والے پٹھان تو حضرت رسول خدا (روحی فداہ) سے بہت قبل آباد تھے۔ راقم الحروف کے نزدیک لفظ پٹھان پکھتا سے نکلا ہے اور اس کے یاد رکھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

اب رہا لفظ افغان اس کی وجہ تسمیہ بھی سُن لیجئے۔ اس کے بارہ میں بھی علم الاقوام کے ماہرین نے بال کی کھال نکالنے کی کوشش کی ہے۔ پوری بحث کے واسطے ایک دفتر چاہیئے۔ ہم مختصراً عرض کریں گے۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ افغانوں کا مورثِ اعلیٰ ساؤل طالوت یہودی تھا جو نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی نسل سے تھا۔ اسی یہودا کی اولاد یہودی کہلائی۔ آج سے تخمیناً تین ہزار سال قبل ایشیا کے ملک بابل کے زبردست اور ظالم بادشاہ نے یہودیوں کا ملک فلسطین فتح کیا۔ اور وہاں سے یہودیوں کو نکالا۔ انہیں آوارہ وطن لوگوں میں ملک ساؤل طالوت کا پوتا افغان نامی تھا۔ یہ بدقسمت لوگ بھاگ کر ادھر اُدھر جا بسے (جیسا کہ آج کل بھی ہو رہا ہے) افغان یہودی مع اپنے خاندان اور قبیلے کے شام، عراق اور ایران کے ملکوں میں ہوتا ہوا بابل سے دور ملک پختونخوا کے اس حصہ میں آ کر بسا جہاں کوہ سلیمان ہے۔ اس کی نسل کے افغانی تمام ملک میں پھیلے اور اس کی وجہ سے بعد میں یہ ملک افغانستان اور قوم افغان کہلائی۔ اس قول کے ماہرین اپنی تائید میں جو دلیلیں پیش کرتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ یہودیوں اور افغانوں کی شکل شباہت اور جسمانی ساخت ایک ہے۔ ان کی زبانوں کے بعض الفاظ مشترک مخرجوں سے نکلتے ہیں۔ دونوں قوموں کی بعض عادتیں اور خصلتیں ملتی جلتی ہیں۔ ایک دوسرا قول سنئے۔ نبی حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا یا پوتا ارمیہ تھا۔ اسی کا دوسرا نام ساؤل طالوت تھا۔ اسی کی نسل کوہ قاف کے ملک میں آباد ہوئی اور اس کی وجہ سے دنیا کا یہ حصہ آج تک آرمینیہ کہلاتا ہے۔ اسی نسل کے کچھ لوگ مردم شماری اور آبادی بڑھنے کی وجہ سے اپنی روزی اور جائے رہائش کی تلاش میں پختونخوا میں پہنچے۔ اور یہ ملک کا نام افغانستان اس وجہ سے پڑا کہ اس قوم کے لوگ اپنے سرداروں کو اغوانج کہتے تھے جس سے اغوان اور پھر افغان ہوا۔ چنانچہ آج تک ہندوستان میں بعض جگہ اور بعض لوگ پٹھانوں کو اغوان کہتے ہیں۔ ہندوستان میں رہتے رہتے اور زمانہ گزرتے گزرتے مسلمانوں کی ایک علیحدہ قوم اغوان بن گئی جو اب زراعت پیشہ ہیں۔ چنانچہ صوبہ ہند کے ضلع دادا آباد میں دریائے رام گنگا کے قریب ایک موضع اغوان پور آج تک موجود ہے۔ یہ قوم اس ضلع کے دیگر دیہاتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اب ایک تیسرا قول پیش کیا جاتا ہے۔ یونانی زبان میں افغان کی نسل اوغان کہلائی۔ اسی نسل کے کچھ لوگ یونان کے ملک البانیہ میں

(جو اب یونان سے علیحدہ مگر اس سے ملحق واقع ہے) جا رہے ہے۔ مورخین کے اس گروہ کا خیال ہے کہ یہ اوغان سکندر اعظم کے ساتھ افغانستان میں آئے اور اس کی واپسی کے بعد ان میں سے کچھ یہیں رہ پڑے۔ ایک چوتھا قول اور بھی ہے جس سے لفظ افغانستان کی وجہ تسمیہ پر تو روشنی نہیں پڑتی البتہ ان کی نسل سے اس کا تعلق ہے یہ گروہ افغانوں کے جد پدری کا نکاس ضحاک کا تازی سے بتاتا ہے جس کو عرب میں قیس کہتے تھے اور جو قبیلہ بنو عامر کا سردار تھا۔ اس کا زمانہ اور نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا زمانہ ایک کہا جاتا ہے۔ اسی سے ایران کے شہر ہمدان کی بنا ڈالنے کو منسوب کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی نسل کے کچھ لوگ اپنے وطن سے مشرق کی طرف کوہ سلیمان کے جوار میں آباد ہوئے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ قیس تھا۔ مگر اس نام کے ساتھ عبدالرشید لگا ہوا ہے۔ نہ معلوم کہ یہ اسلام کے زمانہ کا ہے یا یہودیوں میں بھی یہ نام رائج تھا۔ الغرض "جتنے منہ اتنی باتیں"۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ان اقوال میں اوّل الذکر یعنی اس قوم کا افغان نامی سردار کی اولاد ہونا سیدھا سادھا اور قابل قیاس قول معلوم ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر مقامات سردار قبیلہ کے نام سے دنیا میں مشہور ہوتے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں' مثلاً چین، روس۔ آرمینیہ، شام، قسطنطنیہ وغیرہ۔ یہ بڑی دلیل اس امر کی ہے کہ یہ پہاڑی ملک افغان کی اولاد کی وجہ سے افغانستان کہلایا۔ اور اس اولاد کو پکھتا کی وجہ سے کسی نے پٹھان کہا اور کسی نے افغان سہ

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

افغانیوں کا اسلام سے مشرف ہونا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افغانی مذہب اسلام سے کب اور کیونکر مشرف ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اوائل اسلام کے مشہور فوجی قائد حضرت خالد بن ولید (جو یہودی النسل سے تھے) مجتب حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے تو انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو ملک غور اور کوہ سلیمان کے جوار سے بلایا۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ قوم ان کے ساتھ غزوات اور لڑائیوں میں شریک رہی۔ اور مسلمان ہونے کے بعد ان کے سردار قیس کا نام عبدالرشید رکھا گیا۔ بعض مورخین کے نزدیک قیس عبدالرشید اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان چھ سو تین پشتوں کا فرق تھا۔ اگر تاریخی اصول کے مطابق ایک پشت تیس سال کی مانی جائے تو دونوں کے درمیان کل اٹھارہ ہزار نوے برس ہوتے ہیں۔ چونکہ اس مدت کے بارے میں کوئی مستند تاریخی مسالہ موجود نہیں ہے اس لئے یہ بیان قیاس آرائی سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ اسلام کو رائج ہوئے قریب پونے چودہ سو برس کے ہوئے اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے قبل یہ قوم یا تو یہودی مذہب رکھتی تھی یا اوروں کی طرح سے بت پرست وغیرہ تھی۔ افغانستان میں آجکل بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو وہاں کے اصلی باشندے نہیں بلکہ ان کے اسلاف باہر کے ملکوں سے آکر بسے۔ مثلاً ترک، تاجیک، قزلباش، سادات وغیرہ۔ ان کے علاوہ اس ملک کے اس حصہ میں جو کافرستان کہلاتا ہے غیر مذہب کے لوگ بھی موجود ہیں۔ چونکہ یہ لوگ افغانستان کے ملک میں رہتے ہیں، افغانی کہلاتے ہیں مگر عموماً پٹھان نہیں کہلاتے۔ اسی فرق سے ظاہر ہے کہ پٹھان پکھتا یا پختونا میں ایک عرصہ سے آباد تھے۔ آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل وہ بدھ مت کے پیرو بھی رہے ہیں جس کے تاریخی ثبوت موجود ہیں۔ القصہ اس قدر تمہید کے بعد اب ہمارے مضمون کا سلسلہ قیس عبدالرشید سے چلتا ہے۔ قیس عبدالرشید کے تین بیٹے ہوئے۔ یعنی

قیس عبدالرشید کی اولاد

(۱) سڑبن عرف ابراہیم (۲) بٹن عرف شیخ بیت۔ (۳) غورغشت۔ جملہ قبیلوں کے پٹھانوں کا نکاس انہی تینوں میں سے کسی ایک سے ہے۔ پشتو زبان میں بٹن کے معنی پارسا کے ہیں۔ اسی وجہ سے بٹن کو شیخ بیت بھی کہتے ہیں۔

ان اولاد کے قبیلوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے۔ ہر ایک خیل اپنے سردار

کے نام سے مشہور ہوا۔ ان سب کے حالات ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہیں۔ ہم صرف اس شاخ پر روشنی ڈالیں گے جس سے قبیلہ شروانی نکلا۔ بٹن کی اولاد میں ایک لڑکی بی بی متو تھی۔ ان کا تعلق علاقہ غور کے ایک ممتاز سید شاہ حسین غوری سے ہو گیا۔ شاہ حسین غوری بن شاہ علی معز الدین بن سلطان بہرام گور بن ملک غوری آخرالذکر اور حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا زمانہ ایک بتایا جاتا ہے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵-۸۶ھ) کے زمانہ میں سید شاہ حسین غوری کسی وجہ سے غور سے نکل کر کوہ سلیمان کے جوار میں بٹن ابن قیس عبدالرشید کے یہاں آ رہے تھے۔ اس رہائش سے یہ گل کھلا کہ شاہ حسین غوری اور بی بی متو سے قبل نکاح ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جو غلزی کہلایا۔ یعنی چور کی اولاد۔ جب یہ راز کھلا تو بٹن کو فکر پیدا ہوئی۔ اس نے سید شاہ حسین غوری کے حسب نسب کے بارے میں تحقیقات کرائی اور بی بی متو کا نکاح حسین غوری سے کر دیا۔ اس نکاح کے بعد سید حسین غوری اور بی بی متو کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ یعنی لودی بہ معنی کلاں و سروانی۔ اس حسب نسب کے بارہ میں مورخین میں جو اختلاف ہے اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ بعض کا قول ہے کہ بٹن نے جس شخص کو شاہ حسین غوری کے خاندان کے متعلق تحقیقات کرنے کے واسطے ملک غور میں بھیجا اس کا نام کاغ دوڑ تھا۔ اس کاغ دوڑ کی ایک بیٹی ہی تھی۔

شروانیوں کے مورث اعلیٰ

شاہ حسین غوری نے ہی سے بھی نکاح کر لیا اور اس سے دو بیٹے لودی اور سروانی پیدا ہوئے۔ حافظ رحمت خاں روہیلہ مرحوم نے بھی اپنی کتاب خلاصۃ الانساب میں اس امر پر روشنی ڈالی ہے مگر ہم ان کے بیان کو مخزن افاغنہ کے مصنف خواجہ نعمت اللہ کے بیان پر اس وجہ سے ترجیح نہیں دے سکتے کہ مخزن افاغنہ کتاب خلاصۃ الانساب سے بہت پہلے تصنیف ہوئی۔ اور حافظ رحمت خاں کا زمانہ حال میں تھا۔ حافظ صاحب نے کسی سند کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ امر متفقہ ہے کہ سید حسین غوری لودی اور سروانی کے باپ تھے لودیوں اور سروانیوں کا کاغ دوڑ کی بیٹی ہی کی اولاد

ہونا اس وجہ سے بھی غلط معلوم ہوتا ہے کہ لودی اور سروانی افغانستان میں کہیں کہیں ماتی کہلائے۔ سید شاہ حسین غوری کی اولاد ہونے کے لحاظ سے لودی اور سروانی دونوں سید ہیں۔ مگر مورخین نے ان کا شمار پٹھانوں میں اس وجہ سے کیا کہ دونوں نے بٹن کی اولاد کے ساتھ پٹھان کے گھر میں پرورش پائی اور ان کی ماں یعنی متو بھی پٹھان کی اولاد سے تھی۔ افغانستان میں ایسے قبیلے آج تک موجود ہیں جن کے باپ دراصل پٹھان نہ تھے مگر ان کا شمار کسی نہ کسی وجہ سے پٹھانوں میں کیا گیا۔ جیسے خٹک، اورکزئی کررانی وغیرہ۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ قیس عبدالرشید اور سید شاہ حسین غوری دونوں کا نسلی سلسلہ ضحاک تازی تک پہونچتا ہے۔ لفظ سڑوانی کو بعض مورخین نے دیگر قبیلوں کے نام سے مخلوط کردیا۔ مثلاً سڑبینی، شیرانی اور سروانیوں کے تاریخی واقعات کو مخلوط کرکے غلط بیانات اپنی کتابوں میں درج کردیئے۔ بعض نے خیال کیا کہ یہ قوم شیروانی اس وجہ سے کہلاتی کہ اس کے اسلاف ملک ایران کے شہر شیروان سے آئے تھے جو کہ مشہور شاعر خاقانی کا وطن تھا۔ بعض نے کہا کہ اس قوم کے مورث سرحدی ریاست ہائے باجوڑ یا سوات کے قریہ شیروان کے رہنے والے تھے۔
یہ دونوں قیاس آرائیاں بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ اس قبیلہ کا نام شیروانی نہیں ہے بلکہ صحیح لفظ اپنے مورث کے نام کی وجہ سے سڑوانی ہے کثرت استعمال سے سروانی ہوگیا۔ شیروانی بعض کی ناواقفیت کی وجہ سے استعمال ہونے لگا۔ صوبہ ہذا کے ضلع فرخ آباد کے قصبہ شمس آباد میں آج تک ایک محلہ (جس میں اس خیل کے لوگ رہتے ہیں) سروانی ٹولہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح ضلع مین پوری کے قصبات رابڑی اور باڑہم میں بھی سروانیوں کے نام سے سروانی ٹولہ محلے تھے۔ بعض تواریخ نے بھی سروانی لکھا ہے انہ کہ شروانی یا شیروانی۔

قوم بٹنی

القصہ بٹنی کی اولاد ذکور بہت بڑھی اور بٹنی کہلائی۔ لوگوں نے اس کو بھی بگاڑ کر بھٹنی کردیا۔ یعنی ہائے مخلوط کا اضافہ کردیا۔ اس خیل کے لوگ علاقہ وزیرستان میں آج تک آباد ہیں۔ آئے دن لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔

خال خال ہندوستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ضلع ایٹہ کے قصبہ سہاور کے پٹھان بٹنی ہیں۔ نگران سے اور اضلاع علی گڑھ اور ایٹہ کے شروانیوں سے شادی بیاہ کے تعلقات ہیں۔ اس شجرہ کے لحاظ سے بٹنی سروانیوں کے ماموں ہوئے۔ لودی کی اولاد میں سوری، نیازی اور لوحانی بھی ہوئے۔ لودی اور سروانی کی اولاد میں ان خیلوں کے افراد نے آگے چل کر ہندوستان کی تاریخ پر بڑا اثر ڈالا (جیسا کہ ہم آئندہ عرض کریں گے) لودی کی اولاد میں بہت سے خیل مشہور ہوئے۔

قبیلہ سروانی کے خیل

بہ خلاف اس کے سروانی کی اولاد کے خیل غیر معروف رہے بلکہ سب زیادہ تر سروانی ہی کے نام سے پکارے گئے۔ یہاں بھی حافظ رحمت خاں مرحوم روہیلہ نے دیگر مورخین کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ بقول حافظ صاحب کے سروانیوں میں کوئی اور خیل نہ تھے۔ یہ رائے بھی غلط ہے۔ خود سروانی قوم کے اکبری عہد کے مورخ اور راقم الحروف کے ہم نام عباس سروانی نے (جو شیر شاہ کی تاریخ شیر شاہی عرف تحفہ اکبر شاہی کا مصنف تھا) بتایا ہے کہ سروانیوں میں دو خیل بہت مشہور ہوئے یعنی گگبور اور اجا خیل۔ اس کی تائید بعد کے مورخ خواجہ نعمت اللہ (مخزن افاغنہ) سے اور دیگر مورخین سے بھی ہوتی ہے۔ گگبور نامی پٹھان کا شجرہ یہ ہے کہ گگبور بن سوری بن سٹریال بن سروانی۔ اور اجا خیل کا شجرہ یہ ہے: اجا خیل بن یوسف بن یونس بن ابو الفرح بن سانی بن سروانی۔ گگبور کی اولاد میں کئی ایک اولیاء کرام گزرے ہیں۔ مثلاً: شیخ ملیح قتال بن سلیمان دانا بن شیخ جوان مرد۔ شیخ احمد زندہ پیر بھی حضرت شیخ ملیح قتال کی اولاد میں تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بقول مخزن افاغنہ کے سروانیوں میں ۱۰۵ خیل تھے۔ تاریخ خورشید جہاں نے ان کے ۵۲ خیل بتائے ہیں۔ حافظ رحمت خاں مرحوم کے قول کی بنا یہ معلوم ہوتی ہے کہ سروانیوں کے مشہور سرداروں نے اپنے ناموں کے ساتھ لفظ سروانی یا دہ خیل نہ لکھا جو سروانی کی اولاد میں سے ان سے تعلق رکھتا تھا۔ جو بمقابلہ دیگر خاندانوں کے

سروانیوں کا خاندان کمزور اور چھوٹا تھا۔ تجارت پر ان کی گزر بسر تھی۔

شروانیوں کا وطن افغانستان میں کہاں تھا؟

بقول تاریخ خورشید جہاں شہاب الدین محمد بن سام غوری فاتح ہند کے زمانہ میں (یعنی بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں) افغانستان کے جنوبی مغربی گوشہ میں اور کوہ سلیمان کے دامن میں ایک چھوٹی سی ندی ڈرابن کے کنارے سروانی آباد تھے۔ اسی ندی کے نام پر ان کی بستی درابن یا ڈرابند کہلاتی تھی۔ اور لوحانیوں سے متصل تھی جو لودیوں کی ایک شاخ ہیں۔ یہ بستی غزنی ضلع سے جنوب مغرب میں اس ملک میں واقع تھی جو ۳۲ درجے عرض البلد شمالی اور . . . درجے طول البلد مشرقی کے درمیان واقع ہے۔ سروانی کے بیٹے مت پال کی . . . میں ایک بزرگ حضرت شیخ بلیح قتال بھی یہیں رہتے تھے۔ انہوں نے سروانیوں کی بڑھتی اور گھنی آبادی کی وجہ سے ایک نئی بستی اسی نام سے ڈرابند کے جوار میں بسائی۔ آج نصف صدی سے کچھ زائد عرصہ گزرا کہ یہ بستی موجود تھی . . . اس میں اس قبیلہ کے چند نفوس اپنے اسلاف کے نام لیوا رہ گئے تھے۔ اب معلوم نہیں کیا حال ہے۔ ان میں سے بہت سے سروانی تو بہلول لودی کے عہد میں ہندوستان میں چلے آئے (جیسا کہ ہم آگے چل کر دکھائیں گے) کہا جاتا ہے کہ مغل پادشاہ ہمایوں کے زمانہ میں (یعنی ۱۵۳۰ء اور ۱۵۵۶ء کے درمیان) اس موقع کے سروانیوں اور ان کے پڑوسی سوریوں میں اس بات پر لڑائی ہوئی کہ قریہ روہڑی کے سوریوں کی ایک عورت بھاگ کر سروانیوں میں پناہ گزیں ہوئی۔ سوریوں نے اس کو واپس مانگا۔ مگر سروانیوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ بھلا پٹھان اس بات کی کہاں تاب لا سکتا تھا۔ دونوں قبیلوں میں تلواریں کھنچ گئیں۔ یہ لڑائی ڈرابن کے مغرب میں میدان زنگل میں ہوئی۔ قسمت نے فیصلہ سروانیوں کے خلاف کیا۔ . . . میں بہت سے کام آئے۔ اس کے بعد وہاں کے سروانیوں کو کچھ چین ملا تھا کہ ہلاکت کا پہنچا . . . دیا۔

میاں خیل، لوحانیوں اور بختیاریوں نے کسی بات پر ناراض ہوکر سروانیوں پر حملہ کردیا۔ جس میں بہت سے سروانی کام آئے اور یہ بیچارے بے بال و پر رہ گئے۔ ان حادثات اور ترک وطن کا یہ نتیجہ ہوا کہ انیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک سروانی قبیلہ کے لوگ خال خال افغانستان میں رہ گئے۔ کچھ غزنین اور قندھار کے جوار میں جا بسے جہاں وہ اب تک موجود ہیں۔ کچھ ہندوستان کے مختلف حصوں میں آپڑے۔ البتہ ہندوستان میں ان کی آبادی بڑھ گئی۔ افغانستان میں لودیوں کے ساتھ کہیں کہیں وہ ماتی یعنی بی بی متو کی اولاد کہلائے جانے لگے اور لوگ سنگبور اور اچاخیل سٹرپال وغیرہ کے نام بھول گئے۔ دنیا میں ہمیشہ سے یہی عزل ونصب ہوتا رہا ہے ہمارے ہندوستان میں بھی یہی دل دکھانے والا تماشا دیکھنے میں آرہا ہے جس کی وجہ سے اعزا ایک دوسرے سے علیحدہ اور منتشر ہورہے ہیں۔ اور ان کا وطن ہی نہیں چھوٹ رہا بلکہ پھکے چھوٹ رہے ہیں۔ مگر انسان کو خدائے تعالٰی کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ ؎

زرنج و راحتِ گیتی مشو غمگین و فرحاں دل — کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

ہم کہاں سے کہاں پہونچے۔

شروانی ہندوستان میں کب اور کہاں سے آئے؟

القصہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سروانی ہندوستان میں کب اور کیوں آکر رہے؟ اس مسئلہ پر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ ہندوستان میں پٹھانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ عام طور پر تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں خلفائے بنو امیہ کے زمانہ میں قاسم ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے ملک سندھ پر حملہ کرکے اس گوشہ میں مسلمانوں کی سب سے پہلی حکومت یہاں قائم کی۔ وہ بلوچستان کے صوبہ جات سیستان اور مکران میں ہوکر آئے تھے۔ اور ان کے قدم جمتے ہی پٹھانوں

کو اس ملک سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اس کی زرخیزی اور آب و ہوا کا مزہ چکھنا
شروع کردیا۔ مگر اس امر کا کوئی تاریخی ثبوت ہم کو نہیں مل سکا کہ ان پٹھانوں میں کا
کون خیل تھے۔ وہ مستقل طور پر یہاں آکر رہے یا واپس چلے گئے۔ نہ وہ ابھی تک
سندھ سے آگے بڑھے۔

اس زمانہ کے تقریباً ڈھائی سو سال بعد جب غزنین کے سلطان سبکتگین
اور اس کے مشہور بیٹے محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملے کئے تو وہ اپنی
فوج میں دیگر مسلمان اقوام کے ساتھ پٹھانوں کو بھی لائے اور ان کے لئے
ہندوستان جیسے زرخیز ملک کے راستے کھول دیئے[1]۔ اب افغانستان
کے چٹیل پہاڑوں۔ اور بھیڑ بکریوں کی تجارت پر گذر بسر کرنے کے مقابلہ میں
ہندوستان کی دولت اور نرم آب و ہوا نے ان کی آنکھیں کھولیں۔ قدیم گنبذ
کے عروج کے بعد اور یہاں سے باہر کے حملہ آوروں کے چلے جانے کے بعد
افغانستان اور ہندوستان کو ایک دوسرے سے کچھ بے خبری ہو گئی تھی وہ
دور ہوئی اور کچھ دن کے لئے ان افغانیوں کے واسطے ہندوستان گھر آنگن
بن گیا۔ تاریخ فرشتہ نے ان پٹھان سرداروں کے نام بتائے ہیں جو غزنوی
فوج کے ساتھ ہندوستان میں آئے اگرچہ ان کے خیل اور قبیلوں کے نام درج
نہیں کئے۔ تاریخ فرشتہ کے انگریزی زبان میں مترجم ڈورن نے انگریزی ترجمہ
کے حاشیہ پر مستشرق اور محقق ڈینیسی ہارٹ کے ایک مضمون کا حوالہ دیا ہے
جو رسالہ ایشیاٹک ریسرچیز ASIATIC RESEARCHES میں شائع ہوا۔ اس مضمون
میں ڈینیسی ہارٹ نے بتایا ہے کہ آخر زمانہ میں محمود غزنوی کی فوج میں زیادہ تر پٹھان
ہی ملازم تھے۔ اور محمود غزنوی نے پٹھانوں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے
تھے[2]۔ غزنین سے چل کر شمالی ہندوستان میں پہونچنے کے جو راستے تھے ان پر

---

[1] - تاریخ فرشتہ داستان ترکستان ہند۔ [2] - ڈورن ڈینیسی ہارٹ

سروانیوں کی بستیاں بھی آجاتی ہیں۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ محمود غزنوی کی فوج میں سروانی افراد بھی شریک رہے ہوں گے۔ غزنوی خاندان کی مستقل حکومت لاہور سے آگے نہیں بڑھی۔ اور اس کے خاتمہ کے بعد کچھ دن کے لئے ہندوستان سے مسلمانوں کا مستقل تعلق جاتا رہا۔ بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں غزنویوں کے جانشین سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری نے سیاسی وجوہ اور ملک کے مفاد کی بنا پر قندھار سے لے کر پنجاب کے شہر ملتان تک پٹھانوں کو بسایا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے جانشین قطب الدین ایبک کے زمانہ میں (یعنی بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں) دو افغان سرداروں کے نام ہم کو تاریخ میں اس کی فوج کے سلسلہ میں ملتے ہیں۔ یعنی جان عالم ماتی اور قادر داد ماتی جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے یہ دونوں یا تو لودی تھے یا سروانی کیونکہ صرف ان ہی دو قبیلوں کو ماتی کہا جاتا ہے۔ بقول تاج الماثر[1] اور دیگر[2] تواریخ[3] کے قطب الدین ایبک نے سنہ ۱۱۹۴ء میں کول (موجودہ علی گڑھ) کا مضبوط قلعہ (جس میں دولت بھری پڑی تھی) فتح کیا۔ اس زمانہ میں یہاں برن (موجودہ بلند شہر) رشتہ دار اور ڈور راجپوت راجہ چندر سین کی حکومت تھی۔ اب پٹھانوں نے دوآبہ کا ملک اور راستہ بھی دیکھ لیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی کے وسط (یعنی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں) کچھ پٹھان اس کی فوج میں ملازم تھے اور کچھ تجارت کے سلسلہ میں ہندوستان میں آتے جاتے تھے۔[4] جنرل کننگھم نے اپنی کتاب آرکیولوجیکل سروے رپورٹ کے جلد ۱۱ صفحہ ۲ پر تاریخ فرشتہ کے اس بیان کا حوالہ دیا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن (سنہ ۶۶۴ھ لغایتہ سنہ ۶۸۶ھ) کے عہد میں صوبہ بدایوں کا گورنر یا حاکم ملک فیض سروانی تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی آب و ہوا۔ یہاں کے عیش و عشرت اور حکومت کے نشہ نے مسلمان سرداروں کے دماغ بدل دیئے۔ غیاث الدین بلبن اپنے عدل میں مشہور تھا۔ جب وہ دورہ میں بدایوں پہونچا تو ایک فراش کی بیوہ نے اس کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ گورنر ملک فیض نے شراب سے مخمور ہو کر اس کے خاوند کو قتل کرا دیا۔ اس پر غیاث الدین بلبن نے ملک فیض سے قصاص لیا اور اس کو قتل کرا دیا۔ حکومت میں پٹھانوں کی اس شرکت اور دخل کا سلسلہ تھوڑا

سلہ[1] تاج الماثر سلہ[2] طبقات ناصری سلہ[3] خورشید جہاں سلہ[4] طبقات ناصری

بہت برابر جاری رہا۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے عہد میں بھی (٧٢٥ھ سے ٧٥١ھ تک) بیں اس کی طرف سے پٹھان افسر چھوٹے چھوٹے عہدوں پر تعینات تھے۔ اس کے جانشین سلطان فیروز شاہ تغلق[1] نے اپنے عہد میں (٧٥٢ھ سے ٧٩٠ھ تک) پٹھان سرداروں کو بڑھایا۔ ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ان میں خان جہان لودی، بہرام خاں ماتی، ملک ... سروانی اور ملک بیر افغان مشہور تھے۔

چونکہ مورخ نے لودی اور ماتی میں فرق کیا ہے اس لئے تعجب نہیں بہرام خاں بھی ... قبیلہ کے ہوں۔ ملک قبول[2] سروانی کے نام سے بدایوں میں آج تک ایک محلہ قبول پورہ ان کی یاد دلا رہا ہے۔ اور بدایوں میں آج تک دو چار گھرانے سروانیوں کے ہیں۔ لودی قبیلہ کے تو کئی خاندان موجود ہیں۔ اس زمانہ میں شمالی ہندوستان میں سربرآوردہ پٹھان خاندانوں کی موجودگی کا ایک ثبوت تحریری ہم کو اور ملا۔ محمود شاہ تغلق کے عہد میں جبکہ خاندان تغلق کا چراغ ٹمٹما رہا تھا آخر وقت تھا یعنی جون ١٣٩٠ء میں داؤد خاں افغان نے پنجاب کے قصبہ ... میں ایک ... تعمیر کرائی جس پر راقم الحروف نے یہ کتبہ[3] دیکھا۔ "بنا کرد این مسجد خان اعظم برگزیدہ ... داؤد خاں بن .... مرحوم مغفور ملک الشرق علاء الدولہ والدین ملک میاں ..... افغان .... الخامس والعشرین الرمضان سنہ تسع تسعین ٧٩٩" یہ کتبہ شکستہ حالت میں ہے اور کہیں کہیں نام پڑھنے میں نہیں آتے۔ داؤد خاں کے نام کے ساتھ جو درج نہیں ملک الشرق کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدولہ کا تعلق ہندوستان کے مشرقی صوبوں سے بھی تھا۔ یہ افغان غالباً لودی یا سروانی ہوں گے کیونکہ ان کی آمد و رفت اس زمانہ میں شروع ہو گئی تھی۔ راقم الحروف کو اسی رو ہتک میں ایک کتبہ اس کے کچھ زمانہ بعد کا ایسا ملا جس سے معلوم ہوا کہ سروانی خاندان بھی یہاں آباد تھے۔ اس کا ذکر مناسب موقعہ پر آگے آئے گا۔ تغلق خاندان کے آخر اور زوال کے زمانہ میں تیمور لنگ نے ہندوستان پر حملہ کیا اس کی فوج میں لودی اور سروانی سرداران بھی موجود تھے۔ سروانیوں کا سردار ملک[4] یوسف سروانی تھا۔ ...

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی جلد ٢ ص ١٣١ [4] مخزن افاغنہ

[2] تاریخ فرشتہ کشف الحجاب

[3] امپیریل گزیٹیئر

کے رواج کے خلاف سرداران قبیلہ اپنی اعزا اور برادری کا خیال کرتے تھے ان پہ بھروسا کرتے تھے اور ان کی امداد مدنظر ہوتی تھی۔ سرداران قبیلہ کے ذریعہ سے ہی فوج بھرتی کی جاتی تھی۔ مخزن افاغنہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حملہ کے سلسلہ میں سروانیوں نے دوآبہ گنگا جمنا میں کول جلالی تک دھاوا بولا اور اس طریقہ سے ملک کے اس حصہ کے راستے دیکھ لئے جہاں بعد کو سروانی قبیلہ آکر بسا۔ اگرچہ اس موقع پر انہوں نے ان اطراف میں مستقل سکونت اختیار نہیں کی مگر بقول شخصے "فرشتوں نے گھر تو دیکھ لیا"۔ جب تغلق خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور شمالی ہندوستان کی سیاسی بساط پر فلک نے نئی چال چل کر خاندان سادات کے مہروں کو آگے بڑھایا۱؎ تو پٹھان پیادوں نے ہاتھ پیر نکالے اور سادات کو شہ مات دیا۔ آگے بڑھ کر ان کے اقبال کا ستارہ بہت بلند ہوا۔ اور بلند ہو کر اس قدر چمکا کہ بدر کامل ہو گیا۔ خاندان سادات کے عہد میں پٹھانوں نے حکومت کے خواب دیکھنا شروع کئے۔ اور ان خوابوں کی تعبیر ان کے حق میں مفید نکلی پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں کچھ تازہ وارد ملک روہ افغانستان سے آکر ملتان میں بسے اور پھر انہوں نے دہلی کی طرف قدم بڑھائے۔

خاندان بہلول لودی کا ہندوستان میں آنا اور عروج

ان پٹھانوں میں ملک بہرام لودی کے بیٹے سلطان شاہ لودی کالا لودی اور ملک فیروز ملک محمد اور ملک خواجہ بھی شامل تھے ملک سلطان شاہ لودی نے دہلی کے بادشاہ سید خضر خاں کی ملازمت اختیار کر لی سنہ ۸۲۰ھ میں سرہند (حال ریاست پٹیالہ) کا عامل مقرر ہوا۔ اور بادشاہ دہلی نے اس کو اسلام خاں کا خطاب دیا۔ دولت خاں لودی کو گنگا جمنا کے دوآبہ میں شقدار (حاکم ضلع) مقرر کیا۔ یہ وہ مقامات ہیں جو آئندہ چل کر سروانی خاندانوں کے گھر بنے۔ سرہند ان کی جاگیر میں شامل ہوا۔ لودی سرداروں نے اپنے بنی اعمام سروانیوں کو بھی ان کے وطن سے بلایا اور کاموں پر لگایا۔ روزگار نے سروانیوں کی بھی روزی اتاری۔ سید خضر خاں کے جانشین سید مبارک شاہ کے عہد میں بھی پٹھانوں کا بول بالا رہا۔ ملک کالا لودی کا بیٹا بہلول لودی تھا، جو سلطان شاہ لودی کا داماد تھا یہ وہی بہلول لودی

۱؎ فرشتہ   آئین اکبری   خلاصۃ التواریخ

ہے جس کی قسمت کا آفتاب شمالی ہندوستان کی افق پر طلوع ہوا۔ اور آفتاب نصف النہار کی طرح عالم تاب ہوا۔ اس کے ہاتھوں خاندان سادات کا خاتمہ ہوا۔ اور دہلی میں خاندان لودی کی حکومت کی بنا پڑی۔ یہاں خاندان لودی یا اس کے بعد خاندان سوری کی تاریخ ہمارا مقصد نہیں مگر ان قبیلوں کا اور سروانیوں کا گہرا تعلق رہا ہے۔ اور دامن چولی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے ضمناً ان کا ذکر ضروری ہے۔ دہلی کے بادشاہ سید بایک شاہ نے بہلول لودی کی خداداد لیاقت اور بہادری دیکھکر اس کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا۔ اس بادشاہ کے جانشین علاؤ الدین عالم شاہ کی آرام و عیش طلبی کمزوری اور نالائقی نے خاندان سادات کی نہ محض چولیں ہلا دیں بلکہ ہمیشہ کے لئے اس کو ختم کر دیا۔ صوبوں کے عاملان قریب قریب خود مختار بن بیٹھے۔ بادشاہ نے دہلی کی سکونت چھوڑکر بدایوں میں رہنا اختیار کیا۔ وہیں اس نے انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوا۔ آج اس کا مزار کس مپرسی کی حالت میں "کل من علیہا فان" کا سبق سنا رہا ہے۔ جو لوگ خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی دولت اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا کفران کرتے ہیں وہ دولت اور نعمت ان سے جلد چھین لی جاتی ہے اور دوسروں کو عطا کر دی جاتی ہے۔ اس قانون قدرت سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ جونپور کے صوبہ دار ملک الشرق مدد جہاں نے وہاں خود مختار شرقی سلطنت کی بنا ڈالی۔ ادھر دہلی کے عامل حمید خاں نے اس راج دھانی پر قبضہ جمایا۔ بہلول لودی بھی دہلی کی تاک میں لگا ہوا مناسب موقع اور تدبیر کا منتظر تھا۔ زمانہ کی حالت سے فائدہ اٹھا کر بہلول لودی نے سیاسی چال چلی۔ تقدیر نے ایک ہاتھ اور تدبیر نے دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر مدد کی بہلول حمید خاں سے کھلم کھلا طور پر لڑنے اور اس کو بے دخل کرنے کے قابل نہ تھا۔ حمید خاں کی شامت اعمال ایک روز اسی نے بہلول لودی کو دہلی کے قلعہ میں کھانے کے واسطے مدعو کیا۔ بہلول نے سوچا کہ موقع اچھا ہے ہاتھ سے نہ جانے۔ پٹھان کی قوم دیوانہ بکار خویش ہشیار ہمیشہ رہی ہے۔ بہلول لودی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا دیا کہ میں جب قلعہ میں داخل ہو جاؤں تو تم قلعہ کے دروازہ پر شور مچانا کہ ہم میں اور بہلول میں کیا فرق ہے جو وہ اندر بلا لیا گیا۔ اور ہم دروازہ کے باہر روک دئیے گئے۔ جب تم بھی اندر بلا لئے جاؤ تو عجیب عجیب اور بدتمیزی کی حرکتیں کرنا اور میرے اشارہ پر چلنا پھر دیکھنا کہ تدبیر و تقدیر سے کیا باہم

آتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حمید خاں نے بہلول کے کہنے سے باہر والے پٹھانوں کو بھی اندر بلا لیا۔ اور اپنے ہاتھوں اپنے پیر میں کلہاڑی ماری۔ جب عطردان ان بظاہر جاہل مگر بباطن ہوشیار پٹھانوں کے سامنے لایا گیا تو بعض نے عطر پی لیا۔ کچھ نے فرمائش کی کہ یہ خوبصورت قالین ہم کو دیدیا جائے۔ اس کو کاٹ کر ہم اپنے کپڑے بنائیں گے۔ حمید خاں کو اس قسم کی حرکتوں سے اچنبا ہوا اور اس نے بہلول سے دریافت کیا کہ یہ کس قسم کے جنگلی لوگ ہیں جو یہ وحشیانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ بہلول نے جواب دیا کہ سیدھے سادھے بیوقوف ہیں۔ جب حمید خاں ان کی طرف سے مطمئن اور بے خبر ہوا تو بہلول لودی کے اشارے پر آن کی آن میں اس کے چند ساتھیوں نے غافل حمید خاں کو گرفتار کر لیا۔ قلعہ میں کچھ شور و شغب ہوا۔ مگر بہلول اس کے لئے تیار تھا اس کو دبا دیا۔ اور حمید خاں کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ جب بدایوں نواسی سلطان علاء الدین عالم شاہ آخری تاجدار خاندان سادات نے یہ قصہ سنا تو غالباً پٹھانوں سے مرعوب ہو کر اور اپنی بے بسی کا عالم دیکھ کر اس نے بہلول لودی کو لکھا کہ تم میرے باپ کے برابر ہو تم شوق سے دہلی کی حکومت سنبھالو۔ میرے لئے بدایوں اور اس کے ملحقات کافی ہیں۔ اس پیام روح افزا نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔

حکومت بہلول لودی ۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء میں دہلی میں بہلول لودی نے اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ پٹھانوں کی عام طور پر اور خاص کر لودیوں اور سروانیوں کی قسمت جاگ اٹھی۔ دہلی کے قلعہ پر پٹھانوں کا جھنڈا لہرایا۔ دہلی سے لیکر شمالی پنجاب تک اور مغرب میں ملتان تک بہلول نے قدم جمائے اور سرکش و نیم سرکش قوموں کو زیر کرنے کی فکر میں لگا۔ ۸۵۶ھ میں بہلول لودی دیپال پور پنجاب کی مہم میں مشغول تھا۔ اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر جونپور کے سلطان محمود شرقی نے (جو دہلی اور شمالی ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا) دہلی پر حملہ کر دیا۔ بہلول لودی دہلی کے قلعہ میں اپنے خاندان اور چند وفادار اور بہادر لودی اور سروانی سرداروں کو چھوڑ گیا تھا۔

سکندر خاں سروانی انہی میں ایک سکندر خاں سروانی[۱] ممتاز سردار تھے۔ بہادری ان کی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ بڑے

۱؎ تاریخ داؤدی

قادر تیر چلانے والے تھے۔ یہ توپ و تفنگ کا زمانہ تو تھا نہیں۔ تیر کمان، نیزہ اور تلوار سے کام لیا جاتا تھا۔ سکندر خاں سروانی کا تیر گیارہ مشت کا ہوتا تھا۔ مگر وہ آٹھ سو قدم تک جاتا تھا۔ اور ارجن اور بھیم کی یاد تازہ کرتا تھا۔ اس پر سکندر خاں کا نام لکھا ہوتا تھا۔ اسی طرح قطب خاں لودی بھی تیر اندازی میں کامل تھے۔ ان دونوں نے قلعہ کی فصیلوں سے محمود شرقی کے ہاتھیوں اور محاصرہ کرنے والی فوج کو زخمی کر کے ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ اور محمود کی فوج کو پانی پہونچانے والے سقوں کی مشکوں کو تیروں سے چھلنی کر دیا۔ محاصرین میں ہل چل مچی اور محاصرہ طول کھینچا یہاں تک نوبت پہونچی کہ بہلول کو خبر پہونچ گئی۔ اور اس نے دہلی کا رخ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ ملک روہ کے پٹھانوں اور اپنے رشتہ داروں کو پیام بھیجا کہ تم غریب اور مفلس ہو اور ہندوستان کا ملک مالی اور زرخیز ہے۔ مجھے تمہاری امداد کی ضرورت ہے تم جلد یہاں چلے آؤ۔ اس پر سروانی اور لودی قبیلہ کے لوگ اور دیگر پٹھان ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑے۔ بہلول تیزی سے دہلی پہونچا۔ اور اس کے آنے کی خبر سنتے ہی محمود شرقی اور اس کی فوج وہاں سے کافور ہو گئی۔ لودیوں سے اور شرقیوں سے ایک عرصہ تک لڑائی جاری رہی۔ جو کچھ کچھ وقفہ کے بعد شروع ہو جاتی تھی۔ اور ٹھنڈی پڑ جاتی تھی اس کی تفصیل ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے۔ افغانستان سے آئے ہوئے تازہ واردین ان میں سے کچھ تو بہلول لودی کی ضرورت رفع ہونے کے بعد ہندوستان کی گرم آب و ہوا سے گھبرا کر اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ اور بہت سے یہاں رہ پڑے۔ انہوں نے اپنے اہل و عیال کو بھی بلا لیا ہوں کا سکندر خاں سروانی محمود شرقی کے حملے سے پہلے ہی دہلی میں موجود تھے اس سے ثابت ہے کہ ان کا خاندان شروع ہی سے ہندوستان میں چلا آیا تھا۔ وہ بہلول لودی کے دست راست تھے۔

عمر خاں شروانی اور اُن کا عروج

ان کے بیٹے عمر خاں سروانی نے (جن کا ذکر آگے آئے گا) بڑی ترقی کی۔ اس وقت پٹھان بادشاہ دہلی اور ممتاز پٹھان سرداروں کی زندگی سیدھی سادھی تھی۔ حکومت کے نشہ اور مالداری کے لوازمات نے

ل؎ مخزن افاغنہ شیر شاہی

ان کا دماغ خراب نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہندوستان کی آب و ہوا اور ماحول نے ان کو عیش و عشرت میں مبتلا (جس میں پڑ کر آئندہ مسلمانوں نے اپنی سلطنت کھوئی) ان کو مبتلا کیا تھا۔ بہلول لودی نے پٹھانوں کے ساتھ بھائیوں کا سا برتاؤ کیا۔ حاکم اور محکوم کا فرق نہ تھا۔ بادشاہ اور اس کے سرداران اس کے ساتھ دسترخوان پر کھاتے تھے۔ اپنی دانائی سے حکومت کی جڑ مضبوط کرنے کے لئے پٹھانوں کو جاگیریں عطا کیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ یہ حکم بھی جاری کیا کہ پٹھانوں میں جو خوش حال ہوں وہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرتے رہیں ورنہ ان کی جاگیریں ضبط کر لی جاویں گی۔ ان تدابیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت دہلی کے اندر پٹھانوں کی کثرت ہوتی جن میں سروانی قبیلہ بھی شامل تھا۔ اور غالباً اسی حکم کا نتیجہ تھا کہ سکندر خاں سروانی کے بیٹے عمر خاں نے اپنی جاگیر میں سے شیر خاں سوری کو اور اس کے باپ کو دیہات دیئے جس کی تفصیل آگے آئے گی اور اس طریق سے خاندان سوری کی حکومت کی بنا ڈالی۔ شروع شروع میں پٹھانوں کی اجنبیت اور ان کے طور و طریق سے لوگ گھبراتے تھے مگر رفتہ رفتہ وہ یہاں کے پہلے سے آئے ہوئے مسلمانوں اور رعایا میں گھل مل گئے۔ اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آیا جس سے پٹھانوں کے حال پر روشنی پڑتی ہے۔ نماز کے موقعہ پر خطبہ کے بعد ملا قاون پیش امام نے پٹھانوں کے بارے میں کہا کہ "نمے دانم ایں پیش رو دجال اند یا دجال در ایشاں باشد۔ زبان ایشاں این است: ماور رامور۔ برادر را رور۔ دایہ را شور۔ سیاہ را تور سے گویند"۔ یہ سن کر بادشاہ بہلول لودی ہنس پڑا۔ بادشاہ ابو المظفر بہلول لودی کے دربار میں ۳۴ بڑے امرا اور صلاح کار تھے۔ ان میں سکندر خاں شروانی کے بیٹے عمر خاں اور ایک دوسرے شروانی سردار میاں احمد خاں شروانی بھی شامل تھے جو بہلول لودی کے ساتھ بزم و رزم میں شریک رہتے تھے۔ عمر خاں شروانی اور بہلول لودی میں رشتہ داری بھی تھی۔ البتہ یہ بتانا مشکل ہے کہ شادی بیاہ کی وجہ سے یہ قرابت ہندوستان میں آنے کے بعد ہوئی یا ملک روہ میں بھی تھی۔ جب پٹھان ہندوستان اہل و عیال کو لائے تھے تو تھوڑی بہت عورتیں تو ضرور افغانستان سے آئی ہوں گی۔ کچھ یہاں پہلے سے موجود ہوں گی۔ اور کچھ تبدیل مذہب کے بعد یہاں کے اصلی باشندگان میں سے مناکحت میں آئی ہوں گی۔ یہ خیال محض قیاس پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ آج کل بھی دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ القصہ بہلول لودی نے تاتار خان لودی سے ناراض ہو کر لاہور کی نظامت[1] سے علیحدہ کیا۔ کیوں کہ تاتار خاں خالصہ کے

---

[1] تاریخ داؤدی

کچھ دیہات اپنی خودسری سے دبا لئے تھے۔ اور اس کی جگہ عمر خاں شروانی کو مقرر کیا۔ اب سروانیوں کا عروج شروع ہوا۔ احمد خاں بھٹی[۱] نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی تو عمر خاں سروانی اس کو دبانے کی غرض سے بھیجے گئے۔ اور وہ اس مہم میں کامیاب ہوئے۔ اور بادشاہ کے دربار سے خان اعظم کا خطاب[۲] پایا۔ ان کے ذاتی مصارف کے واسطے سرہند (حال ریاست پٹیالہ) شاہ آباد[۳] (حال ضلع کرنال پنجاب مشرقی) بھٹنور اور پایل پور (حال ریاست پٹیالہ) میں جاگیر عطا کی گئی۔ جاگیریں اس زمانہ میں اور مغلوں کے زمانہ میں بھی مستقل طور سے ایک ہی جاگیردار کے تصرف میں نہیں رہتی تھیں بلکہ فوجی اور انتظامی ضرورتوں کے لحاظ سے بدلتی رہتی تھیں۔ سرہند (جہاں حضرت احمد مجدد الف ثانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے) پیشتر سلطان شاہ لودی کی جاگیر میں رہ چکا تھا۔ اور ایک بڑا مقام سمجھا جاتا تھا۔ اسی زمانہ سے پنجاب نے سروانیوں کے واسطے قریب قریب ان کے اصلی وطن کی حیثیت اختیار کی۔ مگر پنجاب کی بود و باش میں جو عزل و نصب ہوئے اس کے حالات آگے آئیں گے۔ خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے کہ زمانہ کی رفتار سے مجبور ہو کر آج پھر شروانی اسی کی طرف مائل ہیں۔ الغرض کچھ تو بہلول لودی کی ہدایات اور کچھ حمایت اور مروت قومی کا نتیجہ عمر خاں شروانی نے اپنی پرگنہ شاہ آباد کی جاگیر میں سے چند گاؤں حسن خاں سوری کو دے دیئے جو فرید خاں عرف شیر خاں کا باپ تھا۔ اور فرید خاں وہی تھا جو آئندہ چلکر ہندوستان کا عظیم الشان اور مشہور بادشاہ شیر شاہ کے لقب سے بنا۔ اس کی تعلیم کے اخراجات کے واسطے بھی عمر خاں نے ایک موضع اپنی جاگیر میں سے دیا۔ اس طرح سے شروانی خاندان نے سوری خاندان کی حکومت کی بنا ڈالی۔ اسی وجہ سے شیر شاہ نے آگے چلکر احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔ اور شروانیوں کے ساتھ بڑے بڑے سلوک کئے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ طبقات اکبری نے عمر خاں شروانی کے بیٹے ابراہیم خاں کو بھی بہلول لودی کے امرا میں شمار کیا ہے۔ یہ بھی اپنے باپ کے اور بہلول کے بیٹے نظام خاں کے ساتھ (جو بعد کو سکندر لودی کے لقب سے دہلی کا بادشاہ ہوا) اس وقت تاتار خاں لودی کی بغاوت (جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے) فرو کرنے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خاں

---

[۱] فرشتہ [۲] [۳] شیر شاہی

شروانی کے بڑے بیٹے وہی تھے محمد خاں ان سے چھوٹے اور ہیبت خاں آخرالذکر سے چھوٹے تھے۔ اسی زمانہ میں سروانیوں کے قدم صوبہ ہذا کے ضلع مین پوری کے قصبہ راپڑی میں آئے جہاں جونپور کے حکمران حسین شاہ شرقی اور بہلول لودی سے جھڑپ ہوئی۔ اس قصبہ میں (جو زبان حال سے اپنی پرانی شوکت اور حال کی ویرانی کی داستان سنا رہا ہے) آج تک ایک محلہ سروانی ٹولہ کے نام سے موجود ہے۔ اگرچہ اب وہاں سروانی موجود نہیں ہیں اور اگر دو چار ہوں گے تو ان کو اپنے اسلاف کے حالات بھی معلوم نہ ہوں گے۔ اور وہ گمنامی کی حالت میں گذر بسر کر رہے ہوں گے۔ ایک پرانے احاطہ میں چند مزارات کی صورت میں ان کی یادگار رہ گئی ہے۔ بہلول لودی کے زمانہ میں ایک بزرگ حضرت صدر جہاں[1] ابن شیخ احمد زندہ پیر سروانی ملک روہ سے پنجاب میں آنکلے۔

حضرت صدر جہاں مالیری مورثِ ریاستِ مالیر کوٹلہ

یہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ متوفی ۶۶۶ھ کے پوتے حضرت رکن عالم ملتانی علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے اور ستلج پار اس خطہ میں قیام کیا جہاں اب ریاست مالیر کوٹلہ کا قصبہ مالیر ہے۔ جب بہلول لودی تک ان کے تقدس کی خبر پہونچی تو وہ ان سے ملاقی ہوا اور اس قدر معتقد ہوا کہ بہلول نے اپنی ایک لڑکی کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ اور اس علاقہ میں پانچ بڑے مواضعات اور چھ چھوٹے گاؤں جہیز کے طور پر ان کو دیئے۔ سابق ریاست مالیر کوٹلہ کے نوابین انھی حضرت صدر جہاں سروانی علیہ الرحمۃ کی اولاد میں تھے اور ہیں۔ اور انھی مواضعات سے ریاست مالیر کوٹلہ کی بنا پڑی۔ حضرت صدر جہاں کا انتقال ۱۵۱۵ء میں ہو گیا ان کی اولاد شاہی معافی اور سجادہ نشینی کی گدی پر قائم رہی۔ حضرت صدر جہاں سے چھٹی پشت میں نواب بایزخاں سروانی نے شہر کوٹلہ بسایا جو ریاست کا دارالحکومت قرار پایا۔ اس ریاست کا اور اس کے فرمانرواؤں کا مختصر حال راقم الحروف نے اس کتاب کے آخری حصہ میں دیا ہے۔ اس زمانہ میں کول (علیگڑھ) کا شقدار (حاکم ضلع) عیسیٰ خاں ترک بچہ تھا۔ جو عمر خاں سروانی کے پوتے عیسیٰ خاں سروانی سے جداگانہ تھا۔ ہم نے اس کا ذکر صرف اس وجہ سے کیا کہ ہم نامی کی وجہ سے غلط فہمی نہ ہو جیسی کہ بعض مورخین کو ہوئی ہے۔ اب بہلول لودی کی عمر کا پیمانہ لبریز ہوا وہ جنوبی علاقہ سے دہلی

---

[1] احمد یادگار مخزن افاغنہ

کو واپس آرہا تھا کہ قصبہ سکیٹ (ضلع ایٹہ صوبہ آگرہ) کے قریب یا اس قصبہ میں پہونچ کر بیمار ہوا اور انتالیس ۳۹ سال کے قریب حکومت کرنے کے بعد اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ اس کی نعش دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔

سکندر لودی کی تخت نشینی عمر خاں شروانی کے مشورہ کے مطابق

یہاں خبر پہونچتے ہی بہلول لودی کا دوسرا بیٹا جو زنیا سنارن سے پیدا تھا مگر پڑھا لکھا عقلمند ہوشیار اور حسین تھا بڑی ماں کے مشورہ پر جھپٹا کہ باپ کی نعش کو دہلی لائے اور اپنی حکومت کی فکر کرے۔ اس کا بڑا بیٹا غالباً پنجاب کی طرف دریا بہ خت دور تھا۔ وہ سلطان شاہ کی لڑکی سے پیدا تھا۔ اب پٹھانوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ تخت شاہی پر کس کو بٹھایا جاوے پٹھانوں میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے رائے دی کہ بہلول لودی کا بڑا بیٹا جو سلطان شاہ لودی کی لڑکی سے پیدا ہے تاج و تخت کا مالک ہو یہ اس کا حق ہے۔ دوسرے گروہ نے اصرار کیا کہ بڑے بیٹے میں وہ قابلیت نہیں ہے جو نظام خاں میں ہے اور آخر الذکر حکومت کے لئے زیادہ موزوں ہے اگرچہ وہ زنیا سنارن سے پیدا ہے۔ آخر الذکر گروہ میں عیسیٰ خاں سروانی بھی بعض لودی سرداروں کے ساتھ شریک تھے عیسے خاں با اثر اور ہوشیار سرداروں میں سمجھے جاتے تھے انہوں نے نظام خاں کے حق میں اصرار کے ساتھ رائے دی اور بالآخر اپنی تدبیریں کامیاب ہوئے غالباً بڑے بیٹے کی عدم موجودگی کا بھی اس انتخاب پر اثر پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نظام خاں سکندر لودی کے لقب سے کول کے قصبہ جلالی کے جوار میں کوشک فیروز میں تخت نشین ہوا۔ دہلی سے کول کی طرف روانہ ہونے سے قبل وہ حضرت مخدوم سمار الدین کنبوہی کی خدمت میں ان کی دعا حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تو حضرت نے دعا دی کہ تو سکندر وقت ہوگا سکندر اپنا لقب اختیار کیا۔ حضرت مخدوم سمار الدین کے داماد اور مرید حضرت جمالی کنبوہی تھے جو اکبری عہد کے شیخ گدائی کے نانا تھے۔ القصہ بہلول لودی کی نعش دہلی روانہ کی گئی۔ زمانہ کی نیرنگی دیکھئے کہ اس کوشک فیروز کا جو فیروز شاہ تغلق کی یادگار تھا اب پتہ بھی نہیں ہے۔ البتہ کالی ندی اور قصبہ جلالی کے درمیان ایک ٹیلہ موجود ہے۔ غالباً اسی جگہ کوشک فیروز محل تھا۔ یہ قصبہ جلالی وہی ہے جس کو غیاث الدین بلبن بادشاہ دہلی کے عہد میں جلال الدین خلجی نے (جو بعد کو بادشاہ ہوا) ایک پرانے گاؤں نیولی کے پاس جس کا اب وجود بھی نہیں ہے بسایا تھا جیسا کہ جلالی کی جامع مسجد میں ایک کتبہ سے ثابت ہے جو ۶۵۵ھ / ۱۲۵۵ کا ہے

یقول شاعر ؎

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

بہلول لودی کے انتقال اور سکندر لودی کی تخت نشینی کے سال اور تاریخ کے بارے میں مورخین میں کچھ اختلاف ہے۔ خلاصۃ التواریخ نے سنہ ۸۹۸ھ لکھا ہے اور اس کی تائید میں یہ تاریخی شعر لکھا ہے۔ ؎

بہ ہشت صد و نود و ہشت — رفت از عالم جہاں کشا بہلول

خلاصۃ التواریخ نے اس کو سیر المتاخرین کے حوالہ سے لکھا ہے۔ مگر سیر المتاخرین نے سکندر لودی کی تخت نشینی سنہ ۸۹۴ھ میں بتائی ہے اور یہی سن فرشتہ اور دیگر تواریخ نے بھی بتایا ہے۔

شروانیوں کی علی گڑھ میں آبادی

القصہ اس زمانہ میں جلالی میں (جو اب سادات کا مشہور قصبہ ہے) کچھ پٹھان آباد تھے۔ اگرچہ قبیلے اور خیل معلوم نہیں ہو سکے ممکن ہے کہ ان میں لودی اور شروانی شامل ہوں۔ سکندر لودی نے تخت نشین ہونے کے بعد سروانیوں کو ان کی کارگزاری کے صلہ میں جاگیریں اور بڑے بڑے عہدے دیئے اور انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ کول کے حاکم عیسیٰ خاں ترک بچہ کے بغاوت میں مارے جانے کے بعد عیسیٰ خاں شروانی کو یہاں کا حاکم بنایا۔ اور اس طرح سے موجودہ ضلع علی گڑھ میں شروانیوں کے آنے اور بسنے کی جڑ جمائی۔ اس ضلع کے قصبہ سکندرہ راؤ میں داؤد خاں عرف راؤ خاں شروانی ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کو سکندر لودی نے ضلع ایٹہ کے قصبہ بلرام کے چوہان راجپوتوں کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے بھیجا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ سکندرہ راؤ انہیں کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قصبہ اور قصبہ جلالی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ ان دونوں مقامات کے پٹھانوں کی آماجگاہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ کول (علی گڑھ) میں اب شروانیوں کا خاصہ جماؤ اور اقتدار ہو گیا تھا۔

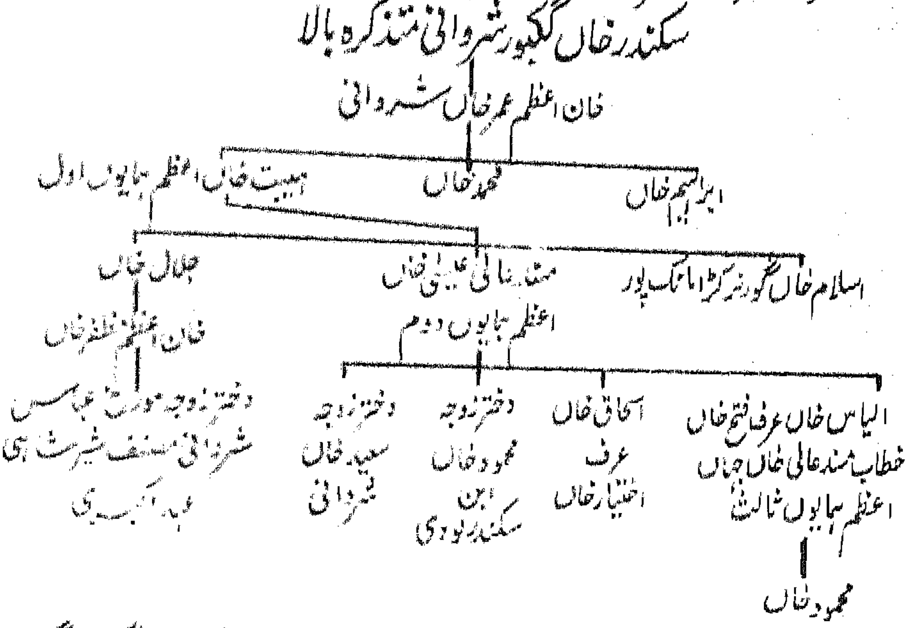
عمر خاں شروانی کے خاندان کا شجرہ

بے جا نہ ہوگا اگر ہم یہاں عمر خاں شروانی اور میاں احمد خاں شروانی کے خاندانوں کی چند پشتوں کا شجرہ درج کریں

سلہ۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ۔

جو ہم کو معلوم ہو سکا۔ اس زمانہ میں شروانیاں خود تو اہل سیف تھے نہ کہ اہل قلم مورخین نے اختصار سے کام لیا اور بہت سے تاریخی ذخیرے اور خاندانی یادداشتیں ضائع ہو گئیں۔ اس لئے مکمل شجرے تا تاریخ حال ملیں تو کہاں سے ملیں۔ خاص کر بود و باش کے مقامات کی تبدیلیوں نے اس بارے میں اور بھی دقتیں پیدا کر دیں۔ پھر ایک طرفہ تماشا یہ ہے کہ شروانی اور دیگر پٹھان سرداروں کے خطابات کی یکسانی نے مورخین میں غلط فہمی پیدا کر دی۔ اور انہوں نے ایک کے واقعات دوسرے کی تحت میں دکھا دیئے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خطاب کے ساتھ اصل نام پیش نظر رکھا جاوے۔

عمر خاں شروانی کا شجرہ[۱] یہ ہے:۔



محمود خاں سے آگے اور بقیہ حضرات کی اولادوں کے ناموں کا پتہ ہم کو نہیں لگ سکا مگر اس میں شک نہیں کہ ان حضرات میں سے زیادہ تر دہلی اور اس کے ملحقات اور پنجاب میں آباد تھے خان اعظم مظفر خاں اکبر بادشاہ کے ہم عصر تھے اور عیسیٰ خاں بھی اس عہد تک زندہ تھے جیسا کہ ہم آگے دکھائیں گے۔ مخزن افاغنہ نے جو شجرہ اس خاندان کا دیا ہے اس میں محمد خاں ابن عمر خاں شروانی کا نام درج نہیں ہے، مگر ان محمد خاں اور ان کی ولدیت کے بابت شک و شبہ کی گنجائش اس وجہ سے نہیں کہ ان کا ذکر اس کتبہ میں موجود ہے جو کول کے قلعہ کے تعمیر کے سلسلہ میں انگریزوں کے

---

[۱] مخزن افاغنہ

عہد میں برآمد ہوا اور جن کا ذکر آگے آئے گا۔

ضلع علی گڑھ کے بھیکم پور کا خاندان شروانی بھی اپنے آپ کو عمر خاں شروانی کی اولاد میں بتاتا ہے۔ میاں احمد خاں گگھور شروانی لودی اور سوری عہد میں بڑے ممتاز امرا میں تھے۔ ان کا شجرہ مذکرہ بالا مورخ عباس خاں شروانی نے حسب ذیل دیا ہے۔ یہ مورخ انہی کی اولاد میں اور ان سے چوتھی پشت میں تھا۔ اس لئے اس کی صحت میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

شیخ احمد شروانی

شیخ بایزید شروانی

شیخ محمد — شیخ علی

شیخ عباس شروانی مورخ

لہٰذا یہ شجرہ بتاتا ہے کہ یہ حضرات اپنے تقدس اور مذہبی غلو کی وجہ سے بھی ممتاز تھے ان شجروں سے واقعات کا تسلسل سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ یہ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ سکندر لودی کے عہد کے اوائل میں عمر خاں شروانی کول کے شقدار یا ناظم تھے[1]۔ ان کو سنہ ۹[illegible]ھ میں بیانہ کے حاکم اشرف جلوانی کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے بھیجا گیا۔ سلطان اشرف نے یہ چال چلی کہ قلعہ کی کنجی ان کو حوالہ کرنے کے بہانہ سے قلعہ کے اندر بلاکر گرفتار کر لیا۔ جب سکندر لودی کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس کو بہانا ہوا آیا۔ خود فوج لیکر بیانہ گیا اور عمر خاں شروانی کو رہائی دلائی۔ بادشاہ کے دہلی واپس پہونچنے کے بعد جونپور کے حسین شاہ شرقی نے پھر سر اٹھایا۔ اور غالباً اسی کے بھڑکانے پر جونپور کے جوار کے ٹھاکروں نے جوگی ٹھاکر کی سرکردگی میں سکندر لودی کے خلاف بغاوت کر دی۔

اس شورش کو دفع کرنے کے واسطے دیگر پٹھان سرداروں کے ساتھ عمر خاں شروانی کو بھی بھیجا گیا۔ اور عقب کے دستہ کی کمان ان کے سپرد کی گئی۔ مگر بعد کو کسی مصلحت سے فوجی ترکیب بدل کر عمر خاں کو مقدمۃ الجیش یعنی سب سے آگے والے دستہ کا افسر مقرر کیا گیا جس سے ان کی ذمہ داری بڑھ گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عمر خاں پر بادشاہ کو کس قدر اعتبار تھا اور وہ کتنے

---

[1] طبقات اکبری، مخزن افاغنہ

با اثر تھے۔ حسین شاہ اس وقت قلعہ چونڈ میں تھا۔ عمر خاں نے تیزی سے بڑھ کر اس قلعہ پر دھاوا بولا۔ اور اس قدر بہادری سے لڑے کہ حسین شاہ کو منہ کی کھانا پڑی۔ مگر وہ چالاکی سے بچ کر اور قلعہ سے خفیہ طور پر نکل کر بہار کے ملک کی طرف بھاگ گیا۔ اور جونپور کو فتح کر لیا۔ سکندر لودی نے اپنے بھائی باربک شاہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ لودی کا یہ بھائی محض نہ وہ سپاہی ہی تھا اور نہ اسے حکمرانی میں کچھ بھی قابلیت نہ تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس نے بہلول لودی کے انتقال کے بعد تخت نشینی کے بارے میں اس کے خلاف رائے دیکر وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ اس نامناسب اور ناعاقبت اندیشانہ اقدام کا وہی نتیجہ ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ یعنی باربک شاہ جونپور اور ملحقہ علاقہ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ زمینداروں نے حکومت کے خلاف پھر ہاتھ پیر نکالے۔ سکندر لودی نے ناراض ہو کر باربک شاہ کو نظر بند کرا دیا۔ اور اس کو ہیبت خاں شروانی پسر عمر خاں اور خدا داد کی نگرانی میں دے دیا۔ مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں رکھا گیا۔ عمر خاں تو بدستور کول کے حاکم رہے۔ جونپور کے اس واقعہ کے بعد عمر خاں کے بیٹے ہیبت خاں کو پٹنہ جاگیر میں دیا گیا۔ اب باپ کی طرح ان کا عروج بھی شروع ہوا وہ گوالیار کی مہم پر بھیجے گئے اور اس میں کامیابی کا سہرا ان کے سر رہا۔ ہیبت خاں شروانی کے بارے میں بعض مورخین نے واقعات کے بیان کرنے میں الٹ پھیر کر دیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہیبت خاں نام کے ایک دوسرے سردار بھی تھے۔ مگر وہ نیازی پٹھان تھے اور ان کا دور دورہ بعد کو شیر شاہ سوری کے زمانہ میں رہا۔ عمر خاں شروانی کے خاندان سے ان کو کوئی [illegible] نہ تھا۔ اب عمر خاں کے پوتے یعنی ہیبت خاں کے بیٹے اسلام خاں جن بڑھے اور حکومت میں دخیل وہ صوبہ کڑا مانکپور کے حاکم بنائے گئے۔ اسی زمانہ کے لگ بھگ سعید خاں شروانی جو ہیبت خاں کی پوتی یعنی عیسیٰ خاں کی بیٹی کے خاوند تھے لاہور کے گورنر مقرر کئے گئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں شروانیان پنجاب سے جونپور تک چھائے ہوئے تھے۔ اب عمر خاں شروانی نے [illegible] کا سرد و گرم چکھا اور اتنے دن تک لودی حکومت کا ساتھ دینے کے بعد اپنی عمر طبعی کو پہنچ گئے تھے ان کے تجربہ کار ہونے میں تو کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ رعب و داب میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ آخر وقت میں یہ داغ لگا کہ انہیں کے علاقوں کے اندر موضع جرتولی

---

۱ فرشتہ

زمیندار کہان چند جاٹ نے حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔

عمر خاں شروانی کی شہادت

کول سے عمر خاں شروانی اور سنبھل مراد آباد کا حاکم فوج کے ساتھ اس کے فرو کرنے کے واسطے بھیجے گئے معلوم ہوتا ہے کہ کول میں اس وقت کافی فوج نہ تھی۔ اور باہر سے مدد لینا پڑی۔ یا بادشاہ نے عمر خاں کے بڑھاپے کا خیال کیا۔ بہرحال بغاوت تو فرو ہو گئی۔ اس فوج کے سامنے کہان چند کی کیا چلتی مگر عمر خاں شروانی شہید ہو گئے۔ سن وفات اور ان کے جائے مدفن کے بارے میں تواریخ خاموش ہیں۔ راقم الحروف نے موضع جرتولی سے چند میل کے فاصلہ پر اور موضع ٹپل کی مشہور جھیل کے کنارے سے متصل ایک ٹیلہ پر جھاڑیوں اور درختوں سے چھپے ہوئے چند پختہ مزارات دیکھے۔ جن پر کوئی کتبہ موجود نہیں ہے۔ مگر ان کے پرانے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ بہ شکستہ حالت میں ہیں۔ تعجب نہیں کہ یہ مزارات عمر خاں شروانی کے ان ساتھیوں کے ہوں جو اس لڑائی میں شہید ہوئے۔ عمر خاں شروانی کی بڑی ہستی اور ان کی وقعت اور درجہ کا خیال کرتے ہوئے گمان ہوتا ہے ان کی نعش کول کو لائی گئی ہو گی۔ اور حضرت سلطان العارفین شاہ جمال علیہ الرحمۃ کے جوار میں دفن کی گئی ہو۔ یا دہلی بھیجی گئی ہو جو پٹھانوں کا مستقر تھا۔ ان کے متعلق کوئی کتبہ نہیں ملا۔ اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ کہاں دفن ہوئے۔ ڈاکٹر فیوہرر کی آرکیولوجیکل سروے رپورٹ نے ہم کو ایک عمر خاں کا مزار الہ آباد میں بتایا ہے۔ مگر غالباً یہ کوئی دوسرے عمر خاں ہوں گے۔ بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کول کے علاقہ میں شہید ہونے کے بعد نعش الہ آباد بھیجی جاتی۔

ٹھٹے کی مہم

اسی زمانہ میں سکندر لودی نے اعظم ہمایوں دوئم شروانی کو جو فتح خاں شروانی کے باپ تھے اور جن سے مراد یقیناً عمر خاں کے پوتے اور ہیبت خاں کے بیٹے عیسےٰ خاں شروانی سے ہے، ٹھٹہ کی مہم پر بھیجا۔ مگر ان کے بابت بادشاہ کو خبر نہ پہنچی کہ اس مہم کا کیا نتیجہ ہوا۔ اور عیسےٰ خاں کی واپسی میں غیر معمولی دیر ہوئی تو بادشاہ کو فکر پیدا ہوئی اس نے عیسےٰ خاں کی کامیابی کے ساتھ واپسی کے واسطے منت مانی۔ ذرائع خبر رسانی اور آمد و رفت میں آج کل کیسی آسانیاں تو اس وقت تھیں نہیں کہ بجلی کے ذریعہ سے ہزاروں میل کی خبر آناً فاناً میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچ جاتی ہیں۔ نہ ریل تھی اور نہ ریڈیو اور تار برقی اپنے کرشمے دکھاتی تھی۔

القصہ بادشاہ کی منت پوری ہوئی اور عیسیٰ خاں کامیابی اور خیریت کے ساتھ واپس آئے تو بڑی خیرات کی گئی۔ سنہ ۹۰۴ھ یا ۹۰۵ھ میں سکندر لودی نے عارضی طور پر سنبھل (موجودہ ضلع مراد آباد) کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اور اپنے امرا اور سرداران کے ساتھ وہاں رہنے لگا۔ بہت سے امراء نے اپنے نام سے اسی قصبہ میں محلے بسائے جن میں ان کے قبیلہ کے لوگ اور متعلقین رہتے تھے انہی میں سیف خاں اجاخیل شروانی تھے جن کے نام سے سیف خاں سرائے ایک محلہ سنبھل میں اب تک ان کی یادگار موجود ہے۔ یہ عمر خاں کے خاندان سے نہ تھے اور نگلور خیل کے بجائے دوسرے خیل کے تھے اگرچہ دونوں ایک جد کی [illegible] تھے آگے چل کر شیر شاہ سوری کے زمانہ میں انہوں نے بڑے کارنمایاں کئے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

شروانی ارکین شاہی میں سے

عمر خاں شروانی اور سیف خاں شروانی کے علاوہ فیروز خاں شروانی بن احمد خاں بن جمال خاں بھی ارکین شاہی میں تھے۔ یہ ان شیخ احمد شروانی سے جداگانہ تھے جن کا ذکر ہم نے [illegible] کیا ہے اور جو اکبری عہد کے مورخ عباس شروانی کے پردادا تھے۔ قصبہ سنبھل کے [illegible] سے چند میل شمال میں مراد آباد سنبھل کی سڑک سے [illegible] اور جانب مغرب ایک [illegible] فیروز پور [illegible] میں ایک پرانا قلعہ اور چند ٹوٹی پھوٹی عمارتیں [illegible] کے اندر اب تک موجود ہیں [illegible] ڈاکٹر فیوہرر (جنہوں نے انگریزی حکومت کی ہدایت کے مطابق شمالی ہندوستان کی قدیم عمارتوں اور یادگاروں کے متعلق تحقیقات کر کے ضخیم کتابیں شائع کیں) [illegible] قلعہ کے بابت خاموش ہیں مگر قرائن سے راقم الحروف کی رائے میں یہ انہیں فیروز خاں شروانی بن احمد خاں کی یادگار ہے جو سنبھل میں قیام کے زمانہ میں سکندر لودی کے [illegible] واقعات مشتاقی و طبقات اکبری [illegible] ہزاری منصب [illegible] کے خطاب سے سرفراز کئے گئے۔ یہ سنہ ۹۳۲ھ یعنی بابر کے [illegible] تک پنجاب میں تھا جیسا کہ اس کتبہ سے معلوم ہوتا ہے [illegible] کے صفحہ ۱۴۴ پر دیا ہے۔ کتبہ یہ تھا "تمام شد این [illegible] فیروز خاں بن احمد خاں [illegible]

سلہ۔ واقعات مشتاقی [illegible] ایپی گرافیا انڈیکا

بن جمال خاں مرحومین در عہد نیکو حضرت بابر بادشاہ غازی۔ بتاریخ دہم ربیع الآخر تاریخ ثلاثین ۹۳۴ تسعمائۃ" راقم الحروف نے رہتک میں جاکر اس مزار اور کتبہ کو بہت تلاش کیا مگر اس کا پتہ نہ لگ سکا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ کننگ ہم نے غلط لکھ دیا ہو۔ رہتک میں مسلمانوں کے پرانے مزارات بہت ہیں۔ شروانی یہاں یقیناً آباد تھے جیسا کہ ایک دوسرے کتبہ سے معلوم ہوگا جو راقم الحروف کو وہاں ملا اور جس کا ذکر بعد کو آئے گا آج کل یہاں کے پڑھے لوگوں کو بھی معلوم نہیں کہ کونسا مزار کس کا ہے۔ اور اب تو یہاں کی دنیا ہی تقسیم ملک کے بعد بدل گئی۔ ہم کو اسی قصبہ میں ایک مسجد کا کتبہ مسجد سے علیحدہ پڑا ہوا ملا۔ اور ایک نہایت خوشخط طغرا کا کتبہ ایک کوٹھری میں مٹی کے ڈھیر میں پڑا ہوا ملا۔ اللہ رے ہماری ملی بے حسی اور جہالت جب یہ حالت ہو تو فیروز خاں جیسی ہستی کا مزار اور اس کے کتبہ کا پتہ نہ لگنا تعجب سے نہیں ہے۔ سکندر لودی کے عہد میں دیگر ممتاز شروانیان بھی تھے۔ اعظم خاں[۱]، بہار خاں اور امین خاں۔ ان لوگوں کے حالات نہ معلوم ہو سکے بجز اس کے کہ امین خاں حج بیت اللہ شریف کے واسطے گئے مگر جہاز کے تباہی میں آنے کی وجہ سے راستہ میں شہید ہو گئے۔

پولو کے میدان میں جنگ اور شروانیوں کا اخراج

اب نیرنگی زمانہ نے ایک نیا تماشہ دکھایا ۹۰۴ھ[۱] یا ۹۰۵ھ میں سنبھل میں شروانی اور لوحانی پٹھانوں میں پولو (چوگان) کے کھیل میں جھگڑا ہو گیا اور آپس میں ڈنڈے چلے اور سر لہو لوہان ہوئے۔ بات کا بتنگڑ اپنا۔ بھلا پٹھانوں کی ذات مونچھیں نیچی ہوتیں تو کیسے ہوتیں۔ بادشاہ سکندر لودی بھی اس موقع پر موجود تھا سلیمان خاں لوحانی کا ڈنڈا خدا جانے اتفاقیہ یا بالارادہ دریا خاں سروانی بن احمد خاں بن شیخ منڈ کی شروانی کے سر میں لگ گیا۔ اتنی تاب کہاں) کہ برداشت کر لیتے۔ دونوں طرف سے مار پیٹ کی نوبت آئی سلیمان خاں لوحانی کے بھائی خضر خاں نے ہیبت خاں شروانی کو مارا یہ اس بات پر بات بڑھی۔ اس وقت لوگوں نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کر دیا مگر اندر رہی) اندر آگ سلگتی رہی۔ اور چار روز کے بعد پھر اسی کھیل میں شعلہ بھڑک اٹھا۔ اور لوگوں نے دل کے بخار نکال لیے۔

---

[۱] فرشتہ۔ ص ... تاریخ داؤدی

ہیبت خاں شروانی پھر مضروب ہوئے اور ان کا رشتہ دار شمس خاں جان سے مارا گیا۔ غالباً بادشاہ کی طرف سے اس میں چشم پوشی کی گئی تو شروانی بگڑ بیٹھے اور بدقسمتی سے آپس میں مشورہ کرکے انہوں نے بادشاہ کے بھائی فتح خاں کو ابھارا۔ کہ وہ بادشاہ سے بغاوت کرکے تخت و تاج کا مالک بنے شروانی اس کا ساتھ دیں گے۔ فتح خاں نے یہ راز افشا کر دیا۔ اور سکندر لودی تک خبر پہونچ گئی۔ اب کیا تھا بادشاہ کو غصہ آیا اور بری طور پر آیا اس نے غالباً اسی میں مصلحت سمجھی کہ فسادی شروانیوں کو خارج البلد کر دیا جاوے۔ چنانچہ عمر خاں کے خاندان اور بعض شروانی ارکین کو اپنی حدود سے نکال باہر کیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ پھر بھی کچھ شروانیان جو چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ بادشاہ کی ملازمت میں اور حکومت کے حدود کے اندر باقی رہ گئے۔ جیسا کہ فیروز خاں کے بابتہ ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے۔ علاوہ اس کے اس خیال کی تائید میں راقم الحروف کو ایک اور بھی ثبوت ملا۔ راقم الحروف نے منشی ضمیر احمد صاحب ساکن محلہ چمن سرائے بلدہ سنبھل کے پاس فارسی زبان کا ایک پرانا اور بوسیدہ فرمان سکندر لودی کا دیکھا۔ یہ فرمان سنہ ۹۱۰ھ مطابق سنہ ۱۵۶۱ سمت کا یعنی پولو والے جھگڑے سے دو تین برس بعد کا ہے، اور وہ حضرت شیخ مبارک بھکاری علیہ الرحمۃ کو جن کا مزار قصبہ سنبھل سے ملحق جانب غرب موضع عماد الملک میں ہے۔ تین سو بیگہ معافی دیئے جانے کے بارے میں ہے۔ اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اس حکم کے اجرا کے وقت سنبھل کے کارکن شقدار اور منصف دونوں شروانی قبیلہ کے تھے۔ اگرچہ فرمان کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کے نام پڑھنے میں نہیں آسکے۔ ہم کو اس فرمان کے متعلق ایک دقت ضرور پیش آئی یعنی سن ہجری اور سمت کی تطبیق۔ سنہ ۹۱۰ھ عہد سکندر لودی سن ۱۵۶۱ سمت کے مطابق تھا۔ نہ کہ سنہ ۱۵۹۱ سمت کے۔ اگر آخر الذکر صحیح مانا جاوے تو یہ سنہ ۹۴۲ھ کے مطابق ہوتا ہے جو شیر شاہ سوری کا زمانہ تھا ہم بہ نسبت سمت کے ہجری سن کو زیادہ قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ اگرچہ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں بھی سنبھل شروانیوں کا مرکز تھا۔ علاوہ بریں سکندر لودی کے عدل سے یہ بعید تھا کہ گیہوں کے ساتھ گھن پستا۔ اور بڑے درجہ کے شروانیان کے ساتھ چھوٹے درجہ کے ہم قبیلہ پٹھان پر بھی عتاب آتا اور مصیبت نازل ہوتی۔

عمر خاں کا خاندان مالوہ اور گجرات میں پہونچا

اب ہم پھر نکالے ہوئے شروانیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ وہ کہاں گئے۔ (۶)

زمانہ میں ملک مالوہ میں محمود خلجی اور ملک گجرات میں مظفر شاہ حکومت کر رہے تھے۔ ان دونوں میں تعلقات کشیدہ تھے، اور آئے دن ایک دوسرے کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ سکندر لودی کے غضب سے بچنے اور مالوہ اور گجرات سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ہیبت خاں شروانی، ان کے بیٹے عیسیٰ خاں[1] اور دریا خاں شروانی کچھ عزیزوں اور طرفداروں کے ساتھ بھاگ کر مالوہ پہونچے اور محمود خلجی کے دربار میں حاضر ہو کر امداد کی درخواست کی۔ اور کچھ شروانی مظفر شاہ کے دربار میں گجرات پہونچے۔ ہیبت خاں وغیرہ نے مالوہ میں پناہ لینا غالباً اس وجہ سے اور بھی مناسب سمجھا ہوگا کہ بقول طبقات اکبری شروانی قبیلہ کے کچھ افراد وہاں پیشتر سے موجود تھے اور شیر خاں شروانی اور فتح جنگ خاں شروانی محمود خلجی کے عہدے داران میں تھے۔ یہ دونوں عہدے داران ۹۱۶ھ تک مالوہ میں رہے۔ اگرچہ زمانہ کی دست برد سے وہ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ محمود خلجی کے وزیر میدنی رائے کا بڑا رسوخ تھا۔ کسی وجہ سے ان دونوں شروانیوں کے تعلقات اس سے خراب ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنی خیر اسی میں دیکھی کہ مالوہ سے کنارہ کر کے اپنی اپنی جاگیروں کو چلے گئے۔ ہم کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کی جاگیریں کہاں تھیں اور بعد کو ان کا کیا حشر ہوا۔ نہ ان کے مزید حالات معلوم ہو سکے۔ عیسیٰ خاں شروانی کے داماد سعید خاں شروانی جو لاہور میں تعینات تھے اور بابو خاں شروانی پر بھی سکندر لودی کا عتاب نازل ہوا اگرچہ یہ دونوں پوتے کے جھگڑے میں شریک نہ تھے۔ سعید خاں کو تو عیسیٰ خاں کے ساتھ ان کی رشتہ داری لے بیٹھی۔ اور بابو خاں خوف سے یا عمر خاں شروانی کے خاندان کے ساتھ تعلقات رکھنے کی وجہ سے فرار ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی جگہ تھے کیونکہ یہ دونوں گوالیار میں راجہ مان کے یہاں پہنچے۔ سکندر لودی دھولپور سے گوالیار کی طرف آ رہا تھا۔ راجہ نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ وہ ان دونوں شروانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دے۔ نہ معلوم ان کی قسمت میں کہاں کا آب و دانہ لکھا تھا۔ غالباً یہ دونوں بھی اپنے رشتہ داروں کے پاس مالوہ یا گجرات چلے گئے ہوں گے۔

الغرض ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شروانی اس زمانہ میں تمام شمالی ہندوستان

---

[1] فرشتہ۔ طبقات اکبری۔ شیر شاہی

میں پھیلے ہوئے تھے۔ مگر زیادہ عرصہ تک ایک جگہ چین سے نہ بیٹھنے پائے تھے یا خود تلاشِ معاش میں مارے مارے پھرتے تھے کسی نے کہا ہے ؎۵

یہ دو دل کو یک جا سمجھتا نہیں
کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں

اب سکندر لودی کی عمر کا اور حکومت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انتیس ۲۹ سال کے قریب حکومت کرنے کے بعد وہ ۹۲۳ھ میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گیا اور دہلی میں مدفون ہوا۔ اس پٹھان بادشاہ کی حکومت پر تبصرہ ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے۔ اگرچہ ہم صرف اس قدر کہیں گے کہ وہ اپنے مذہب میں پکا، علم دوست، علم نواز اور بہت پڑھا لکھا تھا۔ وہ بزرگانِ دین سے عقیدت رکھتا تھا۔ بہ نسبت بہلول لودی کے اس کے دربار کی شان و شوکت بڑھ گئی۔ اس کے عہد میں درباری اور عالمی زبان تو فارسی تھی مگر اردو کی بنا پڑ گئی جیسا کہ اس زمانہ کے بعض شعرا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے عہد میں بھی تازہ دم شروانیاں اور دیگر پٹھان ملک روہ سے یاغستان، قندھار، کوہ سلیمان آتے جاتے اور شمالی ہندوستان بالخصوص گنگا جمنا کے دوآبہ میں پھیلتے رہے۔ اس کے ابتدائی اور درمیانی عہد میں شروانیوں نے بڑی ترقی کی اور ارکانِ سلطنت میں رہے مگر ۹۰۲ھ میں پولو والے جھگڑے کے وقت سے اس بادشاہ اور خاندانِ عمر خاں کے شروانیوں سے ان بن ہو گئی جس کی وجہ سے وہ خارج البلد کئے گئے۔

سکندر لودی کے انتقال کے بعد ان شروانیوں کے دن پھرے

حکومت ابراہیم لودی | اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ جب اس کا بیٹا ابراہیم لودی تخت پر بیٹھا تو وہ علاوہ شکی اور وہمی ہونے کے بہت تند مزاج تھا کہ شاید کسی طرح امرا کو بدلتا تھا۔ ان پٹھان امرا سے ناراض جن سے اس کا باپ خوش تھا، اور ان سے خوش جن سے اس کا باپ سکندر خلاف تھا۔ اس طرزِ عمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ پٹھانوں میں دو گروہ ہو گئے۔ کچھ اس کے طرفدار اور کچھ مخالف ہو گئے۔ بالخصوص اس وجہ سے اور بھی کہ ابراہیم کے بھائی بھی دعویدار تخت و تاج تھے۔ بھاگے ہوئے شروانیوں نے اس حالت سے فائدہ اٹھایا اور حبیب خان شروانی

۵۔ خورشید جہاں۔

اور ان کے بیٹے عیسیٰ خاں اور دریا خاں ابن احمد خاں شروانی وغیرہ ابراہیم لودی کے دربار میں واپس آگئے۔[1] یا مصلحت وقت کے لحاظ سے اس بادشاہ نے ان کو واپس بلا لیا ابراہیم لودی نے اپنے بھائی کی دلجوئی کرنے اور غالباً پایہ تخت سے اور پٹھانوں کی سازشوں سے دور رکھنے کی غرض سے جونپور کا علاقہ اس کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ خان جہاں لودی اور فتح خاں ابن عیسیٰ خاں شروانی نے ابراہیم لودی کو مشورہ دیا کہ دوسرے کو سلطنت میں سہیم و شریک کرنا مناسب نہیں ہے اور آئندہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے اس پر بادشاہ نے اپنے بھائی جلال خاں سے بدعہدی کی۔ اور اس کو دہلی میں واپس بلا لیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ جلال خاں نے ابراہیم لودی سے سرتابی کی۔ عیسیٰ خاں شروانی اودھ سے واپس آکر ابراہیم لودی کے ملازم ہو گئے۔ بادشاہ نے ان کو کالنجر (باندہ) کی مہم پر بھیجا۔ شاہزادہ جلال خاں نے عیسیٰ خاں شروانی کو لکھا کہ تم میرے باپ کے برابر ہو میری مدد کرو۔ اور اس کے ساتھ ان کے بیٹے فتح خاں کو کالنجر (باندہ) سے بلا کر اپنا وکیل المدار ریاست[2] بنا لیا۔ عیسیٰ خاں کے باپ ہیبت خاں اس وقت گوالیار میں تھے یا بقول دیگر کالپی کے محاصرہ میں مصروف تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندیلکھنڈ میں اس کا اقتدار قائم نہیں ہوا تھا اور شروانیوں کو اس علاقہ کے زیر کرنے کے لئے تعینات کیا گیا۔

ہیبت خاں شروانی کے پوتے فتح خاں ابراہیم لودی کا ساتھ چھوڑ کر جلال خاں سے آملے اور بادشاہ کے صوبیدار اودھ سعید خاں لودی پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ جونپور کے علاوہ اودھ بھی متزلزل ہے اس کے بغاوت کی جڑ کاٹنا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ خود فوج لیکر بھوگاؤں ضلع مین پوری تک آ پہونچا [illegible] قنوج کی طرف بڑھا۔ ہیبت خاں شروانی اور ان کے خاندان نے دیکھا کہ پانسہ پلٹ گیا۔ اور وہ بادشاہ کے خلاف اپنے منصوبوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور [illegible] یہی ہے کہ جلال خاں کا ساتھ چھوڑ دیں۔ چنانچہ یہ شروانیاں بھوگاؤں میں بادشاہ سے آملے اور بادشاہ کی طرف سے جلال خاں سے لڑے۔ جب بادشاہ اس مہم میں کامیاب ہو گیا۔ تو اس نے ان شروانیوں کا قصور معاف کر دیا۔ اور [illegible] بادشاہ نے خلعت بخشش کا مضمون ہوا۔ [illegible] شروانیوں کو انعامات دیے۔ [illegible] مرصع خنجر اور خلعت سے مالا مال کیا۔ اور عیسیٰ خاں شروانی کو اعظم ہمایوں کا

---

[1] احمد یادگار، تاریخ شاہی، تاریخ داؤدی۔ [2] طبقات اکبری

خطاب عطا ہوا اور وہ آگرہ کے عامل بنائے گئے اور پھر یہاں سے تبادلہ کرکے دہلی کا صوبیدار بنایا۔ عیسیٰ خاں کے بھائی اسلام خاں بدستور کڑا مانک پور کے گورنر رہے۔ عمر خاں شروانی کی جگہ ان کے جرتولی کی بغاوت فرو کرنے میں شہادت کے بعد ان کے بیٹے محمد خاں کو کول کا شقدار مقرر کیا۔ اس زمانہ میں اس خطہ میں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجپوت اور دیگر رعایا سرکش تھی۔ جرتولی علاقہ کول اور بلرام ضلع ایٹہ میں بغاوتیں ہو چکی تھیں۔ اس لئے کول کے مرکز پر ایک مضبوط فوجی چھاؤنی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہاں شہر کا پرانا قلعہ جس کو ۱۱۹۴ء میں چندر سین ڈور راجپوت راجہ سے لڑکر قطب الدین ایبک نے فتح کیا تھا، شکستہ ہو گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف شہر کی آبادی تھی۔ وہ فوجی ضرورت کے لحاظ سے قابل مرمت یا ترمیم اور توسیع کے نہ تھا۔ اس لئے شہر سے باہر شمالی میدان میں یونیورسٹی سے جانب شمال قریب ایک میل کے، محمد خاں شروانی نے ایک جدید مضبوط قلعہ تعمیر کرایا اور محمد گڑھ اس کا نام رکھا۔ اس قلعہ کی تعمیر کے بابت فارسی زبان میں ایک منظوم کتبہ ۱۸۶۲ء میں برآمد ہوا۔ اور اس کو یہاں کے کلکٹر نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں بھیج دیا۔ اور اس انجمن نے اپنے نومبر ۱۸۶۳ء کے انگریزی رسالہ میں صفحہ ۱۷۲ پر اس کتبہ کا انگریزی ترجمہ اور کتبہ شائع کیا۔ راقم الحروف نے اس رسالہ کی ایک نقل منگوا کر کتب خانہ حبیب گنج علی گڑھ میں رکھ دی ہے۔ کتبہ یہ ہے [1]

نخستین حمد گفتم مر خدا را   که پیدا کرد حضرت مصطفیٰ را
نبشتم چند بیت از پئے حصارے   بنامم من بماند یادگارے
حصارِ استوار و اصل محکم   که اتمامش شده در عهد شاهم
که نامش است ابراهیم سکندر   که بخشد سلطان را سیم و زر
بر شقداری محمد ابن عمر   دبیرست محمد شهاب ابن منور
که در باب عمارت رنج برده   باندک مدتے اتمام کرده
ز هجرت بود نه صد سی و یکسالے ۹۳۱   که حصے یافته زیب کمالے
من بیچاره که نامم است احمد
بیابد روز محشر صاحب احمد

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ

یہی وہ قلعہ تھا جس کو مرہٹوں نے اپنے فرانسیسی انجینیروں کے ذریعہ سے مضبوط کیا اور جہاں وہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کی ماتحتی میں انگریزی فوج سے ہار کر شمالی ہندوستان کو خالی کر گئے۔ محمد خاں شروانی کا نام مخزن افاغنہ نے اپنے شجرہ میں چھوڑ دیا ہے۔ مگر اس کتبہ کے دیکھنے سے کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قلعہ کے بنانے والے محمد خاں ابن عمر خاں تھے۔ اس زمانہ میں کول میں نہ کوئی دوسرے عمر خاں تھے اور نہ کوئی دوسرے محمد خاں۔ عمر خاں نرک بچہ حاکم کول کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے۔ محمد خاں کے بارے میں مورخین میں اختلاف ضرور ہے اور وہ اس وجہ سے اس غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں کہ محمد خاں نام کے پٹھان سردار اور بھی تھے۔ مگر ان کی ولدیت اور خیل جداگانہ تھے۔ ایک تو محمد خاں ابن بایزید خاں شروانی تھے جن کا ذکر شجرہ مندرجہ بالا میں آیا ہے۔ اور جو اکبر کے عہد کے مورخ عباس شروانی کے چچا تھے۔ یہ محمد خاں شیر شاہ سوری اور بابر کے ہمعصر تھے۔ نہ کہ ابراہیم لودی کے۔ ان کے حالات آگے پیش کئے جائیں گے۔ دوسرے محمد خاں سٹر بنی تھے جن کے بیٹے رستم خاں نے رہتک پنجاب میں ایک دروازہ قائم کرایا۔ جس کا کتبہ اپی گریفیا انڈکا نے جلد دویم کے ص ۱۳۷ پر دیا ہے اور جس کو راقم الحروف نے موقعہ پر جاکر دیکھا۔ کول کے قلعہ کے کتبہ محولہ بالا نے صاف طور پر محمد ابن عمر لکھا ہے۔ شہر والے پرانے قلعہ کے نام سے اس کا ملحقہ محلہ پرانے قلعہ مشہور ہوا۔ اسی پرانے قلعہ میں غیاث الدین بلبن نے بادشاہ ناصر الدین محمود کی یادگار میں ۱۲۵۳ھ میں وہ مینارہ تعمیر کرایا تھا جس کو بدقسمتی سے انگریزی حکام نے ۱۸۶۲ء میں اس وجہ سے توڑ ڈالا کہ یہاں نواب ثابت خاں حاکم کول کی تعمیر کرائی ہوئی بلند جامع مسجد کی آس پاس کی زمین صاف ہو جائے۔ یہ نواب ثابت خاں ترکمان فرخ سیر اور محمد شاہ کے عہد میں کول کے حاکم اعلیٰ تھے یعنی ۱۱۲۴ھ اور ۱۱۶۱ھ کے درمیان انہیں نے یہاں حضرت شاہ اللہ بخش کی یادگار اور مزار تعمیر کرائے۔ جس کا کتبہ ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء کا ہے اور انہیں نے علی گڑھ کی مشہور جامع مسجد بالا قلعہ میں ۱۱۳۷ھ سے لیکر ۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء تک تعمیر کرائی جیسا کہ کتبہ سے ثابت ہے[1]۔ ان نواب ثابت خاں نے محمد خاں شروانی کے بنائے ہوئے قلعہ کا نام بجائے محمد گڑھ کے ثابت گڑھ رکھا۔ مگر وہ بھی قائم نہ رہا۔ جاٹوں نے رام گڑھ رکھا مگر یہ بھی قائم نہ رہا۔ عہد شاہ عالم ثانی میں نواب

---

[1] ڈاکٹر ہیوبرڈ ڈسٹرکٹ گزیٹر علی گڑھ

ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں وزیر دہلی نے علی گڑھ رکھا جو اب تک قائم ہے مگر آئندہ کا علم
صرف عالم الغیب والشہادۃ خدا تعالیٰ کو ہے۔ بقول شاعر ؎

تاب یک جلوہ نیاورد دو صد موسیٰ را بطور
این دلم ہست کہ زین گونہ ہزاراں بیعت

یہی ثابت خاں تھے جنہوں نے شروانی خاندان بلونڈ کے شاہ محمد خاں سے رشتے دلیل خاں کے
ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرنی چاہی مگر غیر کفو ہونے کی وجہ سے ناکامیاب رہے۔ [illegible] کی لڑائی
اس کا ذکر آگے آئے گا۔

یہاں بیجا نہ ہوگا اگر ہم شہر کول اور اس کے نام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں۔ ڈسٹرکٹ
گزیٹیر علی گڑھ نے جو مقامی روایت اس بارے میں لکھی ہے اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔
وہ کہتا ہے کہ برن (بلند شہر) کا ڈور راجپوت راجہ بدھ سین جو [illegible] سین سے [illegible] پشت تھا
تھا پرانی راجدھانی نیلوٹی (متصل جلالی) سے دہلی کو جا رہا تھا اس نے [illegible] اس مقام پر
جہاں اب کول واقع ہے ایک لومڑی کو دیکھا اور گھوڑے سے [illegible] معلوم ہوا [illegible] کول
یعنی جھیل ہے۔ اس کو یہ جگہ پسند آئی اور ایک شہر بسایا۔ [illegible]
طور پر جانچ کی کسوٹی پر اس وجہ سے بھی پوری نہیں اترتی [illegible] ایک کتبہ [illegible]
بدھ سین کا زمانہ بارھویں صدی عیسوی کے نصف آخر [illegible] بقول تاریخ
تاج المآثر مصنفہ حسن نظامی کے جب [illegible] کو قطب الدین ایبک نے [illegible] کول کا پرانا
قلعہ فتح کیا اس کا نام [illegible] تھا [illegible]
قبل اور [illegible] کے بعد کوئی بدھ سین [illegible] یا نہیں۔ یہ ممکن ہے [illegible]
اس کی وجہ سے یہ بستی کول مشہور ہوئی [illegible]
گزیٹیر علی گڑھ نے ایک روایت [illegible] قبل [illegible]
[illegible] یعنی کہ تاریخ سے قبل کے زمانہ [illegible] اور کول
ایک [illegible] کو کرشن [illegible] دوسرے
کے خلاف ہیں۔ حقیقت کا علم [illegible]

کے زوال کے بعد یہ پرانا قلعہ اور علاقہ برن گک ڈور راجپوت راجہ کی عملداری میں تھا اور یہ خاندان دہلی کے تومر راجاؤں کے ماتحت تھا۔ اس کے بعد یہ علاقہ قنوج کے راٹھور راجاؤں کی حکومت میں آگیا۔ برن کے ڈور راجپوت راجہ قنوج کی ماتحتی میں آ گئے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کول ایک پرانا نام ہے جیسا کہ سنسکرت کے ایک پرانے کتبہ[1] سے ثابت ہے جو تانبے کی تختی پر ہے اور جس کے رو سے قنوج کے راٹھور راجہ گوبند چندر نے سمت ۱۱۷۶ یعنی ۱۱۲۰ء میں [illegible] یا کوئل منڈل (ضلع) میں اور اس کے پھاٹک (ملحقات) میں چند گاؤں جن میں داد دنا (موجودہ دادوں) چھولرا لی (موجودہ چھوسا) ولی متصل برلہ) بیلا دتی (موجودہ بیلو کی متصل برلہ) چھچیرا (موجودہ چھرہ) وغیرہ دریائے گنگا پر نہان کے موقعہ پر ایک برہمن کو دان کئے۔ یہ دیہات ہمیشہ کے لئے دوسروں کے ہاتھ لگے۔ علاوہ ڈسٹرکٹ گزٹیئر کی روایت کے کوئی اور تاریخی مسالہ کول کی وجہ تسمیہ کے بابت ہم کو نہیں ملا ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو۔

نفس مضمون سے بہت دور پہونچ گئے اور اس معترضہ جملہ کے بعد اب ہم پھر اپنے اصلی قصہ پر آتے ہیں۔ ہیبت خاں شروانی اور ان کے خاندان کی حیثیتیں باوجود ابراہیم لودی کی عنایات اور مہربانی کے ختم نہیں ہوئیں۔ تم اس بادشاہ کی حیثیت کا حال اوپر پڑھ چکے ہیں روز ایک نیا گل کھلتا تھا۔ جب شاہزادہ جلال خاں بادشاہ کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور ان شروانی پٹھانوں کا یہ حال دیکھا تو وہ گوالیار کی طرف پناہ حاصل کرنے کے لئے بھاگا تاکہ گوالیار اس زمانہ میں بھگوڑوں کی پناہ کی جگہ تھی مگر جب راجہ گوالیار نے دیکھا کہ دہلی کے بادشاہ کو ناراض کرنے کی جرأت نہیں [illegible] ہیبت خاں شروانی اور ان کی فوج کو جلال خاں کی گرفتاری کے واسطے گوالیار [illegible] جلال خاں نے [illegible] تعاقب کا اور راجہ کا حال معلوم کر کے گوالیار [illegible] لیا اور [illegible] میں جاکر ٹھیرا۔ جب ہیبت خاں شروانی کو جلال خاں کی گرفتاری میں ناکامیابی ہوئی تو بادشاہ بڑا چراغ پا ہوا۔ اور ان کے دشمنی اور شکی دماغ میں یہ خیال آ گیا کہ [illegible] ہیبت خاں شروانی نے جلال خاں کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا ممکن ہے کہ انہوں نے [illegible] گرفتار کرا [illegible]

۱؎۔ ایپی گرافیا انڈیکا۔ جلد ۴۔ ص ۱۱۴-۱۱۵

لیت و لعل کیا ہو۔ اس خیال کا گزرنا تھا کہ ہیبت خاں پر مصیبت آئی ؎

بیک ساعت بیک لحظہ بیک دم — دگرگوں می شود احوال عالم

کا مضمون ان کے سامنے آیا۔ بادشاہ نے ان کو گوالیار سے واپس بلا لیا۔ پٹھان سرداران بادشاہ کی عادت سے واقف تھے اس کی طرف سے ان کو شک و شبہ تھا۔ ہیبت خاں شروانی کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بیٹے کے (غالباً اسلام خاں گورنر کڑا مانک پور سے مراد ہوگی) پاس چلے جائیں، ورنہ بادشاہ ان کو قتل کرا دے گا۔ ہیبت خاں بڑے نیک مزاج کے آدمی تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ چالیس سال تک پوری حکومت کا نمک کھایا ہے وہ بادشاہ کی حکم عدولی کیسے کریں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی یا تو زندگی میں بادشاہ کے خلاف جہاں خاں کو [illegible] پھر اس کو چھوڑ کر بادشاہ کی طرف [illegible] بہرحال یہ جواب معلوم ہوتا ہے کہ ہیبت خاں کو پھر دربار کی حاضری کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔ ہیبت خاں کا ظاہر و باطن [illegible] ظاہر خسرو علیہ الرحمۃ کے اس شعر کا مصداق تھا۔ باطن کا حال خدا جانے ؎

خسرو چو کمند تو اسیر است — بیچارہ کجا رود [illegible]

ان کے اس بیان سے ان کی عمر کا بھی کچھ پتہ چلتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جیسا کرنا ویسا بھرنا۔ انہوں نے اور ان کے خاندان نے بھی تو جلال خاں سے [illegible] بادشاہ کو [illegible] تھا کہ ہیبت خاں [illegible] شروانی کو ان کی گرفتاری کے لئے [illegible] [illegible] ہیبت خاں شروانی [illegible] [illegible] [illegible] ہیبت خاں [illegible] بادشاہ [illegible] [illegible] شروانی دونوں کی طبیعت [illegible]

۵۔ احمد یادگار، تاریخ شاہی، تاریخ داؤدی ص۳، طبقات اکبری

پابند تھے۔ اور بادشاہ کو اس کی پروا نہ تھی۔ ورنہ اس قدر سختی نہ کی جاتی۔ وہ اسی حالت میں قید خانہ میں فوت ہو گئے۔ بقول دیگر بادشاہ نے ان کو زہر دلوا دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب اسلام خاں شروانی[۱] گورنر کڑا مانک پور کو اپنے باپ کے ساتھ بادشاہ کے اس برتاؤ اور سرداروں کے قتل کئے جانے کی خبر پہونچی تو ان کو بڑا پیچ و تاب آیا اور وہ بادشاہ سے بگڑ بیٹھے۔ اور اپنے باپ کی جاگیر اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ ان کے پاس اس وقت چالیس ہزار فوج تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس تعداد میں شروانیوں کا بڑا حصہ ہوگا۔ بہت سے پٹھان سردار بادشاہ کی حرکتوں پر اس سے ناراض تو تھے ہی۔ وہ بھی اسلام خاں شروانی کے ساتھ ہو گئے۔ بادشاہ نے بھی باغیوں کے زبردست گروہ کے خلاف ایک بڑی فوج بھیجی بانگر مئو (ضلع ہردوئی صوبہ اودھ) کے قریب سخت لڑائی ہوئی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے فریقین کے دس ہزار پٹھان کام آئے۔ مگر سلطنت کی بھی چولیں ہل گئیں۔ ایک بزرگ شیخ راجو نے درمیان میں پڑ کر صلح کرانا چاہی۔ باغی پٹھانوں نے یہ شرط پیش کی کہ ہیبت خاں کو قید سے رہا کر دیا جاوے۔ معلوم ہوتا ہے یہ لڑائی ان کے انتقال سے قبل ہوئی۔ بادشاہ اس شرط پر راضی نہیں ہوا۔ تعجب نہیں کہ اسی وجہ سے ان کو زہر دیا گیا ہو۔

القصہ پھر لڑائی ہوئی۔ اس مرتبہ اسلام خاں اور ان کے ساتھیوں کا پلّہ بھاری رہا۔ اس وقت ہیبت خاں کی کانپور (غالباً بٹھور) والی جاگیر احمد خاں لودی کے قبضہ میں تھی۔ اب اسلام خاں نے اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ حکومت سے مقابلہ آسان نہیں ہوتا اور اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔

اب بادشاہ نے اسلام خاں شروانی کے خلاف اور فوجی کمک بھیجی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مرتبہ اسلام خاں لڑائی میں مارے گئے۔ اور ان کے ساتھی منتشر ہو گئے۔ یہاں ہم کو ہیبت خاں شروانی کے دوسرے بیٹے عیسیٰ خاں شروانی سے متعلق ایک دقت پیش آتی ہے۔ اکبری عہد کے مورخ عباس شروانی نے لکھا ہے کہ اسلام خاں کے مارے جانے کے وقت عیسیٰ خاں شروانی مظفر شاہ والی گجرات کے دربار میں گوشہ عافیت میں تھے۔ اور پھر بادشاہ

---

[۱] تہ شیبت شاہی۔ تاریخ داؤدی۔ احمد یادگار

کے عہد تک وہاں رہے۔ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ ابراہیم لودی کے تخت نشینی کے بعد وہ
اس کے دربار میں آ گئے تھے۔ اور بادشاہ نے ان کو کالنجر کی مہم پر بھیجا تھا۔ اور وہاں سے وہ
جلال خاں کے ساتھ سازباز کر کے اس کی مدد کے لئے گئے۔ اور پھر ابراہیم لودی سے آملے اور
خطاب پایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہیبت خاں اور اسلام خاں کی معیت [illegible] کر پا تو پھر
گجرات میں جا کر پناہ گزیں ہوئے یا سکندر لودی کے عتاب سے بھاگنے کے بعد وہ ابراہیم
لودی کے یہاں واپس نہیں آئے۔ بہرحال مؤرخین میں اس بارے میں اختلاف ہے۔
آگے چل کر معلوم ہوگا کہ جب مغل بادشاہ ہمایوں میں اور شیرشاہ سوری میں [illegible] ہو رہی تھی
تو عیسیٰ خاں شروانی شیرشاہ کے پاس گجرات سے چلے آئے تھے۔ یہ گتھی اس طرح بھی ضرور
حل ہو جاتی ہے کہ ہم عیسیٰ خاں شروانی کا گجرات میں دو مرتبہ پناہ لینے کو مان لیں۔ واللہ اعلم بالصواب
القصہ ہیبت خاں شروانی کی گرفتاری اور ان کے انتقال اور پٹھان سرداروں کی بغاوت اور
اسلام خاں شروانی کے مارے جانے کو کسی مؤرخین نے درست نہیں مانا ہے۔ واقعات غالباً
قلعہ کول کی تعمیر یعنی ۹۲۱ھ کے بعد کے ہیں۔ رجب ۹۳۲ھ میں ابراہیم لودی کا خاتمہ ہو گیا
تھا جیسا کہ ہم آگے چل کر دکھائیں گے۔ اس زمانہ میں کانپور شہر پٹھانوں کا مرکز تھا اور اس کے
جوار میں ہیبت خاں شروانی کی جاگیر تھی۔ بہت سے شروانی پٹھان ہیبت خاں شروانی اور
ان کے خاندان میں ملازم تھے۔ انہیں شروانیوں کے یہاں سکندر لودی کے عہد کے
وزیر میاں بوا کے بیٹے دولت خاں لودی نے پرورش پائی تھی جو ابراہیم لودی کے عہد میں
بارہ ہزار منصب تک پہنچا۔ انہیں شروانیوں کے یہاں ابراہیم خاں شروانی پلے تھے جنہوں نے
شیرشاہ سوری کے عہد میں بڑی ترقی کی اور شجاعت خاں سوری کے نائب اور اس کے بڑے
امرا میں شمار ہوتے تھے۔ ہیبت خاں شروانی کے متعلق تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ
۹۴۶ھ میں شیرشاہ کے ساتھ ہمایوں کے خلاف چوسہ کی لڑائی میں شریک تھے۔
ہیبت خاں کا انتقال تو ۹۴۶ھ سے قبل [illegible] ہو گیا تھا۔
اس اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک نام کے دو پٹھان تھے۔ ابراہیم لودی کے

۱۔ شیرشاہی

عہد میں علاوہ عمر خاں شروانی کے خاندان کے دیگر شروانیان بھی ممتاز لوگوں میں تھے
چنانچہ خواجہ خضر شروانی اس زمانہ میں سونپت (جو اب دہلی) کے مقطع (حاکم) تھے۔ اقطاع
سرکار یا حال کے ضلع کا ایک حصہ ہوتا تھا جیسے آج کل تحصیل اور اس حصہ ضلع کا افسر ناظم
یا مقطع کہلاتا تھا۔ یہ خواجہ خضر ان دریا خاں شروانی کے بیٹے تھے جو سکندر لودی کے
زمانہ میں پولو واسے جھگڑے کی وجہ سے نکالے گئے تھے۔ ان کو بھی ابراہیم لودی نے
واپس بلا لیا تھا۔ سونپت میں ان خواجہ خضر شروانی کے متعلق حسب ذیل کتبہ قابل ملاحظہ
ہے۔ "بعون اللہ تبارک و تعالے و بفضلہ عمارت گنبد این حظیرہ بندگی میاں معظم و مکرم
میاں خواجہ خضر مرحوم بن دریا خاں بن شیخ المشائخ شیخ احمد بن شیخ سندو کی درویش شروانی
مقطع سونپت در عہد ابراہیم شاہ سن ثلاثین تسعمائۃ (۹۳۰ھ)" یہ عمارت سونپت سے
آدھے میل جانب شمال واقع ہے اور اسی پر ایک دوسرا کتبہ حسب ذیل اور بھی درج ہے
یعنی "مرتب شد عمارت دہلیز حظیرہ میاں خواجہ خضر بن دریا خاں شروانی رحمۃ اللہ علیہ
یوم الاثنین، الخامس عشرین شہر شوال من شہور ثمان عشرین تسعمائۃ فی عہد سلطان العادل الباذل
المؤید بتائید الرحمٰن ابو المظفر ابراہیم شاہ بن اسکندر شاہ بن بہلول"[1]

اس حساب سے خواجہ خضر شروانی کا انتقال ۹۲۸ھ میں یا اس سے قبل ہو گیا تھا
اور مزار کی عمارت بعد کو مکمل ہوئی تو دوسرا کتبہ لگا یا گیا۔ اس زمانہ میں پنجاب اور دوآبہ گنگا
جمنا کے علاوہ بندیل کھنڈ کے کالپی اور کالنجر میں بھی شروانیان بستے ہوتے تھے کیونکہ
بقول تزک بابری[2] سوگند پور متصل کالپی میں بابر بہادر خاں شروانی کے مزار کی عمارت میں
۹۳۳ھ یا ۹۳۵ھ میں بنگال سے واپسی کے بعد ایک شب مقیم رہا۔ یہ وہی بہادر خاں شروانی
تھے جن کو ابراہیم لودی نے ہیبت خاں شروانی کی گرفتاری کے واسطے بھیجا تھا۔ معلوم ہوتا
ہے کہ یا تو اسی زمانہ میں گرا لیا جاتا یا وہاں سے واپس آتے وقت یا بعد کو ان کا انتقال
ہو گیا اور یہاں دفن ہوئے۔

کالنجر سے شروانیوں کا تعلق بعد تک رہا جیسا کہ آگے دکھایا جائے گا۔ تاریخ داؤدی کے

---

[1] ایپی گرافیا انڈو کا جلد دوئم ص ۱۴۰، ۱۴۱ [2] تزک بابری

قصبہ اوری کے جوار میں، ایک مزار [illegible] بدانی[1] صاحب کا ہے، ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

بندیل کھنڈ میں پٹھانوں کے عہد کی بہت سی قبریں ہیں، تاہم ان پر کتبے نہیں ہیں، یہ خطہ ملک اس زمانہ میں ان کی جولانگاہ تھا۔

الغرض ابراہیم لودی کی حرکتوں سے پٹھانوں کے دل [illegible] انہوں نے [illegible] بادشاہ سے [illegible] کہ اس کا وقت آ گیا تھا۔ پٹھان اس بادشاہ سے [illegible] لاہور [illegible] دیگر [illegible] کو دلاور خاں ولد دولت خاں لودی خانخاناں [illegible] حکومت متزلزل [illegible] موقع اچھا [illegible] بابر مغل بادشاہ کے پاس بھیج کر یہ پیام دیا کہ پٹھانوں کی [illegible] ترجیح دی آپ آئیے اور ہندوستان پر قبضہ جمائیے، اپنی قوم کی غلامی [illegible]

[illegible]

[1] [illegible] ص ۱۱۳

اس سے مغلوں کی جماعت کم۔ مگر منظم اور بابر جیسے قاید کے ماتحت دل و دماغ جوش سے بھرے ہوئے اور ہندوستان پر حکومت کا شوق لئے ہوئے۔ پانی پت کے مشہور میدان میں جس نے بہت سے ایسے خونی منظر دیکھے تھے بڑے زور کا رن پڑا۔ اس سخت لڑائی کا فیصلہ قضا و قدر نے بابر کے حق میں کیا۔ ابراہیم لودی اور بہت سے پٹھان اپنی جانیں کھو بیٹھے اور جو بچے وہ منتشر ہو گئے۔ پٹھان خود اپنے پیروں میں کلہاڑی مار کر کچھ دن کے واسطے (اور آخر میں ہمیشہ کے لئے) اپنی حکومت کھو بیٹھے۔ آج سے سوا چار سو برس قبل کی اور ابتدائی اردو زبان میں بابر کے درباری شاعر نے لکھا ہے:

نو سے اوپر تھا بتیسا — پانی پت میں بھارت ویسا
اٹھئیں رجب بیابیں شکروارا — بابر جیتا براہیم ہارا[1]

(یعنی ۸ رجب ۹۳۲ھ روز جمعہ)

یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ اس لڑائی میں پٹھانوں کے کون کون خیل شریک تھے۔ مگر گمان غالب ہے کہ [illegible] ہوں گے۔ پانی پت میں تقسیم ہند تک من جملہ دیگر پٹھانوں کے شروانی بھی بستے تھے۔ [illegible] کی ملاقات یہاں کے کچھ شروانیوں سے ہوئی۔ مگر ان [illegible] شروانیوں [illegible]۔ دیگر مسلمان اقوام [illegible] نہیں [illegible] کرنال اور ریاست پٹیالہ کے علاقہ میں تو شروانی بہت [illegible] سے [illegible]۔ چنانچہ کتاب [illegible] شاہ جمال کو لوی علیہ الرحمۃ [illegible] شروانی [illegible] اور دیگر پٹھانوں کے [illegible] پانی پت [illegible] اور [illegible] تھے [illegible] بیٹھے تھے۔ [illegible] ابراہیم لودی [illegible] پانی پت [illegible] شمال و مغرب [illegible] گیا [illegible] چونکہ [illegible] کی حالت میں [illegible] اس [illegible] سے [illegible]

[1] تاریخ داؤدی

کہہ رہا ہے ؎

بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پرِ پروانہ یابی نے صدائے بلبلے

بقول ایک دوسرے شاعر کے جس نے انسانی زندگی کا سچا نقشہ کھینچا ہے ؎

وہ اونچے اونچے مکان تھے جن کے — آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے — استخواں تک بھی ان کے خاک ہوئے
ذاتِ معبود جاودانی ہے — باقی جو کچھ ہے وہ فانی ہے
نقش وہم طائرانِ خوش الحان — پڑھتے ہیں "کل من علیہا فان"

حکومت بابر بادشاہ — القصہ بابر اپنے مقربوں [illegible] ہندوستان میں [illegible] شاہ ہو گیا [illegible] جماعت کا [illegible] ہوا اور [illegible] کی طرح سے شمشیر زنوں میں بھی دو گروہ ہو گئے یعنی ایک بابر کا ساتھی [illegible] اور دوسرے نے [illegible] کی اگرچہ افراد کی تعداد کم تھی کیونکہ شمشیر زنی شیروانی [illegible] مغل کے ہاتھ میں پہنچی ۹۳۲ھ میں [illegible] بیگ [illegible] تھا [illegible] قصبہ سکندرراؤ میں [illegible] والی بادشاہ تھے [illegible] قصبہ [illegible] تھے [illegible] ضلع علی گڑھ [illegible] داؤد خاں عرف [illegible] داؤد خاں [illegible] زمانہ میں [illegible]
[illegible] ریاست
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کے بعد بابر داؤد خاں عرف [illegible] شیروانی [illegible] ۹۳۴ھ
میں قصبہ سے گزرتے ہوئے [illegible] ان کے [illegible] مقام [illegible]

۹۳۵ھ ۔ تزکِ بابری

افسوس ہے کہ یہاں کے شروانی بھی دستبردِ زمانہ سے نہ بچ سکے اور بمقابلہ ضلع علی گڑھ اور ایٹہ کے دیگر شروانی خاندانوں کے انہوں نے اپنی یہ شان اور ثروت بہت جلد کھو دی اور چند افراد کو چھوڑ کر آج اِسنے گنے جو چند باقی ہیں وہ کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ یہ پُرانا قصبہ انہیں راؤ خاں شروانی کی وجہ سے سکندرہ راؤ مشہور ہوا۔

القصہ زمانہ کا رنگ دیکھکر اب شروانیوں نے بابر کی طرف رجوعات شروع کیں۔ بابر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ جب فتح خاں عرف الیاس خاں ابن عدلی خاں ابن ہیبت خاں اس کے دربار میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ ان کا بیٹا محمود خاں شروانی بھی تھا۔ محمود خاں کے متعلق مورخین میں ذرا سا اختلاف ہو گیا ہے۔ احمد یادگار نے لکھا ہے کہ محمود خاں کو ابراہیم لودی نے قتل کرا دیا تھا۔ وہ دوسرے محمود خاں ہوں گے۔ مگر تزک بابری میں آپ بیتے اور چشم دید واقعات درج ہیں اس کو غلط باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر جبکہ محمود خاں کی ذات کے متعلق بابر نے ایک اور واقعہ بھی درج کیا ہے۔ علاوہ ان کے شیخ بایزید کا بیٹا شیخ علی[۵۱] شروانی یعنی اکبری مورخ عباس شروانی کا باپ آگرہ میں بابر کے دربار میں حاضر ہوا۔ تو بابر نے بڑی آؤ بھگت کی اور خزانہ اودھ سے ایک کروڑ تنکہ ان کو انعام دیا۔ یہ بابر کی طرف سے چندیری کی لڑائی میں شریک تھے۔

اس تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھئے ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے کہ کچھ شروانیان بابر کے خلاف تھے۔ ان میں قطب خاں شروانی عامل اٹاوہ ممتاز تھے۔ اور جب انہوں نے اس مغل بادشاہ کے خلاف بغاوت کی تو بابر بادشاہ نے ایک دوسرے شروانی سردار کو یعنی فیروز خاں کے باپ احمد خاں کو مہدی خواجہ کے ساتھ اس بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بھیجا۔

واضح رہے کہ اس زمانہ میں احمد خاں نام کے دو شروانی سردار تھے یعنی ایک جمال خاں کے بیٹے اور فیروز خاں کے باپ جو بابر کے طرفداروں میں تھے اور قطب خاں کے خلاف بھیجے گئے۔ اور دوسرے شیخ منڈو کی شروانی کے بیٹے اور دریا خاں شروانی کے باپ۔ یہ فرق ان کتبوں سے ثابت ہے جو علی الترتیب رہتک اور سون پت کے روضوں کے

---

۵۱ - اکبرنامہ ابوالفضل

متعلق ہیں۔ اور جن کو ہم نے اوپر درج کیا ہے۔ عمر خاں شروانی کا خاندان جو اس قبیل میں
چوٹی کا خاندان تھا بابر کے ساتھ تھا۔ ان کا طرز عمل دوسرے شروانیوں کے واسطے
مشعل راہ تھا۔ بلکہ بعض لودی اور سوری بھی جنہوں نے ہیبت خاں شروانی کے خاندان میں
پرورش پائی تھی، اس آخر الذکر خاندان کے زیر اثر تھے۔ عمر خاں اور ان کے بیٹوں
اور ایک پوتے اسلام خاں کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر ان کے دوسرے پوتے علی خاں
اور عیسیٰ خاں کی اولاد کی ترقی کا زمانہ آرہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمر خاں شروانی کے
اس خاندان نے پانی پت میں ابراہیم لودی کے ساتھ لڑائی میں شرکت نہیں کی۔ اور الگ تھلگ
رہ کر موقع کا منتظر رہا۔ بابر کے دربار میں فتح خاں ابن ہیبت خاں شروانی کی حاضری کا ہم
نے مجملاً طور پر اوپر ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ بابر کا بیٹا ہمایوں بہار میں پٹھانوں
کی چھیڑ چھاڑ دبانے کے بعد دہلی کو واپس آرہا تھا۔ تو فتح خاں شروانی اپنے بیٹے محمود خاں
کے ڈالمؤ (حال ضلع رائے بریلی اودھ) میں آکر ہمایوں سے ملے۔ ڈالمؤ دریائے گنگا
کے کنارے کانپور کے جوار میں واقع ہے۔ اس سے تعجب نہیں ہے کہ فتح خاں شروانی
اب تک کانپور والی جاگیر پر قابض رہے ہوں۔ ہمایوں نے ان دونوں شروانیوں
کو بابر کے پاس بھیجا۔ بابر غالباً ان کی پٹھانوں کی شورشوں سے فکرمند تھے اور اس
کا ازالہ کرنا چاہتے تھے۔ غالباً بابر نے ان دونوں شروانیوں کی حاضری کو غنیمت سمجھا اور
"الیف قلوب" کے لئے خوشی کا اظہار کیا۔ [illegible] نہیں بلکہ فتح خاں کے دادا ہیبت خاں والی
[illegible] کانپور کی [illegible] فتح خاں کو دی گئی [illegible] کے علاوہ بہت سا انعام و اکرام ملا۔ فتح
خاں سے [illegible] ہمایوں
[illegible]
کے بیٹے ہمایوں کا نام آتا تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

لہ تزک بابری، [illegible]

دریائے گنگا کے کنارے (جہاں ایک پرانا اور شکستہ قلعہ حضرت صوفی علیہ الرحمۃ کے مزار کے محاذ میں اب بھی موجود ہے) بابر کی فوج سے لڑے تھے، مگر جب کامیاب نہیں ہوئے تو سنبھل کی طرف بھاگے اور آخر کار ۹۳۴ھ میں مغلوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

قطب خاں نام کے دو پٹھان سردار اس زمانہ میں اور بھی تھے یعنی قطب خاں لودی جو بہلول لودی کا چچا زاد بھائی تھا۔ اور دوسرے قطب خاں سوری۔ مگر بابر نے اپنی تزک میں صاف طور پر ان باغی قطب خاں کے نام کے ساتھ شروانی لکھا ہے۔ اسی طرح بجلی خاں شروانی نے حصار پنجاب میں بابر کے خلاف بغاوت کی تھی مگر وہ بھی دبا دی گئی۔ یہ بجلی خاں شروانی بہار خاں شروانی کا منہ بولا بیٹا تھا۔ اور اس نے لودیوں کے زمانہ میں سکا تھیر (بندیل کھنڈ) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور بعد کو بہت سا روپیہ لیکر اس قلعہ کو ریاست پنا کے راجہ رامچندر کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ اور پھر اکبری عہد میں اس قلعہ پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں سے بھاگ کر بجلی خاں حصار میں پہونچا۔ اور وہاں مغل طاقت کی بجلی اس پر گری جس سے وہ فنا ہو گیا۔ الیاس خاں کے متعلق مورخین نے واقعات میں الٹ پھیر کر دی ہے، ہم نے بتایا ہے کہ ان کا اصلی نام فتح خاں شروانی تھا۔ مگر عرفیت نے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالا۔ اور وہ اس وجہ سے کہ بقول تزک بابری ایک الیاس[1] خاں نے جمادی الآخر ۹۳۳ھ میں ہندستان کے دوآبہ میں مغلوں سے بغاوت کر کے کول پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے مغل ناظم کپک علی بیگ کو نکال دیا۔ اس پر بابر نے محمد علی جنگ جنگ اور پلکھنہ (ضلع علی گڑھ) سے شیخ گھورن کو اس کے خلاف تعینات کیا۔ الیاس خاں گرفتار ہوا۔ تو بابر نے تنبیہ اور عبرت کے خیال سے اس کی کھال کھنچوا کر قتل کرا دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون تھا الیاس خاں تھا یا فتح خاں شروانی ... الیاس خاں سے مراد ہے یا کسی اور دوسرے پٹھان سے۔ بابر نے تزک میں الیاس خاں کے نام کے ساتھ خیل نہیں لکھا ہے۔ ۹۳۲ھ کی یہ کول والی بغاوت بیانہ میں رانا سانگا کی شکست کے بعد ہوئی تھی۔ فتح خاں عرف الیاس خاں ڈالمؤ میں آ کر پٹھانوں کے ... سے بابر ...

---

[1] تزک بابری۔

دربار میں حاضر ہوئے تھے اور جاگیر کے علاوہ انعام و اکرام پایا تھا۔ اور بابر نے فتح خاں عرف الیاس خاں کی حاضری دربار ۹۳۵ھ کے واقعات کے سلسلہ میں بتائی ہے۔ ایسی حالت میں ۹۳۳ھ میں کول میں بغاوت کرنے والا الیاس خاں یقیناً دوسرا تھا۔ پھر ایک بات اور بھی ہے مخزن افاغنہ نے اسلام شاہ ولد شیر شاہ سوری کے عہد کے (جو ۹۵۲ھ میں شروع ہوا) واقعات کے سلسلہ میں فتح خاں عرف الیاس خاں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ احمد یادگار نے ۹۶۱ھ میں عادل شاہ سوری کے عہد کے واقعات میں فتح خاں کا ذکر کیا ہے۔ ابوالفضل جیسے مورخ نے بھی غلطی کردی کہ تزک بابری میں الیاس خاں کا نام دیکھ کر ۹۳۳ھ میں کول کی بغاوت فتح خاں عرف الیاس خاں شروانی سے منسوب کردی۔ کول میں بغاوت کرنے والا الیاس خاں در اصل عیسیٰ خاں ترکمان کے خاندان سے تھا جو عہد سادات کے آخر میں کول کا حاکم تھا۔ اور غالباً جس کے نام سے محلہ ترکمان دروازہ کول میں آج تک موجود ہے۔ کتاب اخبار الجمال[1] متذکرہ بالا نے صاف طور پر اس کو الیاس خاں ترکمان لکھا ہے۔

القصہ بابر نے اپنی تدابیر اور دوڑ دھوپ سے پٹھانوں کی شورشوں کا شعلہ فرو کردیا۔ اگرچہ کچھ دن بعد وہ پھر بھڑک اٹھا اور ایسا بھڑکا کہ تھوڑے دن کے لئے پھر مغلوں کو ہندوستان کو خیرباد کہنا پڑا۔ اس اجمال کی تفصیل کے واسطے ہم کو پھر ابراہیم لودی کے حکومت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ لودیوں کے خاتمہ اور مغلوں کے عروج کے وقت ہندوستان کی سیاسی بساط پر ایک اور مہرہ برابر آگے بڑھتا چلا آتا تھا اور بالآخر اس نے مغلوں کو ایسی شہ مات دی کہ کچھ دن کے لئے ان کی بازی اٹھ گئی۔ آپ سمجھے کہ یہ مہرہ کون تھا۔ وہ فرید خاں عرف شیر خاں الملقب شیر شاہ سوری تھا۔ اس کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ عمر خاں شروانی نے بہلول لودی کے عہد کے اوائل میں پنجاب والی جاگیر میں چند مواضعات فرید خاں کے باپ حسن خاں کو پرورش کے واسطے۔ اور ایک موضع فرید خاں کو تعلیم کے خرچ کے واسطے دیدیا۔ حسن خاں کے باپ ابراہیم خاں سوری کے انتقال کے بعد عمر خاں شروانی نے بادشاہ سے کہہ کر حسن کو نارنول کی جاگیر بھی حسن خاں سوری کو دیدی تھی اور اسی کے ساتھ اس کو چالیس سوار رکھنے کا

[1] اخبار الجمال۔ قلمی کتاب خانہ حبیب گنج

اجازت مل گئی تھی۔ فرید خاں عرف شیر خاں حسن خاں کی پہلی زوجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اور چھ دیگر بیٹے دوسری زوجہ سے پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ دنیا میں اکثر ہوتا چلا آیا ہے فرید خاں عرف شیر خاں کی سوتیلی ماں اور اس کے بیٹے فرید خاں سے ناراض اور مخالف رہتے تھے۔ اس کی ذہانت خداداد قابلیت علم اور ترقی سے خائف تھے۔ حسن خاں اپنی دوسری بی بی یا زوجہ کے اثر میں تھا اور اسی وجہ سے فرید خاں عرف شیر خاں کے ساتھ بے رخی کا اظہار کرتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر فرید خاں بظاہر تعلیم کی غرض سے جونپور میں جمال خاں سارنگ خانی لودی کے پاس چلا آیا۔ کیونکہ اس کا دادا ایک زمانہ میں ان جمال خاں کا ملازم رہ چکا تھا۔ ہندی مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ بلندی کا ستارہ فرید خاں کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ اس نے جونپور میں جو مرکز علم تھا رہ کر تعلیم و قابلیت میں خاص ترقی کر لی۔ جب حسن خاں جونپور میں آیا تو اس نے اپنے بیٹے کی یہ اچھی حالت دیکھی اور ادھر اس کے عزیزوں نے فرید خاں کی تعریف اور سفارش کی تو حسن خاں نے اپنی صوبہ بہار والی جاگیر جس میں سہسرام ضلع شاہ آباد اور ٹانڈہ شامل تھے۔ انتظام کی غرض سے فرید خاں کے سپرد کر دی۔ ایسا کیا تھا آں چیز کہ خاطر می خواست آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدیدار کا مضمون ہوا۔ اور فرید خاں عرف شیر خاں کی جڑ جم گئی۔ فرید خاں نے اپنی تدبیر اور قابلیت سے اس علاقہ کو ایسا سنبھالا کہ وہ پھر سرسبز ہو گیا۔ اور اس میں چار چاند لگ گئے۔ مگر فلک کج رفتار نے فرید خاں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ایک نیا تماشا دکھایا۔ فرید خاں کی سوتیلی ماں اور بھائی یہ ترقی دیکھ کر رشک و حسد کی آگ سے جلنے لگے۔ مثل مشہور ہے کہ زر، زمین، زن فتنہ و فساد کی جڑ ہیں۔ فرید خاں کی سوتیلی ماں اور بھائیوں نے حسن خاں کو مجبور کیا۔ اور تیار مال کی ہوس میں سہسرام وغیرہ دیہات کو فرید خاں کے انتظام سے نکلوا لیا۔ اور اس کے سوتیلے بھائی سلیمان خاں اور احمد خاں سور اس علاقہ کے تعلقداران مقرر کئے گئے۔ بادشاہ ابراہیم لودی کے آخری زمانہ میں اس کی کمزوری اور روز روز کے آئے دن کی سازشوں سے فائدہ اٹھا کر لوہانی پٹھانوں نے صوبہ بہار پر اپنا قبضہ جما رکھا تھا۔ فرید خاں اپنے باپ اور سوتیلے بھائیوں کی حرکتوں اور بے جا برتاؤ کے خلاف اپیل کرنے کی غرض سے اور شاہی دربار سے فریاد رسی کرنے کے واسطے آگرہ کو روانہ ہوا۔

راستہ میں عمر خاں سشروانی کے خاندان کے پاس بہلول ضلع کانپور میں جہاں ان کی جاگیر تھی چند روز مہمان رہا۔ اس زمانہ میں دولت خاں ولد بدھو خاں لودی ابراہیم لودی کے دربار میں بڑے امرا میں تھا اور بادشاہ پر اس کا اثر تھا۔ اس نے بہلول میں سشروانیوں کے یہاں پرورش پائی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرید خاں نے اس بات سے فائدہ اٹھایا اور غالباً دولت خاں تک سفارش پہونچوائی۔ دولت خاں نے بادشاہ سے فرید خاں کی سفارش کی تو بادشاہ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جو بیٹا اپنے باپ کے خلاف ہو وہ امداد کے قابل نہیں ہے فرید خاں ناامید ہو کر بے نیل مرام واپس ہوا۔ اور اس نے سوچا ہوگا کہ اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونا چاہیے۔ تقدیر کی لکیر کو کوئی نہیں مٹا سکتا جس کو خدا تعالیٰ نے آگے بڑھانا ہو بھلا اس کو کون روک سکتا ہے۔ اسی زمانہ میں حسن خاں فوت ہو گیا اور سہسرام میں مدفون ہوا۔ اس کے انتقال کے بعد دولت خاں لودی کو پھر موقع ملا اور اس نے پھر بادشاہ سے فرید خاں کے حق میں سفارش کی جو کارگر ہوئی اور بادشاہ نے صوبہ بہار کی جاگیر کے عطا کرنے کا فرمان فرید خاں کے نام اور اس کے حق میں جاری کر دیا۔ فرید خاں کے بھائیوں نے اس کے خلاف طرح طرح کی کوششیں کیں مگر ان کی ایک بھی نہ چلی۔ اس کے بعد جب ابراہیم لودی بادشاہ پانی پت کی لڑائی میں مغلوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ تو میدان صاف دیکھ کر صوبہ بہار میں بہار خاں ولد دریا خاں لوحانی نے سلطان محمد خاں کے لقب سے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ قسمت کے دھنی فرید خاں سور نے سلطان محمد خاں کی ملازمت کر لی۔ اور بڑھتے بڑھتے [illegible] سلطان محمد خاں کے یہاں بڑا رتبہ حاصل کر لیا۔ ایک روز فرید خاں نے شکار کے وقت سلطان محمد خاں کے ساتھ شیر مارا تو اس کو شیر خاں کا خطاب ملا۔ اور محمد خاں کے بیٹے جلال خاں کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ ہم کو یہ سب کہانی اس وجہ سے دہرانی پڑی کہ شیر خاں سور اور سشروانیوں کی [illegible] اس غلط فہمی ہوئی ہے کہ دونوں ہم قوم سمجھے گئے ہیں [illegible] نہیں آسکتے۔ اب ایک واقعہ پیش آیا [illegible] شیر خاں کے سوتیلے بھائیوں کی [illegible]

---

۵ شیر شاہی۔ مخزن افاغنہ

سے برگشتہ اور ناراض کرا دیا۔ شیر خاں اس کے دربار سے بھاگ کر اپنے مستقر سہسرام میں آیا۔ اور پھر آگرہ کو اس غرض سے روانہ ہوا کہ بابر کے جنرل اور با اثر امیر جنید برلاس سے اپنے حق میں اس مغل بادشاہ سے اپنی سفارش کرائے اور سلطان محمد خاں سے بدلہ لے۔ دریا خاں عرف میاں حسن خاں شروانی کو جس سے شیر خاں کی رشتہ داری تھی اپنے ساتھ لیا۔ آگرہ پہونچنے کے بعد بابر کے دربار میں ایک عجیب قصہ پیش آیا گویا[۵] قدرت نے اس کو مغلوں سے بچایا۔ بادشاہ کے کھانے کے وقت سالم مچھلی دسترخوان پر شیر خاں کے سامنے رکھی گئی تو اس نے اپنا پیش قبض نکال کر مچھلی کے ٹکڑے کئے اور کھایا۔ بابر بادشاہ نے شیر خاں کی ذہانت دیکھ کر اپنے درباری امراء سے سرگوشیاں کیں۔ شیر خاں تاڑ گیا کہ دال میں کالا ہے۔ یہاں قیام ٹھیک نہیں سفارش تو الگ رہی گردن کی بھی نہ چلی جائے۔ چنانچہ شیر خاں اور میاں حسن خاں شروانی رات کے وقت پوشیدہ طور پر آگرہ سے نکل بھاگے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا زمانہ تھا۔ شیر خاں بھی بڑا چلتا پرزہ تھا۔ ہمت اور حوصلہ اس میں قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ اس نے چوندہ سے محمد خاں سور کو نکال کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنی طاقت کو بڑھانے کے لئے بہت سے پٹھانوں کو جو ادھر ادھر بھاگے ہوئے تھے اپنے پاس بلا لیا۔ سلطان محمد خاں لوحانی والیٔ بہار کا انتقال ہو گیا۔ اور جلال خاں جس کا اتالیق شیر خاں ہو چکا تھا گدی پر بیٹھا۔ شیر خاں نے جلال خاں کے ساتھ تعلقات پھر قائم کئے۔ پٹھانوں کی سرشت کہ ان کو دوسروں کی محکومی پسند نہیں اور آزادی میں ان کو لطف آتا ہے۔ جلال خاں کے گدی پر بیٹھنے کے بعد اس کے رفیقوں میں بھی دو گروہ ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک نے جلال خاں کو شیر خاں سے ناراض اور اس کے خلاف کرا دیا۔ مگر میاں حسن خاں شروانی نے جس کو شیر خاں کی بہن بیاہی تھی شیر خاں کے ساتھ مل کر ایسی ترکیب چلی اور جلال خاں کو اس قدر ڈرایا کہ وہ صوبہ بہار چھوڑ کر بنگال کے سلطان کے پاس چلا گیا۔ اور وہاں سے فوجی کمک حاصل کر کے شیر خاں اور اس کے ساتھیوں سے دوچار ہوا۔ اس قسمت آزمائی میں شیر خاں کامیاب ہوا۔ اور جلال خاں کی بڑی دولت اور ساز و سامان اس کے ہاتھ لگے۔ ابھی زمانہ میں شیر خاں کی قسمت نے ایک اور زور دکھایا۔

۵۔ مخزن افاغنہ۔ شیر شاہی۔ خلاصۃ التواریخ۔ تاریخ مظفری

یعنی شیر خاں نے چنار ضلع مرزاپور میں تاج خاں سارنگ خانی لودی کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔ یہ بڑی مالدار عورت تھی گویا سونے کی چڑیا تھی۔ کئی من سونا اور بہت سے جواہرات شیر خاں کے ہاتھ لگے۔ اس زمانہ میں شروانی ملک بھر میں منتشر تھے۔ کچھ پنجاب میں سے تھے کچھ گجرات میں گذر بسر کر رہے تھے۔ اور کچھ مالوہ میں روزی کما رہے تھے اور کچھ کانپور کے علاقہ میں تھے اور کچھ صوبہ بہار میں اور کچھ صوبہ بنگال میں اور کچھ شیر خاں کے ساتھ۔ اب ان شروانیوں نے شیر خاں کی بڑھتی ہوئی حالت دیکھ کر اس کی طرف رجوعات شروع کیں۔

عہد ہمایوں بادشاہ

جمادی الاول ۹۳۷ھ (دسمبر ۱۵۳۰ء) میں بابر بادشاہ دار فانی سے رخصت ہوا اور اس کا بیٹا دہلی میں جانشین ہوا۔ بہ نسبت بابر کے ہمایوں سے پٹھانوں کے تعلقات زیادہ خراب تھے۔ اور یہ خرابی آخر میں رنگ لائی۔ ہمایوں اور پٹھان ایک دوسرے کو ملک سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے اور شیر خاں اپنی حکومت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی تدابیر میں لگا ہوا تھا۔ شروانیوں کی طرف سے ہمایوں کے دل میں قدرتی طور پر کھٹک تھی۔ کیونکہ ان میں سے کچھ تو پہلے ہی سے شیر خاں کے طرفدار اور رفیق تھے۔ جب بابر کے عہد میں صوبہ بہار میں جب محمود خاں ابن سکندر لودی نے بابر سے بغاوت کی تھی تو شروانیوں نے محمود خاں لودی کا ساتھ دیا تھا۔ اس کو عیسیٰ خاں شروانی کی بیٹی بیاہی تھی جیسا کہ شجرہ مندرجہ بالا میں دکھایا گیا ہے مگر چند شروانیوں نے ہمایوں کا ساتھ دیا اگرچہ ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ یوسف خاں بن مبارز خاں شروانی محمود خاں لودی کے ساتھی قادر جلال ان کے بیٹے فتح خاں عرف الیاس خاں شروانی اور ان کے بیٹے محمود خاں شروانی جب اودھ میں ڈالمؤ ضلع رائے بریلی میں ہمایوں سے آ کر ملے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے تو ہمایوں نے ان کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو شک تھا اور نہ بھروسہ تھا بلکہ ان کی قسمت کا فیصلہ اپنے باپ بابر بادشاہ پر چھوڑ دیا۔ مگر جب [illegible] خیر ممکن ہے۔ ہمایوں عام طور پر پٹھانوں اور شروانیوں سے خائف ہو گیا تھا۔ ۹۴۱ھ/۱۵۳۴ء میں ہمایوں نے مانڈو مالوہ کو خلجی خاندان سے نکالا۔ یہاں بھی شروانی موجود تھے ان کو بھی نکال دیا۔ اسی طرح جب ہمایوں نے گجرات کا رخ کیا تو وہاں کا حکمران سلطان بہادر [illegible] کی طرف بھاگا۔ عیسیٰ خاں

شیروانی اور ان کے خاندان کو اپنے لالے پڑے اور وہ بھاگ کر سہسرام میں شیر خاں کے پاس پہونچے۔ یہاں پہونچ کر عیسٰی خاں شیروانی اور دیگر پٹھان سرداروں نے شیر خاں کو ابھارا کہ وہ پٹنہ میں شیروانیوں کے رشتہ دار محمود خاں ابن سکندر لودی کا ساتھ دے مگر شیر خاں کو تو اپنی فکر لگی ہوئی تھی وہ سمجھتا تھا کہ یہ مشورہ خطرناک ہے اس نے بہت کچھ بغلیں جھانکیں مگر پٹھانوں کی بڑی جماعت کے مقابلہ میں کچھ بس نہ چلا۔ جب محمود خاں ابن سکندر لودی نے بڑھ کر جونپور پر قبضہ کیا تو مغل فوج نے اس کو اور اس کے رفقاء کو وہاں سے مار بھگایا۔ اس لڑائی کے موقعہ پر شیر خاں اپنی مصلحت سے طرح دیکر اور مغلوں سے لڑے بغیر میدان جنگ سے بچ کر سہسرام پہونچ گیا۔ اس جونپور والے معرکہ کے سال کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے جس پر تفصیلی تنقید ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے۔ صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ ہمایوں کے خلاف پٹھانوں کی اس دوسری بغاوت کے بعد محمود خاں لودی یہ کہہ کر کہ اس راہ میں خار مغیلان بہت ہیں اس کو حکومت نہیں چاہیئے تھک کر بیٹھ رہا۔ عیسٰی خاں شیروانی نے دیکھا کہ وہ اپنی تدبیر میں کامیاب نہ ہوئے۔ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن کا مضمون پیش آیا۔ سوائے اس کے کوئی اور چارہ نہ رہا کہ وہ پھر سہسرام میں اپنی جماعت کے ساتھ شیر خاں کے پاس چلے آئیں۔ شیر خاں اس وجہ سے شیروانیوں کا لحاظ کرتا تھا کہ اوّل تو عیسٰی خاں شیروانی کے مورث عمر خاں شیروانی نے اس کی اور اس کے خاندان کی جڑ جمائی تھی۔ جیسا کہ سطور بالا میں دکھایا گیا ہے پھر شیر خاں اپنی جماعت کو بڑھانے اور بادشاہت کی فکر میں لگا ہوا تھا جس پر پٹھان اس کا مذاق اڑاتے تھے مگر قادر مطلق حاکم الحاکمین ملک ایک سے نکال لیتا ہے اور دوسرے کو دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے۔ شیر خاں کے پاس[1] اس وقت نوّے ہزار پٹھانوں کی جماعت ہو گئی جس میں سوریوں کے بعد شیروانی پیش پیش تھے۔ پٹھانوں کی یہ حالت تھی کہ ؎

ہم سوختہ جانوں کا نشیمن بھی بلا ہے سرسبز ہے سو بار تو سو بار جلا ہے

---

[1] ۔ احمد یادگار۔

بہادر اور حوصلہ مند ہونے کے علاوہ شیر خاں مدبر بھی تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی طاقت
کو بڑھانے کے لئے پھر تدبیر سے کام لیا۔ اس زمانہ میں رہتاس گڑھی کا پہاڑی اور مضبوط قلعہ
جو سہسرام سے کچھ فاصلہ پر اور بنگال کے راستہ کی کنجی تھا اس نے بغیر لڑے ہوئے فتح کیا۔
اس کی تفصیل یوں ہے کہ وہاں کے راجہ سے تعلقات پیدا کرنے کے بعد پردہ دار ڈولیوں میں
اپنے چیدہ چیدہ نوجوان سپاہیوں کو بٹھایا اور قلعہ میں بھیجا۔ جب راجہ کے اہالی موالیوں نے
ان ڈولیوں کو اندر جانے سے منع کیا تو کہا کہ اس میں عورتیں ہیں جو راجہ کی عورتوں کی مہمانوں
کے طور پر قلعہ میں جارہی ہیں۔ اس تدبیر سے جب کچھ فوج قلعہ میں داخل ہو گئی تو راجہ اور اس کے
ملازمین اور رفیقوں کو بیدخل کر دیا۔ اب اس کو خواہ فریب اور دغا کہیے خواہ تدبیر سیاسی دنیا
میں آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ اور ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اس تدبیر میں اور اس پر عمل کرنے
میں ہیبت خاں شیروانی کے پوتے مظفر خاں اور اکبری مورخ عباس شیروانی کے چچا محمد خاں ولد بایزید
خاں شیروانی بھی شریک تھے۔ چنار ضلع مرزاپور کا مضبوط پہاڑی قلعہ شیر خاں کی طرف سے سیف خاں
اجا خیل شیروانی (جس نے سکندر لودی کے زمانہ میں محلہ سیف خاں سرائے بلدہ سنبھل ضلع مرادآباد
بسایا تھا) اور غازی خاں سور کے سپرد تھا۔ یہ دونوں پہاڑی قلعے اس زمانہ میں چوٹی کے ناکے
سمجھے جاتے تھے جو ان پر قابض ہو وہی ملک بہار پر حکومت کر سکتا تھا۔ اور بنگال کی طرف
بڑھ سکتا تھا۔ قلعہ رہتاس گڑھی پر شیر خاں کے قبضہ کے بعد ہمایوں نے سوچا اور دیکھا کہ پٹھان
اب پھر ہاتھ پیر نکال رہے ہیں۔ اور مغلوں کی حکومت پر کاری ضرب لگنے کا اندیشہ ہے چنانچہ
وہ بڑی جرار فوج لیکر شیر خاں کو دبانے کی غرض سے چنار کی طرف بڑھا۔ سیف خاں شیروانی اور
غازی خاں سور نے ہمایوں سے مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور قلعہ کو خالی کر کے شیر خاں کے
پاس سہسرام میں چلے آئے۔ شیر خاں نے اپنی مصلحت سے ہمایوں کو صلح کا پیام دیا تو یہ شرط ٹھیری کہ
شیر خاں سور اپنے بیٹے جلال خاں کو (جو بعد کو اسلام شاہ کے لقب سے شمالی ہندوستان اور
وغیرہ کا بادشاہ ہوا) ہمایوں کی نگرانی میں دیدے تو ہمایوں چنار سے اپنی فوج ہٹالے گا۔
شیر خاں نے پھر ترکیب چلی۔ جلال خاں کو ہمایوں کے پاس بھیجا۔ مگر اس کے ساتھ عیسیٰ خاں

سلہ شیر شاہی

شیرانی جیسے تجربہ کار اور ہوشیار شخص کو لگایا اور سمجھا دیا کہ آنکھ بچا کر مناسب موقعہ پر نکل آئیں۔[1] چنانچہ یہ دونوں ہمایوں کے چنگل سے نکل کر گجرات کی طرف بھاگ گئے۔ اور چکر کاٹ کر پھر شیر خاں کے پاس آ گئے۔ ہمایوں کو ان کی حرکت پر بڑا تاؤ آیا اور اس نے سوچا کہ اب بغیر کھلم کھلا لڑے ہوئے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس کو طرح طرح کی دقتوں کا سامنا تھا۔ [illegible] کمیاب تھا۔ ہمایوں نے بایزید خاں شروانی کو (جو بادشاہ کے طرفداروں میں تھا) [illegible] کے لیے تعینات کیا۔ وہ اپنی حسن تدبیر سے اس کام میں کامیاب ہوئے تو ہمایوں نے ان کو شیخ بیگ کا خطاب دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کے رفقا میں دو چار شروانیاں ضرور ہوں گے۔ الغرض ۹۴۵ھ یا ۹۴۶ھ اور بقول الفنسٹن[2] ۹۴۳ھ میں ہمایوں نے چنار پر قبضہ کر کے اور اس طرح اپنے عقب کو مضبوط کر کے شیر خاں کے خلاف پیش قدمی کی۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ قصہ پیش آیا کہ گوڑ بنگالہ کے حکمران سلطان محمود نے جس کو ایک مرتبہ اس سے قبل شیر خاں زک دے چکے تھے۔ ہمایوں کو بنگال میں آنے کی دعوت دی۔ سہسرام فوجی نقطۂ خیال سے محفوظ جگہ نہ تھی۔ شیر خاں کو تشویش پیدا ہوئی۔ اور اس نے اپنے اہل و عیال کو رہتاس گڑھی کے قلعہ میں پہونچا کر سہسرام خالی کر دیا۔ ایسے نازک وقت میں شیرانی اعیان اور ان کے قبیلہ کے لوگ زیادہ تر شیر خاں کے کام آئے۔ سیف خاں شروانی نے جن کے پاس اس وقت صرف تین سو پیادہ شروانی سوار رہ گئے تھے شیر خاں کو مشورہ دیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ قلعہ اور تمہارے اہل و عیال کی حفاظت ہم کریں گے۔ مظفر خاں شیرانی اور محمد خاں ابن بایزید خاں شروانی بھی اس مشورہ میں شریک تھے۔ گویا بیٹا تو شیر خاں کے اور باپ ہمایوں کے ساتھ تھے معلوم ہوتا ہے کہ بایزید خاں شروانی اور ان کے بیٹے محمد خاں نے دونوں پہلو دبا رکھے تھے۔ خواہ کسی کل اونٹ بیٹھے۔ ان میں سے ایک نہ ایک دوسرے کو سنبھال لے گا۔ شیر خاں نے ان شروانی سرداروں کے مشورہ کی اس بنا پر مخالفت کی کہ ان کی مٹھی بھر جماعت ہمایوں کے ٹڈی دل کو کیسے روک لے گی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس قلعہ پر ہمایوں سے مڈبھیڑ کرنا اس کی مصلحت کے خلاف تھا۔ اگرچہ اس کے پاس نوے ہزار پٹھان تھے۔ وہ غالباً اس کو بہتر سمجھتا تھا کہ ہمایوں کو اچھی طرح سے پہاڑوں کے چھیتر کے اندر داخل ہونے دیا جاوے۔

---

[1] تحفہ یادگار۔ [2] تاریخ ہندوستان

بالآخر شیر خاں ان شروانی سرداروں اور ان کے چند رفقا کی نگرانی میں اپنے اہل وعیال کو رہتاس گڑھی میں چھوڑ کر اور فوج کا بڑا حصہ ساتھ لیکر جھاڑ کنڈ بنگال کی طرف صاف نکل گیا۔ ہمایوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا جس نے طول کھینچا اور شیر خاں کو اور بھی موقعہ مل گیا۔ جلال خاں ابن شیر خاں سور سیف خاں شروانی، بہار خاں شروانی اس قلعہ پر ہمایوں کے خلاف اس بہادری سے لڑے کہ اس بادشاہ کے دانت کھٹے کر دیئے۔[1] بالآخر اکثریت اقلیت پر غالب آئی اور قلعہ پر ہمایوں کا قبضہ ہوگیا۔ مگر ہمایوں نے اس موقعہ پر بڑی فیاضی اور دریا دلی کا اظہار کیا۔ سیف خاں شروانی کو ان کی بہادری پر مبارکباد دی۔ اور شیر خاں کے خاندان اور سیف خاں کے باقی ماندہ ساتھیوں کو رہا کر دیا۔ یہ لوگ شیر خاں کے پاس چلے آئے۔ غالباً ہمایوں نے سوچا کہ پٹھان اس کے چنگل سے نکل کر کہاں جائیں گے۔ یہ مختتم لڑائی نہ تھی۔ شیر خاں کے پاس بھی جماعت کافی تھی اور دونوں کو بغیر اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ فیصلہ کن معرکہ ہو۔ اس وقت عیسیٰ خاں شروانی شیر خاں کے دست راست اور خاص مشیروں میں تھے۔ شیر خاں نے اس ترکیب سے نقل و حرکت کی کہ جا نبین دریائے چونسہ پر ایک دوسرے کے سامنے آپڑے۔ اس لڑائی کی پوری تفصیل ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے ہم صرف اس قدر مجملاً عرض کریں گے کہ ہمایوں کے مشیروں میں فوجی ترتیب اور میدان جنگ کا نقشہ جمانے میں اختلاف تھا۔ ہمایوں خود غافل اور آرام طلب تھا۔ بخلاف اس کے شیر خاں خود شیر کی طرح دبنگ اور تاک میں لگا ہوا اس کے ساتھی وفادار ایک دل اور مستعد۔ ایک دن شیر خاں نے ہمایوں کو غافل پاکر یکایک تیزی کے ساتھ ہمایوں اور اس کی فوج پر حملہ کر دیا مغلوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ ان میں بھگدڑ پڑی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ایسی حالت میں ہونا چاہیئے تھا۔ یعنی فتح نے شیر خاں کے قدم چومے اور شکست نے ہمایوں کا دامن پکڑا۔ ہمایوں کو کاری ضرب لگی اور شیر خاں کو فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی۔ ہمایوں بھاگ کر دریا میں کود پڑا۔ اس کو جان بچانا مشکل ہوگیا۔ ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ ایک سقہ نے اپنی مشک کی مدد سے اس کی جان بچائی۔ اور وہ افتاں و خیزاں آگرہ پہونچا۔[2] قدرتی طور پر شروانیوں کے ساتھ اس کی ناراضی اور نفرت میں اضافہ ہوا۔ اب عیسیٰ خاں شروانی نے شیر خاں کو مشورہ دیا کہ یہی موقعہ ہے اپنی بادشاہت کا اعلان

---

[1] شیر شاہی۔ [2] مخزن افاغنہ۔ تاریخ داؤدی۔ فرشتہ

کرد یجئے۔ شیر خاں نے اس سے انکار کیا خواہ ظاہری طور پر اور مصالح کی بنا پر یا دل سے۔ دل کا حال تو خدا جانے۔ بہر حال پٹھانوں نے اصرار کے ساتھ کہا کہ عیسیٰ خاں شروانی حضرت شیخ بلیخ قتال رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں ان کی بات رد نہیں کرنا چاہئے۔

حکومت شیر شاہ سوری چنانچہ شیر شاہ نے ۹۴۷ھ میں اپنی حکومت کا اعلان کیا اور اس کا خطبہ پڑھا گیا اور جیسا کہ قصبہ سکیٹ (ضلع ایٹہ وصوبہ آگرہ) کی مسجد کے کتبہ سے ثابت ہے۔ فرید الدنیا والدین ابو المظفر شیر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس میں دونوں نام آگئے۔ یہ کتبہ شعبان ۹۴۷ھ یعنی دسمبر ۱۵۴۰ء کا ہے۔[۱] اس لئے صاف ظاہر ہے کہ بادشاہت کا اعلان شعبان ۹۴۷ھ سے قبل کیا گیا۔ بقول تاریخ داؤدی بہلول لودی نے مرنے سے قبل اپنی اولاد کے واسطے دو وصیتیں چھوڑی تھیں۔ ایک تو یہ کہ سوریوں میں سے کسی کو امیر اور خان نہ بنایا جائے۔ کیونکہ ان کا دماغ بادشاہت کے لئے موزوں ہے اور نیازیوں میں سے کسی کو ملازم نہ رکھا جاوے کیونکہ وہ مرد بے ملاحظہ ہیں۔ یہ دونوں خیال بعد کو صحیح ثابت ہوئے۔[۲] القصہ شیر شاہ کے بادشاہت کے اعلان کے بعد عیسیٰ خاں شروانی نے ملک بھر میں پھیلے ہوئے پٹھانوں کو مبارکباد کے خطوط بھیجے اور شیر شاہ کے اعلان کا نشر کیا۔ اور ہمایوں نے آگرہ پہونچکر شکست کے کلنک کے ٹیکہ کو مٹانے اور پٹھانوں سے بدلہ لینے اور ان کو نکال دینے کی تیاری شروع کر دی۔ کچھ دن بعد مغلوں کی تازہ دم اور بڑی فوج لیکر آگرہ سے قنوج پر بڑھا۔ یہ قصبہ دریائے گنگا پر واقعہ ہے اور اس زمانہ میں دریا قصبہ کے نیچے ہی جانب شمال بہتا تھا۔ یہیں آکر کالی ندی اس میں ملتی ہے۔ غالباً ہمایوں اس کو مجبور کر کے اودھ کے راستہ سے چل کر شیر شاہ سے دوبارہ مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر شیر شاہ نے اس کو اس قدر موقعہ نہ دیا۔ بلکہ وہ ہوشیار تھا۔ اس نے عیسیٰ خاں شروانی کو مالوہ کی طرف اس غرض سے بھیجا کہ جب ہمایوں آگرہ سے چل کر پیش قدمی کرے تو عیسیٰ خاں شروانی عقب سے آگرہ پر حملہ کر دیں۔ کیونکہ وہ مالوہ کے اطراف سے واقف تھے۔ عیسیٰ خاں اس فوجی تدبیر میں تو کسی وجہ سے کامیاب نہ ہوئے مگر وہ اپنے ساتھ گجرات سے بلا کر اور مالوہ سے لیکر پٹھانوں کی بڑی جماعت کو جو افلاس میں گذر بسر کرتے تھے

---

[۱] ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ۔ [۲] تاریخ داؤدی۔

اور تلاش معاش میں سرگرداں تھے لیکر شیر شاہ کے پاس ہمایوں سے بچکر پہونچ گئے۔
قنوج پہونچنے کے بعد ہمایوں کی طرف سے پھر لیت و لعل کا اظہار ہوا۔ اور لڑائی کے واسطے
فوجی ترتیب کا جو موقعہ اختیار کیا وہ دریاؤں کی وجہ سے فوجی نقطہ خیال کے مطابق مناسب
نہ تھا۔ شیر شاہ تیزی کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے ہمایوں کے محاذ میں پہونچ گیا اور اپنی
فوج کے واسطے ایک بلند اور اچھی جگہ تجویز کرکے پڑا جمایا۔ مغلوں اور پٹھانوں میں پھر گھمسان
کا رن پڑا۔ اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ قضا و قدر نے پھر شیر شاہ کا ساتھ دیا۔ اور ہمایوں کو
ایسی شکست فاش ہوئی کہ کچھ دن کے واسطے ہندوستان سے مغلوں کی حکومت اٹھ گئی اور پٹھانوں
کے گھر پہونچی۔ اس فیصلہ کن لڑائی میں علاوہ عیسیٰ خاں شروانی کے کئی ایک چوٹی کے شروانی
سرداران اور بھی شریک تھے اور انہوں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر داد بہادری دی۔ یہ
سرداران مظفر خاں شروانی سیف خاں شروانی بجلی خاں شروانی اور ایوب خاں شروانی
تھے یہ جلال خاں ابن شیر شاہ کے دستے کے ساتھ تھے۔ جب شیر شاہ کو اد ہر سے اطمینان
ہوا تو انعام اکرام کی تقسیم کا وقت آیا۔ عیسیٰ خاں شروانی کو ان کی کارگزاری کا صلہ ملا اور
ان کی ترقی اور منصب میں چار چاند لگے وہ شیر شاہ کے حاجب خاص تو پہلے ہی سے
تھے یہ قریب قریب وہی عہدہ ہے جس کو انگلستان میں کورٹ چیمبرلین اور ترکوں میں
تشریفاتچی باشی کہتے ہیں۔ ان کو میر تزک کے عہدہ پر بھی مقرر کیا گیا اس کے علاوہ علاقہ
سنبھل (ضلع مراد آباد) کے حاکم اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ اس علاقہ کی حالت رعایا کی سرکشی سے
اکثر خراب رہتی تھی۔ فیروز شاہ تغلق نے تو اپنے عہد میں سنبھل کو اور آنولہ کے آس پاس کو
سات برس تک ویران رکھا تھا۔ یہ حالت کبھی سنبھلی اور کبھی کچھ دن کے لئے خراب ہوگئی
آئے دن یہ تماشہ رہتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ شیر شاہ کے قبضہ دخل کے زمانہ میں بھی
علاقہ بہت زیادہ توجہ کے قابل تھا۔ اب عیسیٰ خاں شروانی کے انتظام پر روشنی ڈالنے سے
قبل اس لڑائی کے سلسلہ میں ایک اور دلچسپ واقعہ کا جس سے عیسیٰ خاں کی خصلت
پر روشنی پڑتی ہے بیان کرنا ضروری ہے۔ اس لڑائی کے بعد ہمایوں کو اس کے بھائیوں
کی خانہ جنگی نے اور بھی پریشان کیا۔ اور اس نے بہتری اسی میں سمجھی کہ بیم و یاس کی

حالت میں وہ ہندوستان چھوڑ کر سندھ اور گجرات کے راستہ سے ایران کی طرف بھاگا۔ دریائے گنگا کی لڑائی میں جب مغلوں کو شکست ہوئی تو ہمایوں کا مشہور فوجی سردار بیرم خاں جو بعد کو شہنشاہ اکبر کا اتالیق مقرر ہوا اور خانخانان کے خطاب سے سلطنت کے کل امور کا حاکم اور مالک ہوا اپنی جان بچا کر قنوج سے سنبھل میں پہونچا۔ اور میاں عبدالوہاب ابن میاں عزیز اللہ دانشمند سنبھلی کے یہاں اس نے پناہ لی۔ میاں عبدالوہاب نے شیرشاہ کے خوف سے بیرم خاں کو لکھنور (حال ریاست رامپور) کے راجہ مترسین کے پاس بھجوادیا۔ اس وقت نصیر خاں عیسیٰ خاں کی ماتحتی میں سنبھل کا حاکم تھا اس نے بیرم خاں کو راجہ مترسین کے یہاں سے سنبھل میں پکڑ بلایا۔ اور اس کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ جب عیسیٰ خاں شروانی کو جو ایک شریف دشمن تھے نصیر خاں کی اس حرکت کی خبر ہوئی تو انہوں نے بیرم خاں کو اپنے پاس بلا لیا۔ بہت تسلی تشفی دی اور عزت آبرو کے ساتھ بیرم خاں کو شیرشاہ کے پاس پہونچا دیا جو اس وقت اجین (حال ریاست گوالیار) میں تھا۔ جب شیرشاہ کو معلوم ہوا کہ وہ سنبھل میں حضرت شیخ قتال رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کی پناہ میں رہا تو اس کو ایک گھوڑا اور خلعت عطا کیا۔ مگر یہ سب خاطر تواضع بیکار گئی۔ بیرم خاں موقعہ کا منتظر خود مغل اور مغل بادشاہوں کا قدیم نمک خوار تھا۔ وہ شیرشاہی نگرانی سے نکل بھاگا اور شیخ گدائی کنبوہ کی مدد سے گجرات میں پہونچکر ہمایوں سے جا ملا۔ جان بچی لاکھوں پائے کا مضمون ہوا۔ بیرم خان نے اکبری عہد کے اوائل میں عیسیٰ خاں شروانی کو اس احسان کا بدلہ دینا چاہا۔ جس کا حال آگے آئے گا۔ شیرشاہ ہمایوں کی گرفتاری کی دھن میں لگا ہوا تھا۔ اور اس کام کے لئے عیسیٰ خاں شروانی کو بھی تعینات کیا تھا۔ مگر خدائے عالم الغیب والشہادہ کو ایک مرتبہ پھر مغلوں کو ہندوستان پر مسلط کرنا تھا۔ شیرشاہ ہمایوں کو گرفتار نہ کرسکا۔ اور آخرالذکر نے شاہ ایران کے پاس پناہ لی۔ اسی زمانہ میں خضر خاں شروانی[1] شیرشاہ کی طرف سے بنگال کا ناظم اعلیٰ تھا۔ اس نے محمود خاں لودی کی لڑکی سے نکاح کر لیا۔ یہ کمینہ دوست ثابت ہوا۔ اس کے دماغ میں بادشاہت کی بو سمائی اور اس نے خودمختاری کی حرکتیں کرنا شروع کر دیں۔ گو یا مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔

---

[1] - تاریخ خورشید جہاں۔

جب شیر شاہ کو خضر خاں شروانی کی نمک حرامی اور ان بیجا حرکتوں کا حال معلوم ہوا تو اس کو گرفتار کرا کے دس ضرب بید لگوا کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ اور اس کا دماغ ٹھیک ہو گیا۔ یہی غنیمت ہوا کہ وہ قتل نہ کیا گیا۔ شیر شاہ نے شروانیوں کی خدمت گذاری کا لحاظ کر کے خضر خاں کو نرم سزا دی۔ تاریخ میں صرف یہی ایک مثال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شروانی نے بھی بادشاہت کی ہوس کی اور اس کا مزہ چکھا۔ جب ہمایوں کے ملک سے نکل جانے کے بعد شیر شاہ کو اطمینان حاصل ہوا تو پٹھانوں کو جاگیروں اور انعامات سے مالامال کیا۔ سنبھل صوبہ کٹھیر (موجودہ روہیلکھنڈ) کا اس زمانہ میں مستقر تھا۔ اور عیسیٰ خاں شروانی اس پورے صوبہ کے ناظم اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ ان کے تقرر کا قصہ یوں ہے کہ ادھر تو اس علاقہ کے ٹھاکروں نے سر اٹھا رکھا تھا اور ادھر نصیر خاں کے ظلم و ستم سے رعایا پریشان تھی۔ تعجب نہیں کہ رعایا کی سرکشی نصیر خاں کے ظلم و ستم ہی کا نتیجہ ہو۔ کیونکہ مرتا کیا نہ کرتا۔ جب شیر شاہ نے اپنے امراء سے مشورہ کیا کہ یہ مشکل علاقہ کس کے انتظام میں دیا جائے تو قطب خاں لودی اور دیگر اراکین نے بالاتفاق عیسیٰ خاں شروانی کا نام لیا۔ نصیر خاں کو ان کا ماتحت کیا تاکہ وہ اس کی ناموزوں حرکتوں پر بریک لگاتے رہیں۔ عیسیٰ خاں شروانی نے اپنی قابلیت اور کوشش سے اس علاقہ کا بہت اچھا انتظام کیا۔ جنگلوں کو صاف کرا کے سرکشوں کی پناہ لینے کی مقامات کو نیست و نابود کیا۔ اور تھوڑے دن میں حالت سنبھال دی۔ علاقہ پھر سرسبز و شاداب ہوا۔ زراعت کے بڑھنے سے رعایا اور حکومت دونوں کی آمدنی اور خوشحالی میں اضافہ ہوا۔ اور شاہی مالگذاری آسانی سے وصول ہونے لگی۔ راقم الحروف نے اپنی تعیناتی کے زمانہ میں سنبھل کے اس علاقہ کا ایک حصہ دیکھا ہے۔ کہیں کہیں اب بھی ڈھاک کے جنگل اور ندی نالے موجود ہیں۔ راستے دشوار گذار ہیں اور بعض مقامات راہزنوں کی آماجگاہ ہیں۔ سنبھل کی تحصیل میں مواضعات شیر پور اور عیسیٰ پور آج بھی موجود ہیں۔ تعجب نہیں کہ یہ شیر شاہ اور عیسیٰ خاں کی یادگار ہوں۔ شیر شاہ نے عیسیٰ خاں شروانی کی اس خوش انتظامی اور کارگذاری سے خوش ہو کر کانٹ و گولہ (تلہر علاقہ ضلع شاہجہاں پور) بھی بطور ذاتی جاگیر کے عیسیٰ خاں شروانی کو عطا کئے۱؎۔ شیر شاہ کہا کرتا تھا

۱؎ شیر شاہی

کہ اگر اس کے پاس اور بھی ایسے ناظمان اور افسران موجود ہوں جیسے سنبھل میں عیسیٰ خاں شروانی اور دہلی میں میاں احمد خاں شروانی تو ہندوستان کا انتظام بہت بہتر ہو جائے۔ انہی میاں احمد خاں شروانی کو شیر شاہ نے چتوڑ گڑھ کا مضبوط قلعہ فتح کرنے کے واسطے بھیجا تھا اور پھر بعد کو صوبہ دہلی کا عامل مقرر کیا تھا جہاں وہ اپنی حسن تدبیر سے بہت کامیاب رہے۔ احمد خاں نام کے شروانی امرا اس زمانہ میں اور بھی تھے یعنی ایک تو جمال خاں کے بیٹے اور ان فیروز خاں کے باپ تھے جن کے بارے میں ۹۲۳ھ کا رہتک کا کتبہ مذکورہ بالا ہے۔ اگر شیر شاہی احمد خاں عامل دہلی انہیں رہتک والے فیروز خاں کے باپ تھے تو کتبے کے سن کا لحاظ کرتے ہوئے ظاہر ہے کہ فیروز خاں کا انتقال اپنے باپ کی حیات میں ہو گیا تھا۔ طبقات اکبری، اکبرنامہ اور تزک بابری نے لکھا ہے کہ بابر نے احمد خاں شروانی کو مہدی خواجہ کے ساتھ قطب خاں شروانی کی بغاوت فرو کرنے کے لئے تعینات کیا تھا جس کا حال اوپر آ چکا ہے۔ چونکہ بابر کے عہد اور شیر شاہ کے اوائل حکومت کے زمانہ میں زیادہ بُعد نہیں ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ غالباً یہ بابری اور شیر شاہی احمد خاں جو دہلی کے عامل مقرر ہوئے ایک ہی تھے۔ دوسرے احمد خاں شروانی وہ تھے جو ملک المشائخ مندوکی کے بیٹے اور دریا خاں شروانی کے باپ تھے سونپت کے تذکرہ بالا کتبے کے مطابق خواجہ خضر ابن احمد خاں ابن شیخ مندوکی کی اولاد میں تھے۔ یہ احمد خاں ایک درویش صفت آدمی تھے۔ اس لئے یہ بات قیاس اور عقل کے خلاف ہے کہ شیر شاہ نے ان کو دہلی کا عامل بنا کر دنیا کے جھگڑوں میں ڈالا۔ علاوہ ازیں جیسا کہ سونپت کے کتبہ مذکورہ بالا سے ثابت ہے یہ شیخ احمد شیر شاہ سے بہت قبل انتقال کر چکے تھے۔ بقول واقعات مشتاقی ایک احمد خاں سارنگ خانی لودی تھے۔ اور بقول احمد یادگار ایک احمد خاں سور تھے۔ ان دونوں کے حالات ہمارے موضوع سے باہر ہیں مگر ناموں کی یکسانیت سے بعض مورخین نے واقعات کے بیان میں غلط فہمی اور الٹ پھیر پیدا کر دی ہے۔ القصہ شیر شاہ کے عہد میں حصار دیپالپور میں بھی شروانیاں آباد تھے۔ دیپالپور کی ایک مسجد ایک شروانی کی تعمیر کرائی ہوئی ہے

۵۔ پنجاب گزیٹیر ۱۹۰۳ء۔ واقعات مشتاقی ص۱۲۔ احمد یادگار

جیسا کہ ذیل کے شکستہ کتبہ سے ثابت ہے۔

"این مسجد .... تھنک .... ابن پولاد سروانی
بن ادریس سروانی .... مسند عالی در عہد شیر شاہ سلطان
سنہ ۹۴۴ھ[1]"

یہ مسجد محلہ شیروانان میں حصار سے ایک میل جانب جنوب واقع ہے۔ ہم کو اس کتبہ کے سن کے متعلق ایک دقت پیش آتی ہے۔ یعنی سنہ ۹۴۴ھ میں ہمایوں کی حکومت تھی نہ کہ شیر شاہ کی اگرچہ دونوں میں چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ مگر چونکہ کتبہ میں الفاظ "در عہد شیر شاہ" درج ہیں اس لئے غالباً کتابت کی غلطی سے سن غلط درج ہو گیا ہے۔ تھنک، ہانسی، حصار، سونی پت، پانی پت، شاہ آباد، کرنال وغیرہ سب ایک خطۂ ملک یعنی پنجاب میں ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں۔ شیروانیوں کا اس زمانہ میں یہاں بسنا تعجبات سے نہیں ہے۔ جو مقامات ان کے لئے گھر آنگن تھے۔ اور سب سے پہلے وہ اسی خطہ میں آکر آباد ہوئے تھے۔ جب شیر شاہ ہمایوں کی گرفتاری کی دھن میں خوشاب (پنجاب) میں ہو گیا تو شیخ بایزید شروانی ابن شیخ [illegible] وہاں آکر اس سے ملے۔ یہ شیخ بایزید شروانی حضرت شیخ علیم قتال شروانی کی اولاد سے تھے جن کا شجرہ مخزن افغانی نے دیا ہے اور شیخ عیسیٰ عرف شیخ گدڑی [illegible] کمبوہ سے تربیت اور علم معرفت حاصل کیا تھا۔ شیخ بایزید شروانی کی بہت [illegible] [illegible] شیر شاہ سے شکایت کی کہ بلوچیوں نے ناجائز طور پر شروانیوں کی جا[illegible] [illegible] لکھا ہے۔ [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں پنجاب [illegible] [illegible] شروانی آباد تھے۔ [illegible] شیر شاہ [illegible] [illegible] ان کو واپس دلائی۔ اور اسمٰعیل بلوچ [illegible] [illegible] کے بعد جب شیخ بایزید شروانی دوبارہ شیر شاہ سے ملے تو دو ہزار بیگھہ زمین ان کو عطا ہوئی جو مدت تک ان کی اولاد کے قبضہ میں رہی۔ میاں [illegible] شروانی کو شیر شاہ کی [illegible] [illegible] تھی۔ ان کو بادشاہ نے دریا خاں کا خطاب دیا۔ اور وہ مرتے دم تک شیر شاہ کے ساتھ [illegible] [illegible] ناموں

---

[1] [illegible] ص ۲۲۹

کی یکسانیت کی وجہ سے جس طرح احمد خاں، ہیبت خاں وغیرہ کے ناموں اور واقعات کے متعلق مورخین میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اسی طرح دریا خاں کے بابت بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اس نام کے اور بھی پٹھان تھے یعنی دریا خاں شروانی جو ابراہیم لودی کے عہد میں خواجہ خضر مقطع سون پت (مندرجہ کتبہ متذکرہ بالا) کے باپ تھے۔ ایک تیسرے دریا خاں اور بھی تھے ان کا تعین معلوم نہیں ہے۔ یہ بقول احمد یادگار اسلام شاہ سور کے امرا میں تھے۔ تعجب نہیں کہ شیر شاہ سوری کے بہنوئی دریا خاں شروانی اور اسلام شاہ سوری کے درباری دریا خاں ایک ہی ہوں۔ کیونکہ اسلام شاہ شیر شاہ سوری کا جانشین تھا۔ مگر اس قیاس میں ہم کو یہ دقت پیش آتی ہے کہ میاں حسن عرف دریا خاں شروانی کا انتقال ۹۵۲ھ میں کالنجر کے محاصرہ کے موقعہ پر آگ سے جلکر شیر شاہ کے ساتھ ہو چکا تھا[1] تو وہ اسلام شاہ کی حکومت میں کہاں سے زندہ ہو رہے۔ بہرحال ہم گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ دریا خاں نام کے اور بھی پٹھان عہد جہانگیر بادشاہ اور شاہجہاں بادشاہ میں موجود تھے مگر وہ شروانی نہ تھے۔ اس لئے ہم ان کے حالات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ الغرض شیر شاہ سوری نے راجہ سلہدی اور راجہ مال دیو کے خلاف لڑائیوں میں شروانیوں سے بہت کام لیا۔ ان میں عیسیٰ خاں شروانی، نصیب خاں شروانی اور محمد خاں ولد بایزید شروانی نے بڑی کارگذاری دکھائی۔ اسی طرح ۹۵۰ھ میں رائے سین کے راجہ پورن مل اور شیر شاہ سوری میں مقابلہ ہوا۔ تو اس میں کامیابی کا سہرا زیادہ تر اعظم ہمایوں عیسیٰ خاں شروانی کے سر رہا۔ اور انہوں نے پورن مل کو گرفتار کیا۔ اس معرکے کے بعد رائے سین کا حاکم شہباز خاں شروانی کو مقرر کیا گیا جو یوسف خاں شروانی کا بیٹا اور سیف خاں اجا خیل شروانی متذکرہ بالا کا پوتا تھا۔ ان شہباز خاں نے ان خاندانی روایتوں کو قائم رکھا جو اس کے بزرگوں سے عمل میں آتی تھیں۔ اسی زمانہ میں ہم کو اللہ داد خاں شروانی کا نام تاریخ میں ملتا ہے۔ جب شیر شاہ نے گوالیار فتح کرنے کے بعد مالوہ پر حملہ کیا تو ملو خاں قادر شاہ نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ وہ شیر شاہ کی اطاعت قبول کرے۔ اگرچہ اس کا یہ فعل دل سے نہ تھا۔ شیر شاہ نے اس کو عزت اور آبرو کے ساتھ اپنے کیمپ میں رکھا۔ بادشاہ کے دل میں بھی اس کی

---

[1] [illegible]

طرف سے کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اللہ داد خاں شروانی اور ہیبت خاں نیازی کو اس کی نگرانی کے واسطے تعینات کیا۔ ملو خاں موقعہ کا منتظر تھا۔ ایک دن نگرانی سے نکل بھاگا۔ اس پر شیرشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ "دیدی با من چہ کرد ملو گیدی" درباری شاعر شیخ عبدالحئی حیاتی نے جو حضرت مخدوم جمالی کنبوہی کے بیٹے اور اکبری عہد کے شیخ گدائی کے بھائی تھے فی البدیہ دوسرا مصرعہ چست کیا یعنی "قول است مصطفیٰ لا خیر فی عبیدی" یعنی غلام سے بھلائی کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ اب شیرشاہ کے آفتاب کے ڈوبنے کا وقت قریب آیا۔ اور وہ نصف النہار سے مغرب تک پہونچا۔ سنہ ۹۵۲ھ (۱۵۴۵-۱۵۴۶ء) میں شیرشاہ نے کالنجر (بندیلکھنڈ) کے مضبوط قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اس سے قبل یہاں کے راجہ نے ہمایوں کی اطاعت کر لی تھی اور وہ مغلوں کے طرفدار میں تھا۔ پٹھان اس بات کو کیوں گوارا کرنے لگے۔ اس محاصرہ میں کئی ایک ممتاز شروانی شیرشاہ کے ساتھ شریک تھے۔ عیسیٰ خاں شروانی اور ان کے دونوں بیٹے الیاس خاں عرف فتح خاں شروانی اور اسحاق خاں الملقب با اختیار خاں۔ محمد خاں ولد بایزید خاں شروانی۔ سعید خاں شروانی میاں حسنو شروانی۔ اور اللہ داد خاں وغیرہ اس معرکے میں داد مردانگی دیتے رہتے تھے۔ ایک شعبدہ باز نے دوران معرکہ میں ایک رات یہ شعبدہ دکھایا کہ اتفاقیہ ایک آتشیں گولہ میں آگ لگ گئی شیرشاہ اور اس کے چند رفقا گولہ کے قریب تھے وہ بری طرح زخمی ہوئے۔ جب شیرشاہ نے دیکھا کہ اس کا وقت آ گیا ہے اور موت کا فرشتہ اس کے سر پر کھڑا ہے تو اس نے عیسیٰ خاں شروانی اور ان کے داماد سعید خاں شروانی کو اپنے پاس بلا لیا اور کہا کہ میرا علاج یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ قلعہ کالنجر فتح ہو جائے اور ہاتھ سے نہ جائے اور میں اپنے ساتھ اس کی حسرت قبر میں نہ لے جاؤں۔ ان اور دیگر پٹھان سرداروں نے جان توڑ کر کوشش کی اپنا خون پسینہ ایک کر دیا اور دوسرے دن قلعہ فتح ہو گیا۔ اور وہاں کا چندیل راجہ کیرت سنگھ گرفتار ہوا۔ شیرشاہ کو جب اس فتح کی خبر ملی تو شادی مرگ سے اس کی روح پرواز کر گئی۔ تیس سال اور کچھ ماہ کی امارت اور پانچ سال دو ماہ کی بادشاہت صفحۂ تاریخ پر چھوڑ گیا۔ اس کا ملکی نظم و نسق کار ہائے عامہ۔ مالی بندوبست قواعد و ضوابط سے مغلوں نے اور مغلوں سے انگریزوں نے ہندوستان پر حکومت

۵۔ طبقات اکبری۔ فرشتہ۔ بدایونی۔ احمد یادگار

کرنے میں بعد کو بہت کچھ سبق حاصل کیا۔ کئی ایک شعرا نے اس کی وفات پر تاریخیں لکھیں جن میں مشہور یہ ہے ۵۰

شیر شاہ آنکہ از صلابت او ... شیر و بز آب را بہم مے خورد
چونکہ رفت از جہان بدار بقا ... یافت تاریخ او ز آتش مرد ۵۱

میاں حسنو عرف دریا خاں شروانی نے اس موقعہ پر بھی شیر شاہ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ بھی اسی گولہ کی آگ سے جلکر فوت ہوئے۔ شیر شاہ کی نعش سہسرام لائی گئی، جہاں اس کے باپ کا مزار ہے۔ اس کے مزار کی عمارت بڑی خوبصورت اور ہشت پہل ایک تالاب کے درمیان میں واقع ہے۔ اور اس کا گنبد روضہ ممتاز محل (تاج محل) آگرہ کے بعد ہندوستان میں سب سے بڑا گنبد ہے۔ شیر شاہ پر تفصیلی تبصرہ ہمارے مضمون سے باہر ہے۔ مگر چونکہ اس کی ذات نے اوروں کے لئے بڑے بڑے سبق چھوڑے اور وہ بہت سے انسانوں کے واسطے ایک نمونہ تھا۔ اس لئے ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ وہ خود ساختہ پرداختہ تھا۔ اس کی ترقی کا راز اس کے حوصلہ، ہمت، محنت مشقت، ذہانت اور قابلیت پر مبنی تھا۔ اس نے شروع سے عملاً میں تمیز کی اور موقعہ اور وقت کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس کی اچھی ابتدائی تعلیم اس کے بہت کام آئی۔ تقدیر کا قائل مگر تدبیر سے غافل نہ تھا۔ بہادری، پھرتی، چالاکی اس کے لونڈی غلام تھے۔ داد و دہش، فیاضی اس کا شیوہ تھا۔ عدل وانصاف اس کا مشہور تھا۔ خود اس کی زندگی سیدھی سادھی تھی۔ ساتھیوں کا خیال رکھتا تھا۔ اکبر جیسے جلیل القدر بادشاہ نے اس کی ترکیبوں سے فائدہ اٹھایا۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے تاریخ اور ملک پر احسان کیا کہ شیر شاہ کے سوانح حیات اردو میں صولت شیر شاہی کے نام سے شائع کر کے دوسروں کو اس کی زندگی سے سبق حاصل کرنے کا موقعہ دیا۔ خیر یہ تو معترضہ جملے تھے۔ اب ہم پھر اپنی اصلی داستان کی طرف آتے ہیں۔ شیر شاہ کا انتقال ہوتے ہی پٹھانوں کی حکومت میں زوال کے آثار نمودار ہوئے۔ حسب معمول پٹھانوں میں بحث چھڑی کہ بادشاہت کے لئے کون موزوں ہے اور کون اس کام میں اس کا جانشین ہو۔ عمر خاں شروانی کی طرح اب عیسیٰ خاں شروانی پیش پیش ہوئے اور انہوں نے مشورہ دیا کہ شیر شاہ کا ہمیشہ سے یہ منشا تھا کہ اس کا بڑا بیٹا عادل شاہ

۵۱۔ فرشتہ۔ خلاصۃ التواریخ۔ تاریخ مظفری۔ ۹۱۲ ۴ ے

اس کے بعد گدی پر بیٹھے۔ مگر وہ اس وقت یہاں سے دور ہے اور تخت کا زیادہ عرصہ تک خالی رہنا مصلحت کے خلاف ہے۔ موقع اور زمانہ نازک ہے نہ معلوم کس کل اونٹ بیٹھے مناسب یہ ہے کہ شیر شاہ کے دوسرے بیٹے جلال خاں کو جو یہاں سے قریب ہے فوراً بادشاہ منتخب کر لیا جاوے۔ اگرچہ اس کی بعض عادتیں خراب ہیں اور وہ مجھ سے اس بنا پر ناراض ہے کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی شاہزادہ جلال خاں کی سفارش پر اس کے [illegible] محمد خاں [illegible] خضر خاں کے ساتھ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس واقعہ کی اطلاع پا کے پر شیر شاہ نے جلال خاں کو ڈانٹا تھا۔ مگر یہ میرا ذاتی معاملہ تھا جب [illegible] اور پٹھان حکومت کا فائدہ اسی میں سمجھتا ہوں کہ شاہزادہ جلال خاں کے حق میں رائے دوں۔ دیگر امرا نے بھی جن میں محمد خاں ولد یا پیر [illegible] سعید خاں شروانی اور [illegible] خاں [illegible] شریک تھے عیسیٰ خاں شروانی کی رائے سے اتفاق کیا۔ عیسیٰ خاں شروانی کے اس [illegible] سید حبشی [illegible] اور صاحب رائے اور با اثر ہونے [illegible] القصہ ان پٹھانوں کے پیام پر جلال خاں نے آکر کہا کہ بڑے بھائی عادل خاں کے مقابلہ میں [illegible] کوئی حق نہیں ہے عیسیٰ خاں شروانی نے اصرار کے ساتھ کہا کہ [illegible] مراد ہوگی [illegible] لگے ہوئے ہیں [illegible] میں پٹھانوں کی حکومت [illegible] کا اندیشہ ہے۔

حکومت اسلام شاہ سور

اس پر شاہزادہ جلال خاں نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور تخت پر بیٹھ [illegible] اسلام شاہ کا لقب اختیار کیا۔ [illegible] نے لکھا ہے کہ عیسیٰ خاں شروانی نے جلال خاں کے حق میں [illegible] رائے دی کہ عادل خاں باطن ان سے ناراض تھا اور وہ [illegible] شروانی خاندان پر مصیبت آ جانے کی [illegible] اور سید حبشی سے جس کا ایک بڑا ثبوت [illegible] اس زمانہ میں حاجب کے عہدہ کے ساتھ [illegible] کا عہدہ سمجھا جاتا تھا [illegible]

[illegible]

سلے تاریخ [illegible]

یہ عہدہ صرف اسی شخص کو دیا جاتا تھا جس پر پورا بھروسا ہو، خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھیے۔ یہ ہیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا کا مضمون ہوا۔ حکومت، دولت و ثروت اور ماحول انسان کے تمدن، معاشرت اور عادات پر کیسا اثر ڈالتے ہیں۔ یا تو افغانستان کے بسنے والوں کی سیدھی سادی اور بعض مرتبہ وحشیانہ زندگی اور کہاں اب ہندوستان میں بغرض جب میر نزک اور تنبول دار کے ان کا گذر نہیں۔ بقول شخصے کہ "خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے"۔ الغرض عیسیٰ خاں شروانی نے سونے چاندی کا بنا ہوا پاندان کا ڈبہ اسلام شاہ کے سامنے رکھ کر عرض کیا کہ اس عہدے سے مجھے معافی دی جائے اور محمد خاں یا خضر خاں کے سپرد کر دیا جائے۔ مورخین نے اس استعفیٰ کے وجوہ نہیں بتائے مگر قرین قیاس یہ ہے کہ عیسیٰ خاں شروانی ایک تجربہ کار اور زمانہ کا گرم و سرد چکھے ہوئے شخص تھے وہ جانتے تھے کہ ایک نہ ایک دن اسلام شاہ اور اس کے بڑے بھائی عادل خاں میں چپقلش ہو کر رہے گی۔ ان دونوں کی کشمکش سے پہلے ہی کنارہ کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام شاہ پہلے ہی سے عیسیٰ خاں کی طرف سے مشکوک تھا مگر پٹھانوں پر ان کے اثر اور ان کے تدبر سے مجبور تھا۔ اس لئے اس نے عیسیٰ خاں کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ بلکہ منصب اور جاگیر میں اضافہ کر کے ان کو ہر ایک مشورہ میں پیش پیش رکھا۔ آخر کار وہی ہوا جس کا اندیشہ عیسیٰ خاں شروانی کو لگا ہوا تھا۔ عادل خاں نے اپنے بھائی جلال خاں کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر کے اپنا معاملہ پٹھانوں کے سامنے پیش کیا۔ اب دونوں بھائیوں میں کھلم کھلا بگڑ گئی۔ بادشاہ اسلام شاہ نے خیال ظاہر کیا کہ وہ خود تو رنتھنبور گڑھی کے قلعہ میں چلا جائے اور قطب خاں اور چند دیگر امراء کو عادل خاں کے پاس اس غرض سے بھیجا جائے کہ اس کو بادشاہ کی طرف سے ہموار کر کے راہ راست پر لائیں۔ عیسیٰ خاں شروانی جانتے تھے کہ پٹھان امراء بھائی کے بیکن ہیں۔ کبھی ادھر کبھی ادھر اس لئے انہوں نے بادشاہ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ اور کہا کہ ممکن ہے کہ یہ ایلچی امرا بھی عادل خاں کے ساتھ ہو جائیں۔ آپ کے پاس اس وقت پانچ ہزار ملک خوار ان قدیم موجود ہیں ان کی مدد سے میدان جنگ میں بہادری دکھائیے اور اس قصہ کو ختم کیجیے۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ شیروانیوں

---

[1] احمد یادگار۔ تاریخ داؤدی۔

کی حالت جو اسلام خاں سشروانی پسر ہیبت خاں کی بغاوت پر جو ابراہیم لودی کے خلاف ہوئی اور مغلوں سے لڑائی کے بعد کمزور ہو گئی تھی اب پھر سنبھل گئی کیونکہ عیسیٰ خاں سشروانی کی ماتحت جماعت کی تعداد اب اٹھارہ ہزار تک پہونچ گئی تھی چنانچہ عیسیٰ خاں شروانی کے مشورہ کے مطابق اسلام شاہ نے قطب خاں کو راستہ سے واپس بلا لیا اور خود چنار (مستقر مرزاپور) میں گیا جہاں بڑا خزانہ جمع تھا۔ اس موقعہ پر پٹھانوں میں [illegible] گروہ بندی ہو گئی نیازی تو عادل خاں کے ساتھ ہوئے اور شروانی اسلام شاہ کی طرف [illegible] آگرہ کے قریب دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کے خلاف قسمت آزمائی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قسمت نے اسلام شاہ کا ساتھ دیا۔ اس لڑائی میں عیسیٰ خاں شروانی کے دونوں بیٹے بھی ان کے ساتھ شریک تھے بادشاہ اسلام شاہ نے عیسیٰ خاں کے بیٹے اسحاق خاں کو اختیار خاں کا خطاب دیا جس کی وجہ [illegible] میں آئی۔ یہ اختیار خاں ۹۶۳ھ میں اکبری عہد کے شروع تک زندہ تھے چنانچہ ہیموں بقال سے پانی پت کے میدان میں لڑے تھے[1] عیسیٰ خاں شروانی کے منصب میں اضافہ کر کے اس کو ہزاری تک پہونچایا اور اسی قدر فوج رکھنے کی اجازت دی۔ اسی کے ساتھ شاہی علامات نقارہ اور شمع خیمہ رکھنے کی بھی اجازت عطا ہوئی۔ عیسیٰ خاں شروانی سمجھتے تھے کہ یہ شاہی نوازشات کسی دن رنگ لائے گی۔ عیسیٰ خاں نے عرض کیا کہ مجھے فوجی جاگیر سے معافی دی جائے میں اس قدر فوج نہ رکھ سکوں گا۔ البتہ میں آپ کی خدمت کے واسطے حاضر ہوں۔ بڑے بڑے امرا کو جاگیریں ملیں مگر آخر میں ان کا کیا حشر ہوا۔ آگرہ کے معرکے میں ہارنے کے بعد نیازی پٹھانوں نے اسلام شاہ کے خلاف پنجاب میں سرکشی کی۔ اور علم بغاوت بلند کیا اسلام شاہ خود تو ان کی سرکوبی کے لئے گیا اور عیسیٰ خاں شروانی کو [illegible] بیس ہزار فوج لے کر شجاعت خاں لودی کی گرفتاری کے [illegible] کو بھیجے یہ شجاعت خاں وہی تھا جس نے علاقہ [illegible] میں شروانیوں کے یہاں پرورش پائی تھی۔ اور جس کی شادی شروانی خاندان میں ہوئی تھی۔ اسی کی طرف سے اسلام شاہ کو شبہ تھا۔ اسی سلسلہ میں بادشاہ نے خواجہ ویس شروانی کو بھی نیازیوں کے خلاف پنجاب میں بھیجا خواجہ ویس شروانی اور نیازیوں میں انبالہ کے قریب مڈبھیڑ ہوئی تو نیازی [illegible] ڈھنکوٹ

۱؎ - اکبرنامہ

کی طرف چلے گئے۔ خواجہ ویس سٹرانی نے تعاقب کیا پھر دونوں میں لڑائی ہوئی۔ مگر اس مرتبہ نیازی کامیاب ہوئے۔ اور خواجہ ویس سٹرانی بچ کر سرہند کی طرف بھاگ گئے۔ اس عرصہ میں شاہی فوج کی کمک آگئی تو خواجہ ویس نے پھر نیازیوں پر تیسری مرتبہ حملہ کیا۔ اور ان کو ہرایا۔ اس مرتبہ نیازیوں کے سرداروں کو گرفتار کر کے بادشاہ کے دربار میں بھیج دیا۔[1]

اسی عہد میں ۹۵۵ھ میں ایک قصہ یہ پیش آیا کہ ایک عالم شیخ علائی کو سوجھی کہ وہ مہدی آخرالزماں ہیں یہ آدمی تھے پڑھے لکھے اور جوشیلے۔ ان کے اعلان پر آگ اس قدر بھڑکی کہ بہت سے لوگ ان کے مرید ہوگئے۔ نئی بات میں لوگوں کو مزہ آتا ہے شیخ علائی کا جادو بہارخاں سٹرانی پر چل گیا وہ اس وقت صوبہ مالوہ میں نربدا دریا کے قریب ہنڈیا کا ناظم تھا۔ جب بہارخاں نے بھی مہدوی عقیدہ اختیار کیا تو شیخ علائی دکن کی طرف جاتے ہوئے اس کے مہمان رہے۔ بادشاہ تک بہارخاں کی شکایت پہونچی۔ مگر ان سے کوئی بازپرس نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اول تو خود علما میں اس عقیدے کے بارے میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔ کوئی بات طے نہیں ہوئی اور بادشاہ علما کے فتووں کا محتاج تھا۔ دوسرے یہ کہ بہارخاں سٹرانی اسلام شاہ کے بڑے امرا میں سے اور بااثر تھے[2]۔ بادشاہ کو نیازیوں سے ڈر لگا ہوا تھا بادشاہ نے اس کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھ کر طرح دیدی۔ غالباً اسی زمانہ سے دکن میں مہدویت کا زور ہوا اور آجکل بھی حیدرآباد دکن میں بعض پٹھان مہدوی کہلاتے ہیں۔ اسی زمانہ میں صوبہ مالوہ میں اُجین میں اللہ داد خاں سٹرانی جن کا اوپر ذکر آچکا ہے عامل کے عہدے پر تعینات تھے اسلام شاہ سور کی حکومت میں سٹرانی قبیلہ بہت دخیل تھا اور اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اوروں کی طرح یہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنانے کی عادی نہ تھے بلکہ زیادہ تر حکومت کا ساتھ دیتے تھے خواہ وہ اچھی ہو یا بری مضبوط ہو یا کمزور آخری عہد میں اسلام شاہ سور کا بھی وہی رنگ ہوگیا جو ابراہیم لودی کا تھا۔ یعنی پٹھانوں کی آئے دن کی سازشیں اور شورشیں دباتے دباتے بالآخر اس کا برتاؤ ان کے ساتھ سخت ہوگیا۔ تین سال تک پٹھان امرا اور فوج کو تنخواہ نہیں ملی ان کی جاگیروں میں بڑا تغیر تبدل کیا۔ پٹھانوں میں اور کچھ بددلی پیدا ہوئی۔ اور سلطنت کی جڑ ہل گئی[3]

---

[1] بدایونی مخزن افغانی ۹۵۵ - تاریخ داؤدی ۹۶۰ - تاریخ داؤدی

آپس کے تفرقوں میں زیادتی اور حکومت میں تنزل ہوا۔ ہر ایک نے خودسری اختیار کی اور نا اہلوں میں بادشاہت کا مزہ چکھنے کی ہوس پیدا ہوئی۔ لیکن تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ شروانی جماعت اس خودسری سے الگ تھلگ رہی۔ اول تو ان کی جماعت دوسرے قبیلوں سے تعداد میں کم تھی۔ پھر ان کی خوش قسمتی سے شروانی قبیلہ میں ایسے سردار موجود تھے جو اس خیال خام سے دور رہ کر باوجود رسوخ اور طاقت کے عزت اور وفاشعاری کو پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ زمانہ کی حالت دیکھ کر اپنی پگڑی سنبھالے رہے۔ عیسیٰ خاں شروانی نے بھی نازک حالت اور اسلام شاہ کا رنگ دیکھ کر فوجی اور سیاسی امور سے زیادہ تر دست کشی کر لی۔ گوشۂ عافیت کو ترجیح دی اور ایک نہ ایک دن آنے والی موت کا خیال کر کے اور موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اسی زمانہ میں اور اپنی حیات میں یعنی ۹۵۴ھ میں دہلی میں اپنے مقبرہ کی جس کا حال آگے آئے گا تعمیر شروع کرا دی۔ آخر کار؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

اسلام شاہ کی آخری گھڑی آ گئی اور ۹۶۱ھ / ۱۵۵۴ء میں جدوجہد اور بے اطمینانی کے ساتھ آٹھ سال اور چند ماہ حکومت کر کے وہ بھی دنیائے دوں سے چل بسا۔ اس کی نعش سہسرام پہنچی گئی اور وہ اپنے باپ کے قریب دفن ہوا۔

نابالغ پسر اسلام شاہ اسلام شاہ کا نابالغ لڑکا گدی پر بٹھایا گیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس کی موت کا پیام آیا۔ بیچارہ چند روز بھی چین سے نہ بیٹھنے پایا تھا کہ اس کے ماموں مبارز خاں عرف ممریز خاں نے باوجود اپنی بہن کی منت اور سماجت کے بیدردی سے اس کو قتل کر دیا، اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اسلام شاہ کے بیٹے پر یہ شعر صادق آیا؎

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

حکومت عادل شاہ سور مبارز خاں نے بادشاہت غصب کر کے عادل شاہ لقب اختیار کیا۔ واہ! "بر عکس نہند نام زنگی کافور" کی مثل کر دکھائی۔ مگر اس کی اس ظالمانہ حرکت پر لوگ نفرت سے اس کو اندھلی شاہ کہنے لگے۔ کسی ایک پٹھان

امراجن میں شیروانی نہ تھے دعویدار تخت وتاج بن بیٹھے۔ "ہر کس بخیالِ خویش خبطے دارد" کا مضمون ہوا۔ عادل شاہ عرف عدلی شاہ کے بہنوئی ابراہیم خاں سور نے بغاوت کر کے بیانہ (حال ریاست بھرتپور) پر حملہ کیا۔ عادل شاہ نے عیسیٰ خاں شیروانی[۵] جو الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے آمادہ کر کے ابراہیم خاں سور کی شورش رفع کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر یہ کمزور اور بڈھے ہوگئے تھے۔ ان کے ساتھ پیشتر کی طرح شیروانیوں کی بڑی جماعت نہ تھی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بادل ناخواستہ گئے تھے۔ ابراہیم خاں سے جب مقابلہ ہوا تو عیسیٰ خاں شیروانی ہار گئے۔ یہاں مورخین میں اختلاف ہے کہ یہ کون سے عیسیٰ خاں تھے۔ احمد یادگار نے لکھا ہے کہ وہ عیسیٰ خاں سوری تھے نہ کہ عیسیٰ خاں شیروانی۔ بقول مخزن افاغنہ وہ عیسیٰ خاں لوحانی تھے مگر یہ لحاظ کرتے ہوئے تاریخ سے ان دونوں غیر شیروانی پٹھانوں کی شہرت کا پتہ نہیں چلتا اور نہ اس سے قبل کسی مہم کے سلسلہ میں ان کا ذکر آیا اور اکبر کے مقابلہ میں عیسیٰ خاں شیروانی کے بیٹے الیاس خاں عرف اختیار خاں بھی لڑے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم خاں سور کے مقابلہ میں عیسیٰ خاں شیروانی ہی بھیجے گئے ہوں گے اور یہ کہ اس خاندان کا اب بھی وقار اور اثر باقی تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہرحال اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں جو پٹھان سردار جہاں تھا اس نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائی۔ آگرہ میں عادل شاہ عرف عدلی شاہ سوری۔ پنجاب میں ابراہیم خاں سوری بنگال میں عادل شاہ کے بھائی احمد خاں سوری نے سکندر شاہ کے لقب سے اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں شیروانی قبیلہ کے پٹھان بھی کچھ نہ کچھ بٹے ہوں گے اگرچہ عیسیٰ خاں شیروانی کی وجہ سے زیادہ تر عادل شاہ سوری کے ساتھ رہے ہوں گے۔ جب عادل شاہ اور ابراہیم شاہ میں زیادہ چلی تو صلح کی بات چیت اور پنچایت میں معاملہ پیش کرنا قرار پایا۔ ۹۶۲ھ میں عادل شاہ نے اس کام کے واسطے اپنی طرف سے بہار خاں شیروانی کو جن کا ذکر اوپر آچکا نامزد کر کے بھیجا۔ مگر کسی مصلحت سے یہ بھی ابراہیم خاں سور سے جا ملے اور عادل شاہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بقول تاریخ منتخب اللباب[۶] کے بمقابلہ عادل شاہ سوری کے ابراہیم خاں کا برتاؤ

۶۔ منتخب اللباب۔ خافی خاں

۸۴

پٹھانوں کے ساتھ زیادہ اچھا تھا۔ اور آخر الذکر زیادہ سے زیادہ پٹھانوں کو اپنی طرف
مائل کر کے اپنی جماعت بڑھانا چاہتا تھا۔ یہی قصہ اللہ داد خاں شروانی مذکرہ بالا کے
ساتھ پیش آیا۔ عادل شاہ نے ان کو گوالیار سے بلا کر ابراہیم خاں کے خلاف یا اس کو
سمجھانے کے واسطے بھیجا مگر وہ بھی ابراہیم خاں کے طرفدار ہو گئے۔ اگرچہ وہ عادل شاہ
کے تخت نشینی کے وقت اس کے گروہ میں تھے۔ اب ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد کی
مثل صادق آئی۔ جب ابراہیم خاں کے ساتھ پٹھانوں کی کافی جماعت ہو گئی، تو اس نے دہلی
میں سلطان محمد خاں کے لقب سے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ علاوہ آپس کی مخالفت کے غیروں
نے بھی عادل شاہ کو چین نہ لینے دیا۔ مصیبت تنہا نہیں آتی۔ پٹھانوں کی اس خانہ جنگی سے فائدہ
اٹھا کر راجہ اندروں نے عادل شاہ سے سرکشی کی تو الیاس خاں عرف فتح خاں شروانی
ابن عیسیٰ خاں شروانی اس کے دبانے کے لئے بھیجے گئے۔ الیاس خاں کے قدم اکھڑ چلے تھے
کہ قدرت نے ان کی مدد کی۔ راجہ کے جسم پر ایک گولا لگا جس سے وہ سخت زخمی ہوا اور زمین پر آرہا
اس کی فوج نے سمجھا کہ راجہ مارا گیا اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور اس طرح سے الیاس خاں کے
سر فتح کا سہرا رہا۔ اس لڑائی میں بھی بہت سے پٹھان کام آئے۔ اور شروانیوں کی جماعت
جو پہلے سے منتشر اور کم ہو چلی تھی اب اور بھی کم ہو گئی۔ عمر خاں شروانی کے خاندان کا ہمیشہ سے
اصول رہا کہ جو پہلے تخت پر بیٹھا اس کا ساتھ دیا۔ ان کے خاندان کے دیکھا دیکھی اور بھی شروانی
زیادہ تر یہی طرز عمل رکھتے تھے۔ چنانچہ عادل شاہ اور ابراہیم خاں کے تنازعہ میں ہم اوپر
دکھا چکے ہیں کہ پے در پے شروانی سرداران آخر الذکر کے خلاف بھیجے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے
کہ عیسیٰ خاں شروانی کے بھتیجے مظفر خاں ابن جلال خاں بھی عادل شاہ کے ساتھ تھے اور ان
کے بارسوخ امرا میں تھے۔ شروع حکومت میں نصیب خاں شروانی بھی عادل شاہ کے ساتھ تھے
مگر حکومت کے دو سال بعد جب اس نے بھی کئی ایک امرا کو قتل کرایا تو اسی زمانہ میں نصیب خاں
سے کسی بات پر ناراض ہو کر ان کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ مرتا کیا نہ کرتا جب اس کے امرا کی تعداد کم
ہو گئی اور منصوبوں پر عمل کرنے اور ان میں کامیابی حاصل کرنے میں دقت پیش آنے لگی تو

۱۔ احمد یادگار، واقعات مشتاقی

نصیب خاں سروانی کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا۔ ان کو جیل خانہ سے نکال کر خوشامد درآمد کر کے ابراہیم خاں کے خلاف جانے پر راضی کیا۔ اسی ہزار روپیہ نقد اور خلعت اور ہاتھی عطا کئے مگر وہ اپنی قید کو نہ بھولے تھے۔ عادل شاہ سے یوں بدلہ لیا کہ بہار خاں سروانی اور اللہ داد خاں سروانی کی طرح وہ بھی ابراہیم خاں سے جا ملے۔ جان بھی بچی اور ساتھ ہی ساتھ لاکھوں پا گئے۔ جس پر عادل شاہ بہت بددل ہوا۔ سروانیوں میں ایک بھورے خاں سروانی آخر دم تک عادل شاہ کے ساتھ رہے۔ ان کے حالات ہم کو نہ معلوم ہو سکے بجز اس کے کہ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب موضع مبارکپور کوٹلہ میں ایک بھورے خاں کا مزار ہے جو بھورے خاں کا گنبد اور گواسی خاں کا گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ کون سے بھورے خاں تھے۔ اس کا ذکر مولوی محمد اشرف حسین ایم۔اے نے اپنی آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا رپورٹ میں صفحہ ۲۰ پر کیا ہے۔ مگر بھورے خاں کا قبیل وہ بھی نہیں بتا سکے۔ اسی زمانہ میں یعنی ۹۶۱ھ میں ایک نئی مصیبت اور نازل ہوئی اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس بادشاہ کو اور اسی کے ساتھ رعایا کو یہ سزا ملی کہ بیانہ اور آگرہ میں سخت قحط پڑا۔ جس سے بہت سی مخلوق تباہ ہو گئی۔ پٹھانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ عادل شاہ کا وزیر ہیمون بقال ان کو گالیاں دیتا تھا اور وہ خاموشی سے سنتے تھے۔ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ اب ہم عادل شاہ اور اس کے عزیز و عویداران کے قصے کہاں تک سنائیں ہم کو تو اپنی کہانی سے سروکار ہے۔ "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم" (یعنی خدا تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے) پھر کفران نعمت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کفران کرنے والے سے چھین کر وہ نعمت دوسروں کو دے دیتا ہے۔ اب مستقل طور پر پٹھانوں کی حکومت کے خاتمہ کا وقت آیا۔

ہمایوں کی دوبارہ حکومت

ہمایوں ایران سے واپس ہو کر کابل میں آ گیا تھا۔ اور دوبارہ ہندوستان جیسے زرخیز ملک پر حکومت کرنے کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ وہ پٹھانوں کی آپس کی پھوٹ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اور اسی پھوٹ کا مزہ ان کو چکھانا چاہتا تھا۔ ہمایوں نے نیازی کے بعد دوبارہ ۹۶۲ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا اور

۱؎ بدایونی۔ ۲؎ واقعات مشتاقی

پانی پت کے میدان میں پھر جنگ کا نقشہ جما معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی سے قبل اللہ داد خاں شروانی پھر عادل شاہ کی طرف چلے آئے تھے۔ وہ بہادری میں ممتاز تھے۔ عادل شاہ کے وزیر ہیموں بقال نے مجبور ہو کر ان کو بلا بھیجا۔ آن اور عیسیٰ خاں شروانی کے بیٹے اسحاق خاں شروانی عرف اختیار خاں کو اپنے ساتھ لیکر پانی پت کے میدان میں ہمایوں سے مقابلہ کیا۔ مغلوں نے اللہ داد خاں شروانی پر اتنے تیر برسائے کہ وہ بے حد زخمی ہوئے۔ پہلی ضرب میں تو مغلوں کے پیر اکھڑ چلے تھے مگر بالآخر وہ کامیاب ہوئے۔ ہیموں اور عادل شاہ کو شکست فاش ہوئی جس کی وجہ سے پٹھانوں کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو گیا۔ اور مغلوں کی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی۔ اگرچہ پٹھان اکبر کے زمانہ تک ہاتھ پیر مارتے رہے مگر سہ

کسی کا آستے عیش بھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

اب تھوڑی دیر کے لئے اپنی داستان کو آگے بڑھانے سے قبل ہم ان اختیار خاں شروانی کے متعلق کچھ عرض کریں گے۔ یہ ۹۶۳ھ میں اکبری عہد کے شروع تک زندہ تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانی پت سے بچ نکل گئے تھے۔ ایک اختیار خاں کا مزار موضع چین پور میں ہے جو سہسرام ضلع شاہ آباد صوبہ بہار کے قریب ہے جہاں شیر شاہ کا مدفن ہے۔[1] مقامی روایت یہ ہے کہ یہ اختیار خاں فتح خاں کے بیٹے تھے مگر یہ روایت غلط ہے کیونکہ اختیار خاں شروانی فتح خاں کے بھائی تھے نہ کہ بیٹے۔ اسی جگہ ایک داؤد خاں کا بھی مزار ہے شاید یہ داؤد خاں کرانی ہوں جن کو اکبری فوج نے بنگال میں شکست دی تھی۔ القصہ پانی پت میں مغلوں کی دوبارہ کامیابی نے شروانیوں کو اور بھی منتشر کر دیا۔ عیسیٰ خاں شروانی کے بھتیجے خان اعظم مظفر خاں ابن جلال خاں حاجی خاں کے پاس اجمیر میں چلے گئے اور ان کے وکیل مقرر ہوئے۔ یہ حاجی خاں وہی تھے جو شیر شاہ کے امراء میں سے تھے اور اس کے انتقال کے بعد انہوں نے بغاوت کر کے اور پھر اجمیر پر حملہ کر کے وہاں کے راجہ کو بے دخل کر کے اجمیر پر قابض ہو گئے تھے۔ اب عمر خاں شروانی

---

[1] آرکیولوجیکل سروے رپورٹ کننگھم جلد ۱۱ ص ۱۳۹

کا خاندان اور دیگر شروانیاں ادھر ادھر کنارہ کر گئے۔ پراگندہ روزی پراگندہ دل کی حالت پیش آئی۔ پٹھانوں کی حکومت بدل جانے سے ان کے رزق کے دروازے بند ہو گئے۔ پھر وہ سمجھتے تھے کہ ہمایوں تو ان سے خار کھائے بیٹھا ہے۔ بار بار اس کے مقابلہ پر آئے اس لئے وہ ان سے گن گن کر بدلے لیگا۔ کاغذ کی ناؤ کب تک چلتی۔ عادل شاہ سوری کے ساتھ ابراہیم خاں سوری اور محمد خاں سوری کا بھی خاتمہ ہوا جیسا کہ آئندہ کے واقعات سے معلوم ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروانیوں کی جماعت نے زیادہ تر پنجاب میں رہنا پسند کیا۔ سب سے پہلے وہ یہیں آکر بسے تھے۔ مگر جنوبی ہند کو چھوڑ کر پنجاب کے علاوہ شمال مغربی ہندوستان۔ گجرات۔ مالوہ۔ دوآبہ ہندوستان۔ روہیلکنڈ۔ اودھ بہار بنگال میں بھی وہ رہنے لگے۔ کہیں کم کہیں زیادہ اب بجائے سپاہ گری کے جو ان کا آبائی پیشہ تھا اور حکومت کی ملازمتوں کے زیادہ تر تجارت اور زراعت پر ان کی گذر بسر ہونے لگی۔ خاصکر گھوڑوں کی تجارت سے پیٹ پالنے لگے۔ ان کی جاگیریں ہاتھ سے نکل گئیں کسی نہ کسی طرح پیٹ پالنے لگے۔ ہمایوں کو شروانیوں سے زیادہ بدلہ لینے کا موقعہ اس وجہ سے نہیں ملا کہ کچھ دن کی حکومت کے بعد اسی سال یعنی ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء میں اس کی زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ اور وہ بھی اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا اکبر تخت و تاج کا مالک ہوا۔

حکومت اکبر اعظم

پٹھانوں میں زیادہ تر صوبہ بہار کے کررانیوں نے اکبر سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔ بھلا وہ کب چین سے بیٹھنے والے تھے۔ نہ سہی وصل تو حسرت ہی سہی۔ ان کی بغاوتوں کا مختصر حال تو آگے آئے گا۔ اب پھر عیسیٰ خاں شروانی کا قصہ سنیئے۔ اب وہ ضعیف ہو چکے تھے۔ عمر طبیعی کو پہنچ چکے تھے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ قنوج میں ہمایوں اور شیر شاہ کی لڑائی کے بعد عیسیٰ خاں شروانی نے بیرم خاں کی جان بچائی تھی۔ اکبر بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد بیرم خاں کا طوطی بولنے لگا۔ وہ اکبر کا اتالیق مقرر ہوا۔ اور خان خاناں کے خطاب سے سرفراز ہو کر امور سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا۔ بیرم خاں نے عیسیٰ خاں شروانی کو یاد رکھا۔ اس کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ خاندان

ابے خانماں ہے۔ اس نے عیسیٰ خاں شروانی سے کہلا بھیجی کہ اگر تم میرے پاس آؤ تو اکبر سے
کہہ کر ازکم سنبھل تم کو پھر واپس دلا دوں۔ عیسیٰ خاں شروانی نے اس پیغام کے جواب میں کہلا
بھیجا کہ میری عمر اب قریب ننانوے سال کے ہو گئی [illegible] دنیا کے عیش [illegible] خاں شروانی کی
اولاد کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ احسان کے بدلے میں احسان [illegible] ہے۔ میں حاضری سے معذور ہوں

بقول غالب مرحوم ؎

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

وہ بیرم خاں کے پاس نہ گئے اور دنیا کی دولت اور وجاہت پر لات مار دی
اللہ رے سیر چشمی اور غیور مزاجی۔ ورنہ ممکن ہے کہ آج ان کی اولاد کے پاس [illegible]
اس واقعہ کے کچھ زمانہ کے بعد دہلی میں عیسیٰ خاں شروانی کا انتقال ہو گیا۔ ان کی پیدائش
اور انتقال کی صحیح تاریخ اور سن تو معلوم نہیں مگر یہ قیاس کرتے ہوئے کہ سنہ ۹۶۳ھ یعنی اکبر کی
تخت نشینی کے بعد انہیں کے قول کے مطابق عمر قریب ننانوے سال کے تھی عیسیٰ خاں شروانی کی
پیدائش بہلول لودی کے عہد میں سنہ ۸۶۳ھ کے لگ بھگ ہوئی ہے۔ [illegible] کے علاوہ اکبر کا
کے مورخ عباس شروانی نے عیسیٰ خاں شروانی کے [illegible] لکھا ہے کہ ان کا
انتقال اکبری عہد کے اوائل میں سنہ ۹۶۳ھ میں ہوا

ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ عیسیٰ خاں شروانی نے اپنی حیات ہی میں [illegible] اپنا مقبرہ تعمیر
کرانا شروع کر دیا تھا۔ راقم الحروف نے یہ خوبصورت عمارت دیکھی ہے [illegible] کے مقبرے
سے متصل ہے۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ موت کے بعد بھی دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں
سوئے عیسیٰ خاں شروانی کے مقبرہ کے شمال [illegible] عمارت ہے اور جو
میں بستی نظام الدین اولیا علیہ الرحمۃ ہے [illegible] جہاں ایک
میں باغ اپنی بہار دکھاتا ہوگا [illegible] مسجد ہے جو
شکستہ حالت میں ہے اور صحن کے فرش [illegible] ہو گیا
باغ میں اب صرف آبپاشی کی [illegible]

کی قبر کے ایک بڑی اور چار چھوٹی قبریں ہیں اور مقبرہ سے باہر اس کے صحن میں چار چھوٹی قبریں ہیں، مگر ہماری بدقسمتی سے ان پر کوئی کتبہ نہیں ہے بجز ایک کتبہ کے جو عیسیٰ خاں کے مزار کے متعلق ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ دیگر قبور انہی کے خاندان کی ہوں گی۔ ورنہ غیر لوگ اس خاندانی مقبرہ میں کیوں دفن کئے جاتے۔ اس مقبرہ کے مغربی بند دروازہ پر حسب ذیل کتبہ ہے جس کے الفاظ کہیں کہیں سے ٹوٹ گئے ہیں:

"بنا کرد ایں روضہ جنت .... در عہد دولت اسلام شاہ

ابن شیر شاہ خلّد ملکہ وسلطانہ مسند عالی عیسیٰ خاں ابن میاں، ....

اغوان حجاب خاص بتاریخ نہ صد و پنجاہ و چہار ہجری" (یعنی ۹۵۴ھ)

سر سید احمد خاں مرحوم نے اس کتبہ کی نقل اپنی کتاب آثار الصنادید میں درج کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ مقبرہ عیسیٰ خاں حجاب کا ہے جو شیر شاہ کے امرا میں تھا۔ کتاب آرکیولیوجیکل سروے رپورٹ ۱۳؁ اور ص ۱۹ پر مولوی محمد اشرف حسین ایم اے نے اس عمارت کو عیسیٰ خاں ابن نیاز اغوان کا بتایا ہے۔ یہ قابل مصنف کی غلطی ہے کہ انہوں نے لفظ "میاں" کو نیاز پڑھ لیا۔ علاوہ ازیں اس کتبہ کے متعلق چند شکوک کا ازالہ ضروری ہے۔ عیسیٰ خاں کے نام کے ساتھ خیل درج نہیں ہے۔ ممکن ہے لفظ "میاں" کے بعد ہیبت خاں کا نام ہو اور خیل ہو۔ یہ حصہ شکست ہو گیا ہے اور پڑھنے میں نہیں آتا ....

....

ممکن ہے کہ لفظ "میاں" "ہیبتخان" کی خرابی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مقبرہ عیسیٰ خاں شروانی کا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت تاریخی تو یہی ہے کہ عیسیٰ خاں شروانی نے اپنی حیات میں مقبرہ تعمیر کرانا شروع کر دیا تھا جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے۔ پھر بجز عیسیٰ خاں شروانی کے دوسرے عیسیٰ خاں سور یا عیسیٰ خاں لوحانی شیر شاہ اور اسلام شاہ کے حاجب خاص نہ تھے۔ اور نہ وہ اس قدر ممتاز تھے۔ کتبہ میں جو سن درج ہے وہ تعمیر کا سن ہے نہ کہ عیسیٰ خاں کے انتقال کا۔

القصہ یہ عیسیٰ خاں شروانی ایک نام چھوڑ گئے ؎

مرے ذوقِ فنا میں اک حیاتِ تازہ مضمر ہے   مجھے اے خضر ارمانِ حیاتِ جاوداں کیوں ہو

عیسیٰ خاں شروانی کے خاندان کے لوگ عہد اکبری میں دہلی اور پنجاب میں بستے تھے ان کے بھتیجے مظفر خاں ۹۷۵ھ میں زندہ تھے۔ کیونکہ بقول اکبری مورخ قیاس شروانی کے جب شیر شاہی عہد کی بی بی فتح ملکہ کی بیٹی مہر عادل اودھ سے سندھ کو چلی تو اس نے اسی زمانہ میں مظفر خاں شروانی کے یہاں چند روز پنجاب میں قیام کیا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مظفر خاں شروانی پنجاب میں کس مقام پر رہتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ غالباً علاقہ سرہند، کرنال وغیرہ میں شروانیوں کی بستیاں ہوں گی، کیوں کہ وہ ابتدا میں یہیں آکر بسے تھے، اور حال میں تقسیم ہند سے قبل تک کہیں کہیں شروانی قبیلہ کے لوگ اس جوار میں موجود تھے۔ یہ بھی ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ فتح خاں شروانی پانی پت میں بستے تھے اکبری عہد میں ایک تازہ وارد شروانی کا ستارہ کچھ دن کے لئے ہندوستان کی فضا پر چمکا ان کا تعلق عمر خاں کے خاندان سے نہ تھا اور نہ دیگر شروانی لودی اور سوری خاندانوں سے (جو ہندوستان میں موجود تھے) ان کا رشتہ ناتہ تھا۔ ان کا نام ملا پیر محمد خاں شروانی تھا۔ یہ پڑھے لکھے اور ہوشیار اور ذہین آدمی تھے۔ جب بیرم خاں خانخاناں قندھار میں پہونچے تو ملا پیر محمد اس کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ بیرم خاں نے ان کی قابلیت کا اندازہ کرکے اپنے یہاں ملازم رکھ لیا اور اپنا نائب بنا کر ان کو اکبر کے دربار میں بھیجا۔ یا جنگ پانی پت سے پہلے ہی یہ آ گئے تھے کیونکہ اس لڑائی میں وہ اکبر کی طرف سے ہیمون بقال کے خلاف لڑے اور پھر ہیمون کے تعاقب میں بھیجے گئے۔ انہوں نے بھگوڑے ہیمون کے مال و اسباب پر قبضہ کرکے اس کو شاہی حق میں ضبط کر لیا۔ اکبری جلوس کے پہلے سال میں بعض ناعاقبت اندیش پٹھانوں نے پنجاب میں اکبر سے سرکشی کی تو ملا پیر محمد شروانی ان کی سرکوبی کے واسطے تعینات کئے گئے اور وہ اس مہم میں کامیاب ہوئے۔ بقول اکبرنامہ[1] وہ مان کوٹ کی فتح میں بھی شریک تھے۔ اکبر نے ان کی کارگذاری دیکھکر ناصر الملک کا خطاب دیا اور پنج ہزاری منصب تک پہونچایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ترقی تیز تھی اور وہ غیر معمولی قابلیت کے آدمی تھے۔ منتخب اللباب[2] نے لکھا ہے کہ بلا قید مراتب اور منصب کے وہ امرائے کبار اور مقربان گستاخ میں سے تھے بقول مآثر الامراء ان کی اور شمس الدین اتگہ کی سفارش سے اکبر نے سکندر خاں سوری کا قصور

۱۔ اکبرنامہ ۲۔ منتخب اللباب

معاف کر دیا۔ ملا پیر محمد شروانی بڑے آن بان کے آدمی تھے ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ان کے بارے میں ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے جس سے ان کی شان اور طرز معاشرت پر روشنی پڑتی ہے اور جس سے معلوم ہوگا کہ قندھار کی فضا کو چھوڑنے کے بعد ہندوستان کی آب و ہوا نے کیا رنگ نکھارا۔ ایک مرتبہ ملا پیر محمد شروانی اور بیرم خاں شکار کھیلتے ہوئے دہلی سے آگرہ کو آرہے تھے راستہ میں خانخانان نے اپنے رکابداران سے کہا کہ بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانا ساتھ میں ہے یا نہیں۔ ملا پیر محمد بولے کہ میرے ساتھ ماحضر موجود ہے۔ اس کو کھائیے۔ جب یہ دونوں اپنے رفقاء کے ساتھ درختوں کے سایہ میں بیٹھے تو ملا پیر محمد کے رکابداران نے ناشتہ سامنے رکھا۔ سات سو رکابی کے بقدر کھانا اور تین سو جام شربت کے پیش کئے۔ اس پر خانخانان کی آنکھیں کھلیں اور اس کو بڑا اچنبا ہوا۔ بھلا آجکل کے تین چھٹانک فی کس کے گراں راشن کا مقابلہ ملا پیر محمد کے دسترخوان سے کیجئے۔ اور سوچئے کہ زمانہ کی رفتار کہاں سے کہاں پہونچی۔ ملا پیر محمد یہ آن بان رکھتے ہوئے سخت مزاج بھی تھے۔ ان کو شوق تھا کہ معاملات کو بیرم خاں سے رجوع کرنے کے بجائے بہ حیثیت نائب وکیل السلطنت کے خود طے کردیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان سے جلنے لگے اور بیرم خاں سے ان کی شکایت کی۔ آگرہ پہونچنے کے بعد ملا پیر محمد ایک دن بیمار پڑے تو بیرم خاں ان کو دیکھنے گئے۔ ملا پیر محمد کے دربانوں نے بیرم خاں کو روکا اور کہا کہ ہم اطلاع کردیں تو آپ اندر جائیں۔ یہ بات بیرم خاں کو بہت ناگوار گزری۔ اور بغیر ملے ہوئے واپس چلے آئے اور کہا کہ ملا کا اب یہ دماغ ہوگیا ہے؟! ملا پیر محمد شروانی کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو خانخانان سے بہت کچھ معافی مانگی اور اپنی لاعلمی کا اظہار کیا مگر بیرم خاں کے دل سے یہ بات محو نہ ہوئی اور وہ ان سے کھٹکنے لگا۔ اسی زمانہ میں زمانہ کا رنگ دیکھکر صدر الصدور شیخ گدائی پٹھانوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ ایک زمانہ میں شیخ کے مورثان پٹھانوں کی حکومت میں صدر الصدور رہ چکے تھے اور وہ خود بقول مجمع النفائس مصنفہ خان آرزو (لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور) ابراہیم لودی کے صدر الصدور رہ چکے تھے۔ شیخ گدائی نے بھی بیرم خاں سے ملا پیر محمد کی شکایت کی۔ اس پر بیرم خاں نے اول ملا کا تنزل کیا اور پھر بیانہ کے قلعہ میں نظر بند کردیا۔ مگر ان کی درخواست پر بعد کو حج بیت اللہ شریف کو جانے کی اجازت دی مگر

ساتھ ہی ساتھ یہ چال چلی کہ ان کو راستہ میں پکڑوا لیا جائے۔ وہ گجرات تک پہونچ چکے تھے
جب اکبر کو یہ سب حال معلوم ہوا تو اس نے ملا پیر محمد کو بیرم خاں کے چنگل سے رہائی دلائی
اور بجائے ادھم خاں کے مالوہ کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ باندہ اور اجین بھی ان کے سپرد کیا۔
۹۶۸ھ میں ملا پیر محمد شروانی ادہم خاں کے ساتھ مالوہ میں باز بہادر ولد شجاعت خاں سوری
کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے تعینات کئے گئے۔ قسمت نے باز بہادر کی یاوری کی۔ ملا پیر محمد
نے دیکھا کہ ان کی گرفتاری کا خطرہ ہے تو جان بچا کر نکل بھاگنے کی کوشش میں دریائے نربدا
میں کود پڑے اور ڈوب کر مر گئے۔ آن بان دولت و ثروت کچھ کام نہ آئی بلکہ عمر بھی زیادہ نہ پائی
ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی عادت کے مطابق ان کی بھی برائیاں کی ہیں۔ بعض مورخین کا قول
ہے کہ وہ شیروان (ملک ایران) سے آئے تھے اس لئے شیروانی کہلائے۔ مگر یہ ویسی ہی
غلط فہمی ہے جس کا اظہار ہم نے اس کتاب کے شروع میں لفظ سروانی کی وجہ تسمیہ کے بابت
کیا ہے۔ ملا عبدالقادر نے جو ان کے ہم عصر اور ایک ہی دربار میں تھے ان کو صاف طور سے شروانی
لکھا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ قندھار میں بیرم خاں سے ملے۔ قندھار اور اس کے
نواح میں آج تک شروانی قبیلہ بس رہا ہے۔ اگرچہ ان کی تعداد کم ہے۔ اکبری عہد میں پٹھانوں نے
مغلوں کو چین نہ لینے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں نے ان کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ ڈالنے کی کوشش
کی۔ علاوہ ازیں اکبر نے اپنے باپ دادا کے ساتھ پٹھانوں کی لڑائیوں کے حالات سنے تھے
اس لئے اس کے صبر و سکون کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اکبر کو کئی مرتبہ صوبہ بہار اور بنگال میں پٹھانوں
کی بغاوتیں فرو کرنے کے لئے فوج چیدہ افسروں کی ماتحتی میں بھیجنا پڑی۔ بقول شخصے پٹھانوں
کی رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ ۹۷۲ھ میں اکبر کے ایک امیر علی قلی سیستانی نے اکبر سے بغاوت کی
تو چند بنگش پٹھان جن میں حسن خاں ممتاز تھا، علی قلی کے ساتھ ہو گئے۔ یہ بغاوتیں زیادہ تر کرانی
اور بنگش پٹھانوں کی تھیں۔ مگر شروانی بھی خال خال ان کے شریک حال تھے۔ راجہ ٹوڈرمل
منعم خاں۔ اور خانجہاں ان کے خلاف بھیجے گئے۔ پٹھان کبھی ہارتے کبھی جیتے مگر اس
سلسلہ نے جب طول کھینچا تو اس قضیے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی غرض سے اکبر کو خود
پڑا۔ اس سلسلہ میں پٹنہ (صوبہ بہار) کے محاصرہ کے وقت اس شہر سے جانب جنوب

کھڑا ہوا اکبر شہر کو دیکھ رہا تھا کہ پٹھانوں نے اس پر فیر کئے اگرچہ اکبر کا بال بیکا نہ ہوا۔ ایسی حالت میں پٹھانوں کی طرف سے اکبر کا اندیشہ اور خوف بیجا نہ تھا۔ تعجب نہیں کہ اکبر نے ہندو راجگان سے جو تعلقات قائم کئے وہ اسی مصلحت پر مبنی ہوں کہ ان راجگان کو رام کیا جاوے اور پٹھانوں کے خلاف ایک بڑی جماعت تیار کی جاوے۔ پٹنہ کی لڑائی میں داؤد خاں کرانی کے ساتھ بہت سے پٹھان شریک تھے اور اس سے قبل داؤد خاں کا باپ سلیمان خاں بھی زور پکڑ چکا تھا۔ اس باغی جماعت میں ہم کو کرانیوں کے علاوہ بٹنی سرداران کے نام بھی ملتے ہیں۔ یعنی حسن خاں بٹنی۔ فتح خاں بٹنی۔ احمد خاں بٹنی۔ یوسف خاں بٹنی۔ القصہ بالآخر اکبر کی فوج کامیاب ہوئی۔ اور داؤد خاں کرانی مارا گیا۔ مورخین نے کیا خوب تاریخ اس واقعہ کی لکھی ہے "ملک سلیمان زد داؤد رفت"۔ اکبر نے پٹھانوں کے خلاف عام ہزن کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اس کے خوف سے بعض پٹھانوں نے اپنے آپ کو پٹھان کہنا چھوڑ دیا۔ اور جان سلامت رکھنے کے لئے شیخ سید بن بیٹھے۔ ایسی حالت میں اب بہار بنگال میں شروانی خاندان کا پتہ لگانا کوہ کندن کاہ برآوردن کے برابر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لڑائیوں کے بعد بچے کھچے پٹھانوں نے پھر پنجاب میں جاکر پناہ لی۔ ان بغاوتوں کے سلسلہ میں ہم کو تاریخ میں دو شروانی سرداروں کے نام ملتے ہیں یعنی اللہ داد خاں شروانی اور سلیمان خاں شروانی۔ یہ اللہ داد خاں شروانی تو غالباً وہی تھے جن کے کارناموں کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ جو پانی پت میں ہیموں بقال کے ساتھ اکبر کے مقابلہ میں سخت زخمی ہوئے تھے اور بچ کر نکل گئے۔ یہ جہانگیر کے عہد تک زندہ رہے کیونکہ تاریخ سلیم شاہی عرف تزک جہانگیری نے لکھا ہے کہ اللہ داد خاں جو افغانوں میں بڑا سمجھا جاتا تھا جہانگیر کے خوف سے بھاگ کر کابل کی طرف بھاگ گیا اور مہابت خاں عامل کابل کو حکم دیا گیا کہ اگر وہ گرفتار ہو جاوے تو شاہی دربار میں بھیج دیا جائے۔ مگر اس تاریخ میں ان کے نام کے ساتھ خیل درج نہیں ہے۔ تعجب نہیں کہ یہ اللہ داد خاں شروانی وہی ہوں جنہوں نے دتاولی کے قریب اللہ داد پور بسایا جس کا ذکر

---

[1] ۔ طبقات اکبری

آگے آئے گا۔ ان لڑائیوں میں سلیمان خاں کی شرکت اکبرنامہ میں ابوالفضل نے بتائی ہے۔ یہ نام ہماری اس ناچیز تاریخ کے لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ ہم آگے چل کر ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی اس روایت پر روشنی ڈالیں گے کہ سلیمان خاں شروانی عہد شاہجہان میں کول علی گڑھ کی طرف آئے اور ان کا تعلق بھیکم پور (ضلع علی گڑھ) کے مشہور شروانی خاندان سے تھا۔ ان سلیمان خاں کا شجرہ ہم کو معلوم نہ ہو سکا۔ کچھ تعجب نہیں کہ ان کا تعلق عمر خاں شروانی کے خاندان سے ہو اور انہوں نے مغلوں کے خلاف بغاوت میں خاندانی روایت کو قائم رکھا ہو۔ اکبر کے عہد میں اس بغاوت اور شاہجہاں کی تخت نشینی میں قریب ۴۵ سال کا فرق ہے جو زیادہ نہیں۔ پھر ایک تاریخی لحاظ سے قابل غور امر بھی ہے۔ ان بغاوتوں کا سلسلہ اکبر کے انیسویں سال جلوس یعنی ۹۸۱-۹۸۲ھ سے شروع ہو کر بائیسویں سال تک رہا۔ اور جب ۹۸۶ھ میں اکبر دورہ کرتا ہوا پنجاب میں گیا تو اس نے اپنے وزیر ٹوڈرمل سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ پنجاب کے بہت سے قصبات اور دیہات میں پٹھان کثرت سے آباد ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض تجارت کرتے ہیں اور بعض کاشتکاری کا پیشہ رکھتے ہیں لیکن وہ جابر اور سخت ہیں۔ غریبوں کو ستاتے ہیں اور ہم کو ان سے اندیشہ بھی ہے۔ جتنا زمانہ گزرتا جائے گا ان کے بارے میں شبہات بڑھتے جائیں گے۔ اس لئے ان کو منتشر کرکے مختلف صوبوں میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ آوارہ ہوں اور خلق اللہ کو آرام ملے۔ چنانچہ بہت سے بیچارے مصیبت زدہ پٹھانوں کو پنجاب چھوڑنا پڑا اور کچھوں کے ساتھ ظلم بھی ہوں گے۔ اکبر نے اس موقع پر پنجاب میں جاگیروں [illegible] جاگیرداروں اور [illegible] معاش معافیوں میں پڑی [illegible] لوٹ پلٹ کی اور پٹھانوں کی جاگیریں ضبط کرلیں [illegible] پٹھانوں کے قبیلوں کے نام [illegible] کے نام درج کئے [illegible] بالخصوص ان [illegible] پٹھانوں اور سرداروں [illegible] اکبر کے خلاف لڑے [illegible] مختلف صوبوں [illegible] معلوم نہ ہو سکا کہ یہ پٹھان کن کن خاندانوں سے [illegible]

۱؎ اکبرنامہ

کہاں کہاں جا کر بسے بجز اس کے کہ ان میں سے چند علی گڑھ ایٹہ کے اطراف میں آ گئے۔ مگر اس زمانہ میں پٹھان پنجاب بھر میں پھیلے ہوئے تھے بالخصوص سہارنپور، پانی پت، کرنال، لاہور اور رہتک میں، جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے۔ پانی پت میں عمر خاں شروانی کی اولاد میں سے فتح خاں رہتے تھے۔ محلہ مزنگ لاہوری ایک بزرگ شروانی کا مزار موجود ہے۔ سون پت، رہتک میں شروانیوں کے متعلق کتبہ جات موجود ہیں۔ راولپنڈی کے علاقہ تر چھچھ میں ریاست کشمیر کے مغربی حصہ میں شروانیاں اب تک موجود ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل پانی پت کرنال میں شروانی خاندان آباد تھے۔ اکبر نامہ میں ابوالفضل نے جو دہریاں پٹھانی کا خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ ان کو بھی پنجاب سے خارج البلد کیا گیا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بہار، بنگال میں ان کی بغاوتوں کی وجہ سے اکبر کے دل میں پھپھولے پڑے ہوئے تھے۔ اور اس کی رنجیدگی کے زخم تازہ تھے۔ پٹھانوں سے جن میں شروانی بھی شریک تھے اکبر کی ناراضی کا سلسلہ ۹۸۷ھ تک جاری رہا۔ اور ان کی جاگیریں ضبط ہوتی رہیں۔ بقول اکبری عہد کے مورخ عباس[1] شروانی کے یہ بیچارہ بھی اس ناراضی کے زد سے نہ بچ سکا۔ اس کی تاریخ شیر شاہی اسی سن کے لگ بھگ تصنیف ہوئی۔ اور اکبر کے خوش کرنے کے لئے مورخ نے اس کا نام شیر شاہی کے ساتھ ساتھ تحفہ اکبر شاہی بھی رکھا۔ مگر یہ سب خوشامد اس کے کام نہ آئی۔ شیخ گدائی نے حسب عادت بے تعلقی گھونسا مارا کہ اکبر سے شکایت کی کہ صدر الصدور عبدالنبی نے (جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اولاد میں سے تھے) دو پٹھانوں کو اب بھی بڑی جاگیریں دلا رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک مورخ عباس شروانی کی دو ہزار بیگھہ زمین پھلور ضلع کانپور میں تھی۔ جس کو شیر شاہ نے اس مورخ کے مورث بایزید خاں شروانی کو عطا کی تھی۔ یہ سن کر اکبر نے اس مورخ کا ذرا بھی پاس اور لحاظ نہ کیا اور یہ جاگیر ضبط کر لی۔ بادشاہ اس کے عوض میں اس بیچارہ مورخ کو پانصدی منصب دینا چاہتا تھا۔ مگر شیخ گدائی نے اکبر کو اس سے بھی روک دیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں مدد معاشوں کے بارے میں شیخ گدائی کی برائی کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ مغرور قسم کے عہدہ دار تھے۔ جو ان کی دربارداری نہ کرتا اس سے وہ ناراض رہتے تھے۔ اس مورخ کی جاگیر کی ضبطی کا واقعہ ۹۸۱ھ سے قبل کا

[1] شیر شاہی

معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سن میں شیخ گدائی کا انتقال ہوگیا۔ جب مورخ عباس شروانی پر یہ مصیبت نازل ہوئی اور اس کا حال دگرگوں ہوا تو خانخاناں نے اس پر رحم کھا کر میر حامد جاگیردار گجرات کے یہاں دو سو روپیہ ماہوار پر ملازم رکھوا دیا۔ اس زمانہ میں روپیہ کی قیمت اور نرخ اجناس کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بھی غنیمت تھا مگر جب عباس شروانی کو کسی کام سے بجواڑہ جانا پڑا اور میر حامد کا انتقال ہوگیا تو یہ ماہانہ آمدنی بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔ اور بیچارے اس مورخ کی روزی کا دروازہ بند ہوگیا۔ وہ پنجاب میں کسی جگہ چلے گئے اور معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوا۔ اور انہوں نے کوئی اولاد چھوڑی یا نہیں۔ ان کی کتاب شیرشاہی کا ایک قلمی نسخہ ریاست رامپور کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منصب داران کی اس فہرست میں جو اکبرنامہ میں ابوالفضل نے دی ہے صرف دو چار لودی اور نیازی پٹھانوں کے نام ملتے ہیں۔ اور وہ بھی ادنیٰ درجہ کے منصب داران میں تھے۔ یہ سوال بڑا دلچسپ ہے کہ پنجاب سے نکالے جانے کے بعد پٹھان اور بالخصوص شروانیاں جن سے ہماری اس ناچیز تاریخ کا تعلق ہے کہاں کہاں جا کر بسے۔ ہمعصر مورخین نے تو اس مضمون پر کوئی روشنی ڈالی نہیں مگر اس قیاس کے واسطے زبردست وجوہ موجود ہیں کہ شمالی ہند کے جن خطوں میں تھوڑے بہت پٹھان پیشتر سے موجود تھے وہیں یہ گئے ہوں گے۔ پنجاب سے چل کر بہار اور بنگال کے یا گجرات اور مالوہ کے دور دست مقامات پر پہونچنے کی اب ان میں سکت باقی نہ تھی۔ اس لئے ان پناہ گزینوں کی نظر قدرتی طور پر انہیں علاقوں پر پڑی جو قریب تھے جن سے وہ پٹھانوں کی حکومت بلکہ اس سے پیشتر بھی واقف تھے اور جہاں پٹھانوں کی حکومت کے زمانہ سے یا مغلیہ خاندان کے حکومت قائم ہونے کے وقت سے تھوڑے بہت پٹھان رہتے تھے۔ مثلاً علاقہ کول میں سکندرہ راؤ یا قصبہ جلالی کا خطہ یا علاقہ کول کا وہ حصہ جہاں اب شروانی بستیاں موجود ہیں۔ یا اسی قدر ضلع ایٹہ کا خطہ۔ اس خیال کی تائید اس بات سے اور بھی ہوتی ہے کہ اکبر کے زمانہ کا مورخ ابوالفضل نے آئین اکبری میں جو ۱۰۰۱ھ میں مکمل ہوئی لکھا ہے کہ سرکار کول کے چند محالات مثلاً جلالی، سکندرہ راؤ اور دستور مارہرہ (حال ضلع ایٹہ) کے محال بلرام میں اور پرگنہ پٹیالی میں جس کا سکیٹ ضلع ایٹہ میں ہے پٹھانوں کی آبادی ہے۔ یہ خطہ وہ ہے جہاں اب شروانیوں کی بستیاں ہیں۔ اور بمقابلہ

دیگر قبیلوں کے پٹھان بہت کم بلکہ خال خال آباد ہیں۔ اس سرکار کول اور ان پرگنہ جات کے واسطے بوقت ضرورت فوج بہم پہونچانے کی تعداد مقرر تھی جس کا ابو الفضل نے ذکر کیا ہے پھر علی گڑھ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی روایت ہے کہ عہد شاہجہاں میں ۱۰۳۷ھ لغایتہ ۱۰۶۸ھ میں یعنی سادات نے پٹھانوں کو قصبہ جلالی سے بیدخل کیا۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ عہد شاہجہاں میں سادات نے بہت زور پکڑا۔ اسی قصبہ سے چار میل جانب شمال کالی ندی کے پار اب سروانیوں کی بستیاں ہیں۔ اس زمانہ میں پٹھانوں کے مرکز قصبہ سہاور ضلع ایٹہ کا تعلق محال بلرام دستور مارہرہ سے تھا۔ راقم الحروف کی رائے میں گمان غالب یہی ہے کہ قصبہ سہاور کے اکثر پٹھان جو آج تک چودھری کہلاتے ہیں اور جن کے رشتہ داری کے تعلقات اب شروانیان سے ہیں اسی اکبری عہد میں پنجاب سے چل کر براہ راست یا درمیان میں ٹھہرتے ہوئے سہاور میں آکر بسے کچھ پہلے موجود ہوں گے شروانی خاندانوں کے جو شجرے اس کتاب کے آخر میں درج ہیں اور جو شجرہ خاندان سہاور کا وہاں کے حضرات کے پاس موجود ہے ان کے لحاظ سے بھی ان خاندانوں کے مورثان اعلیٰ کے یہاں آنے کا زمانہ کم و بیش یہی قرار پایا ہے۔ مگر اس مضمون پر ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے۔

جب جمادی الآخر ۹۶۷ھ[1] میں اکبر شکار کے سلسلہ میں سکندرہ راؤ۔ کول۔ خورجہ (ضلع بلند شہر) ہوتا ہوا دہلی گیا تو اس موقعہ پر کسی ممتاز پٹھان سردار نے اس کی ایسی آؤ بھگت نہیں کی جیسے کہ سکندرہ راؤ میں راؤ خاں شروانی نے اس کے دادا بابر بادشاہ کی کی تھی۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے لالے پڑے ہوئے تھے اور ان میں اتنی تاب و طاقت کہاں تھی۔ جو بادشاہی قدم بوسی حاصل کر کے اکبر کو مہمان رکھتے۔ یہ بھی تعجب نہیں کہ وہ خائف ہوں کہ ان اطراف میں اکبر کی آمد ان بچے کچھے پٹھانوں پر کوئی تازہ مصیبت نہ لائے۔ ۱۶۰۵ء میں اکبر کا انتقال ہوا۔

حکومت جہانگیر

اور اس کا بیٹا شاہزادہ سلیم نور الدین نام جہانگیر کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ یہ زیادہ تر مرنج و مرنجان قسم کا آدمی تھا مگر اس سے بھی پٹھانوں کی چھیڑ چھاڑ ہو گئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی جہانگیر کے بھائی[2] شاہزادہ خسرو نے اس سے انحراف کیا تو بہت سے پٹھان خسرو کے ساتھ ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود زمانہ کے ہاتھوں

---

[1] اکبر نامہ۔ [2] تزک جہانگیری

طمانچہ کھانے اور اس کی دستبرد سے محفوظ نہ ہ۔ جبنے کے پٹھان اس تاک میں لگے رہتے تھے کہ کب موقعہ ہاتھ آئے اور ہم درمیان میں کود کر اپنی ٹانگ اڑائیں۔ بغاوت تو فرو کرلی گئی مگر اسباب کثیر بہت سے پٹھان پنجاب چھوڑ کر گنگا جمنا کے دوآبہ کی طرف چلے آئے۔ تعجب نہیں کہ اسی زمانہ میں اللہ داد خاں شروانی جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور جن کے بابت تزک جہانگیری نے قصہ لکھا ہے کہ وہ جہانگیر کے خوف سے بھاگ کر کابل کی طرف چلے گئے۔ وہ کول کے ضلع میں وناولی کے قریب موضع اللہ داد پور سے بھاگے ہوں۔ یہاں پہلے شروانی بستے تھے اور یہاں عہد شاہجہانی یا اورنگزیب میں یوسف خاں راجو کے بیٹے دلیل خاں کی بارات گئی تھی۔ یہاں اب کوئی شروانی خاندان موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ موضع وناولی کے شروانی خاندان کی زمینداری میں شامل رہا۔ یہ موضع غالباً انہیں اللہ داد خاں شروانی کی یادگار ہے۔ جہانگیر کے عہد میں ابدل خاں شروانی تھے جو شاہی ملازم تھے مگر بعد کو تارک الدنیا ہو کر گنگیری ضلع علی گڑھ میں حضرت مخدوم ثنائی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا اور مدفون ہوئے۔ یہ ابدل خاں خاندان بھیکم پور اور بھوری کے شروانیوں کے مورث اعلیٰ بتائے جاتے ہیں۔ اگرچہ حاجی عنایت اللہ خاں مرحوم رئیس بھیکم پور کی تحریری یادداشت کے مطابق جو کتاب خانہ حبیب گنج میں محفوظ ہے، ابدل خاں کے بابت ذرا سا اختلاف یہ ہے کہ موصوف کے علم میں وہ بھوری غربی کے مورث تھے اور خاندان بھیکم پور کا نکاس بھوری شرقی سے ہے موصوف نے مجھلے خاں صاحب حاجی عبدالشکور خاں مرحوم کے سوال کے جواب میں لکھا کہ بھیکم پور کے مورث اعلیٰ عیسیٰ خاں تھے مگر شجرہ مندرجہ کتاب ہذا سے معلوم ہوگا کہ عیسیٰ خاں سے علاوہ بھیکم پور کے بھوری کے کچھ پٹھانوں کا اور ونڈولی کا سلسلہ بھی چلا۔ اس لئے یہ اختلاف سطحی ہے۔ اوپر جاکر یقیناً مورث اعلیٰ ایک ہی ہوں گے۔ حضرت مخدوم ثنائی رحمۃ اللہ علیہ کے بابت کہا جاتا ہے کہ وہ پٹھانوں کے ساتھ اس طرف تشریف لائے۔ ان کے صاحبزادہ کے پاس ہمایوں کے عہد کا فرمان معافی اراضی کے بابت تھا جس کی نقل نواب صدر یار جنگ بہادر کی یادداشتوں میں کتب خانہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔ القصہ سنہ ۱۰۲۱ھ کے آس پاس جہانگیر نے جو بڑا بااثر آدمی تھا بہت سے پٹھانوں کو قصور معاف کردیا اور خانجہاں لودی کے بیٹے دریا خاں کو اودھ کا صوبیدار مقرر کیا۔ اگرچہ پٹھان اب تک شبہ کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جہانگیر بادشاہ نے خانجہاں ولد

دولت خاں لودی کو اپنے جلوس کے پندرھویں سال میں حکم دیا کہ وہ ایران کے بادشاہ عباس صفوی کے خلاف ملتان سے جہاں خانجہاں اس وقت مقیم تھا ایران جانے کے لئے تیار رہے۔ یہ سن کر بہت سے پٹھان خانجہاں کے پاس ملازمت کی غرض سے جمع ہو گئے مگر خانجہاں لودی نے ان کو بھرتی کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر بادشاہ سن لے گا کہ اس کے پاس کثرت سے پٹھان جمع ہو رہے ہیں، تو خان جہاں کو قتل کرا دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اکبر کی سختی کے اور پٹھانوں کو پنجاب سے نکال لینے کے اس قوم کے بہت سے افراد پھر بھی یہاں رہ گئے تھے۔ غالباً صرف سرغنہ لوگ نکالے گئے۔ مغلوں کا یہ شک وشبہ بے شک صحیح اور جائز تھا جیسا کہ خان جہاں کی بغاوت سے جو اس نے عہد شاہجہاں کے شروع میں کی ثابت ہوتا ہے۔

حکومت شاہجہاں جب ماہ صفر ۱۰۳۷ھ میں جہانگیر کا انتقال ہو گیا تو تھوڑے نزاع اور خلفشار کے بعد شاہزادہ خورم شہاب الدین شاہجہاں کے لقب سے اس سن کے جمادی الاول میں دہلی کے تخت وتاج کا مالک ہوا۔ اس کی حکومت کے اوائل میں خان جہاں لودی متذکرہ بالا نے جس پر جہانگیر کو اعتبار تھا اور شاہجہاں بھی اس کو اپنی نظروں سے دیکھتا تھا حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور اس زور وشور کے ساتھ کہ اس کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ خان جہاں لودی نے ہندوستان کی مغربی شمالی سرحد سے بہت سے تازہ دم پٹھانوں کو اپنی امداد کے واسطے بلا لیا اور ہندوستان کے موجودہ پٹھانوں کو بھی اس جدوجہد میں اس غرض سے شرکت کی دعوت دی کہ ان کی کھوئی ہوئی حکومت ان کو واپس مل جائے۔ مگر اس کشت میں فصل بہار بیٹھا کب آنیوالی تھی۔ پٹھانوں کے لئے تو قدرت نے خزاں کا دور بھیج رکھا تھا۔ بالآخر بڑے خون خرابے کے بعد خان جہاں قصبہ کالنجر بندیلکھنڈ کے قریب مارا گیا اور اس کا خاندان تباہ ہو گیا۔ اس معرکے میں بہت سے پٹھان کام آئے۔ اس شورش کے سلسلہ میں ہم کو تاریخ میں شروانیوں کے نام نہیں ملے۔ مورخین نے اول تو سب باغی سرداروں کے نام اور ان کے خیل نہیں بتائے، پھر یہ لحاظ کرتے ہوئے کہ شروانی اکبر گردی کے مارے ہوئے تھے۔ ان میں آزمودہ کار سردار زیادہ تر ختم ہو چکے تھے۔ ان کی ساکھ تھوڑی رہ گئی تھی اور آوارہ وطن تھے۔ قیاس یہی ہے کہ شروانیوں نے خان جہاں لودی کا ساتھ نہیں دیا۔ اور اگر دیا بھی ہو تو ایسے رہے جیسے کہ

نمک۔ عہد شاہجہاں میں کچھ شروانیاں پنجاب میں ضرور موجود تھے جیسا کہ ذیل کے ایک کتبہ سے جو رہتک میں ایک شروانی کی بنائی ہوئی عمارت کے ماتھے پہ ثابت ہے۔ راقم الحروف نے بھی موقعہ پر اس کتبہ کو جس کے کچھ الفاظ شکست ہو گئے ہیں دیکھا۔ اور دیکھتے وقت محلے کے بچوں کی ایک فوج اس کے ساتھ رہی۔ یہ کتبہ شہر رہتک کے محلہ وزیر خاں میں دھوبی گیٹ (دروازہ) پر لگا ہوا ہے:

"بعون اللہ تعالےٰ ایں عمارت در عہد دولت ابوالفتح شہاب ....

محمد صاحب قران ثانی شاہ جہاں بادشاہ غازی باہتمام خادم الفقرا ....

پیر خاں ابن .... سر خاں سروانی غرہ محرم ۱۰۴۳ھ باختتام رسید"

یہ وزیر خاں جن کے نام پر محلہ آباد ہے غالباً سروانیوں میں سے تھے۔ اگرچہ اب یہاں ہم کو کوئی سروانی خاندان نہیں ملا۔ خافی خاں نے منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ ایک وزیر خاں شاہجہاں کے انتقال کے بعد عہد اورنگ زیب میں سرکار سرہند (جو ایک زمانہ میں شروانیوں کی جاگیر میں شامل تھا) عامل مقرر ہوئے۔ مرور ایام سے بمقابلہ ہمایوں اور اکبر کے سروانیوں کے ساتھ شاہجہاں کے تعلقات کسی قدر بہتر تھے۔ ہم کو اس عہد میں بقول ملا عبدالحمید لاہوری مصنف بادشاہنامہ کے تین شروانیوں کے نام شاہجہانی منصب داران میں ملتے ہیں یعنی (۱) سعید خاں شروانی جن کا منصب ہفت صدی تھا اور جن کو تین سو سوار رکھنے کا حکم تھا۔ (۲) مظفر خاں شروانی جن کا منصب ہفت صدی تھا۔ اور جن کو سات سو سوار رکھنے کا حکم تھا اور (۳) تاج خاں شروانی جن کا منصب ہفت صدی تھا اور جن کو چار سو سوار رکھنے کا حکم تھا۔ یہ چھوٹے درجے کے منصب ہیں مگر بہرحال یہ تینوں سروانی خاندان کی قائم مقامی ضرور کرتے تھے۔ عمر خاں سروانی کا خاندان تو منتشر ہو چکا تھا۔ مگر یہ اتنا بڑا خاندان تھا کہ ان کے قرابت دار پنجاب میں ضرور باقی رہ گئے ہوں گے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تینوں منصبدار کون سے شروانی تھے۔ آیا یہ وہی سعید خاں اور مظفر خاں تھے جن کے نام و حالات اوپر آ چکے ہیں یا کوئی دوسرے۔ بقول تاریخ متذکرہ بالا سعید خاں کا انتقال شاہجہانی حکومت کے دور دوم کے ساتویں سال یعنی ۱۰۵۳ھ میں ہوا۔ تاج خاں کا انتقال اس عہد کے

دور دوم کے دوسرے سال یعنی ۱۰۴۹ھ میں ہوا۔ ایک سعید خاں سروانی تو وہ تھے جو اعظم ہمایوں عیسیٰ خاں شروانی مذکرہ بالا کے داماد تھے اور جو ۹۵۲ھ میں عیسیٰ خاں کے ساتھ کالنجر کی مہم میں شریک تھے۔ ۹۵۲ھ اور ۱۰۵۳ھ میں ایک سو ایک سال کا بُعد ہے اس لئے قرین قیاس نہیں ہے کہ دونوں سعید خاں شروانی ایک ہی ہوں۔ اگرچہ اس وقت کے پٹھانوں کی عمروں کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بات ناممکن نہیں ہے۔

مظفر خاں شروانی کے بابت کوئی دقت نہیں ہے کیونکہ ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں ان کے باپ کا نام مبارک خاں لکھا ہے۔ اکبری عہد کے مظفر خاں جو عمر خاں شروانی کے خاندان سے تھے ان کے باپ کا نام جلال خاں تھا۔ صمصام الدولہ کی کتاب مآثر الامرا سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبری عہد سے لیکر شاہجہانی عہد تک کئی ایک ممتاز پٹھان سردار تھے مگر ان کے نام کے ساتھ خیل درج نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان میں شروانیان تھے یا نہیں ہماری بدقسمتی ہے کہ اس زمانہ کے اور بعد کے مورخین کی کوتاہ قلمی کی وجہ سے یہ دقت پیش آرہی ہے۔ تاریخ ہم کو یہ بھی بتاتی ہے کہ اس فوج کی تعداد جو منصبدار کو لازمی طور پر رکھنا پڑتی تھی اس کے ذاتی منصب پر منحصر نہ تھی۔ بلکہ کم یا زیادہ ہوتی تھی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ منصبدار سے کیا مطلب ہے اور اس کے کیا فرائض ہوتے تھے۔ یہ عہدہ امرا[۱] کے عہدے سے کم اور معمولی فوجی ملازم کے درجہ سے بڑا ہوتا تھا۔ امرا کی طرح منصبدار کے واسطے یہ لازمی نہ تھا کہ وہ بادشاہ کے دربار میں روزانہ یا جلد جلد حاضری دیں۔ یا باری باری سے پایۂ تخت کے قلعہ کی محافظت کے ذمہ دار بنائے جائیں۔ بلکہ منصبدار کو صرف فوجی مہم یا فوجی ضرورت کے وقت بلایا جاتا تھا۔ منصبدار کی تنخواہ دو طرح کی ہوتی تھی یعنی نقد یا بصورت جاگیر۔ سواروں کی تعداد یک اسپہ اور دو اسپہ ہوتی تھی۔ اسی لحاظ سے ان کی تنخواہ مقرر کی جاتی۔ سوار کی تنخواہ عموماً پچیس تیس روپیہ ہوتی تھی۔ اور اس میں وہ سامان شامل ہے جو سوار کو خود خریدنا اور رکھنا پڑتا تھا۔ آجکل کے روپیہ کی قیمت کے لحاظ سے یہ تنخواہ اس وقت کافی سمجھی جاتی تھی۔ یہ تبدیلی شروانی منصبداران مذکرہ بالا ثابت کر رہے ہیں کہ عہد شاہجہانی میں شاہی فوج سے تھوڑا بہت تعلق شروانیان کا قائم تھا اور نیز قابلہ ہمایوں) اور اکبر اور جہانگیر کے شروانیوں

۱۔ آئین اکبری، سفرنامہ برنیر

کی طرف سے شاہی عتاب اور شک و شبہ کم ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی جاگیریں واپس ملیں یا دوسری جاگیریں دی گئیں یا یہ تینوں نقد تنخواہ پر ملازم تھے۔ ضلع علی گڑھ کے گزیٹیر اور خاندان شیروانی کی روایت ہے کہ اس شاہجہانی عہد میں یوسف خاں شیروانی جو اس خاندان میں عموماً نواب کہے جاتے تھے سلیمان خاں کے ساتھ ان اطراف میں آئے یوسف خاں موضع راجحو میں آکر بسے جو نواب بہادر مزمل اللہ خاں کی ریاست میں شامل ہے۔ بادشاہ وقت نے ان کو راجحو کے قریب شاہجہاں آباد عطا کیا۔ یہ بھی ابتدائی ریاست کا جزو ہے۔ حاجی عبدالشکور خاں مرحوم رئیس بھیکم پور نے دوران بندوبست میں افسران بندوبست کی اطلاع کے واسطے شاہجہانی عہد کے زمینداران کی تحقیقات کرائی تھی تو [illegible] سے شاہجہان آباد [illegible] یوسف خاں کی زمینداری میں معہ دیگر دیہات کے شامل تھا اور کچھ گاؤں یوسف خاں کے بیٹے رحمت خاں کے نام درج تھے۔ اس [illegible] اور تحقیقات کا تعلق [illegible] تفصیل سے تھا۔ چنانچہ شیروانیوں کی زمینداری کے مواضعات [illegible] چھیدرولی [illegible] وصیل گڑھ اشرف آباد [illegible] شاہجہان آباد [illegible] نواب یوسف خاں کی زمینداری میں تھے اور مواضعات عالم پور [illegible] قاسم پور متصل سرروتی [illegible] بیگم پور [illegible] یوسف خاں کے بیٹے رحمت خاں کی زمینداری میں شامل تھے۔ نواب یوسف خاں کے [illegible] نواب کے بڑے بڑے قصبے مشہور ہیں۔ جن میں سے بعض اب [illegible] اور اس [illegible] ان کو نظر انداز کر کے ہیں۔ ان میں سے ایک قصبہ ان کے بیٹے رحمت خاں کی [illegible] اللہ داد پور متصل [illegible] کے پٹھانوں کے یہاں [illegible] اللہ داد پور [illegible] جہانگیری [illegible] گیا ہے اور جہاں اب کوئی شیروانی باقی نہیں ہے۔ نواب یوسف خاں کی والدہ اور بہن [illegible] کے مزارات راجحو میں اب تک موجود ہیں۔ [illegible] سکونت کر کے موضع [illegible] آئے اور یہاں سے ان کی [illegible] آباد ہوئی۔ نواب یوسف خاں کا انتقال عہد عالمگیر کے سال [illegible] میں [illegible] میں دفن کئے [illegible]

[illegible] ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ

گئے ان کا مزار ایک احاطہ کے اور بڑی گھنی جھاڑی کے اندر جس کو عوام گہنا کہتے ہیں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خاندان کے کچھ افراد بھی یہاں مدفون ہیں۔ اور اسی جگہ حضرت مخدوم شاہ ثنائی علیہ الرحمۃ کے (جو پٹھانوں کے ساتھ ان اطراف میں آئے اور گنگیری میں مدفون ہوئے) صاحبزادہ کا مزار بتایا جاتا ہے۔ رحمت خاں کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا ان کے تین بھائی پسران یوسف خاں یعنی محمد خاں، محمود خاں، حسن خاں اور تھے۔ جن کی اولاد بھاموں، بلوند، کناوہ، کنوبی، بورہ گاؤں حسن پور میں پھیلی، جیسا کہ شجروں سے معلوم ہوگا۔ حاجی عبدالشکور خاں صاحب مرحوم کی یادداشت کے مطابق سلیمان خاں بھوری بزرگ میں آباد ہوئے اور زمینداری حاصل کی۔ یہ وہی سلیمان خاں ہیں جن کا ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ نے عہد شاہجہانی میں اس طرف آنا بتایا ہے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ نے لکھا ہے کہ وہ قصبہ جلالی میں آباد تھے۔ اور پھر ان دونوں حضرات کو عہد شاہجہانی میں سادات نے جلالی سے نکالا اور ان دونوں نے تعلقہ حاصل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم کو تاریخ بتاتی ہے کہ عہد شاہجہانی میں سادات کا بہت زور ہوا۔ تعجب نہیں کہ یوسف خاں سلیمان خاں اول اکبری عہد میں جبکہ اکبر نے پٹھانوں کو پنجاب سے نکالا، پنجاب سے آکر جلالی میں بسے ہوں اور وہاں سے بعد کو ان اطراف میں آگئے ہوں، جہاں کہ پہلے سے پٹھان موجود تھے۔ اب یہاں اس سلسلہ میں اس خاندانی روایت کا اظہار بھی ضروری ہے جو نواب صدر یار جنگ، حبیب الرحمن خاں مرحوم نے اپنے بزرگوں سے سن کر مرتب کی۔ مرحوم کے چچا عنایت اللہ خاں مرحوم اور بعض دیگر ہم عصر شروانیان ٹنڈولی، بھوری، بلونہ بڑے نساب تھے۔ ان کے حافظے زبردست تھے۔ اگرچہ وہ اہل قلم نہ تھے مگر ان میں علم سینہ بسینہ چلتا تھا۔ ان میں حاجی عنایت اللہ خاں مرحوم نے تو تحریری یادداشتیں چھوڑیں۔ اس روایت کے مطابق عہد سکندر لودی میں (۸۹۴ھ لغایۃ ۹۲۳ھ میں) دو بھائی محمد مغیث خاں اور محمد میر خاں شروانیان تھے۔ یہ اکبری عہد میں ان اطراف میں آئے اور بہادر پور راجپوتی میں آکر مقیم ہوئے۔ محمد مغیث خاں کے تین بیٹے ہوئے۔ یعنی سالارالدین خاں، رکن الدین خاں اور بہاؤالدین خاں۔ محمد میر خاں نے ایک بیٹا چھوڑا جس کا نام نہیں معلوم۔ مغیث خاں اور محمد میر خاں کے مورثان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ان کا تعلق عمر خاں شروانی کے خاندان سے ہو اور وہ محمد خاں شفقداد کول

یا ان کے بھائی اسلام خاں کی نسل سے ہوں جن کا شجرہ مخزن افغانی یا کسی اور تاریخ میں ہم کو نہیں مل سکا۔ لودیوں اور سوریوں کے حکومت کے زمانہ میں پٹھان برابر ملک بھر میں نقل و حرکت کرتے رہے ان کی جاگیروں میں ردوبدل ہوتے رہتے اور فوج کے ساتھ وہ کبھی ملک کے اس گوشہ میں اور کبھی اس گوشہ میں رہتے۔ مگر ان دونوں بھائیوں کے بہادر پور ریوڑی میں آکر مقیم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق فوج سے نہ تھا اور وہ ان اطراف میں بسنے کے واسطے ہی آئے تھے۔ اس کی تائید اس تاریخی واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو ہم نے پنجاب کے پٹھانوں پر اکبر کی سختی اور ناروا داری کے بابت درج کی ہے۔ ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست کا مضمون تھا۔ بہادر پور ریوڑی سے کچھ شروانیان علاقہ موضع غالب پور میں چلے گئے۔ محمد منیر خاں کی اولاد اس وقت کے پرگنہ اترولی اور حال کے پرگنہ گنگیری کے مواضعات، چہ دہ، دناولی، برلہ، پہوساولی، سہاولی، بسنہرہ، دھنیاری اور بردولی میں جا پہنچی اور ان پر قبضہ جمایا۔ سالار الدین خاں ابن منیث خاں کی اولاد بھوری، بھیکم پور، داداوں، کنڈوہ، بڈرہ، کوڈوں، بلونہ، جسنگ، کنوبی، بھاموں، ڈھولنہ اور ننڈولی میں بسی۔ رکن الدین خاں ابن منیث خاں کی اولاد میں بہرا، بھرسولی، اتوا، گھنونہ، طبال پور، عاقتی کے شروانی پٹھان ہوئے۔ پھر ان میں آگے چل کر اور بھی تفریق ہوئی۔ جیسا کہ پٹھانوں میں رواج تھا اور جس کی وجہ سے ان میں خزادول خیل بن گئے سالار الدین خاں کی اولاد سارو دول، رکن الدین خاں کی اولاد کیندی۔ اور رفعت خاں کنوبی کی اولاد رفعت خانی کہلائی۔ بہلول لودی کے عہد کے بیٹے خاں شروانی کی اولاد حال تک پالنہ ضلع کرنال میں رہی۔

نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی مرتب کردہ اور ڈسٹرکٹ گزیٹر کی روایت میں جو تھوڑا فرق ہے وہ سطحی ہے۔ اور ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے۔ ایک کا یہ کہنا کہ یہ حضرات عہد اکبری میں آئے۔ اور دوسرے کا یہ کہنا کہ وہ عہد شاہجہانی میں آئے۔ دونوں صحیح ہو سکتے ہیں دونوں زمانوں میں صرف تیس چالیس سال کا فرق ہے جو زیادہ نہیں ہے۔ پھر گمان غالب یہ ہے کہ عہد اکبری میں یہ شروانی پٹھان اپنے وطن کو ترک کر کے ادھر جلالی میں اور میانہ رہے اور جب یہاں بھی حالات کو سازگار نہ دیکھا تو انہوں نے بہادر پور ریوڑی کی آب و ہوا چکھی۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی روایت زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ خاندان بھیکم پور کے موجودہ

نام سلیمان خاں یوسف خاں بتاتا ہے۔ اس کے ساتھ تسلیم کرتا ہے کہ دتاولی کے خاندان کے مورث اعلیٰ محمد مبیر خاں عہد اکبری میں آئے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر کے یوسف خاں ہی ہیں جو راجوئیں آکر بسے، اور عہد شاہجہانی میں بیجو۔ شاہجہاں آباد یایا۔ سلیمان خاں وہی ہیں جو عہد شاہجہانی میں بھموری بزرگ کے زمیندار سنہ ۱۰۳۳ فصلی میں تھے۔ اس روایت سے محمد منیر خاں مغیث خاں کی بابت روایت غلط ثابت نہیں ہوتی۔ مضمون میں صرف تھوڑا الٹ پھیر ہے۔ افسوس ہے کہ شجروں کی درمیانی کڑیاں غائب ہیں۔ مگر کسی شخص کی ایک مخصوص زمانہ میں موجودگی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ یا اس کی اولاد پیشتر یا بعد کے زمانہ میں ترک وطن کر کے کسی دوسری جگہ جا کر نہیں رہی۔ علاوہ برایں ایک اور امر بھی قابل غور اور توجہ ہے جس سے ہمارے ان خیالات کی تائید ہوتی ہے۔ ان شجروں کے دیکھنے سے جو اس کتاب کے آخر میں درج ہیں معلوم ہوگا کہ ہر ایک شجرہ میں کم و بیش چودہ پندرہ پشتیں درج ہیں۔ مثال کے طور پر خاندان ہائے دتاولی۔ بھیکم پور۔ بلونہ۔ کناوہ۔ بھموری وغیرہ کو لے لیجیے۔ اگر تاریخی اصول کے مطابق ہر ایک پشت کے واسطے بہ لحاظ اوسط تیس سال کی مدت لے لیجیے تو کسی موضع کے مورث اعلیٰ کا زمانہ اکبر یا اس سے چند سال قبل اور کسی کا اکبر سے چند سال بعد قرار پائے گا۔ ان اسناد تاریخی کے لحاظ سے جن کا اوپر ذکر ہے معلوم ہوتا ہے کہ لودی، سوری، مغل عہد میں پٹھان ان اطراف میں آتے جاتے رہے اور کچھ یہاں رہ پڑے۔ کوئی خاندان پہلے آیا، کوئی بعد میں۔ شروانی حضرات نے اس خطہ کو اپنے واسطے اسی وجہ سے پسند کیا کہ وہ خاندان سادات کے آخری زمانہ میں تیمور لنگ کے حملہ کے وقت سے پھر بہلول اور اس کے جانشینان کے وقت سے اس علاقہ سے بخوبی واقف ہو گئے تھے یہاں کی آب و ہوا اور زرخیزی کا اندازہ ان کو ہو گیا تھا۔ ان کے دو سردار یعنی عمر خاں اور محمد خاں ابن عمر خاں کول کے عامل رہ چکے تھے۔ شروانیوں کے بیانات سے ملحقہ قصبہ سکندرہ راؤ میں بابر کے عہد میں شروانی خاندان موجود تھا۔ قصبہ جلالی میں سکندر لودی کی تخت نشینی میں عمر خاں شروانی کا بڑا حصہ تھا۔ پنجاب سے چل کر اودھ، بہار، بنگال، ان کے لئے درست مقامات تھے۔ جنوبی ہند تک ان کی پہونچ نہ تھی۔ گجرات، مالوہ [illegible]

میل دور اس لئے دوآبہ کا یہ قطعہ ان کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھا۔ اب سوال کیا جاوے گا کہ جب شروانیان عہد اکبری سے لیکر عہد شاہجہانی تک ان اطراف میں بسے تو کیا ایک دم اور جلد انہوں نے زمینداری کے بڑے بڑے تعلقات حاصل کر لئے یا رفتہ رفتہ (جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا) ان کی زمینداریوں کا عروج اور پھر زوال اور پھر عروج اور تغیر و تبدل آہستہ آہستہ ہوا۔ اور اب موجودہ حکومت میں پھر وہ زوال کی طرف جا رہے ہیں بیشتر تو وہ بے خانماں، پناہ گزین، تجارت پیشہ لوگوں کی حیثیت سے آئے۔ ہاں تھوڑا بہت اساسہ اور اپنی عورتوں کو اپنے ساتھ لائے۔ کچھ اس اساسہ سے اور کچھ دھینگا مشتی سے زمینداریاں حاصل کیں۔ اور مکانات تعمیر کر لئے اور ہاتھ پیر نکالے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قصبہ سکندرراؤ کے شروانیان کا (جو بیشتر سے اس قصبہ میں آباد تھے) محمد منیر خاں، بخیث خاں، یوسف خاں، سلیمان خاں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ سکندرراؤ کے شروانیان کا ہم کو پرانا اور مکمل شجرہ نہیں مل سکا۔ اور جو نامکمل شجرہ زمانہ حال کا ملا ہے وہ اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔ اس بارہ میں تحقیقات اور دریافت حال کے واسطے حاجی عبد الشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور نے سنہ ١٢٩٠ھ میں ایک استفساریہ خط احمد نور خاں زمیندار سکندرراؤ کو جو مسند خاں مندرجہ شجرہ کے پڑپوتے محمد نور خاں کے بیٹے تھے لکھا تو موصوف نے جواب دیا کہ ان کے مورث سادات سے تھے۔ اور سبزوار سے آئے تھے۔ یہی نوٹ ان کے شجرہ میں درج ہے۔ یہ مسلم ہے کہ شروانیان ضلع علی گڑھ و ایٹہ سید حسین غوری کی اولاد ہیں اور سکندرراؤ کے شجرہ کو بھی یہ بات تسلیم ہے۔ باقی امور نہیں۔ اور اس میں تاریخی غلطیاں ہیں۔ قصبہ سکندرراؤ کی شادی بیاہ دیگر خیلوں میں بھی ہوتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ خالص شروانی النسل نہیں رہے۔ اس قسم کی شادی بیاہوں کا رواج اب اس ضلع کے اور ضلع ایٹہ کے دیگر شروانیوں میں ٹوٹ رہا ہے۔ زمانہ اس پر مجبور کر رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریر کے مقابلہ میں روایت کا درجہ کم ہے مگر روایت کو بالکل ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ آخر تاریخ سے کیا چیز۔ روایتوں کا مجموعہ۔ البتہ یہ دیکھنا ہوتا ہے، کہ کون سی روایت قابل اعتبار ہے اور کون سی ضعیف۔ اسی تنقید کے واسطے مسلمانوں میں علم اسماء الرجال

قائم کیا گیا۔ القصہ شاہجہاں بادشاہ کا انتقال سنہ ۱۰۵۰ھ؍۱۶۵۷ء میں اپنے بیٹے اورنگ زیب کی قید میں ہوا۔

حکومت اورنگ زیب

اپنے بھائیوں کو ختم کرکے اور بہت سے خون خرابہ کے بعد اورنگ زیب عالمگیر دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اس زمانہ سے لیکر اٹھارھویں صدی کے وسط تک شروانیوں کی تاریخ نسبتاً پردۂ تاریکی میں ہے۔ دو ایک واقعات کہیں کہیں قابل ذکر مل جاتے ہیں۔ اس عہد کے آخر میں رشید خاں صوبہ دار اکبرآباد (آگرہ) تھے۔ انہوں نے شمس آباد قائم گنج ضلع ضلع فرخ آباد کے درمیان قصبہ مورشید آباد آباد کیا۔ تاریخ فرخ آباد قلمی مصنفہ منور علی خاں سنہ ۱۲۵۵ھ (جس کا نام لوح تاریخ ہے) معلوم ہوا کہ رشید خاں کی فوج میں ایک رسالہ عین خاں شروانی کا بھی تھا۔ اور اسی میں ملک بنگش سے آکر ملک سارنگ خاں مورث نوابان بنگش فرخ آباد ملازم ہوئے۔ ان عین خاں کے زیادہ حالات معلوم نہ ہوسکے۔ بہرحال اس سے پتہ چلتا ہے کہ شروانیوں کا موروثی مشغلہ (یعنی فوجی زندگی کا) تھوڑا بہت اب تک چلا جاتا تھا۔ اب اس زمانہ میں ہم کو شروانیوں کے نام نہ فوجی عہدیداران، منصبداران اور جاگیرداروں میں ملتے ہیں نہ ملک کے عمال اور حکام میں وہ حکومت کی دربارداری سے کنارہ کش ہوکر۔ زراعت، تجارت۔ اور زمینداریوں کے بڑھانے میں خاموشی کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ نہ پیشتر کی طرح ان میں بڑے درجہ کے سرداران زیادہ تعداد میں موجود تھے۔ اور جو دو چار تھے وہ مقامی حدود کے اندر تھے۔ شروانیوں پر کیا منحصر ہے، اب پرانے آئے ہوئے افغانان یعنی لودی، سوری، بٹنی، نیازی زیادہ تر پس پشت جا پڑے۔ اور تاریخ میں ان کی جگہ نووارد پٹھانوں یعنی روہیلہ، بنگش، یوسف زئی، سدوزئی ترین، خٹک وغیرہ پٹھانوں نے لی۔ انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور سیاسیات میں حصے کرتب دکھائے۔

اورنگ زیب کے جانشین

اورنگ زیب کے بعد سیاسی فضا بہت مکدر ہو گئی۔ مرکزی حکومت کمزور۔ ہر ایک اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا تھا۔ نئی نئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ روہیلوں، بنگشوں، مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں نے

مغلوں میں رسہ کشی ہونے لگی۔ مگر شروانی زمانہ کا گرم و سرد چکھے ہوئے تھے وہ بہت سے مصائب اور تکلیف سے دوچار ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ جہاں تک ہو سکے اپنی پگڑی سنبھالے ہوئے گوشہ عافیت میں بیٹھے رہیں۔ اس طرز عمل کا یہ نتیجہ نکلا کہ شروانیوں نے نہ ان تنازعات میں حصہ لیا اور نہ کسی نے ان کی بات پوچھی وہ اپنے آبائی فوجی پیشہ سے ایسے دست کش ہوئے کہ انگریزی عملداری میں بھی جبکہ امن و امان تھا فوجوں میں بھرتی نہ ہوئے۔ اور اب ہمارے خاندان میں نہ کوئی صوبیدار ہے نہ رسالدار اور نہ کرنل اور کپتان۔ البتہ پنجاب کے شروانیوں کی ایک شاخ یعنی والیان ریاست مالیرکوٹلہ نے اس زمانہ میں ترقی کی جن کا حال ہم کتاب کے آخر میں درج کریں گے مگر اس خاندان سے اور ضلع علی گڑھ و ایٹہ کے شروانی خاندان سے کوئی تعلقات قرابت باہمی جول کے ۱۹۰۵ء سے قبل نہ تھے جبکہ شروانی خاندان دتاولی کی ایک لڑکی کی شادی مالیرکوٹلہ کے فرمانروا کے خاندان میں ہوئی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ پنجاب تو پھر بھی ان اطراف کے رہنے والے ہم شروانیوں کا اصلی وطن تھا۔ ہندوستان کے دیگر خطوں میں پھیلے ہوئے خال خال شروانیوں سے ہم سے کوئی تعلقات باقی نہ رہے۔ اور نہ اب ہیں اور وہ ایک دوسرے سے بے خبر ہیں۔ عہد فرخ سیر اور محمد شاہ شاہان دہلی میں یعنی ۱۱۲۴ھ لغایت ۱۱۶۱ھ میں کول کے ترکمان عامل نواب ثابت خاں نے کول میں محمد خاں شروانی کے بنائے ہوئے قلعہ کو مضبوط کیا اور اس کا نام بجائے محمد گڑھ کے ثابت گڑھ رکھا۔ نواب ثابت خاں نے شروانی خاندان بلونہ میں اپنی لڑکی کی شادی کرنے کی ضرور کوشش کی۔ مگر باوجود ان کی دولت اور وجاہت کے ان کی اس خواہش کو محض اس وجہ سے ٹھکرا دیا گیا کہ وہ غیر کفو تھے۔ ان اطراف کے شروانیان کو اس بات کا بڑا خیال تھا وہ کیسے ہی امیر ہوں یا غریب اور فاقہ مست ہوں مگر وہ اپنی نسل کو قائم رکھنا چاہتے تھے اس واقعہ کا قصہ یوں ہے کہ بلونہ کے شاہ محمد خاں[٢] کو نواب ثابت خاں نے پیام دیا کہ آخر الذکر کی لڑکی کا عقد اول الذکر کے بیٹے دلیل خاں کے ساتھ کر دیا جاوے۔ اور ساتھ ہی

[١] ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ

[٢] یادداشت قلمی سمیع اللہ خاں مرحوم بلونوی

بہت کچھ دولت اور مال کے دینے کا وعدہ کیا۔ شاہ محمد خاں نے اس موعودہ دھن و دولت پر لات مارکر اس مجوزہ شادی سے انکار کر دیا۔ نواب ثابت خاں کو اس پر غصہ آیا۔ تو سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ شاہ محمد خاں کو پکڑ لائے۔ بلونہ اس وقت نواب بنگش والی فرخ آباد کی عملداری میں تھا۔ جب سوار بلونہ کے قریب پہنچے اور شاہ محمد خاں کو اس آنے والی مصیبت کی خبر لگی تو وہ ایک تیز گھوڑی پر بیٹھکر وہاں سے بھاگ گے۔ سواروں نے تعاقب کیا مگر وہ ہاتھ نہ آئے۔ بلونہ میں چونکہ غیر عملداری تھی سواروں نے دو چار روز گاؤں میں رہ کر اور پٹھانوں کو دق اور پریشان کر کے واپسی کی راہ لی۔

جاٹوں کی شورش

عہد اورنگ زیب میں ہی جاٹوں نے سب سے پہلے ہاتھ پیر نکالے اور علی گڑھ کے پرگنہ جیور اور ساسنی کے جاٹوں نے زور پکڑا۔ مگر اورنگ زیب کی زبردست حکومت نے ان کو دبا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ سے جاٹوں نے شروانیوں کے دیہات کو تاک رکھا تھا۔ اور ان کا دانت ان دیہات پر تھا کیونکہ جیور، ساسنی، ٹپل کے علاقوں سے شروانیوں کے دیہات کا زیادہ فاصلہ نہ تھا اور پھر خود شروانیوں کے بعض دیہات میں جاٹ آباد تھے جن کا سلسلہ پیام و رسل[له] ضرور پڑوس کے جاٹوں سے ہوگا۔ بقول مورخ خافی خاں[له] (صاحب منتخب اللباب) عہد فرخ سیر میں ۱۱۳۱ھ میں جبکہ نواب ثابت خاں کول کے عامل تھے۔ جاٹوں نے پھر ساسنی کے علاقہ میں شورش کی مگر مغلیہ فوج نے پھر ان کو دبا دیا۔ گویا اندر ہی اندر پھوڑا پک رہا تھا۔ مگر وہ ابھی پھوٹ پڑنے کے قابل نہ تھا۔ نہ اب ایسا کوئی جراح موجود تھا۔ جو اچھی طرح سے شگاف دے کر پورے مواد کو خارج کرا دے۔ ایک نیا تماشا اور بھی شروع ہوا یعنی فرخ آباد کے بنگش پٹھانوں اور روہیلکھنڈ کے روہیلہ پٹھانوں میں تنازعہ اور زور آزمائی شروع ہوئی۔ شروانیوں کے دیہات بھی اس تماشاگاہ سے بالکل قریب تھے اور ان پر بھی تھوڑا بہت اثر پڑا۔ شروانی ان لڑائیوں سے تو الگ تھلگ رہے مگر ضلع علی گڑھ کا مشرقی حصہ یعنی پرگنہ گنگیری[ا] کچھ حصہ ضلع علی گڑھ میں اور ایٹہ کے پرگنہ جات پچلانہ اور فیض پور بدریہ کے شروانی دیہات محمد خاں[1]، قائم خاں[2]، احمد خاں

له منتخب اللباب خافی خان

بنگش والیان فرخ آباد کی عملداری میں آگئے۔ سکندرہ راؤ، سہاور، مارہرہ، بلونہ، گنگیری وغیرہ سب اسی بنگش حکومت کے ماتحت ہوئے۔ کول سے جانب شرق پندرہ میل[1] سے بنگش عملداری شروع ہو جاتی تھی۔ اسی زمانہ میں نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ اور روہیلے بھی خم ٹھونک کر کسی ایک نہ ایک فریق کے ساتھ کشتی کے دنگل میں اتر آتے تھے۔ کبھی یہ ہارا اور وہ جیتا، کبھی اس کی پتنگ کٹی اور کبھی اس کی۔ ڈور کے ذریعے سے شہ پر شہ دی جاتی تھی اور کنکّا آسمان پر چڑھتا چلا جاتا تھا۔ اور شہزادیان ٹوپی پلٹ ہوئے تماشا دیکھنے میں لگے ہوئے تھے۔ شجاع الدولہ کے زمانہ سے کچھ قبل گنگا جمنا کا دوآبہ نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ وزیر دہلی اور مرہٹوں کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ خلق اللہ پریشان تھی جس کا ساتھ نہ دیا جاوے جس کو رسد آدمی نہ دیئے جائیں وہی جان کا دشمن۔ پھر بھی سرداری بہت کچھ اپنے دامن کو بچا لے گئے۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں دو چار با اثر سردار جیسے رفعت خاں کھوئی، شاہ محمد خاں بلونہ اور دوستان بھیکم پور، جموری اور دتاولی وغیرہ موجود تھے۔ جب کول میں نواب ثابت خاں کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے فتح علی خاں کلان یہاں کے گورنر بنائے گئے۔ مگر احمد شاہ اور شاہ عالمگیر ثانی کے عہد میں مرکزی حکومت بے حد کمزور اور بے قابو تھی۔ فتح علی خاں جاٹوں سے جا لڑے۔ ان کے بعد مرزا اسد خاں کے سپرد یہاں کی نظامت ہوئی تو جاٹوں نے ان کو مار ڈالا۔

جاٹ کا کول پر قبضہ

۱۷۵۴ء میں یعنی احمد شاہ بادشاہ دہلی کے آخری زمانہ اور عالمگیر ثانی کے تخت نشینی کے وقت مرہٹوں نے اور بھرتپور کے جاٹوں نے بادشاہ کے خلاف سازشیں کیں اور سرکشی کی۔ بھرتپور کے راجہ سورج مل جاٹ نے جو اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا تھا بڑا اودھم مچا یا۔ بھرتپور سے لیکر کول تک ملک پر قبضہ جما لیا۔ اور کول کے قلعہ محمد گڑھ عرف ثابت گڑھ پر قبضہ کر کے اس کا نام رام گڑھ رکھوا۔ یہاں بہت سی فوج اور خزانہ جمع کر کے کچھ دن کے لئے کول کو اپنی دوسری راجدھانی بنایا۔ نواب صفدر جنگ نواب برہان الملک سعادت خاں مورث شاہان اودھ کا بھانجا اور

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ

داماد تھا۔ دہلی کا بادشاہ اس کی مٹھی میں تھا۔ سورج مل جاٹ صفدر جنگ کا رفیق اور ہمساز تھا۔ احمد شاہ بادشاہ دہلی نے تخت پر ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں بیٹھ کر مملکت کے کل امور کی باگ صفدر جنگ کے ہاتھ میں دے دی جو ۱۱۵۲ھ سے وزیر چلا آتا تھا۔ ہر کمالے را زوالے۔ جب ۱۷۵۳ء میں صفدر جنگ وزارت سے علیحدہ کیا گیا تو مرتا کیا نہ کرتا اس نے سورج مل جاٹ کے ساتھ مل کر بڑی شورش کی۔ شاہی فوج سے لڑتا رہا اور ملک کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کا تماشا ہوا۔ اسی زمانہ میں سورج مل[۱] کی شادی ضلع علی گڑھ کے موضع بجولی پرگنہ اترولی میں جو سابق ریاست بھیکم پور میں شامل تھا۔ ارجن سنگھ جاٹ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی۔ ارجن سنگھ ثابت گڑھ یا رام گڑھ کا صوبہ دار بنایا گیا۔ ارجن سنگھ کے لڑکے ساونت سنگھ اور خوشحال سنگھ نے چھرہ اور بھوری میں، جہاں شروانی آباد اور زمیندار تھے قلعے بنائے اور شروانیوں کو بے دخل کیا۔

پس منظر

اب قبل اس کے کہ ہم اپنے اپنے دیہات سے شروانیوں کے اخراج پر روشنی ڈالیں، اس سلسلہ میں مختصراً پس منظر کے دکھانے کی ضرورت ہے ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب المنصور خاں صفدر جنگ کو جو نواب برہان الملک سعادت خاں مورث شاہان اودھ کا بھانجا اور داماد تھا۔ نواب وزیر اودھ مقرر کیا۔ محمد شاہ کے بعد ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں احمد شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا تو اس نے نواب صفدر جنگ کو اپنی کل مملکت کا وزیر کل بنایا۔ سات برس تک دہلی اور اودھ کے اس با اثر وزیر کا دور دورہ رہا۔ وہ سیاہ سفید کا مالک تھا اور بادشاہ اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا۔ بھرتپور کا راجہ سورج مل جاٹ صفدر جنگ کا رفیق اور ہمساز تھا۔ بقول تاریخ مظفری[۲] صفدر جنگ نے سورج مل جاٹ سے نواب غازی الدین خاں کے خلاف مدد لی۔ ہر نند اور نادر گوسائیں سورج مل کے ملازم اور اس کے ساتھ نواب صفدر جنگ کے طرفداروں میں تھے۔ ان گوسائیوں کی نواب کی اور سورج مل کی ملی بھگت تھی گویا یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے اور ملکر ملک کو لوٹتے کھسوٹتے تھے ۱۷۵۳ء

---

[۱] تاریخ قلمی اترولی۔ [۲] تاریخ مظفری مصنفہ محمد علی خاں پانی پتی۔

میں صفدر جنگ کی قسمت کا پانسا پلٹا اور وہ وزارت[۵۰] سے علیحدہ کیا گیا۔ تو سورج مل جاٹ اور اس کے ان گوشائیں ملازموں نے بڑی شورش مچائی[۵۱]۔ اب سورج مل نے ہاتھ پیر نکالے اور اس کا دور دورہ شروع ہوا۔ اسی زمانہ کا یعنی سورج مل کے اور اس کے جانشینوں کے دور دورہ کا ہم نے جاٹ گردی نام رکھا ہے۔ اس زمانہ سے قبل اور اس کے شروع میں علی گڑھ کے شروانیان خاموش اور پُرامن زندگی بسر کر رہے تھے۔ صفدر جنگ اور اس کے ساتھی سورج مل اور آخر الذکر کے ملازمین گوشائیوں نے شروانیوں کے دیہات کو تاکا۔ اور صفدر جنگ کے وزارت سے علیحدگی کے بعد اس جاٹ راجہ نے اپنی چیرہ دستی سے کول میں محمد خاں شروانی کے بنائے ہوئے قلعہ محمد گڑھ پر ۱۷۵۳ء میں قبضہ کر لیا۔ بجائے محمد گڑھ کے اس کا نام رام گڑھ رکھا۔ اور یہاں اپنے خسر کو جو شروانیوں کی ریاست بھیکم پور کے موضع بجولی کا رہنے والا تھا فوجدار مقرر کیا۔ ممکن ہے کہ سورج مل کے خسر نے بھی بھیکم پور کے شروانیوں کے خلاف اس جاٹ راجہ کے کان بھرے ہوں۔ بہر حال سورج مل نے ۱۷۵۵ء میں خاندان بھیکم پور کے مورث سرفراز خاں اور ان کے چچا دلیل خاں کو جب کہ خاندان کا قیام اب تک بھوری میں تھا نکال باہر کیا۔ اور ان کے دیہات پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ ان کے ساتھ ہنساری متصل چھرہ کے اور بعض دیگر دیہات کے شروانیان اور بڈھے گاؤں کے نظام خاں بھی نکالے گئے۔ سورج مل کے خسر کے لڑکوں نے (بقول تاریخ اترولی[۵۲]) چھرہ میں اور دھنساری میں قلعے بنائے اور بھوری، بھیکم پور کے حدود میں بھی قلعوں کی بنا ڈالی۔ اگرچہ یہاں وہ مکمل نہیں ہونے پائے۔ سورج مل کی طرف سے [illegible] سنگھ جاٹ اس علاقہ میں عامل تھا۔ اور بھوری پر سورج مل کے خسر [illegible] سنگھ کے لڑکوں نے یعنی سانونت سنگھ خوشحال سنگھ جاٹ نے مکمل دخل جمایا۔ شروانیوں کی سابقہ فوجی جذبات زائل ہو چکے تھے۔ ان میں پہلا سا اتفاق اتحاد نہ تھا۔ حکومت میں کوئی اثر اقتدار نہ تھا اور ہوتا بھی تو مرکزی اور نیم جان حکومت دہلی کیا کر لیتی وہ تو خود سورج مل کے [illegible] تھی۔ اس لئے ان مصیبت کے مارے شروانیوں کو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ [illegible]

---

۵۱ [illegible] محمد الجلیل بلگرامی مصنفہ مولوی سید [illegible] مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۹ء

۵۲ قلمی تاریخ اترولی مصنفہ محمد زاہد اترولی [illegible]

ان خارج البلد شروانیوں کے پاس جو تھوڑا بہت اثاثہ تھا اس کو لوٹ کھسوٹ کے ڈر سے پوشیدہ کرکے بے بسی کے عالم میں گنگا پار چلے گئے۔ خاندان دتاولی کی حالت کسی قدر مختلف ہے۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی خارج البلد کئے گئے یا جاٹوں کی زد سے بچ رہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے خاندان پر بھی مصیبت آئی۔ جیسا کہ ہم خاندان دتاولی کے مورث حاجی مراد خاں کے سلسلہ میں آگے دکھائیں گے۔ آخر الذکر نے پردرہ سے نکل کر نواب مرزا نجف خاں کے زمانہ کے شروع یا اس سے کچھ قبل دتاولی سے جاٹوں کو لڑ کر نکالا۔ پردرہ اور دتاولی میں میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے۔ جیسا کہ ہم آگے دکھائیں گے۔ دتاولی کے حاجی مراد خاں کے مورث عمر خاں ۱۸۲۳ء سے نوے سال قبل اپنے وطن سے چلے گئے تھے یعنی ۱۷۳۳ء کے لگ بھگ۔ اس سن میں صفدر جنگ اور سورج مل کا دور دورہ تو شروع ہوا نہ تھا۔ یہ ممکن ہے کہ عمر خاں کے بیٹے شجاعت خاں اور ان کے خاندان کے دیگر افراد پر بھی یہ مصیبت آئی ہو۔ بہر حال حاجی مراد خاں نے تو اپنے بیانات میں (جن کا ذکر آگے آئے گا) یہ بات صاف کی نہیں مگر ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ سے اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خاندان بھیکم پور اور دتاولی دونوں پر یہ آفت آئی۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی یہ روایت کہ اندر گر گوشائیں نے ان شروانیوں کو نکالا ایک حد تک اس لحاظ سے صحیح معلوم ہوتی ہے (جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے) کہ وہ اور اس کا آقا اور ۱۷۵۴ء کے شروع میں نواب صفدر جنگ ایک ہی تھے سورج مل نے اندر گر گوشائیں سے کام لیا اور آخر الذکر نے اس جاٹ راجہ کا ساتھ دیا۔ اندر گر گوشائیں ۱۷۵۳ء میں کوٹلہ کے مقام پر اس لڑائی میں مارا گیا جو نواب نجیب الدولہ روہیلہ اور نواب صفدر جنگ وزیر کے درمیان ہوئی جیسا کہ تواریخ مظفری[۱] و گلستان رحمت[۲] سے ثابت ہے۔ اندر گر کا آقا سورج مل بدستور لوٹ کھسوٹ میں لگا رہا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شروانیان کس سن میں اپنے علاقوں سے نکالے گئے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ اور رپورٹ بندوبست علی گڑھ ۱۸۸۲ء نے لکھا ہے کہ یہ ۱۷۵۳ء میں خارج کئے گئے۔ بخلاف اس کے خاندان بھیکم پور کی روایت (بموجب تحریری یادداشت نواب صدر یار جنگ مولوی

---

[۱] ۔ تاریخ مظفری مصنفہ محمد علی خاں انصاری پانی پتی ص ۵۲۔ گلستان رحمت مصنفہ نواب محبت خاں روہیلہ

حاجی حبیب الرحمٰن خاں (موجودہ حبیب گنج لائبریری) یہ ہے کہ یہ شروانیان ۱۷۵۵ء میں نکالے گئے۔ اور یہ کہ وہ اٹھائیس سال تک اپنے وطن سے باہر مارے مارے پھرے۔ ان دونوں سنین میں اول تو زیادہ فرق نہیں ہے صرف تین سال کا فرق ہے۔ دوسری بات دیکھنا یہ ہے کہ یہ اٹھائیس سال کی مدت کب ختم ہوئی۔ اس سے اس مدت کے شروع ہونے کا پتہ لگ جائے گا۔ اگر ہم اٹھائیس سال کی مدت کو ۱۷۵۴ء سے شمار کرتے ہیں تو وہ ۱۷۸۲ء میں یا اس سے چند ماہ قبل ختم ہوتی ہے۔ یہ خانہ بدر شروانیان نواب مرزا نجف خاں گورنر کول و جاگیردار اترولی وڈبھائی کے عہد میں واپس آئے۔ نواب مرزا نجف خاں نے کول سے جاٹوں کو ۱۷۷۳ء میں نکالا۔ اور وہ ۱۷۸۲ء میں انتقال کر گئے۔ اس اٹھائیس سال کی مدت میں جہاں تک کہ خاندان بھیکم پور کا تعلق ہے وہ مختصر سا زمانہ بھی شامل ہے جس میں اس خاندان کے مورث بعد کو گوشائیوں کے زمانہ میں جیسا کہ ہم آگے دکھائیں گے دوبارہ خارج البلد کئے گئے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ یہ اٹھائیس سال کی مدت ۱۷۵۴ء سے ہی شمار کرنا چاہیے نہ کہ ۱۷۵۵ء سے۔ اس کے علاوہ ایک زبردست دلیل اور بھی ہے۔ نواب صدر یار جنگ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم نے جو تحریری یادداشت خاندانی حالات کے بابتہ اپنی کتاب خانہ واقعہ حبیب گنج میں چھوڑی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۸۱ء میں بھیکم پور اور چند دیہات کا پٹہ مرہٹہ عمال وقت کی طرف سے بھیکم پور کے مورث باز خاں ابن سرفراز خاں کے نام کیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ سرفراز خاں جن کو سورج مل جاٹ اور اندر گر گوشائیں نے نکالا تھا ۱۷۸۱ء سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بیٹے باز خاں اس سن میں یا اس سے قبل واپس آ گئے تھے۔

حکومت عالمگیر ثانی

اب تھوڑی دیر کے واسطے ان شروانیوں کا حال چھوڑ کر ہم مختصراً حکومت دہلی اور اس کے واقعات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ تاریخی واقعات پورے طور پر سمجھ میں آ جائیں۔ ۱۷۵۴-۵۵ء (مطابق ۱۱۶۷ھ) میں احمد شاہ بادشاہ دہلی کے انتقال پر عالمگیر ثانی اس کا جانشین ہوا۔ جاٹوں اور مرہٹوں کی سازشیں اور لوٹ مار جاری تھی۔ مرکزی حکومت دہلی قریب قریب ختم اور نزع کے عالم میں تھی۔

ہر فرعونے را موسیٰ کا مقولہ مشہور ہے۔ ۱۷۵۹ء میں مسبب الاسباب خدا تعالےٰ نے جاٹوں اور مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے افغانستان سے احمد شاہ درانی ابدالی کو ہندوستان میں بھیجا۔

احمد شاہ درانی کا حملہ یہ اپنے عقب کو مضبوط کرتا ہوا بڑی تیزی سے دہلی سے بچ کر جمنا کو عبور کرکے کول میں آ کودا۔ تاکہ پہلے جاٹوں کی خبر لے اور پھر مرہٹوں کی۔ گرمی کا زمانہ احمد شاہ درانی نے کول میں، نواب ثابت خاں گورنر فرخ سیر اور محمد شاہ کے بنائے ہوئے محل ثابت قصر میں جس کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں ہے گزارا۔ اودھ سے صفدر جنگ کا جانشین نواب شجاع الدولہ اور فرخ آباد سے نواب احمد خاں بنگش تھوڑی تھوڑی فوج لیکر کول میں احمد شاہ درانی سے آملے۔ احمد شاہ درانی نے کول سے سورج مل جاٹ کو نکالا۔ اور دونوں میں یہ سمجھوتا ہوا کہ جاٹ مرہٹوں کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہاں سے چل کر احمد شاہ درانی کچھ دن انوپ شہر ضلع بلند شہر میں رہا۔ اور پھر گنگا پار کرکے دہلی سے بچ کر پانی پت میں پہونچ گیا۔ پانی پت کے خونی میدان میں جس نے ایسے بہت سے تماشے دیکھے تھے احمد شاہ درانی نے مرہٹوں کو شکست دی اور وہ اپنے سروں پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور کچھ قتل ہوئے۔ مگر ان کی قوت پورے طور سے نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ کچھ نامی مرہٹہ سردار بچ کر نکل گئے۔ اس کے بعد احمد شاہ درانی تو افغانستان کو واپس گیا اور سورج مل جاٹ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرکے پھر ہاتھ پیر نکالے اور کول کو آدبایا۔ مگر اس مرتبہ نواب نجیب الدولہ روہیلہ نے سورج مل جاٹ کی خبر لی اور جب ضلع علی گڑھ کے قصبہ جات جیور اور ٹپّل کے درمیان سورج مل کو ہرایا تو یہ حریص جاٹ دہلی کی طرف بھاگا۔ مگر اس کا وقت آچکا تھا۔ نواح دہلی میں گوجروں نے اس کو قتل کر دیا۔ سورج مل کی جگہ اس کے بیٹوں میں جواہر سنگھ نول سنگھ نے لی اور کول کے علاقہ میں ان کا دور دورہ شروع ہوا کیونکہ نواب نجیب الدولہ بھی ان اطراف سے چلے گئے۔ ان جاٹوں کی طرف سے رسیہ سنگھ جاٹ بدستور یہاں کا عامل رہا۔ یہ واقعات ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء کے ہیں جبکہ یہ ان اطراف میں کیا حکومت

سلہ۔ تاریخ گلستاں نواب مستجاب خاں۔

دہلی کے دیگر علاقوں میں ہر شخص نفسی نفسی پکارتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب احمد شاہ درانی کول میں آیا تو بھاگے ہوئے شہر والوں نے چارہ جوئی کیوں نہ کی۔ اوّل تو احمد شاہ درانی خود ردارودی ہی تھا۔ بھاگے ہوئے شہر والی گنگا پار بدایوں اور کٹھیر کے علاقوں میں منتشر ان کی نظروں کے سامنے بے اطمینانی کی حالت بدستور قائم ہوگی۔ علاوہ احمد شاہ درانی تک کیسے پہونچتے۔ احمد شاہ درانی کے واپسی کے بعد جاٹوں ہی نہیں بلکہ ان مرہٹہ سرداروں نے جو اس کی زد سے اپنی جان بچا کر بھاگ گئے تھے پھر ہاتھ پیر نکالے۔ ان کا تو پیشہ ہی تھا۔ اب انہوں نے جاٹوں کے مقبوضہ علاقہ کو تاکا اور جلیسر سے لیکر کول کے قریب تک علاقہ کو روند ڈالا جیسا کہ تواریخ[۱] سے ثابت ہے۔ مگر جاٹوں نے ان کو بہت سا روپیہ دے کر اس بلا کو ٹالا۔ ان کے علاوہ ملک گیری کی ہوس میں ایک اور بیرونی گروہ بھی لگا ہوا تھا یعنی انگریزوں کی تجارت پیشہ ایسٹ انڈیا کمپنی جو سوداگری سے ملک گیری پر اتر آئی تھی۔ اگرچہ وہ اب تک کول تک نہ پہونچ پائے تھے مگر ان کے بابت خبریں تو ضرور مشہور ہوں گی۔

حکومت شاہ عالم ثانی

۱۱۷۳ھ یعنی ۱۷۵۹ء میں شاہ عالم ثانی دہلی کے اجڑے ہوئے تخت پر بیٹھا۔ اس کا یہ حال تھا کہ "حکومت شاہ عالم از قلعہ دہلی تا پالم" ہر شخص کی زبان پر تھا۔ (پالم اس زمانہ میں دہلی کے قریب ایک گاؤں تھا جہاں اب دہلی میں سرکاری ہوائی جہازوں کا اڈا ہے) اب زمانہ نے ایک اور کروٹ بدلی اور ایک دوسرا مہرہ بہ حیثیت وزیر سیاسی شطرنج کی بساط پر آگے بڑھا یعنی شاہ عالم ثانی کا خود مختار وزیر اور سپہ سالار رستم الدولہ رستم جنگ ذوالفقار الدولہ نواب مرزا نجف خاں بہادر اس بہادر نے زور لگایا۔ دہلی کے تن بے جان میں جان آئی

کول پر مرزا نجف خاں کا قبضہ

نواب نجف خاں نے آگرہ۔ متھرا۔ ڈیگ۔ جلیسر ضلع ایٹہ اور کول سے نول سنگھ وغیرہ جاٹوں کو ہمیشہ کے لئے نکال باہر کیا۔ اور یہ بڑی فوج لے کر کول میں داخل ہوا۔ یہ ۱۱۸۷ھ کی بات ہے۔ اب گڑھ

---

[۱] تاریخ چہار گلزار شجاعی۔ تاریخ شاہ عالم مصنفہ فرنیکان

عرف رام گڑھ قلعہ کا نام علی گڑھ رکھا گیا جو اب تک قائم ہے۔ اس نازک زمانہ میں آئندہ کا علم خدا تعالےٰ کو ہے کہ کیا رہے گا۔ اترولی ڈبائی کے پرگنے نواب مرزا نجف خاں کو ذاتی جاگیر میں دیئے گئے۔ بھاگے ہوئے شروانیوں کی اب جان میں جان آئی۔ مگر مرزا نجف خاں کے اس قبضہ سے شروانیوں کے حق میں ایک ذراسی کسر رہ گئی۔ جیساکہ اس زمانہ میں دستور تھا۔ ہر شخص اپنے ذاتی دھن دولت کو بچانے کی کوشش کرتا تھا۔

شروانیوں کے دیہات امراؤ گر گوشائیں کے سپرد

نواب مرزا نجف خاں نے شروانیوں کے علاقہ کو فوج کی تنخواہ کے عوض میں اور انتظام کی غرض سے راجہ ہمت بہادر گوشائیں کے چیلہ امراؤ گر کے سپرد کر دیا۔

شروانیوں کی واپسی

جیساکہ اترولی کی قلمی تاریخ محولہ بالا سنہ ۱۸۵۲ء[۱] سے معلوم ہوتا ہے اس پرگنہ کے قانون گو تاج محمد کی سفارش پر امراؤ گر گوشائیں نے بھاگے ہوئے شروانیوں کو واپس بلایا۔ ان میں باز خاں مورث بھیکم پور۔ نظام خاں بوڑہ گاؤں۔ قادر داد خاں شائستہ خاں بھموری وغیرہ شامل تھے۔ اور ان شروانیوں میں سے بعض کو انہیں کے دیہات میں دو دو روپیہ ماہوار پر ضلعدار مقرر کر دیا۔ اور چونکہ ان کا تحصیل وصول لگان کا کام اچھا تھا اس لئے رفتہ رفتہ یہی صاحبان مستاجر اور زمیندار اور ٹھیکہ دار بنائے گئے۔ دو دو روپیہ ماہوار تنخواہ کا خیال کر کے ہم کو یاد آیا کہ ہم اوپر یہ بتانا بھول گئے کہ جب نکالے ہوئے شروانی گنگا پار اور کٹھیر کے علاقہ میں گئے تو وہاں چھوٹی چھوٹی تنخواہوں پر ہندو زمینداروں کی نوکریاں کر کے اپنے پیٹ پالے۔

سرفراز خاں شروانی کا انتقال

ان واپس شدہ شروانیوں میں باز خاں بھیکم پور کے والد سرفراز خاں کا نام ہم نے نہیں لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے جلاوطنی کی حالت میں سرفراز خاں بیمار ہو کر موضع اورنی متصل چھرہ میں آئے اور یہاں آ کر ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا جنازہ موروثی وطن بھموری میں دفن کرنے کے واسطے لایا گیا تو عامل روپ سنگھ جاٹ نے دق کیا اور یہاں دفن کی اجازت دینے

---

[۱] قلمی تاریخ اترولی مصنفہ محمد زاہد قانون گو سنہ ۱۸۵۲ء

سے انکار کر دیا۔ اس پر بلحظہ موضع ٹنڈولی کے ایک ممتاز شروانی صاحب داد خاں نے سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کی خوشامد کی تو بمشکل تمام بہوری میں بشارت خاں کے باغ کے ایک گوشہ میں دفن کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان سرفراز خاں شروانی کے پیدائش اور فوتی کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں مگر اس امر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سورج مل ۱۷۶۴ء میں مارا گیا، اور کول سے جاٹ ۱۷۷۳ء میں نواب نجف خاں کے ہاتھوں نکالے گئے۔ اس لئے میاں سرفراز خاں کا انتقال ۱۷۶۴ء اور ۱۷۷۳ء کے درمیان کبھی ہوا۔ اور اسی لحاظ سے ان کی پیدائش ۱۷۰۰ء سے کچھ قبل یا کچھ بعد سمجھ لینی چاہیئے۔ ہمارے مندرجہ بالا اس بیان کی کہ واپس آئے ہوئے شروانیوں میں بعض اول ضلعدار بنائے گئے پھر پٹہ دار یا زمیندار تسلیم کر لئے گئے ایک اور واقعہ سے بھی تائید ہوتی ہے۔

بعض شروانیاں کے نام دیہات کے پٹے

نواب صدر یار جنگ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم نے ایک یادداشت چھوڑی ہے جس سے معلوم ہوا کہ موصوف کو اپنے رشتہ کے ماموں محمد حیات خاں صاحب مرحوم بہوری سے کچھ پرانے کاغذات ملے جن میں ۱۷۹۱ء ۱۱۹۹ فصلی کا ایک پٹہ دس برس کے واسطے باز خاں مورث بھیکم پور مرحوم کے نام منجانب بہیت رائے تحصیلدار اترولی و راؤ گھڑنا تھ سہائے عامل مرہٹہ تھا۔ یہ پٹہ مواضعات بہوری بزرگ بھیکن پور، رستن پھر، دادوں بردلی، حسین پور، الولا، بسلگواں، مظفر، شاہجہاں آباد، جینت، نہادی، بہادر پور، رہچولی، کسیر، کھولاولی، ٹنڈولی، قاسم پور، بہو پورہ کے بابتہ تھا۔ جمع سالانہ سات ہزار پانچسو روپیہ مقرر ہوئی اور یہ پٹہ دس برس کے واسطے لکھا گیا۔ اس میں دوسری اہم بات یہ درج تھی کہ یہ پٹہ ۱۷۸۰ء کے سابقہ پٹہ کی تجدید تھی۔ ان میں سے بعض مواضعات وہ ہیں جو عہد شاہجہانی میں یوسف خاں اور رستم خاں کے نام درج تھے۔ یہ سابقہ پٹہ عہد نواب مرزا نجف خاں کا اور ان کے انتقال سے قبل کا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بھیکم پور کا جو حصہ شروانی خاندان ۱۸۰۳ء سے قبل واپس آ گیا تھا۔ اسی قسم کا پٹہ قطب الدین خاں بن نادر داد خاں

بھوری کے نام کھربری اور گکرالی مواضعات کے بابتہ اور ایسا ہی صرف قادر داد خاں کے نام حسین پور سرولی کے بابتہ ۱۲۱۳ھ کا اور ایسا ہی موضع سارھولی کے بابتہ قمرالدین خاں کے نام ان کا غذات ہیں ملے۔ واضح رہے کہ ۱۷۹۱ء میں گوالیار کا مرہٹہ راجہ مادھو راؤ سندھیا حکومت دہلی اور وہاں کے مغل بادشاہ پر حاوی تھا۔ اور ان اطراف میں اسی کا عمل دخل تھا۔ ۱۷۷۲ء کے بعد نواب مرزا نجف خاں کا دورہ دورہ زیادہ دن تک نہ رہا۔ اور ان کا ستارہ جلد غروب ہوگیا۔

نواب نجف خاں کا انتقال اور افراسیاب خاں کی جانشینی

جب ۱۷۸۲ء میں خدا تعالیٰ نے نجف خاں کو اس دنیا سے اٹھا لیا تو ان کا منھ بولا پرورش کیا ہوا بیٹا افراسیاب خاں کول علی گڑھ پر اور بیال) کے قلعہ پر اور نجف خاں کے اندوختہ دھن دولت پر قابض ہوا۔ یہ وافر دولت تھی۔ لوٹیرے اور حریص مرہٹوں کے مونھ میں پانی بھر آیا۔ بھرت پور کے بھائی کھنڈ سے کیے تھے جاٹ گئے تو گوسائیں اور مرہٹے سترانیوں کو اور ان اطراف کی رعایا اور زمینداران کو دق کرنے کے لئے آئے ۱۷۸۴ء میں یعنی نواب مرزا نجف خاں کے انتقال کے دو سال بعد راجہ مادھوجی سندھیا مرہٹہ نے دولت حاصل کرنے کے لالچ میں کول علی گڑھ میں افراسیاب خاں کو قتل کرا دیا۔ اور دھوکہ سے اس کے بیٹے خادم حسین خاں کو اور مقتول کے بھائی جہانگیر خاں کو گرفتار کرا کے گوالیار بھیج دیا۔ اور سب مال و خزانہ غصب کرلیا۔ اب حالات کو صحیح طور پر سمجھنے کے واسطے ہم کو تھوڑی سی تمہید اور گذشتہ واقعات کے دُہرانے کی ضرورت ہے۔ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ ۱۷۵۲ء میں نواب صفدر جنگ وزیر دہلی کے زمانہ میں اس کے جنرل اور دم ساز انار گر گوسائیں کا بڑا زور تھا۔ اس نے ان اطراف کے لوگوں کو صفدر جنگ کی پشت پناہی سے دق کر رکھا تھا۔ اور نواب وزیرالہسور ج مل جاٹ اس سے ملے ہوئے تھے۔ ان گوسائیوں کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

گوسائیں اور ان کی لوٹ مار

ان گوسائیوں سے اور ان کی حرکتوں سے ذرا اور گہرا تعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ اسکنر کے سوانح نگار جنہیں ہیلی فریزر

نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صفدر جنگ کے بعد بھی مرہٹوں کی فوج میں گوشائیں کثرت سے ملازم تھے اور سچ پوچھئے تو ملازم کیا تھے اپنے کو کرتا دھرتا سمجھتے تھے۔ ان کے سرداران اندرگر انوپ گر اور رہمت بہادر تھے جن کو راجہ کا خطاب تھا۔ گوشائیں ابتدا میں اودھ سے چل کر ہندوستان کے ان اطراف میں دخیل ہوئے۔ بقول تاریخ مظفری صفدر جنگ نے نواب غازی الدین کے خلاف اندرگر اور اس کے دستے سے مدد لی۔ پھر اندرگر صفدر جنگ کی طرف سے روہیلہ پٹھانوں سے لڑا اور مارا گیا۔ مگر اپنے چیلے انوپ گر اور رہمت بہادر کو چھوڑ گیا۔ گرانٹ ڈف نے اپنی "تاریخ مرہٹہ" میں لکھا ہے کہ جو گوشائیں فوج میں ملازم نہ تھے ان کی عادت تھی کہ ٹولیاں بنا کر بڑی بڑی خیراتیں مانگنے کے واسطے نکلتے اور جو کوئی ان کی فرمائش کے مطابق خیرات دینے سے انکار کرتا تو اس کو ستاتے تھے اور لوٹ مار کرتے مگر کوئی توجہ کرنے والا نہ تھا علاوہ برایں سب سے بڑا قصہ یہ تھا کہ شاہی خزانہ تو خالی تھا بادشاہ کے لئے ہی آمدنی کافی نہ ہوتی تھی پھر مغلیہ ٹھاٹ قائم رکھنے کا شوق۔ فوج کو تنخواہ کہاں سے دی جاتی۔ اس وقت اور مشکل کو رفع کرنے کے لئے ایک ترکیب یہ نکالی گئی کہ آخری زمانہ میں جاگیریں جو جائدادیں کہلانے لگی تھیں[۱] فوجی سرداروں کو بتادی جاتی تھیں کہ ان سے اپنے اور اپنی فوج کے اخراجات پورے کریں۔ وہ ان بدقسمت دیہات کو پامال کرتے تھے جس سے زمینداران اور کاشتکاران کے بدن پر لنگوٹی نہ کھانے کو روٹی۔ پھر مالگذاری ٹوٹتی۔ بر جبر و تشدد اور سے۔ گوشائیوں اور مرہٹوں نے ایک دوسرے کا یہ طرز عمل دیکھا اور اس پر کاربند ہوئے ۱۷۷۵ء کے آس پاس یہ دونوں منچلے گوشائیں انوپ گر اور رہمت بہادر نواب شجاع الدولہ کی فوج میں ملازم ہو گئے اور ۱۷۷۴ء میں میران پور کٹرہ ضلع شاہجہاں پور کی لڑائی میں جس میں حافظ رحمت خاں روہیلہ مرحوم شہید ہوئے شجاع الدولہ کی طرف سے لڑے۔ اس لڑائی کے بعد روہیلوں کا بجز ایک شاخ یعنی نوابان رامپور کے خاتمہ ہو گیا۔

علی گڑھ ایٹہ کا علاقہ نواب وزیر اودھ کی عملداری میں اور بنگشوں کا خاتمہ

ضلع علی گڑھ کا مشرقی حصہ اور ضلع ایٹہ نواب وزیر اودھ کی عملداری میں آگیا اور فرخ آباد کے بنگش پٹھانوں کی حکومت بھی ختم ہو گئی

[۱] "تاریخ مظفری"

اب ان دونوں گوسائیوں نے کمی تنخواہ کی بنا پر شجاع الدولہ کی نوکری چھوڑدی اور بھرت پور کے جاٹوں کا دروازہ جھانکا اور ان کے یہاں دخیل ہوئے۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ شروانی خاندان مصیبت میں گرفتار تھے۔ جب ۱۷۷۳ء میں نواب نجف خاں کی زبردست پھونک سے جاٹوں کا چراغ گل ہوا تو یہ گوسائیں نجف خاں کے ملازم ہو گئے اور ہمت گر گوسائیں کا چیلہ امراؤ گر نواب نجف خاں کی طرف سے پرگنہ اترولی کا ناظم ہوا۔ اس کے سپرد شروانیوں کا اور دیگر لوگوں کا یہ علاقہ فوج اور عملہ کی تنخواہ کے عوض میں سپرد کر دیا گیا جیسا کہ قلمی تاریخ اترولی مصنفہ محمد زاہد قانون گو کا بیان ہے۔ اس قانون گو کے کایستھ باپ دادا اترولی میں نواب ثابت خاں کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ نواب ثابت خاں کی یہ تبلیغی جدوجہد علی گڑھ کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کو بھی تسلیم ہے۔ اب ایک سونے پر سہاگا اور ہوا۔ مادھوراؤ سندھیا مرہٹہ مختار کل تھا۔ اور شاہ عالم بادشاہ کو انگلیوں پر نچاتا تھا کیونکہ آخر الذکر محض ایک کٹھ پتلی ہو کر رہ گیا تھا۔ مغلوں میں مادھوراؤ کا مقابلہ کرنے والا اب کوئی نہ رہا۔ اس مرہٹہ راجہ کی وساطت سے راجہ ہمت بہادر گوسائیں بادشاہ کے دربار میں بارسوخ اور گستاخ ہو گیا (جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے)۔

بلند شہر وغیرہ کا علاقہ ہمت بہادر گوسائیں کے قبضہ میں

راقم الحروف نے نئی دہلی کے مرکزی سرکاری کاغذات کے دفتر (امپیریل ریکارڈز آفس) میں شاہ عالم بادشاہ کے فرمان کا انگریزی ترجمہ میں خلاصہ اور حوالہ دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ بیچارہ بادشاہ نے گوسائیں ہمت گر کو دوآبہ کا تمام علاقہ جس میں اضلاع بلند شہر علی گڑھ اور ایٹہ بھی شامل تھے۔ اور جس پر مرہٹے قابض تھے کہ دیہات میں آ گئے انتظام کی غرض سے ہمت بہادر گوسائیں کے سپرد کر دیئے۔ غالباً بادشاہ کی آڑ میں مادھوراؤ سندھیا نے لٹیرا اور گوسائیں اور مرہٹہ فوج کے اخراجات پورا کرنے کے واسطے یہ کھیل کھیلا جیسا کہ تاریخ شاہ عالم مصنفہ فرینکلن سے بھی واضح ہے یہی نہیں بلکہ متھرا اور بندرابن ملحقہ گول کا علاقہ اس گوسائیں راجہ ہمت بہادر کو بطور جاگیر دے دیا جیسا کہ ... لوگ غاصب تھے

اب حق دار بن گئے۔ اور ہندی کی یہ مثل پوری ہوئی کہ "سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا"

اب گوشائیوں نے پھر شروانی دیہات (خاصکر تعلقہ بھیکم پور کو) تاخت تاراج کرنا شروع کیا۔ اس زمانہ میں مالگذاری اور طرح طرح کے ابواب بڑی سختی سے وصول کئے جاتے تھے۔ ملک اُجڑا ہوا اور تباہ حال، زراعت میں کمی آئے دن کی آفات ارضی وسماوی اور طوائف الملوکی سے رعایا پریشان حال تھی مالگذاری کہاں سے آتی۔

بازخاں شروانی کا دوبارہ اخراج

اس زمانہ میں بھیکم پور کے تعلقدار بازخاں (جو معہ اپنے خاندان کے عہد نواب نجف خاں میں گنگا پار سے واپس آگئے تھے) پھر کچھ دن کے واسطے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ گنگا پار موضع نیتوا میں چلے گئے اور خوب رام میوا رام کے یہاں لڑکے پڑھانے کی (یعنی میاں جی گری کی) بہت کم تنخواہ کی نوکری کرلی۔ بازخاں کی شادی ڈوری میں بھوگی خاں کے یہاں عسرت کی حالت میں ہوئی تھی۔ ان کے نیتوا چلے جانے پر ان کی والدہ اور ایک خادم ڈوری چلے گئے۔ مگر اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں ایک طرف سے سورج کی کرن بھی دکھائی دی یعنی خاندان دتاولی دوبارہ خارج البلد کئے جانے سے محفوظ رہا۔ "خدا شرّے برانگیزد کہ خیر ما درآں باشد" کا مضمون ہوا۔ نواب نجف خاں کے زمانہ میں خاندان بھیکم پور وغیرہ کے ساتھ واپس آکر خاندان دتاولی (یعنی حاجی مراد خاں اور ان کا خاندان) موروثی وطن پیرورہ بس گیا۔

دتاولی پر حاجی مراد خاں کا قبضہ

دتاولی کے برہمن زمینداروں کی مالگذاری ٹوٹی تو ہمت بہادر کے عامل نے حاجی مراد خاں سے روپیہ لے کر دتاولی پر ان کا قبضہ کرا دیا اور برہمنوں کی زمینداری ختم کردی۔ پیرورہ میں آج تک خاندان دتاولی کے موروثان کا ایک قبرستان موجود ہے۔ خاندان دتاولی کے آپس کے ایک مقدمہ کے (جو حق شفع کی بنا پر دائر کیا گیا) عرضی دعوے میں ایک دادرسی یہ بھی تھی کہ پیرورہ میں موروثان دتاولی کا قبرستان ہے جو ان کا موروثی موضع اور مسکن ہے اس لئے پیرورہ خاندان دتاولی میں ہی رہنا چاہیے۔

مگر اس مقدمہ میں مدعی کو کامیابی نہیں ہوئی۔ القصہ اب ہمت بہادر گوشائیں کے دور دورہ کا کارنامہ بھی پورا ہوا۔ اعداس کی لوٹ مار کا پیمانہ لبریز ہو گیا "مہر کمالے را زوالے" ۱۷۹۳ء میں راجہ مادھو راؤ سندھیا مرہٹہ اور ہمت بہادر گوشائیں میں ان بن ہو گئی۔ اور مادھوجی سندھیا نے اس چلتے پرزے گوشائیں کو قید کر دیا۔ مگر آخر تھا وہ چلتا پرزہ سازباز کر کے قید سے نکل بھاگا اور بیک بینی دو گوش اپنے اصلی وطن اودھ کی طرف چلا گیا۔ سطور مندرجہ بالا سے معلوم ہوگا کہ اول جاٹوں اور پھر گوشائیوں کو اور مرہٹوں کو ان اطراف میں لوٹ مار اور چیرہ دستی کا کتنا موقع ملا اور اٹھائیس[28] سال کی مدت کن کن مصیبتوں سے کٹی۔ (دتاولی پر مراد خاں کے قبضہ کی بابت ایک اور روایت آگے آئے گی)۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ خاندان بھیکم پور کے دن پھرے میاز خاں واپس آئے۔ یہ ۱۷۹۰-۹۱ء کی بات ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوپر دکھایا ہے) ان کو ۱۷۹۱ء میں بھیکم پور، دادوں، بھوری اور کئی ایک دیگر دیہات کے پٹے دس سال کے لئے دیئے گئے۔ اب یہاں اس اعادہ کی ضرورت ہے کہ نواب نجف خاں کا انتقال ۱۷۸۲ء میں ہو گیا تھا۔ اور ان کا منہ بولا بیٹا افراسیاب خاں ۱۷۸۴ء میں ختم کر دیا گیا تو کول کا علاقہ پورے طور پر مادھوجی سندھیا اور اس کے کارکن ہمت بہادر کے قبضہ میں آیا۔ بھیکم پور کی خاندانی روایات کے مطابق ان کے دیس نکالے کا زمانہ اٹھائیس[28] سال تھا۔ اس میں دونوں زمانے شامل ہیں یعنی جاٹوں کے ہاتھوں نکالا جانا اور پھر دوبارہ ہمت بہادر گوشائیں کے زمانہ میں برائے چندے نکالا جانا ۱۷۵۵ء سے لیکر ۲۸ سال ۱۷۸۵ء میں ختم ہوتے ہیں۔ ۱۷۸۵ء اور ۱۷۹۰ء کے درمیان باز خاں اغلباً واپس آئے مسلمانوں کے ساتھ مادھو راؤ سندھیا کا برتاؤ نسبتاً نرم تھا۔ کول میں بعض فرامات کے متعلق اس کی دی ہوئی معافیوں کے پروانے اب تک موجود ہیں۔ گوشائیوں نے ان اطراف کو چھوڑنے سے قبل اپنی کوئی ایک یادگار بھی چھوڑی خواہ وہ جلاؤں کے زمانہ کے بعد مرادگر عامل نجف خاں کے زمانہ کی ہوں یا اس کے گرو ہمت بہادر کے

زمانہ کی۔ قصبہ چھپرہ رفعت پور (سابق چھپترا) میں جاٹوں کے قلعہ سے متصل جس میں اب شروانی آباد ہیں اور جس کی چند فصیلیں باقی رہ گئی ہیں) گوسائیوں نے ایک مندر بنایا۔ اس کی گنبد کی ڈاٹ کے جڑ میں ایک چھوٹا سا محفوظ چوکور طاق اس طریقے بنایا کہ وہ باہر سے نظر نہیں آتا تھا۔ یہ روپیہ یا دیگر قیمتی اشیاء رکھنے کے واسطے ایک محفوظ جگہ تھی۔ جب گوسائیں جانے لگے تو اس خفیہ طاق کو توڑ کر اپنا سرمایہ نکال لے گئے تو اس کا پتہ چلا۔ اسی قلعہ میں وہ شروانی اسکول تھا جو اگست ۱۹۰۹ء میں جاری ہوا اور آپس کی پھوٹ کی وجہ سے سنہ ۱۹۱۰ء میں ختم ہو گیا جس کی بابت ذکر آگے آئے گا۔ خاندان بھیکم پور کے موضع بھولی میں (جہاں راجہ سورج مل جاٹ کی شادی ہوئی تھی اور جس کے ایک جزو میں حق مرتہنی کا ٹھیکہ ایک انگریز مرتہن نے باز خاں کو دے دیا تھا) گوسائیوں نے مندر بنایا جو اب تک موجود ہے۔ راقم الحروف کے وطن سرائے برلہ میں ایک چھوٹا شکستہ مندر گوسائیوں کا اب تک موجود تھا اور راقم الحروف نے اپنے لڑکپن میں ایک گوسائیں خاندان کو یہاں رہتے ہوئے اور پوجا پاٹ کرتے دیکھا ہے۔ گوسائیں فقراء ایک مدت تک خیرات مانگنے کے واسطے شروانی دیہات میں آتے رہے۔ جاٹوں اور گوسائیوں کی چیرہ دستی میں اس وجہ سے تھوڑا سا فرق ہے کہ گوسائیں بھیک مانگتے بھی تھے۔ ضلع علی گڑھ کے خطہ بھیکم پور اور دتاولی وغیرہ کی طرح ضلع ایٹہ اور اس سے متصل کول کے علاقہ کے شروانی دیہات پر ایسی مصیبت نہیں آئی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ خطہ اول فرخ آباد کے نوابان بنگش کی عملداری میں آ گیا اور پھر نواب اودھ کی حکومت میں رہا۔

بھیکم پور اور دتاولی کے شروانیوں کا عروج

القصہ سنہ [illegible] کے آس پاس شروانیوں کے ان مصیبت کے بادل چھٹے اور بھاگے ہوئے شروانی اپنے وطنوں کو واپس آئے اور حالت کے سنبھالنے میں مصروف ہوئے اور اس کی کوشش میں لگ گئے۔ چنانچہ سنہ [illegible] میں باز خاں اور دیگر شروانیاں بھمولی کو جو بیٹے دیہات کے ملے ان کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ اسی طرح

خاندان دتاولی کے ساتھ پٹہ قبولیت ہوا۔ چھوٹے شروانی زمینداروں کے ساتھ بھی ایسے ہی انتظامات ہوئے ہوں گے مگر ان کے پٹوں کا حال نہیں معلوم ۱۷۷۳ء سے قبل پرانہ ... لمجہ رفعت خاں ساکن کنوبی کا تھا جس کے متعلق کئی ایک شروانی دیہات تھے۔ یہ تعلقہ خاندان بنگش کے زیر نگیں تھا۔ باز خاں ابن سرفراز خاں تعلقہ دار بھیکن پور نے ۱۷۹۰ء میں بھموری کی سکونت ترک کر کے موضع بھیکم پور میں (جہاں پیشتر سے ایک شروانی کا مویشی رکھنے کا احاطہ موجود تھا اور یہاں جاٹوں کے زمانہ کا قلعہ اور عمارات بنانے کی غرض سے کچھ ملبہ پڑا ہوا تھا) سکونت اختیار کی۔ گڑھی اور کچھ عمارات بنائیں جن میں بعد کو اضافہ ہوتا رہا۔

باز خاں اور دادوں کے اہیروں میں جنگ

اسی زمانہ کے لگ بھگ باز خاں سے اور دادوں کے اہیر اپھلے سے لڑائی ہوئی۔ اپھلے کے ساتھ ممکن ہے کہ علاوہ اہیروں کے کچھ ٹھاکر بھی شریک ہوں۔ باز خاں کے ساتھ دتاولی کے شروانی پٹھان بھوگی خاں، طالع مند خاں، حسن علی خاں، عبداللہ خاں، سعادت خاں اور بھموری کے کالے خاں، زکریا خاں وغیرہ شریک تھے۔ باز خاں خفیف طور پر زخمی ہوئے۔ مگر ان کی پارٹی کامیاب رہی۔ اپھلے کے گروہ کو ناکامیابی ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ یہ لڑائی ۱۷۸۵ء کے لگ بھگ ہوئی جبکہ باز خاں واپس آ چکے تھے اور بھموری سے بھیکم پور میں آ بسے تھے۔ اس سے اہیر ہمیشہ کے لئے قابو میں آ گئے۔ سندھیہ کے راجہ نے اپنے فوجی فرانسیسی افسر جنرل ڈی بوائن کو ناہ کا علاقہ دے رکھا تھا۔ مگر یہ دولت سمیٹ کر ہندوستان سے اپنے وطن کو جانا چاہتا تھا اور اپنی جاگیریں علیحدہ کر رہا تھا۔

علاقہ ناہ پر باز خاں کا قبضہ

باز خاں نے اپنی فراست سے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ۱۷۹۳ء میں اس نے ناہ کا علاقہ باز خاں مرحوم کو مستاجری پر دے دیا اور اب انگریزوں نے ان کو اس علاقہ کا زمیندار تسلیم کر لیا تو یہ تعلقہ بھموری ناہ کے نام سے مشہور ہوا۔ کول میں جنرل ڈی بوائن اپنی یادگار ایک عالیشان کوٹھی کی صورت میں چھوڑ گیا جس میں اب مسلم یونیورسٹی کا ایک بورڈنگ ہاؤس اور دیگر دفاتر ہیں۔ باز خاں

کی پیدائش تخمیناً ۱۷۰۵ء کے قریب قرار پاتی ہے۔ وہ اپنے زمانہ کے شہباز تھے۔ صبر استقلال
ہمت اور مصیبت دور کرنے کے واسطے جد و جہد، اپنے مذہب کی پابندی اور اس کے
ساتھ دنیاوی امور میں ترقی کا راز کوئی ان کی زندگی سے (جس کا خاکہ ہم نے اوپر کھینچا ہے)
سیکھ لے۔ ۱۷۷۵ء میں ان کے بیٹے داؤد خاں اور انیسویں صدی کے اوائل میں ان کے
پوتے پیدا ہوئے۔ ان سب صاحبان کا ذکر آگے آئے گا۔ باز خاں کے نازک زمانہ کا اندازہ
اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ مالگذاری ٹوٹنے پر ایک مرتبہ وہ الٹے [illegible] کے درخت
سے لٹکا دیئے گئے مگر ایک نیک نفس گوسائیں کی سفارش سے چھوڑ دیئے گئے۔ وہ
خاندان چشتیہ میں جلیسر کے ایک بزرگ کے ہاتھ پر بیعت تھے اور اسی وقت سے خاندان
جلیسر اور سکیٹ کے پیرزادگان بھیکم پور میں آتے رہے۔ باز خاں نے جہاں گوسائیوں اور
مرہٹوں کا دور دیکھا وہاں انگریزوں کی شروع عملداری سے بھی ان کو واسطہ پڑا۔ ۱۸۰۲ء
میں نواب وزیر اودھ نے ضلع ایٹہ اور ضلع علی گڑھ کے مشرقی پرگنے انگریزوں کے حوالہ
کر دیئے جس میں نواب بنگش فرخ آباد کا سابقہ علاقہ بھی آگیا اور اس کی حدود کول سے جانب
شرق پندرہ میل تک یعنی کول یہاں سے صرف دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس میں شروانیوں
کے کئی ایک دیہات آگئے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں جب خاندان داتاولی کے
مورث حاجی مراد خاں نے داتاولی پر قبضہ پایا تو وہاں گڑھی تعمیر کرائی جس کے چاروں
طرف خندق تھی اور کچھ عمارات اس کے اندر تعمیر کرائیں۔

داتاولی پر مقامی جاٹوں کا حملہ

اور ان کی یہ ترقی مقامی [illegible] کو ناگوار ہوئی کیونکہ کچھ دن بعد
پانسو مقامی جاٹوں نے ان کی گڑھی پر حملہ کر دیا۔
مگر حاجی مراد خاں کی خوش تدبیری، جوانمردی، دلیری و ہمت اور جرأت سے ان سرکش جاٹوں
کو منہ کی کھانا پڑی اور وہ بری طرح ہار کر بھاگے۔ اس واقعہ کی صحیح سن تو ہم نہیں
بتا سکتے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ مرہٹوں کے آخر زمانہ اور انگریزوں کی آمد سے پہلے کا
یہ قصہ ہے۔ موضع [illegible] جہاں سے [illegible] شروانیوں کو [illegible] شروانیوں کے
ہاتھ گوسائیوں نے فروخت کر دیا۔ شروانی اپنے وطن میں واپس آ گئے

رفعت خاں شروانی

اب قبل اس کے کہ ہم شروانیانِ سلفت کے بابتہ اس ناچیز کتاب کے حصہ اول کو ختم کریں ایک ممتاز شروانی کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ کنوبی کے رفعت خاں شروانی تھے جن کا نام ضمناً اوپر آیا ہے۔ جیسے کہ عہدِ شاہجہانی میں یوسف خاں ساکن راجپو وکنا وہ مشہور ہوئے، اسی طرح سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں رفعت خاں با اثر اور صاحبِ تھے۔ یہ نواب فرخ آباد کی طرف سے عامل دار بھی تھے۔ اور موا ضعات حسن پور اور ڈھولنہ کے پٹھانوں کے (جو رفعت خانی کہلاتے ہیں) مورث تھے۔ یہ [illegible] میں فوت ہوگئے اور اسی وقت سے خاندان میں زوال شروع ہوگیا۔ ان کے وارثان کا ذکر آگے حصہ دوم میں آئے گا۔ اس صدی میں خاندان بھیکم پور دتا ولی کنوبی اپنے بڑے تعلقوں کے وجہ سے چوٹی کے خاندان تھے۔ ان کے بعد بعض اوسط درجہ کے اور بعض غریب شروانیوں کے خاندان بھی تھے۔ مگر اپنی نسل اور اخوت کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھے۔ سماجی معاملات میں امیر غریب کا فرق نہ تھا اور ابھی تک یہ قابلِ اعتراض رواج نہیں ہوا تھا کہ مالدار شروانیوں کی شادی بیاہ صرف مالدار خاندانوں میں ہوں۔ چنانچہ سرفراز خاں کی شادی دھنساری میں اور باز خاں کی ڈوری میں اور دتاولی کی اس شاخ میں جو ریاست میں شریک نہ رہی تھی اور کنوبی کے وزیر خاں کے خاندان میں اور اسی طرح دیگر خاندانوں کے امیروں کی شادی بیاہ دولت میں اپنے سے کم گھرانوں میں ہوچکی تھیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں شروانیان کو اول زوال سے سابقہ پڑا۔ اور پھر انہوں نے عروج دیکھا۔ اور اب بیسویں صدی عیسوی میں زوال اور انحطاط کا ایسا سامنا ہے کہ بظاہر اس سے ابھرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یوں خدائے تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ زوال کو عروج میں بدل دے۔ قصبہ سہاور کے بعض چودھری صاحبان کا (جن سے شروانیوں کی رشتہ داری ہے) کتاب کے آخر میں ذکر ہے اور شجرہ درج ہے۔ مگر یہ محض ایک چلتا ہوا ذکر ہے کیونکہ ان کے مکمل حالات راقم الحروف کو نہ مل سکے اور اس کے متعلق راقم الحروف بجز اس کے اور کیا کہے کہ محض سوءِ اتفاق ہے نہ کہ عمداً کوتاہ قلمی۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں شہروانی کہاں کہاں بستے تھے

یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں بقول حافظ رحمت خاں روہیلہ مرحوم کی کتاب "خلاصۃ الانساب" شہروانیان ملک کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے اور موجود تھے۔ مگر ان کی سب سے زیادہ مردم شماری ضلع علی گڑھ، ایٹہ اور پنجاب میں تھی۔ سرحدی صوبہ میں بھی تھے۔ ان خیال اس صوبہ کے دوسرے اضلاع میں نیز بہار، مدراس میں بھی وہ موجود تھے اور صوبہ کے بہرائچ اور فرخ آباد کے شمس آباد اور مین پوری کے رابیری میں ان کے نام کے محلے اب تک موجود ہیں۔ سنبھل میں سیف خاں سرائے ان کی یادگار ہے۔ وہ بدایوں، بریلی اور روہیلکھنڈ میں بھی جا بجا آباد تھے۔ مگر سب ایک دوسرے سے محض بے خبر (لہٰذا میرا سرسری اتفاق ہے۔) واللہ اعلم۔

رجب المرجب ۱۳۷۲ھ
(مطابق ۱۹۵۳ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروانی نامہ

(حصۂ دوم)

انگریزوں کی آمد اور سنہ ۱۸۰۳ء میں کول پر قبضہ

انیسویں صدی عیسوی شروع ہوئی اور ہندوستان کی سیاسی حالت بدلی اور شروانیوں کی قسمت نے پلٹا کھایا اور اُن کے دن پھرے۔ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں بنگش خاندان فرخ آباد کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اُن کا علاقہ (جس میں شروانی دیہات بھی تھے) سنہ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس حصۂ ملک میں اب بجائے کالوں کے گوروں کی حکومت ہوئی۔ جن کی صورت سے لوگ گھبراتے تھے۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں اس حصۂ ملک پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے سے اُن کے حوصلے بڑھ گئے اور شمالی ہند کی طرف آگے بڑھنے کے واسطے دروازہ کھل گیا۔ مرہٹے اُن کے راستے میں حائل تھے اس لئے اس قوم کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ انگریزوں نے کیا اور سنہ ۱۸۰۳ء میں کول کے اس مضبوط قلعہ پر انگریزی فوج نے لارڈ لیک کی ماتحتی میں حملہ کر دیا جو محمد خان شروانی کا بنایا ہوا تھا جس کو ثابت خاں نے مضبوط کیا اور جس میں جاٹوں کا صوبیدار رہا کرتا تھا جہاں احمد شاہ ابدالی نے قیام کیا اور پھر نجف خاں کے متبنّیٰ بیٹے افراسیاب خاں

کو قتل کرا کے مرہٹوں نے بہت سی فوج اکٹھی کی اور خزانہ جمع کیا اور جس نے کئی
ایک نام بدلے مرہٹوں کے فرانسیسی انجینیروں نے اس کو اور بھی مضبوط کر دیا
تھا مرہٹوں کا جنرل ڈی بوائن اپنی جاگیروں کو دوسروں کو ٹھیکہ کرا اور روپیہ
وصول کر کے ہندوستان سے جا چکا تھا اس کی جگہ جنرل پیرون فرانسیسی دولت راؤ
سندھیا مرہٹہ راجہ کی طرف سے یہاں تعینات تھا۔ شمالی ہندوستان کے واسطے
یہ قلعہ کنجی تھا جس کے ہاتھ میں وہ ہو اس سے آگے کا دروازہ کھول سکتا تھا۔ ورنہ
ملک گیری کی ہوس میں سرشار اور دولت کمانے کی فکر میں گرفتار انگریز آگے
نہیں بڑھ سکتے تھے۔ یہاں بڑی سخت جنگ ہوئی جانبین کے افسران اور سپاہی
مارے گئے مگر انگریزوں کا اقبال زوروں پر تھا وہ جیتے جنرل پیرون بری
طرح ہار کر یہاں سے بھاگا اور بعد کو گرفتار ہوا۔ انگریزوں کی یہ کامیابی
شروانیوں کے لئے ایک برکت اور نعمت ثابت ہوئی جیسا کہ آنے والے واقعات
سے ثابت ہوگا۔ ۱۸۰۵ء تک اندور کے مرہٹہ راجہ ہولکر اور بھرت پور کے
جاٹ راجہ کو شکست دے کر انگریز آگے بڑھے اور شمالی ہندوستان پر قابض
ہو گئے۔ علی گڑھ اور اس کے ملحقات ہاتھرس۔ مرسان میں جاٹ زمینداروں
نے سر اٹھایا اور بلند شہر کے ضلع میں دوندے خاں، ناہر خاں وغیرہ لال خانی
سرداروں نے شورشیں کیں مگر یہ سب دبا دی گئیں۔ انگریزوں کو جب
ذرا سکون ہوا تو وہ ملکی اور مالی انتظام میں مصروف ہوئے ملک کی حالت
خراب تھی سابقہ حکومتوں نے ان کے لئے کوئی تحریری مسالہ نہیں چھوڑا۔ ان
اطراف سے وہ پورے طور پر واقف نہ تھے۔ پھر اپنے فائدہ کی فکر دامن گیر
مگر قوم دانشمند ہے اور ملکوں ملکوں ان کی حکومت تھی بہت جلد حالات پر
قابو پا لیا اور شیر شاہ اور اکبر کے بنائے ہوئے قاعدوں کو اپنے قواعد ضوابط
کا جامہ پہنا دیا۔ جائدادوں کے بارے میں حقوق ملکیت اور قبضہ کی تحقیقات
شروع ہوئی اگرچہ وہ سرسری تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ دیکھا گیا کہ انگریزوں کو اہمیت

کی مالگذاری آسانی سے دینے کے لئے کون کون تیار ہے شروانیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا البتہ اُن میں سے انگریزوں کے خوف سے جو اُن کے سامنے نہ گیا وہ ٹوٹے میں رہا اور جو سویا وہ کھویا۔ شروانی خاندان اس موقعہ پر انگریزوں کے خلاف سرکشی سے الگ تھلگ رہا۔ کچھ اس کا بھی لحاظ انگریزوں کو ہوگا۔ پھر یہ خاندان بہت دھکّے کھا چکا تھا۔ زمانہ کا سرد و گرم چکھے ہوئے تھا۔ اُس نے پُرامن زندگی بسر کرکے اپنی جائدادوں کو سنبھالنے کی کوشش کی اور انگریزوں کی حکومت میں ذرا بھی چون وچرا نہ کی۔

شروانیوں کے دیہات کی واپسی اور اوائل حکومت انگریزی میں ان دیہات کی حالت

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ شروانیوں کے وہ دیہات جن سے وہ بے دخل کر دئے گئے تھے اُن کو واپس دلائے گئے اور اُن کے ساتھ مالگذاری کا سرسری بند وبست کیا گیا۔ اگرچہ جمع کی مقدار کے لحاظ سے یہ سخت تھا اور اگرچہ بعض چھوٹے زمیندار ان شروانی ایسے بھی تھے جو انگریزوں کے خوف اور مالگذاری کی رقم اور وصول کی سختی کی وجہ سے اپنے حقوق کو پورے طور پر نہ جتا سکے تو اُن کی جائدادیں مستاجروں کو یا بڑے زمینداروں کے سپرد کر دی گئیں۔ کئی ایک شروانی خاندان ایسے تھے چنانچہ راقم الحروف کے موضع بہرلہ کو بھی اسی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا کہ وہ کئی سال تک مستاجر کے قبضہ میں رہا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ انگریز تجربہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مالگذاری کے بند وبست میں کچھ دن تک بڑی جلدی جلدی رد وبدل ہوتا رہا۔ شروع میں چھوٹے زمینداروں کو بڑے زمینداروں کی ضمانت داخل کرانا پڑتی تھی۔ چھوٹے زمینداروں کو ملک کی اُجاڑ حالت کی وجہ سے مالگذاری وصول کرنے میں اور وقت پر داخل کرنے میں دقت پیش آتی تھی۔ وہ زمین سے اس قدر غلہ حاصل نہیں کر سکتے تھے جو ارزاں نرخ اجناس کا لحاظ کرتے ہوئے کافی ہو

مالگذاری ٹوٹنے پر چھوٹی زمینداریاں نیلام ہوتیں اور بڑے زمینداران خاص کر
وہ جو اُن کے ضامن ہوتے تھے آدھے پونے خرید کر اپنی جائدادوں کے اضافہ میں
لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ بھیکن پور کے خاندان شروانی نے اضلاع ایٹہ و علی گڑھ
میں ایسی جائدادیں خرید کر اپنے تعلقہ میں بہت اضافہ کیا۔ رائے پور کا علاقہ
لال خانیوں سے لیا۔ دتاولی کے شروانی خاندان کے مورث حاجی مراد خاں نے
بڑھالسی کا علاقہ خریدا جس کے چند دیہات خاندان کی بدقسمتی سے تقسیم ہند کے
بعد اب موجودہ حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ اترولی کے قریب اس خاندان نے
سینڈول کا علاقہ حاصل کیا اگرچہ تھوڑے دن بعد اس کو کانپور کے ارشاد علی یا
اُس کے بیٹے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مراد خاں صاحب کے فرزند عبدالرحمٰن خاں
نے بلندشہر میں نیل کے تاجران رسل اور ٹامس کلارک سے ملک پور، مانگرول، بکھر
وغیرہ کا علاقہ خریدا اور نوے ہزار روپیہ اُس کی قیمت ادا کی جس سے اُن کی
سنبھلی ہوئی مالی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔ بلندشہر، علی گڑھ، ایٹہ اور متھرا کے
اضلاع میں تحصیلوں اور پرگنوں کی حدود میں بھی بندوبستوں کی طرح سے جلد
جلد تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اُن کی وجہ سے بھی زمینداروں کو کچھ بے اطمینانی اور دقتیں
پیش آئیں۔ مگر لوٹ مار، فساد، فتنہ اور غارتگری بند ہو چکی تھی، امن و امان قائم
ہو چلا تھا اس لئے یہ بے اطمینانی اور مالگذاری کی سختی برداشت کر لی گئی
یہی غنیمت سمجھا گیا کہ کھوئے ہوئے دیہات پھر واپس آ گئے مگر علی گڑھ، بلندشہر اور
متھرا کے علاقہ میں جو نقصان ہوا اور جو بے اطمینانی گوشتا میں جاٹوں اور مرہٹوں
کی وجہ سے پیدا ہوئی اُس سے ضلع ایٹہ کا وہ علاقہ جو نواب بنگش فرخ آباد کے
اور بعد کو نواب وزیر اودھ کے حکومت میں شامل تھا محفوظ رہا اور یہ انگریزوں
کے قبضہ میں نسبتاً کچھ پہلے ہی یعنی ۱۸۰۲ء میں آ گیا تھا۔
مستاجری کی وجہ سے ایک قصہ پیش آیا کہ ہر مستاجر جانتا تھا کہ اُس کا
تھوڑے دن کی ہے۔ اس مقررہ مدت میں وہ جس قدر بھی کاشتکارا

سے وصول کرسکتا ہے اُس کو وصول کرکے اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ اس سے کاشتکاران کی حالت تباہ اور خراب ہوگئی مگر باوجود ان دقتوں کے انگریزوں کے زبردست ہاتھ فوراً اس قسم کی شورشوں کو دبا دیتے تھے۔ پہلا سرسری بندوبست ۱۸۰۲ء میں صرف ایک سال کے لئے ہوا اور حکم ہوا کہ جو شخص واقعی قابض ہو اُس سے مالگذاری کی ادائگی کا اقرارنامہ لے لیا جاوے۔ بہت سے ابواب اور محصولات معاف یا کم کئے گئے۔ اور کچھ علاقے اُن زمینداران کو مستاجری پر دئے گئے جنہوں نے امن و امان قایم رکھنے کا وعدہ کیا۔ ۱۸۰۳ء و ۱۸۰۴ء میں ضلع علی گڑھ کو اوّل خشک سالی اور پھر ژالہ زدگی نے ستایا۔ تشخیص شدہ مالگذاری پوری مقدار میں وصول نہ ہوسکی ۱۸۰۵ء میں پھر تحقیقات ملکیت ہوئی۔ اور تین سال کے واسطے بندوبست کیا گیا اور تھوڑی بہت مستاجری قایم رہی مگر شروانیوں کی بڑی بڑی ریاستیں اصل زمینداران کو بطور ملکیت دی گئیں اور وہ مستاجری کے قبضہ سے محفوظ رہے اگرچہ شروانیوں میں چھوٹے زمیندار اس سے محفوظ نہ تھے۔

۱۸۰۸ء میں پھر خشک سالی رہی اور ۱۸۰۹ء میں پھر بندوبست کیا گیا مگر صرف ۳ سال کے واسطے۔ ۱۸۱۲ء میں پھر بندوبست ہوا جس میں مستاجری بہت کم ہوگئی اور مالک زمینداران کی تعداد پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی مگر اس بندوبست کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے زمینداران کی حالت بہت خراب ہوگئی۔ خاص کر اُن پرگنوں اور دیہات میں جو پیشتر مستاجری پر تھے۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ ۱۸۱۲ء کے بعد بعلت بقایا مالگذاری جایدادوں کے نیلام شروع ہوگئے اور اگر کوئی خریدار پیدا نہ ہوتا تھا تو حکومت اپنے انتظام میں لے کر کم جمع پر کسی نہ کسی کے سر تھوپتی تھی۔ اب اسی دوران بندوبست میں حدود دیہات کی تحقیقات کی گئی کیونکہ اراضی کی حدود کے بارے میں ایک گاؤں والے دوسرے پڑوسی گاؤں سے جھگڑا کرتے تھے۔

سنہ ۱۸۳۲ء تک ہر پانچویں سال بندوبست ہوتے رہے اور انگریزی حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہا مگر چونکہ ساتھ ساتھ رقبہ مزروعہ بھی امن وامان کی وجہ سے ترقی کر رہا تھا اس لئے جمع سرکاری کی سختی کم محسوس ہوتی تھی۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں وہ باقاعدہ بندوبست ہوا جو آئین نہم سنہ ۱۸۳۳ء کے ماتحت کیا گیا۔ اس میں کاغذات حقوق تیار ہوئے، رقبوں کی پیمائش کی گئی، اراضی کی قسمیں تجویز کی گئیں اور دیہات کے نقشے تیار کئے گئے مگر اس بندوبست میں جمع کم کر دی گئی۔ سنہ ۱۸۳۷ء اور سنہ ۱۸۳۸ء میں پھر قحط سالی نمودار ہوئی۔ سنہ ۱۸۳۹ء سے سنہ ۱۸۵۲ء تک بہت سی چھوٹی چھوٹی زمینداریاں نیلام ہوئیں، کچھ زمینداروں نے تو چھوڑ دیں۔ کچھ قرضوں کی ڈگریوں میں نیلام ہوئیں اور جو قومیں پیشتر زمینداری پیشہ نہ تھیں وہ زمیندار بن گئیں۔

شروانی خاندانوں میں مقدمہ بازی

اس زمانہ میں زمینداروں میں آپس میں حقوق کے تنازعات کی وجہ سے مقدمہ بازی کا سلسلہ چھڑ گیا اور اس سے شروانی خاندان بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ اس قسم کی مقدمہ بازی ریاست دتاولی موضع ڈھولنہ حسن پور اور موضع گھنونہ ضلع ایٹہ میں (جو اس وقت کنوئی ضلع پٹیالی تھا) پیش آئی۔ گھنونہ کے اس مقدمہ بازی سے بڑا خراب اثر آپس کے خاندانی تعلقات پر پڑا اور آئندہ پشتوں میں بھی بدمزگی رہی۔ جائدادوں کے متعلق مقدمہ بازی خود راقم الحروف کے وطن سرائے برلہ اور دیگر دیہات میں بھی رہی۔

اسی زمانہ میں سنہ ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ یا اس سے کچھ قبل دتاولی میں یہ قصہ پیش آیا کہ عبداللہ خاں و مداری خاں نے حاجی مراد خاں کے خلاف نصفی ریاست دتاولی کا دعویٰ دائر کیا (دیکھو شجرہ خاندان جو اس کتاب کے آخر میں ہے) مدعیان کا دعویٰ تھا کہ وہ اور مدعا علیہ حاجی مراد خاں عمر خاں کی اولاد ہیں اور نصف ریاست کے مستحق ہیں مراد خاں نے پوری ریاست پر قبضہ کر رکھا ہے۔ مراد خاں

کی طرف سے عذرداری کی گئی کہ عبداللہ خاں اور مداری خاں کے مورث دایم خاں (جو عمر خاں کے بیٹے تھے) اپنے باپ کی حیات میں فوت ہو گئے تھے اور اس طرح دایم خاں کی اولاد محجوب الارث ہو گئی۔ علاوہ بریں گوشائیوں اور پھر نواب نجف خاں اور مرہٹوں کے زمانہ سے پچاس برس تک مراد خاں ہی مالگذاری ادا کرتے رہے کیونکہ عمر خاں نوّے سال پہلے اپنا وطن چھوڑ گئے تھے۔ اس مقدمہ بازی میں عدالت العالیہ تک حاجی مراد خاں کو کامیابی ہوئی اور انھیں کی اولاد میں پوری ریاست دتاولی کی زمینداری قایم رہی۔ گھسونہ میں بھی اسی قسم کی مقدمہ بازی آپس میں ہوئی جس کا آخری فیصلہ سنہ ۱۸۵۰ء میں ہوا۔ بلوتہ میں بھی اسی قسم کی مقدمہ بازی رہی جس سے دولت کا زیاں اور تعلقات میں خرابی پیدا ہوئی۔ اور وہی بلوتہ جو ایک زمانہ میں خطۂ یونان مشہور ہوا (اور واقعی بنام) اب اسی کا یہ حال ہے کہ ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

موضع برلہ سرائے کی مقدمہ بازی اور ان مواضعات کے مورثان

راقم الحروف کے موضع برلہ میں بھی ایسا ہی ناگوار قصہ پیش آیا۔ راقم الحروف کو اپنے پرانے خاندانی کاغذات میں ایک فارسی کی تجویز عدالت اپیل مورخہ ۳۰ اپریل سنہ ۱۸۲۹ء مطابق شوال سنہ ۱۲۴۴ھ ملی جس کو راقم الحروف نے نواب صدر یار جنگ مرحوم مغفور کے کتاب خانہ واقع حبیب گنج میں دے دیا۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ راقم الحروف کے پردادا گل خاں اور اُن کے ہمعصر یک جدی عزیزان یعنی اُن کے چچا مہراب خاں، عبداللہ خاں، محمد خاں، چھبو خاں (مندرجہ شجرہ) نے جو سرائے اترمہ برلہ تحصیل اترولی ضلع علیگڑھ کے رہنے والے تھے، ذوالفقار خاں، بدھو خاں، امیر خاں، عزت خاں، حسن خاں، جیون خاں وغیرہ ساکنان برلہ کے خلاف ۸ دسمبر سنہ ۱۸۴۱ء کو ایک نالش دائر کی کہ سرائے برلہ کے پٹھان ایک ہی مورث صفات خاں کی اولاد میں ہیں۔ نصف جائداد میں سرائے اور دلا پور کے مالک مدعیان ہیں اور مدعا علیہم بقیہ نصف کے یعنی لطف پور اور برلہ کے مالکان ہیں نیز یہ کہ انگریزوں کی عملداری شروع ہونے پر مدعیان میں سے کسی نے اپنے نام کے داخل خارج کی درخواست نہیں دی کیونکہ

وہ خوف کی وجہ سے انگریز عمال کے سامنے نہیں گئے۔ اس لئے مسٹر آر سوداگر
نیل کے ملازم رام دین کی ضمانت سے کلکٹر نے بندوبست مرلیدھر کے نام
کر دیا۔ اور مبلغ ساٹھ روپیہ سالانہ بطور نانکار کے مسٹر آر کی طرف سے تعین
نے دراصل یہ معاملہ اپنے مفاد کے واسطے کرایا تھا۔ فریقین کو اس تفصیل کے
ساتھ ملتا تھا کہ نصف شہراب خاں پدر گل خاں مدعی ساکن سرائے اور اُن
کے برادران کو اور نصف برلہ کے رہنے والے مدعا علیہم کو۔ یہ کہ سنہ ۱۲۲۵ فصلی
میں بندوبست سرائے کے شہراب خاں اور چھ مدعا علیہم کے ساتھ ہوا۔ یہ کہ
سنہ ۱۲۲۶ فصلی میں شہراب خاں فوت ہوئے اور ان کے لڑکے گل خاں وارث بنے
اس لئے سرائے کے پٹھان نصف زمینداری کے مالک ہیں۔ برلہ کے مدعا علیہم
کی طرف سے عذر پیش کیا گیا کہ کوئی صفات خاں فریقین کے مورث نہ تھے مدعا علیہم
کی یہ زمینداری موروثی ہے اور اُن کے مورثان فاضل خاں، پٹھان خاں سرفراز خاں
اور طالعمند خاں سے اُن کو ملی ہے رجسٹر خاندانی جو [illegible] قوم [illegible] کو دستیاب ہوا
ہے اُس میں بدھو خاں اور طالعمند خاں کے نام درج نہیں ہیں اور ان دونوں
پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ یہ کہ جب سنہ ۱۲۱۰ فصلی میں پرگنہ اکبرآباد کا
بندوبست ہوا تو مدعا علیہم کے مورثان کی رضامندی سے ڈاچند مستاجر کا
سنہ ۱۲۱۰ لغایت سنہ ۱۲۱۲ فصلی اس وجہ سے درج کر دیا گیا کہ مورثان مدعا علیہم
بے مقدور تھے۔ یہ انتظام سنہ ۱۲۱۵ فصلی تک رہا۔ پھر سنہ ۱۲۱۶ فصلی میں بدھو خاں
حسن خاں، امیر خاں، نعیم خاں پدر پیدن خاں، پٹھان خاں اور عزت خاں
اپنی رضامندی سے رام دین کی ضمانت سے [illegible] کے گماشتہ مرلیدھر کا
مستاجری میں درج کرا دیا اور وہ سنہ ۱۲۱۹ فصلی تک قابض رہا۔ سنہ ۱۲۲۰ فصلی
مدعا علیہم کے مورثان کی بے مقدوری و جمع کی سختی کی وجہ سے گل خاں
ساکن سرائے کے باپ شہراب خاں کا نام مستاجری میں درج کرا دیا
اور سنہ ۱۲۲۶ فصلی تک شہراب خاں کو ساتویں حصہ کا منافع ملتا رہا۔ جب اُن

میں سہراب خاں فوت ہوئے تو ان کے بیٹے گل خاں کا نام جن کی عمر انیس ۱۹ سال کی
تھی درج ہوا۔ اس مقدمہ کے متعلق ۲۳ اپریل ۱۸۳۳ء میں علی گڑھ کے جج نے
فیصلہ دیا کہ فریقین صفات خاں کی اولاد سے ہیں اور مدعیان کے حق میں نصف
جائداد کی ڈگری دی اس کا اپیل بریلی میں مسٹر میکنزی حاکم دوم کے یہاں منجانب
مدعا علیہم دائر ہوا۔ معلوم ہوا کہ آخر الذکر عدالت نے کیا فیصلہ کیا کیونکہ طومار تجویز
کا آخری حصہ ضائع ہو گیا اور راقم الحروف کو دیکھنے کو نہیں ملا۔ البتہ موجودہ طومار
کی پشت پر ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۳ء کا روبکار اجلاس مسٹر میکنزی درج ہے اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ سرائے کے رہنے والے مدعیان کو عدالت العالیہ میں اپیل
دویم کی ضرورت پیش آئی جس کا یہ مطلب ہے کہ علی گڑھ کے جج کا فیصلہ جو مدعیان
ساکن سرائے کے حق میں تھا بریلی کی عدالت اپیل سے یا تو ترمیم ہوا یا منسوخ ہوا۔
اب سوا سو برس (۱۲۵) کی بات معلوم نہیں ہو سکا کہ سرائے کے رہنے والے مدعیان
نے اپیل دویم دائر کیا یا نہیں یا اگر دائر ہوا تو اس کا کیا نتیجہ ہوا مگر چونکہ سرائے کے
پٹھان پوسہ مزرعہ سرائے پر قابض اور مالک اب تک ہیں اور دلال پور میں بھی حصہ دار
ہیں اس لئے ثابت ہے کہ مدعیان کا دعویٰ اگر پورا نہیں تو بڑی حد تک صحیح تسلیم کیا
گیا اگرچہ آپس کی شادی بیاہوں کی وجہ سے حصص میں تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ اس تجویز
سے ہمارے اوپر کے بیان کی جو انگریزوں کی شروع عملداری کے وقت مستاجری کی سختی
جمع اور زمینداران کے پریشانی کی بابت ہے تائید ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ اس زمانہ میں بھی مقدمات کے فیصلوں میں کس قدر دیر لگتی تھی۔ اس تجویز میں
مواضعات مداپور اور منگو پور کا کوئی ذکر نہیں ہے جن پر موضع سرائے برلہ کے
پٹھان ابھی تک قابض تھے۔ غالباً ان کے متعلق پے درپے بندوبستوں میں جو کارروائی
ہوئی اس سے کوئی تنازعہ ان مواضعات کے متعلق پیدا نہیں ہوا۔ ان دونوں
مواضعات میں شرکت سے بھی دونوں مقامات کے خاندانوں کا نکاس ایک
ہی مورث اعلیٰ سے معلوم ہوتا ہے۔

برلہ کے پٹھان شیروانی ہیں یا دُرّانی

اس تجویز سے ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی اس غلط روایت پر بھی پوری روشنی پڑتی ہے جو اُس نے لکھی ہے کہ برلہ کے پٹھان دُرّانی ہیں اور اُن دُرّانی پٹھانوں کی اولاد میں ہیں جن کو احمد شاہ دُرّانی ابدالی سنہ ۱۷۵۹ء میں کول سے انوپ شہر جاتے وقت یہاں چھوڑ گیا تھا۔ اوّل تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب احمد شاہ درانی کو ہندوستان میں مستقل حکومت قایم کرنا منظور نہ تھی تو وہ ان چند رفیقوں کو جنگ پانی پت سے قبل کول میں کیوں چھوڑ جاتا اور پھر ان رفیقوں کے لئے کیا برلہ ہی رہ گیا تھا۔ وہ دیگر مواضعات میں جاکر کیوں نہ بسے۔ پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ احمد شاہ کے چند ساتھی کول میں رہ گئے تو اُن کا برلہ میں آکر رہنا تو یقیناً غلط ہے۔ برلہ کے شجرہ سے (جو اس کتاب کے آخر میں درج ہے) معلوم ہوگا کہ یہاں کے مورثِ اعلیٰ سے لیکر اب تک بعض گھروں میں گیارہویں اور بعض میں بارہویں پشت ہے۔ اگر تاریخی اصول کے مطابق فی پشت تیس ۳۰ سال کا زمانہ رکھا جائے تو یہاں کے مورثِ اعلیٰ کا زمانہ اکبر بادشاہ کا ہم عصر قرار پاتا ہے جبکہ احمد شاہ درانی کا وجود بھی نہ تھا۔ اسی طرح راقم الحروف کے شجرہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اُن کے مورثِ اعلیٰ کا زمانہ احمد شاہ دُرّانی سے بہت پہلے کا ہے۔ ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ یہ مورثِ اعلیٰ اس زمانہ میں یہاں نہ آئے تھے بلکہ افغانستان میں تھے تو اُس کی تردید پورے طور پر اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ برلہ کے شجرے میں الف خاں اور منگو خاں مورثان میں ہیں اور ان دونوں کے ناموں پر مواضعات الف پور اور منگو پور موجود ہیں۔ اوّل الذکر بدقسمتی سے غیر اشخاص کی ملکیت میں چلا گیا۔ منگو پور اب تک برلہ سرائے کے پٹھانوں کی زمینداری میں رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضعات بھی اکبری عہد کے قریب آباد کئے گئے۔ ہم نواب صدر یار جنگ مرحوم کی چھوڑی ہوئی تحریری یادداشت کے مطابق جو خاندانی روایت کے بارے میں ہے

دکھا چکے ہیں کہ برلہ کے شرفا نیان محمد میر خاں کی اولاد میں ہیں جو سکندر لودی کے ہم عصر تھے مگر اکبری عہد میں ان اطراف میں آ بسے۔ سکندر لودی کے انتقال کے سال یعنی سنہ ۹۲۳ھ میں اور اکبر کی تخت نشینی یعنی سنہ ۹۶۳ھ میں صرف چالیس سال کا فرق ہے جو کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔ اب ہم اصل قصہ کی طرف پھر آتے ہیں۔ اوپر دکھایا گیا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے ختم ہونے سے قبل خاندان بھیکم پور کے مورث بازخاں اور دتاولی کے مورث حاجی مراد خاں نے کس طرح اپنی حالت سنبھالی۔

بازخاں کو اور اُن کے بیٹے داؤد خاں کو موضع راجمئو عطا ہوا۔ بازخاں کے حالات

عہد شاہجہانی میں جو دیہات لطیف خاں اور اُن کے بیٹے زبردست خاں اور سلیمان خاں اور دیگر پٹھانوں کے نام درج تھے اُن میں سے اوائل عہد انگریزی میں بازخاں رئیس بھیکم پور کی پٹہ داری میں درج ہوئے اور سنہ ۱۸۲۳ء سے قبل انگریزوں نے اُن کو ان کے علاقہ کا زمیندار بجائے متاجر کے تسلیم کر لیا۔ سنہ ۱۷۹۲ عیسوی میں جبکہ بازخاں کے بیٹے حاجی داؤد خاں کی عمر سات آٹھ سال کی تھی دونوں باپ بیٹے کاسگنج میں فرخ آباد کے بنگش نواب احمد خاں کے جانشین سے یعنی مظفر جنگ سے ملے تو نواب نے داؤد خاں کو موضع راجمئو عطا کیا جو اب تک اس خاندان میں رہا اور جہاں یوسف خاں صاحب سے پہلے آکر رہے تھے۔ فرخ آباد کی حکومت تو اس زمانہ میں ختم ہو گئی تھی مگر بیگم علاقہ یعنی محمد خاں بنگش کی اولاد کے قبضہ میں تھا جو بعد کو نواب وزیر اودھ نے ضبط کر لیا۔ بازخاں حرم الدیا اللہ کے مزار آستانہ پر حاضری کے معتقد تھے سید شاہ عظیم صاحب خادم آستانہ حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو شجرہ دانیوں کے وکیل ہیں بازخاں صاحب کی تحریر محفوظ ہے جس کی رو سے مورث سے ان سید صاحب کے مورث کو بھیکم پور میں معافی ملی تھی جس سے وہ آج تک متمتع ہو رہے ہیں۔ سنہ ۱۲۳۵ھ میں بازخاں صاحب مرحوم انتقال کیا

مرحومہ اور خاندان کے دیگر لوگوں کے حج بیت اللہ شریف کے ارادہ سے
روانہ ہوئے۔ اُن کے چھوٹے صاحبزادے حاجی غلام محمد خاں [illegible] ریاست
داد ولا بھی ساتھ تھے۔ اُس زمانہ کا سفر بصورت ستر قافلہ [illegible] جا کر بازخاں اسی
سال کسی شدید مرض میں گرفتار ہو کر اس دنیائے دول سے رخصت ہو گئے۔ اور
خرید کردہ اراضی پھدہیں مدفون ہوئے قافلے کے ارادہ میں تنزل ہوا مگر چند
رفیقوں نے اُن کی اہلیہ کی ہمت افزائی کی اور حج سے مشرف ہوئیں۔ انتقال کے
وقت بازخاں مرحوم کی عمر اسی سال تھی۔ "بازخاں بہ جمال شہ سرفراز" اُن کی مہر کا
سجع ہے جس میں اُن کے دو موروثوں کے نام آجاتے ہیں۔

بازخاں کی اولاد

ہم بتا چکے ہیں کہ بازخاں کی شادی ڈورنی میں بھوگی خاں
کے یہاں ہوئی تھی۔ بازخاں نے تین بیٹے چھوڑے یعنی
داؤد خاں، خانزمان خاں۔ غلام محمد خاں۔ حاجی داؤد خاں کی پیدائش ۱۸۰۵ء
کے قریب قرار پاتی ہے۔ اپنے والد کے انتقال کے وقت وہ پینتالیس سال کے
قریب تھے۔ اُن کے سپرد ریاست کا کام ہوا۔ یہ قسمت کے بڑے دھنی تھے موضع
حسن پور میں تقریباً پچیس سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی ان شہروانی بزرگ کی سیرت
وخصلت، طرزِ عمل، انتظام ریاست، غربا پروری، مسافر نوازی، اہل خاندان و
برادری پر شفقت، مذہبی شغف اور شرعی پابندی کی جس قدر تعریف کی جائے وہ
بجا ہوگی ان باتوں کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیے۔

حال میں اُن کے سوانح حیات پر عبدالصبور خاں صاحب بی اے شاگرد نے
(جو موصوف کی اولاد میں ہیں) اخبار جمہور مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۱ء صدر یار جنگ نمبر ا
میں کافی روشنی ڈالی ہے۔ اُن کو ریاست کا کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا
کہ ۱۸۳۳ء میں وائسرائے ہند لارڈ ولیم بنٹنگ (LORD WILLIAM BANTING) کے
زمانہ میں حکام صوبہ کے اصرار پر حاجی داؤد خاں صاحب نے اگرچہ عہدہ الصدر
کے عہدہ کا کام اپنے ذمہ لیا اور سات سال تک اس کام کو خوبی کے ساتھ انجام

دیتے رہے۔ موصوف سے قبل دتاولی کے حاجی عبدالرحمٰن خاں صاحب کو اس عہدہ پر مقرر کیا گیا تھا مگر جب آخر الذکر نے تھوڑے دن کام کرنے کے بعد استعفیٰ دے دیا تو حاجی داؤد خاں صاحب کا تقرر ہوا۔ اس سے خاندان شروانی کے اس اثر کا پتہ چلتا ہے جو حکومت انگریزی میں ہو گیا تھا۔ اسی زمانہ میں حاجی داؤد خاں صاحب کے تعلقات مہاراجہ گوالیار سے رہے ہیں کا مورث ایک زمانہ میں بھیکم پور کے دیہات پر قابض تھا۔ مہاراجہ موصوف کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس عہدہ کے فرائض انجام دینے کے ساتھ اپنی بڑی ریاست کے کاروبار کی نگرانی بھی رکھتے تھے۔ خاندان بھیکم پور اور دتاولی میں رشتہ داری کے تعلقات ایک عرصہ سے چلے آتے ہیں باز خاں مرحوم کی بہن دتاولی کے حاجی مراد خاں کو بیاہی تھیں۔ حاجی داؤد خاں کی بہن عبدالرحمٰن خاں ابن مراد خاں رئیس دتاولی کی اہلیہ تھیں اور حاجی داؤد خاں کی بیٹی محمد حسین خاں ابن عبدالرحمٰن خاں کی زوجہ تھیں۔ اسی وجہ سے جب ۱۸۳۳ء میں محمد حسین خاں ابن عبدالرحمٰن خاں رئیس دتاولی کا انتقال جوان عمری میں ہوا تو محمد حسین خاں کے بھائی حاجی فیض احمد خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ مگر یہ نابالغ تھے اس لئے ریاست کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں آ گئی اور حاجی داؤد خاں مرحوم (جو اب تک آگرہ میں صدر الصدور تھے) منیجر مقرر ہوئے مگر اس کام میں اُن کے چھوٹے بھائی حاجی غلام محمد خاں رئیس دادوں اُن کی مدد کرتے تھے۔ ریاست بھیکم پور کے انتظام کا کام کچھ اس وجہ سے ہلکا ہو گیا تھا کہ ۱۸۳۷ء میں حاجی داؤد خاں اور نعمان خاں کے علیحدہ ہو کر دادوں کی ریاست تقسیم ہو گئی تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کام کی زیادتی سے حاجی داؤد خاں کی صحت پر خراب اثر پڑا ہو گا چنانچہ خرابیٔ صحت کی بنا پر موصوف نے ۱۸۴۳ء میں صدر الصدوری کے ممتاز عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ حاجی داؤد خاں نے کارہائے رفاہ عام میں بڑی دریا دلی سے حصہ لیا اور بھیکم پور میں ندی پر مضبوط اور پختہ پل تیار کرایا جسے آر۔ ایس۔ ڈی۔ ہچنسن نے اپنی کتاب علی گڑھ اسٹیٹسٹکس از ۱۸۴۳ء تا سنہ ۱۸۵۴ء میں لکھا ہے کہ بھیکم پور کے شروانی تعلقداران

کا انتظام ریاست بہت اچھا تھا اور رعایا کے ساتھ برتاؤ اچھا تھا۔ اس انگریزی عہدہ دار کے قول کے مطابق جو آج سے قریب سو سال قبل کا ہے ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۱ء کے درمیان انگریزوں کے خلاف شورش کے زمانہ میں یہ شروانی تعلقہ داران اور دیگر شروانی زمینداران وفادار اور پرامن رہے۔ اس زمانہ میں پرگنہ گنگیری، پچلانہ کے دیہات تحصیل اکبرآباد میں شامل تھے۔ بعد کو تحصیل و پرگنہ اترولی میں شامل کر دیئے گئے۔ لگان زیادہ تر بٹائی تھا اور پرگنوں کی حالت خراب تھی ایسی حالت میں ان تعلقہ داران بھیکم پور اور دتاولی نے جو اپنی ریاستیں سنبھالیں اور ان میں اضافہ کیا اور اسی کے ساتھ کار ہائے رفاہ عام بنوائے اس سے ان کی انتظامی قابلیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی زمانہ میں یعنی ۱۸۳۲ء کے آس پاس داؤد خاں مرحوم نے موضع کنٹولی خریدا جبکہ وہ بعلت بقایا مالگذاری نیلام ہوا۔ جہاں ابتدائی زمانہ کے شروانیوں کی زندگی سپاہیانہ تھی ان کے مقابلہ میں اس زمانہ میں ان کے نام لیواؤں کی زندگی کچھ کم مجاہدانہ نہ تھی بطرح ۱۸۵۱ء میں معہ حاجی غلام احمد خاں، تین بہنوں اور ایک دختر کے حج بیت اللہ شریف کے واسطے گئے۔ واپسی کے بعد ایک شاعر نے قطعہ کہا جس کا آخری مصرعہ یہ ہے

"داؤد باز گشت سرفراز دو جہاں"

اس میں ان کے خاندان کے مورثوں کے نام ہیں۔ ممدوح داؤد خاں کے خاندان میں ان کی بابت ایک قصہ مشہور ہے جس سے ان کی دلیری پر روشنی پڑتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب علی گڑھ کے کلکٹر نے موصوف کی ملاقات ایک انگریز کرنل سے کرائی تو دوران گفتگو میں کرنل کی زبان سے نکل گیا کہ اس نے پٹھانوں کی تلواریں بہت دیکھی ہیں آپ کی بہادری کی داستانیں مفروضہ ہیں۔ اس پر حاجی داؤد خاں صاحب کو غصہ آگیا اور اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا کہ تو نے پٹھانوں کی تلواروں کے جوہر دیکھے ہوں یا نہ دیکھے ہوں میری تلوار کے جوہر اب دیکھ لے۔ اس پر کلکٹر گھبرا گیا اور درمیان میں پڑ کر معذرت کر کے آپ کے غصہ کو فرو کیا۔

۱۸۵۷ء کی شورش میں داؤد خاں اور اُن کے خاندان کا طرزِ عمل

اب ۱۸۵۷ء کی شورش اور انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا زمانہ آگیا۔ اس زمانہ میں حاجی داؤد خاں مرحوم کے اور اُن کے خاندان کے بہت سے کارنامے ہیں جن کی وجہ سے انگریز اُن سے کچھ خوش اور کچھ غیر مطمئن ہوئے جیسا کہ اضلاع علی گڑھ و ایٹہ کے ڈسٹرکٹ گزیٹیرز سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر خاندان میں وہ تحریرات محفوظ ہیں جن کی رو سے انگریزوں پر اس خاندان کی امداد کے حقوق جتائے گئے۔ بلوندہ سے جنوب مشرق کی طرف چند فرلانگ پر بمقام مدکا لاجانے پر اسن پڑا داؤد خاں کے ہم عصر رفیق طریق اور مشیر با تدبیر حاجی حسن علی خاں (مورث شاخ کلاں بلوندہ) نے بڑی خدمات متعلق انجام دیں۔ جس طرح ابتدائی شروانیوں نے حکومتوں کا ساتھ دیا اسی طرح اس پُر آشوب زمانہ میں حاجی داؤد خاں اور اُن کے خاندان نے انگریزی حکومت کا ساتھ دیا۔ موصوف نے باغیوں کو بہت قابو میں رکھا۔ پولس کے واسطے رنگروٹوں کا انتظام کیا۔ گنگا کے گھاٹوں پر سرکاری عملہ کو مدد دی کہ بریلی بدایوں کے بلوائی اس طرف نہ آنے پائیں۔ برلہ کے نیل کے تاجر انگریز ٹانڈی ووتھ کو چند روز کے لئے بھمورا میں ایک محفوظ مکان میں اُس وقت تک رکھا جب تک کہ اُن کو دیگر انگریزوں کے ساتھ آگرہ کو بھاگ جانے کا موقعہ نہ ملا۔ جب کاسگنج ضلع ایٹہ میں بدامنی زیادہ ہوئی تو کلکٹر ایٹہ نے ممدوح سے مدد طلب کی۔ ممدوح نے جواب دیا کہ ایسے نازک زمانہ میں اپنے ہی ضلع کا انتظام رکھنا مشکل ہے مختلف تحصیلوں میں میرے آدمی پھیلے ہوئے ہیں تاہم دو ہزار (۲۰۰۰) سواروں کا انتظام کر دیا گیا ہے اور بچے لال گماشتہ اس تحصیلدار کی سرکردگی میں اُن کو دے دیا گیا ہے تاکہ وہ کاسگنج پہنچیں۔ بچے لال گماشتہ اس کے بعد بلوائیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ موصوف کے خاندان کے اور افراد نے بھی اس امداد میں اُن کا ہاتھ بٹایا۔ پھر بھی ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ نے لکھا کہ ممدوح سے کافی مدد نہیں ملی اور انھوں نے بلند شہر کے دستہ کو رسد نہیں دی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ انگریز اُس وقت گھبرائے

ہوتے تھے۔ جو شخص سیر بھر کی جگہ چار سیر کارگذاری جتاتا، دوسرے بھائیوں کی بُرائی کرتا وہ خیر خواہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی غنیمت ہے کہ ممدوح اور اُن کے خاندان کو چند پروانوں کے علاوہ اور کوئی انعام اور جاگیر نہیں ملی، یہی تو علاقہ تو محفوظ رہا۔ ورنہ اس زمانہ میں اور اس کے بعد بہت سے امیر غریب ہوگئے اور بہت سے چالاک غریب امیر بن گئے۔ حاجی داؤد خاں مرحوم اپنے اوقات کے پابند، ریاست کی اعلیٰ تنظیم اور داد و دہش میں مشہور تھے۔ "یاراں" اُن کا تکیۂ کلام تھا۔ اُن کی عادت تھی امیر غریب عزیزوں اور اہلِ برادری کے یہاں پہونچتے اور اُن کی خیریت دریافت کرتے۔

خاندانِ شروانی میں خلافِ شرع رسوم کا ترک کیا جانا

اُن کا سب سے بڑا کارنامہ (جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے) وہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں خاندانِ شروانی میں شادی غمی کے موقعہ پر جو خلافِ شرع بے جا اور ہندوانی رسوم بہت جاری تھیں تیجہ باجا رقص و سرود کی محفلیں و باجے۔ ایسے موقعوں پر ضروری تھے۔ ہندو اقوام کی طرح شادی کے موقعہ پر پنڈتوں سے سعد تاریخیں معلوم کرنا اُن سے مشورہ اور اُس پر عمل کرنا، اسراف کہ فضول اور خلافِ اسلام معاشرتی رسوم یہ سب کچھ تھا جس کی وجہ سے خاندان کے لوگ مالی مشکلات میں مبتلا اور پریشان حال ہو گئے تھے۔ جب موصوف کے منجھلے بھائی خان زمان خاں نے دہلی کے مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ان رسوم کی بابت چند سوال قائم کرکے استفتا بھیجا تو مولانا موصوف رحمتہ اللہ علیہ نے جواب لکھنے کے واسطے اپنے بھائی مولانا شاہ محمد اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کو دیا۔ آخر الذکر نے چار پانچ سوالوں کا اضافہ کرکے جوابات بھیج دیئے۔ یہ مسائل اربعین کے نام سے مشہور ہوئے۔ جب خان زمان خاں صاحب مرحوم نے ان کو اپنے بڑے بھائی حاجی داؤد خاں مرحوم کو دکھایا تو آخر الذکر نے فرمایا کہ سرگروہ شروانی پٹھانوں کا جلسہ طلب کرو چنانچہ بھیکم پور میں جلسہ کیا گیا اور

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فتوے برادری کے سامنے پیش کئے۔ سب نے اُن سے اتفاق کیا تو حاجی داؤد خاں صاحب نے فرمایا کہ اس پر عمل ہونا چاہئے۔ چنانچہ برادری میں سب سے پہلی شادی اللہ وردی خاں صاحب مرحوم زمیندار چھرہ قلعہ کے یہاں ان مسائل کے موصولی کے بعد تھی۔ اس سے قبل اعلان کیا کہ رقص وسرود آتشبازی وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ اس پر بعض پٹھان بگڑے۔ مگر حاجی داؤد خاں خود اس شادی میں شریک ہوئے اور ممنوع رسموں میں سے ایک بھی نہ ہونے دی۔ اُس وقت سے خاندان شروانی میں یہ رسوم قطعی موقوف ہیں اور ان باتوں سے نجات ملی۔ جب فروری ۱۹۴۳ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ علی گڑھ میں ہوا تو اُس کے شعبۂ اصلاح معاشرت میں نواب صدر یار جنگ مرحوم نے ان مسائل اربعین کے متعلق تقریر فرمائی اور اُس کی تاریخ بیان کی۔ ان مسائل کو لیفرائکش مولوی حاجی عبیدالرحمٰن خاں صاحب شروانی سابق ایم ایل اے۔ حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے تحفۃ المسلمین ترجمہ مسائل اربعین کے نام سے اپنے شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں ۱۹۴۳ء میں ایک نہایت دلچسپ مقدمہ کے ساتھ بار دویم طبع کرایا اور اس مفید کتاب کو چھاپ کر مسلمانوں پر احسان کیا۔

حاجی داؤد خاں کا انتقال اور اُن کے بھائی خانزماں خاں کے حالات

۱۸۶۶ء / ۱۲۸۱ھ میں خداتعالیٰ نے حاجی داؤد خاں کو اس دنیائے دوں سے اٹھا کر اپنے جوار رحمت میں لے لیا۔

سید مقبول عالم مارہروی شاعر نے کیا خوب تاریخ وفات کہی ؎

سالِ غم مقبول رضواں نے کہا　　　ہو گئے داؤد خاں جنّت مکاں

خانزماں خاں مرحوم حاجی داؤد خاں مرحوم کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ ٹھیکم پور میں ۱۷۹۲ء / ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے جبکہ اس خاندان کو نقل مکان وسکونت کئے ہوئے دو سال ہوئے تھے۔ یہ شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کا زمانہ تھا۔ قدرت نے موصوف میں کوٹ کوٹ کر قابلیتیں بھر دی تھیں۔ اُن کے والد مرحوم بازخاں اور بھائی مرحوم حاجی داؤد خاں کی صحبت نے ان کو جلا دے دی۔ حاجی داؤد خاں

کی صدالصدوری اور جج کے زمانہ میں ریاست کا معقول انتظام کیا اور اُن کی واپسی پر پورے طور سے بڑے بھائی کا ہاتھ بٹایا۔ موصوف کو عمارتیں تعمیر کرانے کا شوق تھا بھیکم پور کی گڑھی میں مسجد اور ایک کوٹھی اُن کی یادگار ہیں۔ شرع کی پابندی اور مذہبی اشتغف کا حال اربعین کے تذکرہ سے (جو اوپر آچکا ہے) ثابت ہے۔ یہ بھی اوقات کے بڑے پابند تھے۔ مدبر، باوفا اور لطیف فراج تھے! ادبی ذوق رکھتے تھے۔ دہلی کے شعرا اور اہل قلم سے خط وکتابت رہتی تھی قطب وقت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ خانزماں خاں مرحوم دہلی میں کسی بالاخانہ پر تشریف رکھتے تھے۔ آخری تاجدار مغلیہ بہادر شاہ کی سواری اس کے نیچے سے نکلی آنکھیں دو چار ہوئیں۔ یہ سرو قد تعظیم کے واسطے کھڑے ہو کر نہایت سلیقہ کے ساتھ آداب شاہانہ بجا لائے۔ بادشاہ نے بعد کو معلوم کیا کہ یہ علی گڑھ کے رئیس ہیں۔ اُن کے آداب سلیقہ کو پسند کر کے فرمایش کہلا بھیجی کہ شاہی دربار میں حاضر ہو کر قلمدانِ وزارت سنبھالیں اور جواب کے واسطے دو دن کی مہلت دی۔ خانزماں خاں مرحوم فوراً بھیکم پور واپس آئے اور اپنے بڑے بھائی کو پوری داستان سنا کر اُن سے رائے طلب کی۔ بڑے بھائی نے اُن سے سوال کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے تو ایسا جواب دیا کہ جس کا مطلب تھا کہ ڈوبتی ہوئی کشتی میں بیٹھنا تو ڈوبنا ہے۔ اس رائے کو سن کر داؤد خاں صاحب نے فرمایا "یاراں تم نے ٹھیک کہا"۔ اور نہایت شکریہ کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ خانزماں کی صحت خراب ہے وہ بغرض علاج دہلی گئے ہیں فی الحال معافی دی جائے بعد حصولِ صحت آداب شاہی بجا لائیں گے۔ مگر قاسم ازل نے خانزماں خاں مرحوم کو عمر صرف ۵۶ سال کی دی اور وہ ۱۸۵۵ء میں دنیائے ناپائیدار سے رخصت ہو کر عالم جاودانی کو سدھار گئے (جیسا کہ شجرہ سے واضح ہوگا)۔

حاجی ہدایت اللہ خاں

خانزماں خاں مرحوم نے تین بیٹے چھوڑے یعنی پسر اکبر حاجی ہدایت اللہ خاں مرحوم۔ دوسرے حاجی عبدالشکور خاں عرف منجھلے میاں۔ تیسرے محمد تقی خاں عرف چھوٹے خاں صاحب حاجی ہدایت اللہ خاں

حُسنِ صورت اور حسنِ سیرت میں مشہور تھے۔ انتظامِ ریاست خوب کرتے تھے اور سیاق کی باریکیوں کو خوب سمجھتے تھے۔ ریاست کے ہر بڑے چھوٹے کام پر نظر تھی۔ بہ کفایت شعار حد درجہ کے تھے سادہ زندگی بسر کرنے والے اور ہر فرد خاندان کو اسی کا عملی سبق دیتے تھے اُن کی ریاست کی تحویل ہمیشہ پُر رہی۔ اُن کی کفایت شعاری کی ایک مثال ہے کہ جب وہ حج بیت اللہ شریف کے واسطے گئے اور ریاست کا کام منجھلے میاں مرحوم نے کیا تو آخر الذکر نے سواری کے واسطے ایک فٹن خریدی۔ اور بڑے بھائی کی واپسی کے بعد اُن کے سامنے پیش کیا تو بڑے بھائی نے اعتراض کیا اور اُس کو جلوا دیا اور کہا کہ ان فضول خرچیوں سے ریاست تباہ ہو جاوے گی۔ اُس وقت کا اور اس خیال کا مقابلہ آج کل کی موٹر بازی سے کیا جائے تو آنکھیں کھلتی ہیں۔

ع ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا۔ دورانِ حج میں حاجی ہدایت اللہ خاں مرحوم کا قافلہ لوٹا گیا۔ مگر موصوف نے بڑے صبر اور استقلال سے کام لیا اور دو سال بعد وطن کو واپس ہوئے۔ اُن کی عمر نے وفا نہ کی جوان عمری میں اس دنیا سے "دل" کو چھوڑ گئے۔ سنہ ۱۲۴۵ھ میں پیدائش اور سنہ ۱۲۷۱ھ (مئی سنہ ۱۸۵۵ء) میں وفات ہوئی۔ اُن کے ایک بیٹے محمد خاں تھے جو نابالغی میں اپنے باپ کے سامنے انتقال کر گئے تھے۔ موصوف حاجی صاحب کے انتقال کے بعد ریاست کا کام حاجی عبدالشکور خاں صاحب نے سنبھالا۔

حاجی عبدالشکور خاں عرف "منجھلے میاں"

سنہ ۱۲۴۶ھ (سنہ ۱۸۳۰ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ عربی فارسی کی تعلیم گھر پر انتہائی درجہ تک حاصل کی۔ مذہب کے نہایت پابند، خلق اور مروت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ کار خیر اور غربا پروری نے ریاست کو مقروض رکھا اور ان اخراجات کی وجہ سے اُن کی طبیعت بڑے بھائی مرحوم سے جداگانہ تھی۔ حاجتمندوں کا اُن کے یہاں ہمیشہ ایک مجمع رہتا تھا۔ وہ سائلوں کو پرورش کے خیال سے کئی کئی روز ٹھہراتے تھے اور "ٹھیرو" اُن کا تکیہ کلام تھا۔ غریب طلبا کو وظائف دیتے مگر اپنی قطع وضع اور زندگی

سادہ رکھتے تھے۔ دسترخوان وسیع ہوتا تھا۔ راقم الحروف نے یہ قصے محض سُننے ہی نہیں بلکہ دیکھے ہیں۔ خاص خاص موقعوں اور تقریبات میں بڑا عمامہ اور جبّہ زیب تن رہتا تھا۔ عقائد میں سرسید مرحوم سے اختلاف تھا مگر باوجود اس کے مدرسۃ العلوم کے ٹرسٹی تھے اور ہزاروں روپیہ سے اُس کی مالی امداد کی۔ اُن کے نام نامی کے کتبے اس درسگاہ کی مختلف عمارتوں پر اُن کی فیاضی کی یاد دلاتے ہیں۔ راقم الحروف نے دیکھا کہ جب کالج میں کسی بڑی ہستی کو سپاسنامہ پیش کیا جاتا تو اُس کا ظرف (کاسکٹ) موصوف ہی کے ہاتھوں سے پیش کرایا جاتا تھا۔ سیر چشم اس قدر تھے کہ برادری کے جن پٹھانوں سے مقدمہ بازی رہتی تھی اُن کو اپنے ہی خلاف مقدمہ بازی کے اخراجات کے لئے روپیہ دیتے اور اپنے دسترخوان پر کھانا کھلاتے تھے۔ اس مخیری اور شاہ خرچی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہاں موصوف کے بڑے بھائی مرحوم نے ریاست کی تحویل میں ہزاروں روپیہ اور ہر قسم کی جنس وافر چھوڑی وہاں منجھلے خاں صاحب مرحوم نے اپنے وفات کے وقت ریاست پر تین لاکھ کا قرضہ چھوڑا۔ چھوٹے بھائی محمد تقی خاں مرحوم اور منجھلے خاں صاحب مرحوم میں جو اتحاد و اتفاق تھا وہ ضرب المثل ہے۔ چھوٹے بھائی نے کبھی منجھلے بھائی کی حیات میں نہ ریاست میں دخل دیا اور نہ اُن کی داد و دہش پر اعتراض کیا۔ اُن کے ایک بیٹے (عبدالستار خاں) کی اولاد محجوب الارث ہو چکی تھی مگر منجھلے خاں صاحب مرحوم نے اُن کو اُن کے باپ کے حصہ کی جائداد بذریعہ وصیت دی۔ حج بیت اللہ شریف کو اپنے پوتے حاجی صالح خاں مرحوم اور ایک قافلہ کے ساتھ گئے۔ واپسی میں جدہ میں ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) میں بہ عمر پچھتّر سال انتقال کیا اور وہیں حضرت حوّا علیہا السلام کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ جتنا بڑا قرضہ چھوڑا اس سے زیادہ بڑا نام چھوڑ گئے۔

محمد تقی خاں

موصوف کے چھوٹے بھائی محمد تقی خاں مرحوم (یعنی نواب صدر یار جنگ بہادر حاجی مولانا حبیب الرحمن خاں مرحوم کے پدر بزرگوار) نے اپنے منجھلے بھائی کی حیات میں ہی بھیکم پور سے متصل موضع کھولاؤلی میں ایک گڑھی اور اس

کے اندر خوبصورت عمارتیں اور کوٹھی تعمیر کرائی۔ سدا بہار پائیں باغ نصب کیا جس
کے قلمی انبہ کی بوقلمونی مشہور ہے۔ خوبصورت بارہ دری بنائی اور اس آبادی کا نام
اپنے بیٹے کے نام پر حبیب گنج رکھا۔ اور مع اہل وعیال کے وہاں سکونت اختیار
کی۔ مگر روزانہ منجھلے بھائی مرحوم کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ محمد تقی خاں صاحب
مرحوم کی پیدائش سنہ ۱۲۵۳ھ میں ہوئی تھی۔ یہ آزاد اور شاہی منش اور مرنج مرنجان
قسم کے بزرگ تھے۔ جوانی میں مردانہ ورزشوں اور بنوٹ وغیرہ سے شوق تھا۔
شکار کا ذوق تھا۔ اُردو ادب و شعر سخن سے بھی واقر مناسبت تھی۔ اور دہلی کے
آخری زمانہ کے بعض عمائد (مثلاً مفتی صدرالدین خاں مرحوم، مرزا اسداللہ خاں غالب
مرحوم، حکیم احسن اللہ خاں مرحوم وزیر بادشاہ وغیرہ) اور نواب کلب علی خاں مرحوم
والی ریاست رامپور سے مخلصانہ تعلقات تھے۔ اس صحبت کا اثر خاں صاحب مرحوم
پر آخر دم تک رہا۔ چنانچہ موصوف نے اُردو میں ایک کتاب "سراپا معشوق" چھوڑی
جس میں اُس کے سر سے پاؤں تک جملہ اعضا کے متعلق اساتذہ کے اشعار تھے۔ اس
کا قلمی نسخہ حبیب گنج لائبریری میں موجود ہے۔ متواضع اور خلیق تھے۔ راقم الحروف نے
موصوف کو دیکھا ہے اور اُن کی خدمت میں باریابی سے فائدہ اٹھایا۔ نواب صدر یار جنگ
حبیب الرحمٰن خاں صاحب مرحوم ومغفور کی تعلیم وتربیت ان کے تایا منجھلے خاں صاحب
مرحوم کی نگرانی میں ہوئی اور اس وجہ سے وہ ملک وملت دونوں میں نامور اور
صدر نشیں ہوئے۔ محمد تقی خاں مرحوم نے اپنے منجھلے بھائی کی حیات ہی میں سنہ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء
میں انتقال فرمایا۔ باوجودیکہ منجھلے بھائی سے صرف دو ڈھائی برس چھوٹے تھے۔ مگر بھائی
کا ادب مثل باپ کے کرتے تھے۔ بڑے منتظم تھے۔ باوجود بھائی کا دست نگر ہونے
کے اعلیٰ درجہ کی یکسانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وسمہ اور خضاب روزانہ پابندی سے
ہوتا اور تا دم مرگ جوان معلوم ہوتے تھے۔ معاملات سے بے تعلق رہنے کے
باوجود صائب الرائے تھے۔ شعائر دینیہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔

حاجی عبدالشکور خاں کی اولاد | منجھلے خاں صاحب کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ

تک ریاست کا کام نواب صدر یار جنگ مرحوم کے سپرد رہا اور جس خوبی سے اُس کو انجام دیا اُس کا ذکر آگے آئے گا۔ حاجی عبدالشکور خاں صاحب مرحوم کے پانچ بیٹے تھے عبدالغفور خاں، عبدالجبار خاں، عبدالستار خاں، خلیل الرحمٰن خاں، عبدالجلیل خاں۔ عبدالجبار خاں اور عبدالستار خاں کا انتقال باپ کے سامنے ہوگیا۔ عبدالجبار خاں لاولد رہے۔ عبدالستار خاں کے دو بیٹے عبدالحلیم خاں اور عابد خاں ہوئے۔ عبدالستار خاں حاجی ہوئے۔ عبدالغفور خاں کے بیٹے حاجی صالح خاں مرحوم اور عمر خاں ہوئے۔ خدا تعالیٰ اُن کو عرصہ تک زندہ اور خوش و خرم رکھے۔

مولوی خلیل الرحمٰن خاں

مولوی خلیل الرحمٰن خاں صاحب مرحوم نہایت خلیق اور متواضع تھے اُن کے دم سے بھیکم پور کی گڑھی میں بڑی رونق رہتی تھی منجھلے خاں صاحب مرحوم کی طرح ان کے یہاں بھی غربا اور سائلان کا جمِ غفیر رہتا تھا۔ موصوف نے بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح اپنی ریاست کو مقروض چھوڑا۔ حکومت میں با اثر تھے۔ خان بہادری کا خطاب پایا۔ ایک عرصہ تک اعزازی اسسٹنٹ کلکٹر رہے۔ مگر سود کی ڈگری کبھی نہیں دی۔ مذہب کے پابند تھے اور دسترخوان وسیع رکھتے تھے۔ قلمی انبہ کا باغ لگایا۔ شب بیدار اور عابد زاہد تھے۔ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء میں خدا تعالےٰ نے اُن کو اس دنیا سے اٹھا لیا۔

حاجی صالح خاں

عبدالغفور خاں مرحوم کی دماغی صحت آخر زمانہ میں خراب ہوگئی تھی۔ اُن کے صاحبزادے حاجی صالح خاں مرحوم نے علی گڑھ میں کوٹھی خریدی اور غریب منزل نام رکھا۔ یہ ایک عرصہ تک آنریری مجسٹریٹ رہے۔ علی گڑھ میں سکونت اختیار کی اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر رہے۔ یونیورسٹی کے معاملات میں عملی حصہ لیتے تھے۔ داد و دہش خیرات کرتے ہیں اور لوگوں کو بڑی بڑی دعوتیں کھلاتے ہیں خاندانی روایت کو قایم رکھا۔ بہت سے نادار طلبہ کو وظائف دے کر اور اُن کے اخراجات کی کفالت کرکے تعلیم دلائی۔ اپنے دادا حاجی عبدالشکور خاں صاحب مرحوم کے ساتھ حج کیا تھا۔ حاجی یعقوب خاں صاحب

رئیس دتاولی کی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی ایک لڑکی ہوئی۔ ماں بیٹی کے انتقال کے بعد دوسری شادی حسن پور میں کی۔ لاولد رہے۔ بزرگانِ دین کے معتقد اور اُن کے اعراس میں حاضر ہوتے تھے۔

محمد عمر خاں عبدالصبور خاں

موصوف کے انتقال کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی محمد عمر خاں صاحب نے ریاست کا کام سنبھالا۔ انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ طرح طرح کے کھانے پکانے میں ماہر ہیں۔ طب میں بھی کچھ دخل ہے اور نیم حکیم ہیں۔ ریاست کا کام اپنے صاحبزادے عبدالصبور خاں صاحب بی اے کے سپرد کر دیا ہے مگر موجودہ حکومت نے اس بڑی اور دیگر ریاستوں کو ختم کر دیا۔ عبدالصبور خاں بی اے مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر باوقعت اور منتظم ہیں۔

حافظ عبدالحلیم خاں و عابد خاں

حاجی عبدالستار خاں مرحوم ابن حاجی عبدالشکور خاں کے بڑے بیٹے حافظ عبدالحلیم خاں کا انتقال جوان عمری میں ہو گیا۔ لاولد رہے۔ فارسی زبان میں اچھی استعداد رکھتے تھے خوش خط تھے اور ہنس مکھ مگر افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ راقم الحروف کو موصوف کی صحبت کا لطف عمر بھر یاد رہے گا۔ اُن سے چھوٹے بھائی راقم الحروف کے کرم فرما عابد خاں صاحب مرحوم تھے۔ نہایت خوش خوراک خوش پوشاک اور خوش انتظام تھے متواضع تھے۔ احباب کا مجمع رہتا تھا۔ دسترخوان وسیع اور پُر لطف۔ حکام میں با اثر۔ غریبوں کا بہت کام اُن سے چلتا تھا۔ علی گڑھ ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر اور صوبہ کی آئین ساز اسمبلی کے ممبر ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر رہے۔ اسمبلی میں وزیر اعظم سے لے کر ممبران تک اُن کی بذلہ سنجی اور صاف گوئی سے لطف اُٹھاتے تھے۔ خاندان کے ارکان میں چند سے تعلقات کشیدہ رہتے تھے۔ لاولد رہے پچپن چھپن سال کی عمر میں جنوری ۱۹۴۱ء میں انتقال کیا ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

غلام احمد خاں و عنایت اللہ خاں

خاندان بھیکم پور میں خان زماں خاں مرحوم کے بڑے بھائی داؤد خاں مرحوم کا ذکر ہم نے

اوپر کیا ہے۔ آخر الذکر کے دو بیٹے تھے یعنی غلام احمد خاں اور عنایت اللہ خاں۔ عنایت اللہ
خاں نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ مگر اپنے حقیقی بھتیجے
نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی تربیت اور تعلیم کی نگرانی عنایت اللہ خاں مرحوم
نے ہی کی۔ علاوہ پابند مذہب ہونے کے یہ بڑے علم دوست اور سر سید مرحوم کے
حامی اور مددگار تھے۔ بڑی بڑی رقمیں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو دیں اور تعمیرات کے
اخراجات میں بڑا حصہ لیا جیسا کہ اُن کتبہ جات سے ثابت ہے جو مسلم یونیورسٹی کی مختلف
عمارتوں پر ہیں۔ ایک بڑا چاہ پختہ "بیر عنایت" کے نام سے تعمیر کرایا جس پر کتبہ موجود
ہے اور جس کی تاریخ ہے "حفر بیر من عنایت اللہ"۔ سائنٹفک سوسائٹی (حال ذی اخل طلبیہ
کالج) کے باغ (سوسائٹی گارڈن) میں ایک خوبصورت فوارہ اپنے صرفہ سے لگوایا جس پر
سر سید مرحوم نے اُبھرے ہوئے حروف میں نہایت موزوں ادیبانہ عبارت کندہ کرائی۔
وہ اب نہایت مبتذل حالت میں دفتر انجینیری کے سامنے پڑا آہ آہ آنسو رو رہا ہے
عنایت اللہ خاں مرحوم کو خاندان شروانی کی تاریخ اور اُن کے حالات کی تحقیقات
کرنے کا بھی شوق تھا۔ موصوف کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ نواب بہادر حاجی سر
مزمل اللہ خاں کو اوائل عمری سے مدرسۃ العلوم سے وابستگی اور اس کے ساتھ تعلقات
پیدا ہوئے جو آخر دم تک قائم رہے۔ سنہ ۱۲۳۵ھ میں باز خاں مرحوم مورث خاندان بھیکم پور
کے انتقال کے بعد سنہ ۱۸۳ء تک ریاست مشترک رہی۔

تقسیم ریاست بھیکم پور

اس سال باہمی رضامندی سے سب سے اول غلام
محمد خاں مرحوم ابن باز خاں مرحوم مورث خاندان اود
کا ترکہ تقسیم ہو کر علیحدہ ہوا اور ریاست دادوں کی بنا پڑی اس کے چند سال بعد
عنایت اللہ خاں اور اُن کے بھائی غلام احمد خاں مرحوم کا حصہ خاندان حسنال
مرحوم سے تقسیم ہو کر علیحدہ ہوا مگر گڑھی کی عمارتیں مشترک رہیں۔
مکانات کی تقسیم کا سلسلہ سنہ ۱۸۹۴ء کے لگ بھگ شروع ہوا اور ایک پنچایت
کے ذریعہ سے طے ہو گیا۔ نواب صدر یار جنگ۔ مولوی حبیب الرحمن خاں مرحوم نے

اپنی کتاب "مقالات شروانی" کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے کہ باز خاں مرحوم کے انتقال کے چھ سات سال بعد یعنی ۱۲۴۱ھ میں مشترکہ ریاست میں کل پینسٹھ ۶۵ مواضعات ہر قسم کی زمینداری کے تھے۔ جن کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ گیارہ ہزار تھی۔ اس حالت کا مقابلہ اگر اُس وقت سے کیا جاوے جبکہ خاندان بھیکم پور کو جاٹوں نے خارج البلد کیا تو معلوم ہوگا کہ باز خاں مرحوم اور اُن کے خاندان نے حالت سنبھال کر کس قدر ترقی کی تھی۔ اس کی تائید ہمارے اُس بیان سے بھی ہوتی ہے جو ہم نے حکومت انگریزی کے اوائل میں متاجری اور ضامنی کی بابتہ اوپر درج کیا ہے۔ اور جس میں دکھایا ہے کہ اس ریاست میں اضافہ اور ترقی کس طرح ہوئی ہے۔ آر ہچنسن (HOTCHINSON) بی۔ سی۔ ایس نے اپنی کتاب "اعداد و شمار متعلقہ علی گڑھ بابتہ ۱۸۳۳ء لغایت ۱۸۵۶ء" میں دکھایا ہے کہ ان سنین کے درمیان تعلقہ بھموری نامہ (ریاست بھیکم پور) کی مالگزاری بیالیس ہزار تین سو تیرہ ۴۲۳۱۳ روپیہ تھی۔ یہ تعداد قریب قریب وہی ہے جو نواب صدر یار جنگ مرحوم نے اپنی کتاب محولہ بالا میں دکھائی ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حسن انتظام سے زمانہ حال میں یہ آمدنی چوگنی پچگنی ہوگئی مگر موجودہ حکومت کے ہاتھوں منسوخی زمینداری کے سلسلہ میں یہ قریب قریب سب غائب ہوگئی آیندہ کا علم صرف عالم الغیب والشہادۃ کو ہے۔ ہچنسن مذکورہ بالا نے اپنی کتاب محولہ بالا میں ۱۸۳۳ء کی تشخیص شدہ جو مالگزاری دکھائی ہے اُس میں اور آج کل کی جمع میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ویسی ہی حالت شروانی دیہات کی مردم شماری میں اضافہ کی ہوئی۔ اس کتاب نے دیہات بہرلہ شہرہ، قطب پور، موہرپور، مداپور، پدھلاتی، بہرام پور، پیرورہ، دتاولی، بھیکم پور، رسول پور، چھوٹ پور، دادوں، سالارپور، دھنساری، ساکرا اور لہرا سلیم پور کی مردم شماری کے اعداد دیئے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ بالتوجوتنے کے لئے کافی اراضی نہیں ہے اور کسی کے پاس بہت زیادہ اور کسی کے پاس کم اراضی یا بالکل نہیں۔ نئی تعداد [illegible] کاشتکاروں کے رقبہ جات میں بھی ردوبدل [illegible]

عزل ونصب ہو، کس کل اونٹ بیٹھے۔

نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں

نواب بہادر سر حاجی مزمل اللہ خاں اور نواب صدر یار جنگ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں مرحومین کے حالات بیان کرنے کے واسطے ایک علیحدہ مبسوط اور ضخیم کتاب چاہئے۔ تفصیلات کے واسطے اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ مگر ان حضرات کے تذکروں کے بغیر یہ کتاب بالکل ہی نامکمل رہے گی۔ ابتدائی زمانہ کے عمر خاں شروانی اور اُن کے رفقائے کار اور حال کے زمانہ کے داؤد خاں مورث خاندان بھیکم پور کی اور ان دونوں حضرات کی اور خاندان دتاولی میں فیض احمد خاں مرحوم کی اور اُن کے بیٹوں کی کاوشیں ایسی ہیں کہ انہوں نے شروانیوں کی تاریخ پر بڑا اثر ڈالا۔ صرف اس ابتدائی اور آخری جدوجہد کی نوعیت میں فرق ہے۔ ان حضرات کی وجہ سے شروانیوں کی تاریخ پھر روشن ہوئی۔ انہوں نے عمر خاں شروانی کے خاندان کے واقعات کو یاد دلا کر اُجاگر کیا ہم از روئے تیمن نواب بہادر سر حاجی مزمل اللہ خاں اور نواب صدر یار جنگ مولانا حاجی حبیب الرحمٰن خاں مرحومین کے متعلق صرف چیدہ چیدہ واقعات کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اول الذکر سنہ ۱۸۶۵ء میں اپنے آبائی قلعہ بھیکم پور میں پیدا ہوئے۔ اسی سال کے آخر میں موصوف کے دادا حاجی داؤد خاں صاحب اس دنیا سے سدھار گئے۔ نواب صاحب بہادر مرحوم کی بسم اللہ پانچ سال کی عمر میں ہوئی۔ مولوی [illegible] ساکن [illegible] پوری [illegible]

[illegible]

نواب صاحب موصوف نے اپنی خداداد ذہانت اور قوی حافظہ سے عربی فارسی میں جلد مہارت کامل حاصل کر لی۔ مگر بعد کو انگریزی بھی ادھیڑ عمر میں اس درجہ کی [illegible] زبان میں بلا تکلف تقریر اور تحریر فرماتے تھے۔ آخری زمانہ میں موصوف کے مشاغل اور انگریزوں اور انگریزی داں اصحاب کی صحبت نے ان میں جلا دیدی۔ اپنی آبائی زمین پشتوں سے [illegible] دادا مرحوم کی طرح [illegible]

اور فصیح شہری پشتو بولتے تھے۔ شاعری میں ذوق تھا۔ فارسی زبان میں ایرانی شاعر سنجر اور اُردو میں استاد داغ سے تلمذ تھا۔ فارسی کے کلام کے دوران میں کوئی مصرعے عربی میں بھی ضم کر دیتے تھے۔ موصوف کا کلام کلیات کی دیدہ زیب صورت میں اُن کے انتقال کے بعد ۱۹۴۱ء میں نواب صدر یار جنگ مرحوم نے مولوی مقتدی خاں شروانی کی ترتیب سے شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ سے شائع کرایا۔ کم گو مگر نغز گو شاعر تھے خود ہی فرمایا ہے کہ ؎

سہ ماہ بیش نیست کہ من شعر گفتہ ام | ہرگز نہ گفتہ مثنوی و نے دیر سالیم
حاشا کہ لاف شعر و بلاغت سزد مرا | فردوسیم نہ سعدیم و نے ہلالیم

شعر گوئی کے ساتھ شیر افگن بھی تھے شکار سے ذوق اور گھوڑے کی سواری سے شوق تھا۔ ممدوح کی عمر قریب ۱۲ سال کی تھی کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور اُن کے شفیق چچا عنایت اللہ خاں مرحوم بھی جن کی نگرانی اور تربیت میں نواب صاحب جوان ہوئے اس دُنیا سے اُٹھ گئے۔ اپنے بڑے بھائی احمد سعید خاں مرحوم کی شرکت میں ریاست کا کام سنبھالا۔ آخر الذکر قطع وضع میں ابتدائی پٹھانوں کی شان رکھتے تھے۔ بارعب اور منتظم زمیندار ہونے کے علاوہ تجارت میں بھی درک و دخل تھا۔ نواب صاحب موصوف کی ذہانت، انتظامی قابلیت اور اپنے کاروبار پر توجہ اس سے ثابت ہے کہ موروثی ترکہ کی تقسیم کے وقت اُن کا منافع بروایت خود بارہ ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ نہ تھا مگر انتقال کے وقت باوجود کثیر داد و دہش کے زمینداری اور تجارت اور کرایہ جات وغیرہ سے سالانہ منافع تین لاکھ روپیہ سے اوپر چھوڑا۔ اُن کا اقبال زوروں پر تھا۔ وہ قسمت کے دھنی تھے مٹی پکڑتے تو اُن کے ہاتھ میں سونا ہو جاتا۔ جو رائے قائم کرتے اُس پر عمل کرتے [illegible] کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے فیضی کا یہ قول موصوف کے حسب حال تھا ؎

در دہر نو حسرو و بیگانہ | چیدم گل [illegible]
از ہم من و گذشتہ [illegible] | دوزم [illegible]

علاوہ حصول زمینداری کے سکنی جائداد میں معتدبہ اضافہ کیا۔ تجارت کی منڈیاں گنج بازار
اور روئی کے پریس اور الیکٹرو پلیٹ کے کارخانہ سے تمتع حاصل کیا۔ ۱۹۱۰ء کے لگ بھگ
آبائی گڈھی بھیکم پور سے ترک سکونت کرکے اُس کے بالکل متصل جدید قلعہ تعمیر کرایا
جس میں عالی شان عمارتیں اور خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ قلمی انبہ کے باغ لگائے۔
قلعہ جدید کے قریب روشنی اور دیہات میں آبپاشی کے واسطے بجلی کے انجن لگائے
جن سے زرخیزی میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کے قریب ایک وسیع احاطہ
میں شاندار کوٹھی مزمل منزل کے نام سے تعمیر کرائی۔ وسیع پائیں باغ لگایا اور یہاں بھی
خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ علی گڑھ کی نمائش کے بازار گاہ پر اُن کے نام نامی کی یاد
موصوف کا تعمیر کرایا ہوا خوبصورت "مزمل گیٹ" ہمیشہ دلاتا رہے گا۔ وسط شہر علی گڑھ
میں مزمل گنج نے یہاں کی تجارت کو فروغ دیا۔ راقم الحروف نے خود دیکھا ہے کہ باوجود
منصرم، کارندگان اور کثیر عملہ رکھنے کے موصوف کی نظر اور توجہ ریاست اور کاروبار
کے چھوٹی جزئیات اور تفصیلات پر ایسی ہی تھی جیسے کہ بڑے معاملات پر۔ موصوف
کی زمینداری کے مواضعات اضلاع علی گڑھ۔ ایٹہ وغیرہ میں دور دور تک پھیلے
ہوئے تھے مگر خبر رسانی کا سلسلہ ایسا رکھا تھا کہ ذرا ذرا بات کی اطلاع موصوف تک
پہونچتی تھی۔ اور اپنے غیر معمولی حافظہ کی بنا پر اپنی رعایا میں سے ہر کس و ناکس سے
واقف تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عید الفطر کے بعد راقم الحروف موصوف کی
خدمت میں حاضر تھا۔ ہزاروں کاشتکاران اور متوسلین کا مجمع قلعہ جدید میں عید
کی مبارکباد دینے کے واسطے موجود تھا۔ موصوف ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی
سے پیش آتے اور اُس کے اور اُس کے خاندان کی خیریت دریافت کرتے اور بہت سوں
کے نام بتاتے جاتے تھے موصوف کی ملی اور ملکی خدمات کی بابت یہ رائے قائم
کرنا مشکل ہے کہ کہاں سے شروع کی جاویں اور کہاں ختم۔ ان خدمات کا جو آب زر
سے لکھنے کے قابل ہیں دین اور دنیا دونوں سے تعلق تھا۔ ۳۹-۱۹۳۸ء میں راقم الحروف
نے حرم شریف مکہ معظمہ کو روشنی پہونچانے کے واسطے موصوف کا عطا کیا ہوا بجلی کا انجن

خود دیکھا۔ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اور جدّہ کے عرب مرحوم کے مصارف خیرات و جود و عطا
پر رطب اللسان تھے۔ ملک معظم ابن سعود نے موصوف کو بیش قیمت خلعت عطا کیا۔
ہندوستان بھر کے مصارف خیر میں جو موصوف نے بڑا حصہ لیا اُن میں سب کا اوّل نمبر
مدرسۃ العلوم اور مسلم یونیورسٹی کا ہے۔ موصوف شروع سے کالج کے ٹرسٹی اور
سرسید علیہ الرحمۃ اور اُن کے جانشینان کے دست راست رہے کچھ عرصہ تک
وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی اور اُس کے ریکٹر رہے۔ آخری عہدہ کے لئے شرط
ہے کہ صرف وہ اصحاب ریکٹر ہو سکتے ہیں جن کے عطیے ایک لاکھ روپیہ سے کم نہ ہوں
نواب ممتاز الدولہ سر فیاض علی خاں مرحوم کے بعد نواب صاحب موصوف کچھ عرصہ ٹرسٹیوں
کے بورڈ کے صدر رہے۔ جب سرسید مرحوم اور سمیع اللہ خاں مرحوم میں کالج کے
معاملات کے بابتہ اختلاف ہوا تو نواب صاحب موصوف نے سرسید کا ساتھ دیا۔
اس کے بعد سنہ ۱۹۰۸-۹ء میں جب سکرٹری نواب وقار الملک مرحوم اور صوبہ کے گورنر
سرجان ہیوٹ اس وقت کے بڑے زوردار لفٹننٹ گورنر میں کچھ بدمزگی ہوئی تو نواب
مزمل اللہ خاں مرحوم نے اُس کے سلجھانے میں بہت حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔
موصوف کے عطیہ جات کی مقدار لاکھوں روپیہ تک پہنچتی ہے اور اُس کی
تفصیل غیر ضروری ہے۔ موصوف کے عطیہ کی آمدنی سے مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور حال کی
مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کو ایف اے سے لیکر ایم اے تک مخصوص مضامین کے امتحانات
میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے پر سنہری تمغہ جات دئے جاتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کی مختلف
عمارتوں پر موصوف کے نام نامی کے کتبہ جات اُن کی فیاضی کی یاد دلاتے ہیں۔
مسلم گرلس کالج علی گڑھ اور سٹی مسلم ہائی اسکول موصوف کی مالی امداد کے
مرہون منت ہیں۔ ہمارے گھر کا مدرسہ شیروانی اسکول چھرہ ضلع علی گڑھ (جو بدقسمتی
سے چند ہی روز زندہ رہا) موصوف کی امداد سے محروم نہیں رہا ؎

راستی خاتم فیروزہ بو اسحاقی
خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

اور اسی مدرسہ کے ایک سالانہ جلسہ میں موصوف نے اپنی فارسی کی بلیغ نظم
سنائی تھی جس میں شروانیوں کا مدوجزر تھا۔ مگر جلد چند وجوہ سے موصوف نے اس
درسگاہ پر توجہ دیگر افراد خاندان کے واسطے چھوڑ دی تھی۔ علی گڑھ ہی پر کیا منحصر
ہے، بیرونجات کے اداروں مساجد، مدارس اور انجمنوں نے بھی مرحوم کی کشادہ دستی
دل فیاضی سے فائدہ اُٹھایا۔ اُن میں اسلامیہ کالج اٹاوہ کی ایک شاندار دارالاقامہ
مرحوم کی یادگار ہے۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ کی مسجد اُن کا صدقہ جاریہ ہے۔ مسلم
میواتی ہائی اسکول گوڑگانوں (جس کے جلسے میں مرحوم نواب صاحب ایک مرتبہ شریک
ہوئے) اسلامیہ اسکول سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ مسلم ہوسٹل الہ آباد یونیورسٹی جامع مسجد
علی گڑھ، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ، کنگ جارج میڈیکل کالج
وشن کالج لکھنؤ، شفاخانہ امراض چشم رجال گاندھی آئی ہاسپٹل علی گڑھ وغیرہ موصوف
کی مالی امداد سے مستفید ہوئے۔ موصوف صوبہ کی بڑی بڑی سرکاری
کمیٹیوں کے اور حکومت ہند کے کمیٹیوں کے سرگرم رکن رہے۔ علی گڑھ
ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایک عرصہ تک اول صدر [illegible] رہے ان کے ساتھ
رہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کو بڑی بڑی رقوم اپنے پاس سے عطا
کیں اور سڑکیں بنوائیں۔ باوجود بڑی ریاست کے انتظام
اور عدیم الفرصتی کے ایک عرصہ تک اسپیشل مجسٹریٹ درجہ
اوّل رہے۔ یہ درجہ اوّل کیا تھا بلکہ درجہ خاص [illegible] تھا کیونکہ
موصوف کو کچھ دن تک اعزازی طور پر تحصیل اترولی کے حاکم پرگنہ کی خدمات انجام
دینا پڑیں۔ جو لوگ عدیم الفرصتی کی شکایت کرتے ہیں وہ مرحوم کی زندگی سے سبق
سیکھیں۔ لطف اور حیرت کی بات یہ ہے کہ قلعہ جدید بھیکم پور [illegible] اور موصوف کی کوٹھی
[illegible] منزل علی گڑھ میں احباب اور افسران حکومت اور [illegible] مجمع رہتے تھے [illegible]
پارٹیوں، مصروفیتوں کی بھرمار اور فیاضی مہمانداری رہتی تھی۔ مگر مرحوم ہیں کہ خندہ
پیشانی کے ساتھ ان دنیاوی کاموں اور خدا کی عبادت کے لئے وقت نکالتے تھے

یہ سُنی ہوئی باتیں نہیں بلکہ راقم الحروف کا مشاہدہ ہے۔

بالآخر اس دنیا میں بھی توشۂ آخرت (یعنی حج بیت اللہ شریف کے علاوہ) خدا تعالےٰ نے موصوف کو صلہ دیا۔ اُن کی خدمات قبول ہوئیں ملک اور حکومت نے موصوف کی قدر افزائی کی۔ وقتاً فوقتاً اور درجہ بدرجہ خطابات اور بیش قیمت خلعت اور تلوار سے سرفراز کیا آخری خطابات نواب بہادر (نسلاً بعد نسلٍ نواب) اور کے سی۔ آئی ای نے ابتدائی خطابات (خان بہادر اور او۔ بی۔ ای) کو بھلا دیا۔ ان سب سے بڑھ کر یہ عزت حاصل ہوئی کہ سنہ ۱۹۳۰ء میں حکومت نے موصوف کو صوبہ کی ہوم ممبری (وزیر امور داخلیہ) کے عہدہ پر مقرر کیا اور اپنے نظر انتخاب کی داد دی۔ موصوف نے ایک عرصہ تک اس عہدہ کے بھی فرائض انجام دیئے اور اپنی ریاست کی بھی نگرانی رکھی۔ اس زمانہ میں بلا قید ملت و مذہب اور قوم کے بہت سے حاجتمندوں کی حاجت روائی کی۔ اپنے اثر سے کام لیکر سرکاری جیلوں میں محبوس سیاسی قیدیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرایا۔ موصوف کی جو سب سے بڑی خدمت یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اپنے خاندان کے اور غیر خاندان کے لوگوں کو جو قرضوں کے جال میں پھنسے ہوئے تھے مہاجنوں کے شکنجے سے رہائی دلائی۔ اُن کی جائدادوں کو مراعات کے ساتھ اپنے یہاں رہن رکھا اور اُن سے ٹھیکے لئے قرضے بلاسودی دیئے۔ اور مقروض حضرات اور اُن کی اولاد کے واسطے خورد و نوش کا انتظام کیا۔ اس سیر چشمی کی زندہ مثالیں شیروانی ریاست بوڑھ گاؤں اور لال قانی ریاست پہاسو ضلع بلند شہر ہیں۔

بلا اتر الذکر کے معاملہ میں تو بہت بڑا مالی اور قانونی خطرہ اپنے سر لیا اور پھر اُن کو چند سال بعد بڑے کھاتے کے ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ نواب صاحب مرحوم ہی کا دل گردہ تھا جو اکثر مِن سے ایک پریشان اور ضرورتمند بڑے سیٹھ کو (جس کا فوراً دیوالہ نکلنے والا تھا) اُس کی زبانی درخواست پر اور یہ سمجھتے ہوئے کہ معلوم نہیں آئندہ اُن سے کچھ وصول بھی ہو سکیگا یا نہ ہو سکیگا بلا کفالت بہت سے ایک لاکھ روپیہ کا بیعانہ

دیے دیا ہے

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

کا مضمون ہوا۔ دنیا کی زبان تو کسی نے روکی نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نواب صاحب
مرحوم نے اپنے مفاد کے واسطے جائدادوں کو اپنے یہاں رہن یا ٹھیکہ پر رکھا اور
اُن سے مالی فائدہ اٹھایا۔ مگر دماغی توازن قائم رکھنے والے حضرات کو یہ بھی
سوچنا چاہیے کہ اگر ان کارروائیوں میں نواب صاحب مرحوم کا فائدہ تھا تو اُس
سے زیادہ دوسرے فریق کا تھا۔ مگر پھر کسی کی جائداد اپنے ہی گھر میں رہے تو بہتر
ہے یا کسی غیر کے ہاتھوں میں جائے جیسے کہ بہت سے شیروانیوں کی جائدادیں غیروں
کے قبضہ میں پہونچیں۔ بے عیب ذات پاک خدا تعالےٰ کی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا
کہ نواب صاحب موصوف سے بعض لوگوں کو شکایت پیدا نہ ہوتی تھی یا نہ ہوئی،
یا موصوف حصول زمینداری و تقسیم منافعہ میں سخت گیر نہ تھے مگر اسی کے ساتھ ایک
ہاتھ سے لیتے تو دوسرے ہاتھ سے اُس سے زیادہ دیتے تھے۔ مرحوم کے اچھے
اوصاف اور نیکیوں کا پلہ بہت بھاری تھا اور خدا تعالیٰ کی بخشش سے اُمید ہے کہ
عاقبت میں بھی بھاری رہے گا۔

نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی اولاد

مرحوم کی کئی چھوٹی بڑی اولاد دنیا
اُن کی زندگی ہی میں اُٹھ گئی
[illegible] سب سے بڑے بیٹے اسعد اللہ خاں مرحوم
رخصت ہو کر اُن کو داغ مفارقت دے گئیں۔ [illegible]
[illegible] میاں [illegible] قائم ہوا۔ [illegible]
[illegible] نواب صاحب
برس کی عمر میں نواب صاحب مرحوم کی حیات ہی میں [illegible]
مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی [illegible] نزہت شیروانیہ ایک عالم فاضل اور اعلیٰ
پایہ کی شاعرہ تھیں جو ان عمری میں [illegible] انتقال کر گئیں۔ ان قبل از وقت اور
پر ملال موتوں سے نواب صاحب موصوف کی [illegible] بیگم صاحبہ کو بھی صدمہ
ہوا۔ نزہت شیروانیہ سے خاندان شیروانی کا نام روشن تھا۔ اُن کا کلام دنیا

فلسفیانہ اور دل میں اُتر جانے والا تھا۔ مرحومہ نے ایک اپنے اردو فارسی کے کلام کا دیوان "فردوسِ تخیل" کے نام سے چھوڑا ہے۔ نمونہ کے طور پر ہم مرحومہ کے دو چار شعر پیش کرتے ہیں تاکہ اُن کی طبیعت اور کلام کا اندازہ ہو جائے۔ فرماتی ہیں :-

بینائی سے تھی محروم نظر پردہ میں نہاں تھا نور ترا　　جب آنکھ سے نکلی گرد خودی اُس دم نظر آیا نور ترا
سبحانک یا ذوالمجد پڑھے غفرانک اللّٰہم کہے　　ہر ذرۂ بے مایہ [illegible] یا رب خدا ذکر ترا

دیگر

باید اکنوں رونقِ محفل شود تنویرِ ما　　باید اکنوں نیستِ انجم شود تقصیرِ ما
اہلش دانیم اگر ناصح کند آہنگِ پند　　جاہلش خوانیم اگر واعظ کند تکفیرِ ما

گرہ شعرِ حافظ رحمہ :-

ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما

نزہت مرحومہ کی بڑی بہن بھی شاعرہ ہیں نکہت تخلص کرتی ہیں۔ یہ بھی ماشاء اللہ بڑی پڑھی لکھی ہیں۔ مگر اب دماغی عارضہ کی وجہ سے اُن کی صحت اچھی نہیں اور شعرگوئی کا سلسلہ عرصہ سے بند ہے اور دیوان اسی خوشِ دماغی کی نذر ہوا۔ موصوفہ کے دو اشعار ملاحظہ کیجئے :-

محو جب دل سے خیالِ ماسوا ہو جائے گا　　ہم خدا کے ہوں گے اور اپنا خدا ہو جائے گا
بارِ احسانِ مسیحا سر پہ لے میری بلا　　درد جب حد سے بڑھے گا خود دوا ہو جائے گا

موصوفہ کی شادی خان بہادر عبدالمقیت خاں صاحب رئیس پوڑہ گاؤں کے ساتھ ہوئی اور ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ نعیم اللہ خاں عرف نعمت میاں اور تین شادی شدہ صاحبزادیاں ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سب کو خوش و خرم [illegible] نواب صاحب بہادر مرحوم کے ایک صاحبزادے نواب رحمت اللہ خاں عرف چھاتا میاں ہیں۔ ان کی عمر نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے وقت [illegible] تقریباً دس سال کی تھی۔ اب ماشاء اللہ شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں مولوی

صاحب رئیس دادوں کی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی۔ حیات میاں موصوف ماشاءاللہ
بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ جوان صالح۔ سنجیدہ۔ متین حلیم الطبع صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ اور خاندانی
روایت کے مطابق (مطالعہ کے ساتھ) شکار کے بھی شائق۔ موصوف سے اس ناچیز
کتاب کی طباعت اور اشاعت میں ہم کو بڑی مدد ملی۔ نواب حیات میاں کی چھوٹی
(خود میاں موصوف سے بڑی) ہمشیر کی شادی مسٹر غلام السطین عرف افضال میاں
ابن مولوی حاجی محمد جان خاں کے ساتھ ہوئی اور وہ بھی ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں
خدا تعالیٰ ان سب کو خوش وخرم اور کامیاب رکھے۔ نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم
نے اس اولاد کے علاوہ سب سے بڑی اولاد اپنا کام اور کام سے نام چھوڑا ہے
جو ابد تک روشن رہے گا انشاءاللہ۔

نواب صدر یار جنگ

نواب صدر یار جنگ حاجی مولانا ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خاں
صاحب مرحوم کے بارہ میں ہمارے لئے کچھ عرض کرنا
چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ خود مرحوم نے اپنی کتاب "مقالات شروانی" (مطبوعہ ۱۹۴۷ء
ترتیب ونگرانی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی بلونوی) میں اپنی زندگی کے کئی ایک
پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر مرحوم کے انتقال پُرملال کے بعد کئی ایک فاضل
اور قابل حضرات نے اُن کے سوانح حیات کو اخبار جمہور مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء کے
صدر یار جنگ نمبر میں (جس کو بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ اس اخبار کے قابل
نگراں مولوی عبدالشاہد خاں شروانی اورینٹل اسسٹنٹ لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی
اور مرحوم کے پوتے ریاض الرحمٰن خاں شروانی ایم اے نے مرتب کیا) وضاحت کے
ساتھ قلمبند کیا ہے جس کے سامنے ہمارے اس مختصر سے بیان کی کیا حقیقت ہے۔
مگر اس جذبہ کے ماتحت جس کا اظہار ہم نے اوپر کیا ہے اور اس شفقت بزرگانہ کا جو
مرحوم نے ہمیشہ راقم الحروف کے ساتھ برتی لحاظ کرکے اور نیز شروانیان سلف و
حال کے متعلق حالات کو یکجا کرنے اور قلمبند کرنے کے بارے میں مرحوم کی تاکید آمیز
ہدایتوں کا خیال کرکے ہم بھی اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے مرحوم کے متعلق کچھ عرض کرنے کا ارا

حاصل کرتے ہیں۔ اور افسوس اس امر کا ہے کہ یہ کتاب شروانی نامہ مرحوم کی زندگی میں چند دقّتوں کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی۔

مرحوم سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق سنہ ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے اور اگست سنہ ۱۹۵۰ء مطابق سنہ ۱۳۶۹ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے اور ۸۴ سال کی عمر پائی۔

موصوف کے مورثوں کے اور موصوف کے زمانہ میں زمین آسمان کا فرق تھا مگر وہ پُرانی تہذیب اور شائستگی اور حال کی سوسائٹی اور طرزِ معاشرت کا ایسا مجموعہ تھے جس سے پتہ لگانا مشکل تھا کہ پُرانی تہذیب کہاں ختم ہوئی اور نئی شائستگی کہاں شروع ہوئی۔ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت میں ایک دوسرے کو فوقیت نہیں دی جا سکتی اوّل الذکر کے متعلق خود مرحوم کا یہ شعر ؎

ہے جھلک حسنِ خود آرا کی تری حیرت میں
رشکِ صد آئینہ حسرت ہے یہ صورت تیری

صادق آتا ہے حسنِ سیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پسِ مردن بھی وہ دُنیا کے محبوب ہیں اور آخرت میں اُن کے جنت نصیب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مرحوم مغفور نے اپنے حالات دربارہ تعلیم خاندان، انتظامِ ریاست اور تقسیم ترکہ خود اپنی کتاب "مقالاتِ شروانی" کے صفحات ۲۲ لغایت ۲۹ پر مختصراً قلمبند فرمائے ہیں۔ ہم اُن سے بہتر تحریر نہیں کر سکتے ہم صرف اس قدر اضافہ کریں گے کہ مرحوم نے اپنی بابت کسرِ نفسی سے کام لیا ہے در اصل یہ حالات اُن سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے جو کتاب مذکور میں درج ہیں۔ اس خیال سے کہ شاید کتاب مذکور کو راقم الحروف کی اس ناچیز کتاب کے پڑھنے والوں نے نہ دیکھا ہو ہم چیدہ چیدہ حالات موصوف کی قلمبند کی ہوئی یادداشت سے لیکر پیش کرتے ہیں جن کے مستند ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ مولوی سید حسن شاہ رامپوری (جو کاملانِ رامپور میں سے تھے) موصوف کو بسم اللہ پڑھائی بعدہٗ میر فرزند علی ساکن مارہرہ نے قرآن شریف پڑھایا اور فارسی کی تعلیم دی اور خطاطی کی مشق کرائی۔

اس قادیان کی تعلیم کو حکیم سلیم اللہ کولوی نے جاری رکھا۔ مولانا سید اکبر صاحب پشاوری نے عربی شروع کرائی۔ اور اس کو مولوی غلام محمد صاحب پنجابی نے آگے بڑھایا۔ ادب، منطق، نحو، فقہ، حدیث میں موصوف نے خاصی ترقی کی۔ فاضل اور کامل مولوی عبدالغنی خاں صاحب مرحوم قائم گنجی سے جو استاذ العلما محقق لطف اللہ رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور خود بڑے علما میں شمار کیے جاتے تھے اور مسائل میراث میں یکتائے فن تھے، موصوف نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد استاذ العلما مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم کولوی کے سامنے زانوئے تعلم تہ کیا۔ حدیث کی سماعت اپنے پیر و مرشد مولانا فضل الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ گنج مرادآبادی اور قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم پانی پتی سے بھی کی۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں حاضری کے دوران میں مشہور قراء سے قرأت میں استفادہ حاصل کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ من المہد الی اللحد اپنے علم و فضل میں اضافہ ہی کرتے رہے جیسا کہ مرحوم کی کثیر تصنیفات اور ان کی پر مغز تقاریر سے بخوبی ثابت ہے۔

موصوف نے انگریزی تعلیم کا سلسلہ گھر پر شروع کیا تھا پھر سال ڈیڑھ سال ۱۸۸۰ء غالباً ۱۸۸۰ء میں آگرہ کالج کے اسکول میں رہ کر حق طالب علمی ادا کیا۔ اور پھر تین چار انگریز ہیڈ ماسٹروں سے علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر کے اپنی انگریزی میں اس قدر اضافہ کیا کہ مرحوم انگریزی کتب اور اخباروں کو بے تکلف سمجھتے تھے۔ اور انگریزوں سے ان کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ مگر انگریزی تعلیم کو عربی فارسی پر فوقیت اور ترجیح نہیں دی یہی نہیں بلکہ سیاق [illegible] طریقہ [illegible] کتابوں کا غذات ریاست [illegible]۔ موصوف کا مشہور کتاب خانہ واقع حبیب گنج جو ہندوستان میں کیا بلکہ دنیا بھر میں مشہور اور معروف ہے مرحوم کے لیے ایک درسگاہ تھا۔ خود راقم الحروف نے دیکھا ہے کہ کس ذوق شوق اور توجہ سے مرحوم اس کتب خانہ میں اپنے بقیہ اوقات میں مصروف رہتے تھے۔ اس کی فہرست بڑی محنت اور [illegible] کئی مجلدوں میں خود مرحوم نے مرتب کی۔ راقم الحروف نے یہاں کی جس کتاب کو اٹھایا اس پر مرحوم کے ہاتھ کی

یادداشتیں اور نوٹ درج پائے۔ ہزاروں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کے اس ملاحظہ اور کتب بینی سے مرحوم کی وسعت نظری، ذہنیت، قوت حافظہ اور شوق و شغف کا پتہ چلتا ہے۔

موصوف مرحوم کو لڑکپن ہی سے کتابوں کے جمع کرنے کا شوق تھا چنانچہ اس کی نہایت دلچسپ کیفیت اور کتابوں کی نوعیت اور بیش بہا ہونے پر مرحوم نے اپنی کتاب "مقالات شروانی" میں روشنی ڈالی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب خانہ (جو آج علمی جواہر پارہ کہلاتا ہے) کیسے جمع ہوا۔ اس کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہیئے ہم صرف اس قدر عرض کریں گے کہ اب اس میں چھ ہزار سے زائد کتابیں ہیں جن میں سے ڈیڑھ دو ہزار کے قریب مخطوطات ہیں اور ان میں بعض نادر و کم یاب بلکہ نایاب ہیں۔ اگر مرحوم کے ورثا اس کتاب خانہ کو علی گڑھ جیسی مرکزی جگہ میں منتقل کردیں تو علم دوست دنیا پر بڑا احسان ہوگا۔ اگرچہ اس کے دیکھنے کے شوق میں شائقین حبیب گنج اب بھی پہنچتے ہیں مگر علی گڑھ میں رکھنے سے اس کا فائدہ دو چند اور سہ چند ہو جائے گا۔ اس کتاب خانہ اور کتابوں کے مطالعہ سے مرحوم کے ذوق کے سلسلہ میں لے جانا ہوگا اگر ہم ان کی تصانیف کے بابت کچھ عرض کریں۔ مرحوم کے تبحر علمی پر تبصرہ ہماری قابلیت سے باہر ہے۔ اسی کے لحاظ سے مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے مرحوم کو اس ادارہ میں شعبہ دینیات کا ڈین (یعنی اعلیٰ نگران کار) مقرر کیا تھا اور اسی کی بدولت ریاست حیدرآباد میں صدر الصدوری کے عہدے پر فائز ہوئے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ مرحوم کو فارسی اردو شاعری سے ذوق تھا حضرت امیر مینائی مرحوم لکھنوی سے تلمذ تھا۔ مگر چونکہ بہت سے شعرائے فارسی اردو اور ادیبوں کی صحبت حاصل ہوئی ان کے کلام کو بغور مطالعہ کیا اس لئے وہ خود استاد بن گئے گاتے گاتے آدمی کلاونت ہوتا ہے۔ اگرچہ کم کہتے تھے مگر نغز گو تھے فارسی اردو کا کلام فصیح اور بلیغ ہے۔ کلیات خسرو کی طباعت میں مرحوم کا بڑا حصہ ہے۔ اپنے کتاب خانہ کے بیش قیمت قلمی نسخوں سے مقابلہ میں مدد کی۔ ہر طریقہ سے اس ادبی اور علمی کام میں

امداد بہم پہونچائی۔ حسرت کے تخلص سے ایک دیوان چھوڑا ہے جو مطبوعہ ہے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل کتب کے مصنف تھے جو مطبوعہ ہیں یعنی ذکر الحبیب، ذکر جمیل، شانِ رسالت، رسالۂ عامّہ، شمع ہدایت، ذکر شریف، پیغام رحمت، آفتاب رسالت، سیرۃ الصدیق، ذکرِ محبوب، قرۃ العین، تبصرہ، (مع فقہ حنفی) علمائے سلف، نابینا علما، اُستاذ العلما، تذکرۂ بابر، حالاتِ حزیں، اسلامی اخلاق، نقشِ وفا، سرسید کی یاد، عرضِ اخلاص، مسلمانوں کی تعلیم قدیم، برقِ تجلی، تعلیم اسلام کا اثر، عمر و صحت، پر خطبۂ صدارت ایجوکیشنل کانفرنس وغیرہ۔ ان کے علاوہ کثیر التعداد مضامین اور تقاریر جو ملک کے مختلف رسالوں اور اخباروں میں اور انجمنوں کی کارروائیوں میں چھپتی رہتی تھیں (تمام کتب مندرجہ بالا حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب کے شروانی پریس و بک ڈپو علی گڑھ سے ملتی ہیں)۔ ١٨٩٠ء سے مرحوم کا تعلق مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ سے شروع ہوا۔ اول اول اس کے لائف ممبر ہوئے، ١٩١٠ء میں جوائنٹ اور ١٩٢١ء میں سکریٹری مقرر ہوئے۔ اُس وقت سے آخر دم تک مرحوم نے اس ادارے کو چلایا۔ غیر منقسمہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کے جلسے کرائے جس سے مسلمانوں میں تعلیم کے مسئلہ سے دلچسپی اور تعلیم میں بیشی ہوئی۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے اردو میں بہت سی مفید کتابیں اور ایک اخبار کانفرنس گزٹ شائع کیا۔ مرحوم کے بیش از بیش علمی کارنامے ایسے ہیں جنھوں نے دنیا میں دادِ تحسین حاصل کی اور جو آخرت میں ان کی نیکیوں کے پلّے کو بھاری کریں گے۔ قومی کاموں کی پچاس چالیس برس کی کارروائی کی رپورٹیں مرحوم کے ان کارناموں سے پُر ہیں۔ موصوف مرحوم کو ملک کی سیاسیات سے دلچسپی نہ تھی وہ اس سے الگ تھلگ رہتے تھے مگر ان سے باخبر رہتے تھے بجائے اس کے ملک اور ملت کی علمی اور تعلیمی ترقیوں میں وقت صرف کرتے تھے وہ مسلم یونیورسٹی کی تحریک میں اور اس کی ... کے بعد ہی کالج کے ٹرسٹی منتخب ہو گئے تھے جو مسلم یونیورسٹی کی تحریک میں اور اس کی تاسیس میں حصہ لیا اور کورٹ کے ممبر بنائے گئے۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ کمیٹی (ایگزیکیٹو کونسل) کے اور تعلیمی نگران کمیٹی (اکیڈمک کونسل) کے ... اُن کے ... شعبہ دینیات کے ڈین ...

یونیورسٹی نے اُن کے علم و فضل اور خدمات کے صلہ میں موصوف کو ڈاکٹر آف تھیالوجی کی ڈگری عطا کی جس کے واسطے وہ ہر طریقہ سے موزوں اور اہل تھے لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ کے رُکن رکین اور مولانا علّامہ شبلی مرحوم مغفور کے دست راست تھے ندوہ نے مرحوم کے صلاح و مشورہ اور مالی امداد سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ اسی طرح دارالمصنفین اعظم گڈھ کے رُکن اور انتظامیہ کمیٹی کے صدر رہے۔ آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے شعبۂ اُردو کے صدر ۱۹۲۸ء میں منتخب ہوئے۔ صوبہ متحدہ کے تاریخی انجمن (ہسٹاریکل سوسائٹی) انجمن حمایت اسلام لاہور۔ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ۔ طبیہ کالج دہلی۔ مسلم گرلس کالج علی گڑھ سے مرحوم کا تعلق رہا۔ الغرض کہ کوئی ایسا قومی اور ملّی ادارہ تھا جس میں مرحوم کا نام نامی نہ آتا ہو اور جو مرحوم کی ذات بابرکات سے مستفید نہ ہوتا ہو۔ اپنے گھر کے مدرسہ شروانی اسکول چھرہ کے بانیوں میں اور اس کے پہلے سکریٹری مرحوم ہی تھے۔ اس تحریک کے سلسلہ میں ۱۳۱۳ھ میں موضع بہرہ ضلع ایٹہ میں برادری میں ایک شادی کے موقعہ پر مرحوم نے ایک پُر جوش اور دل میں اُتر جانے والی تقریر کی جس میں اپنی قوم کا درد جز ر دکھایا[۱] اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگست ۱۸۹۷ء میں شروانی اسکول کا افتتاح ایک چھوٹی سی مگر خوبصورت عمارت میں قصبہ چھرہ رفعت پور میں جاٹوں کے بنائے ہوئے پُرانے قلعہ میں ہوا۔

شروانی اسکول چھرّہ

جس کے ساتھ ایک دارالاقامہ (بورڈنگ ہاؤس) بھی تھا اور جو شروانی اور غیر شروانی مسلمان اور غیر مسلمان طلبہ کو ابتدائی انگریزی تعلیم مہیا کرتا تھا اور مسلمان طلبہ کے لئے مذہبی تعلیم کا بندوبست کرتا تھا خود موصوف چند سال تک اس کے سکریٹری رہے اور سید سعادت علی خاں ایم اے علیگ ایک عرصہ تک اس کے ہیڈ ماسٹر ہی نہیں بلکہ اکثر افراد خاندان سے زیادہ اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والے رہے مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم جیسے جلیل القدر عالم اس کے ہیڈ مولوی تھے۔ اس مدرسہ میں تصدّق احمد خاں شروانی مرحوم بار ایٹ لا

---

[۱] مقالات شروانی

جیسے فدائے قوم آنلا کے منجھلے بھائی نثار احمد خاں بی اے ایل ایل بی سابق وزیر زراعت صوبہ متحدہ، صابر علی خاں شروانی ایم اے ایل ایل بی سابق ڈپٹی کلکٹر خان بہادر عبدالمقیت خاں شروانی چیرمین میونسپل بورڈ علی گڑھ مولوی حاجی عبیدالرحمن خاں، چودھری احمد اللہ خاں بہادر کی نے تعلیم پائی۔ اور دیگر حضرات نے انگریزی کی ابتدائی تعلیم پائی۔ مولوی محمد مقتدی خاں شروانی نے دینی عربی شروع کی۔ راقم الحروف نے بھی چھ ماہ تک ۱۹۰۸ء میں اُن کی [illegible] کی خدمت اعزازی طور پر ادا کرنے کی مسرت حاصل کی۔ علی ہذا مولوی حاجی [illegible] خاں صاحب نے بھی کچھ عرصہ ہیڈ ماسٹری کی۔ اس کے جلسوں میں بڑے بڑے حضرات اور علی گڑھ کالج کے یورپین پرنسپل اور پروفیسر وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ اس کے سالانہ جلسہ میں میلاد شریف میں خود نواب [illegible] مرحوم تقاریر فرماتے تھے۔ مگر شرم اور افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ انتظام مدرسہ کے متعلق آپس کے نزاع کی وجہ سے چند سال یہ مدرسہ زندہ رہ کر اور مفید کام کر کے ختم ہو گیا۔ اب صرف مدرسہ کی عمارت رہ گئی ہے جس میں ایک مکتب اور اردو مڈل کا مدرسہ ہے ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

جب تک یہ عمارت قائم رہے گی اس معاملہ میں شروانیوں کی ناعاقبت اندیشی کو یاد دلاتی رہے گی۔ حسرتا وا حسرتا ؎

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

القصہ ان اداروں کے علاوہ [illegible] کام [illegible] حضرت نواب صدر یار جنگ موصوف مرحوم کو ایک اور کام کے واسطے بھی منتخب کر رکھا تھا یعنی ریاست حیدرآباد کی صدر الصدوری کے واسطے حضرت نظام میر عثمان علی خان

شاہ دکن مدظلہ نے موصوف کو اس عہدہ پر ۱۹۱۸ء میں مقرر کیا۔ اور بارہ سال تک یہ اسلامی خدمت انجام دی۔ اس دوران میں اپنے شعبہ میں بہت سی اصلاحات کیں اور بہت سے حاجتمندوں کی حاجت روائی کی۔ یہاں موصوف کی تقاریر اور طرز عمل سبق آموز ہیں ۱۹۱۹ء میں (جبکہ جامعہ عثمانیہ کا افتتاح ہوا) حضرت شاہ دکن نے موصوف کو اس کا امیر (وائس چانسلر) مقرر کیا اور پھر چند ماہ کے بعد موزوں خطاب صدر یار جنگ سے مفتخر فرمایا ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے اور سلطان ابن مسعود نے جو مشورے ہندوستانی علما سے کئے اُن میں شریک تھے ۱۹۳۰ء تک حیدر آباد کے قیام کی حالت میں موصوف مرحوم کی تنخواہ اُن کے خلق اور تواضع اور مسافرنوازی غربا پروری کی وجہ سے کافی نہ ہوتی تھی اور موصوف اپنی ریاست سے روپیہ منگا کر خرچ کرتے تھے۔ موصوف کی تنخواہ کافی کیا ہوتی حالت یہ تھی ؂

"بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست"

راقم الحروف نے خود دیکھا ہے کہ حیدر آباد سے واپسی کے بعد مرحوم کو جو پنشن ملتی تھی وہ سب کارِ خیر، غربا پروری اور حاجتمندوں پر صرف ہوتی تھی۔ احسان فراموشی ہوگی اگر مرحوم کی اُس فیاضی کا ذکر نہ کیا جاوے جس سے راقم الحروف نے بھی ایک مرتبہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں فائدہ اُٹھایا۔ مرحوم مغفور کی زندگی کے کس کس پہلو پر نظر ڈالی جائے اُس کے لئے ایک کتاب چاہئے۔ مگر اسی کے ساتھ ہم یہ عرض کریں گے کہ اُن کی زندگی اور اُس کے واقعات ہر شخص بچے، جوان، بوڑھے، امیر، غریب سب کے واسطے سبق آموز تھے اس لئے اس مضمون کے چھوڑنے کو جی بھی نہیں چاہتا۔ وہ اپنی رائے کی مضبوط تھے اور اخلاقی جرأت اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اوقات کے نہایت پابند کوئی وقت دینی اور دنیاوی مشاغل سے خالی نہیں تھا موصوف نے اس حقیقت کو واضح اور ثابت کر دیا کہ مسلمان کی دنیا اور اُس کا دین توام ہیں۔ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کئے جا سکتے ؂

چیست دنیا؟ از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

موصوف کے لئے مشغل راہ تھا۔

اب ہم موصوف کی زندگی کے ایک اور پہلو پر روشنی ڈالیں گے
اور بادلِ ناخواستہ اس مضمون کو ختم کریں گے یعنی کاروبار زمینداری و ریاست
میں مرحوم کی خداداد قابلیت خود مرحوم نے اس پر اپنی کتاب "مقالات شروانی"
میں روشنی ڈالی ہے۔ جب مرحوم کے عم بزرگوار حاجی عبدالشکور خاں صاحب کا
انتقال ہوا تو افراد خاندان نے انتظام ریاست کا بار نواب صدر یار جنگ کے
سر پر رکھا۔ نواب صدر یار جنگ مرحوم نے اس کام کی تعلیم اپنے عم بزرگوار مرحوم
ہی کی صحبت میں پائی تھی۔ دیہات میں وقت صرف کر کے ان کی حالت پر اور
حساب کتاب پر کاشتکاران کے ساتھ مناسب اور موزوں برتاؤ پر عبور حاصل کیا
تھا نیز ان کی تجارت کے اصول سے واقفیت حاصل کی۔ چنانچہ جب یہ بار موصوف
کے سر پر آیا تو اس کو اس خوبی سے اٹھایا کہ عم مغفور کی فیاضی نے جو قرضہ تین لاکھ
کے قریب چھوڑا تھا اور جو دو لاکھ روپیہ کا قرضہ نواب صدر یار جنگ مرحوم کے
عمزاد بھائی عبدالجلیل خاں صاحب مرحوم نے چھوڑا تھا اس کو چھ سات سال میں ادا
کر دیا گیا اور مصارف نیز اقربا کے ذاتی اخراجات اور ریاست کی شان بدستور
باقی رہی۔ بمقابل نواب صدر یار جنگ مرحوم کے اُن کے عم بزرگوار کا قرضہ ...
... اُن کی ادائیگی کی کوئی قانونی ذمہ داری
... اُن پر نہ تھی مگر موصوف کی
نواب صدر یار جنگ مغفور کے والد ... عم بزرگوار مرحوم
دریا دلی اور سیر چشمی اور وراثت نے گوارا نہ کیا کہ اس قرضہ کا بار صرف
کے ورثا پر رکھا جائے۔ ایک ایسا کارنامہ ہے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے
مرحوم نے کئی ایک صاحبوں کو اپنی ذات سے قرضے دیئے اور ان کو قرض خواہ
کے وہاں سے بچایا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس انتظام میں کامیابی ریاست کی ترقی

اس قدر بڑے قرضہ کی بے باقی کے واسطے کبھی کبھی موصوف کو سیاست اور سخت گیری سے کام لینا پڑا مگر چونکہ اُن کی نیت اور طرزِ عمل عمدہ تھے اس لئے کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا اور لوگ اُن کے ممنون اور زیر بار احسان رہے۔ مرحوم جب ۱۹۱۸ء میں حیدرآباد تشریف لے گئے تو ریاست کا انتظام اپنے قابل بیٹے حاجی عبیدالرحمٰن خاں کے سپرد کر دیا اور پھر بہت کم دخل دیا۔

نواب صدر یار جنگ مرحوم نے اپنی ہی ریاست کا انتظام نہیں کیا بلکہ دوسروں کی ریاست کا بھی انتظام کیا یعنی نواب عظمت علی خاں مرحوم رئیس کرنال کے بڑے وقف کا جو ضلع مظفر نگر میں ہے وہ عرصہ تک اس کمیٹی انتظامیہ کے ناظم رہے۔ اس انتظام کو راقم الحروف نے خود سنّی مرکزی وقف بورڈ لکھنؤ کے سکریٹری رہنے کی حالت میں دیکھا۔ نواب صاحب مرحوم نے میرس روڈ علی گڑھ پر ایک وسیع خوبصورت اور رفیع الشان کوٹھی حبیب منزل تعمیر کرائی اور آخر زمانہ میں قیام زیادہ تر اسی میں رہتا تھا۔ موصوف نے اپنی ریاست کو وقف علی الاولاد والخیر کیا اور اپنے منجھلے بیٹے خان بہادر حاجی عبیدالرحمٰن خاں کو اپنے بعد متولی مقرر کیا۔ موصوف نے حصول و نشر علم میں جو دیرپا کام اپنے خداداد زبردست حافظہ سے لیا آخر میں اُسی نے جواب دیا مگر ملاقاتوں کا سلسلہ مرحوم نے آخر دم تک جاری رکھا۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں تشریف آوری کے موقعہ پر حضور نظام دکن اپنے سابق صدرالصدور نواب صدر یار جنگ کی کوٹھی حبیب منزل پر بھی تشریف لائے اور موصوف کی نذر قبول فرمائی اور اس ملاقات پر اظہار خوشنودی فرمایا۔ الغرض سنہ ۱۹۵۰ء میں مرحوم کے مرض نے طول کھینچا اور موصوف نے اگست سنہ ۵۰ء میں حبیب منزل میں مقیم اور بیمار رہ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مسلم یونیورسٹی میں بعد نماز جمعہ ایک کثیر مجمع نے نماز جنازہ ادا کی اور پھر اپنے موروثی گورستان موضع بھموری میں مدفون ہوئے۔ موصوف نے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔

مولوی حاجی عبیدالرحمٰن خاں | اوّل چھوٹے بیٹے عزیز الرحمٰن خاں عرف چھٹّو میاں

بچپن میں اور بڑے مولوی محبوب الرحمٰن خاں عرف ننھے میاں جوانی میں موصوف کی حیات میں عالم شباب میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے منجھلے بیٹے خان بہادر حاجی عبید الرحمٰن خاں عرف منجھلے میاں ہیں۔ یہ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۶ء تک مدرسۃ العلوم کے اسکول میں داخل رہے اور ۱۹۱۷ء میں عربک کالج دہلی میں انٹرنیس پاس کرنے کے بعد ۱۹۱۸ء میں ایف اے میں علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ مگر اپنے والد بزرگوار کے حیدرآباد چلے جانے کی وجہ سے مدارس میں تعلیم کا سلسلہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور اپنی ریاست کا کام سنبھالا اب موصوف نے اس زمانہ سے درجہ بدرجہ عروج حاصل کیا۔ اور خاندانی روایتوں کو قائم رکھا۔ کئی سال تک آنریری اسپیشل مجسٹریٹ رہے اور آخر میں اختیارات میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں صوبہ کی آئین ساز مجلس کے ممبر منتخب ہوئے اور اس اعزازی خدمت پر حال تک فائز رہے۔ اسی سال مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور یہ سلسلہ اب تک چلا جاتا ہے۔ موصوف کی پبلک خدمات دیکھ کر حکومت نے جنوری ۱۹۲۸ء میں خان بہادری کا خطاب عطا فرمایا۔ مسلم یونیورسٹی مجلس عاملہ کے ۱۹۲۹ء تک رکن رہے اور ۱۹۳۵ء میں اس درسگاہ کے خازن مقرر ہوئے مگر ایثار سے کام لے کر کام محض اعزازی طور پر کیا اور تنخواہ کبھی نہیں لی۔ حال آں کہ اس عہدہ کی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار منظور شدہ تھی۔ چھ سال تک ندوۃ العلما لکھنؤ کی کارکن کمیٹی کے ممبر رہے اور اسی مدت تک اسلامیہ کالج اٹاوہ کی کارکن کمیٹی کے ممبر رہے۔ ۱۹۳۲ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ جب مسلم لیگ کا زور ہوا تو اس کی آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ اور ساتھ ہی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر اور خازن رہے ۱۹۲۹ء سے اس کے سکریٹری اپنے والد بزرگوار کی جگہ منتخب ہوئے۔ صوبہ آگرہ کی زمیندار ایسوسی ایشن نے موصوف کو اپنا نائب صدر بنایا۔ اور علی گڑھ کی زمیندار اسمبلی کے صدر بنائے گئے۔ صوبہ کی حج کمیٹی کے ممبر اور ضلع کی حج کمیٹی کے صدر ہیں۔ صوبہ کے بورڈ آف اکانمک انکوائری

کی پلیننگ کمیٹی کے صدر بنائے گئے۔ اسلامیہ اوقاف صوبہ کی تحقیقاتی کمیٹی کے ممبر رہے۔ صوبہ کی ہائیڈرو الیکٹرک کمیٹی کے ممبر ہیں اور اس اسکیم میں ضلع علی گڑھ موصوف کی کوشش اور تحریک سے شامل کیا گیا۔ صوبہ کی اسلامیہ ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک سال صدر رہے اور ۱۹۴۶ء میں علی گڑھ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر رہے۔ بھوالی سینی ٹوریم ٹرسٹ کے چھ سال تک ممبر رہے۔ اور اسی مدت تک انٹرمیڈیٹ وہائی اسکول کی تعلیمی بورڈ کے ممبر رہے۔ پانچ سال تک صوبہ کی یونیورسٹیوں کو رقوم امداد کی کمیٹی کے ممبر رہے۔ تین سال تک صوبہ کی مرکزی کورٹ آف وارڈس کمیٹی کے ممبر رہے۔ چار مرتبہ مسلم یونیورسٹی کے قائم مقام وائس چانسلر رہے اور کبھی اس کا موقع نہ دیا کہ یونیورسٹی کے ان اعزازی عہدوں سے اُن کا کوئی عزیز یا ملاقاتی کوئی ناجائز فائدہ اُٹھاتا۔

غرضکہ قومی ملی اور پبلک خدمات میں اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلتے ہیں مختصراً صرف اس قدر عرض کریں گے کہ قابل باپ کے قابل بیٹے ہیں خدا تعالےٰ اُن کو خوش و خورم رکھے۔ موصوف کے دو صاحبزادگان ہیں جن میں بڑے ریاض الرحمٰن خاں ایم اے عرف دلارے میاں ہیں جو اچھے مضمون نگار ہیں اور ابھی سے علمی مشاغل کا رجحان ہے۔ اُن کے سیاسی خیالات ہندوستان کی موجودہ روش کے مطابق ہیں۔ دوسرے زیر تعلیم ہیں۔ موصوف کی ایک صاحبزادی طویل علالت اور ملک کی تقسیم کے مونہ قیامت نتائج کا خمیازہ اُٹھا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ دوسری کی عمر میں خدا تعالےٰ برکت کرے۔

موصوف کے چھوٹے بھائی مسعود الرحمٰن خاں عرف پیارے میاں ایک فقیر منش آدمی ہیں اپنے والد کی حیات میں کچھ چیف شریف رہے۔ اور اب پنشن کے بعد خانہ نشین ہیں۔

ایک نیک بی بی ہم خاندان بھیکم پور کی اس مختصر کیفیت کو ختم نہیں کر سکتے

جیسا کہ اس خاندان کی ایک مشہور اور قابل قدر بی بی کو یعنی نواب صدر یار جنگ مرحوم
کی پھوپی صاحبہ کا جو عنایت اللہ خاں مرحوم کی اہلیہ اور نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں
کی چچی تھیں ذکر نہ کریں۔ یہ بی بی صاحبہ جن اور حافظ کلام پاک تھیں۔ عابدہ زاہدہ
تھیں اور اپنے اور نیز دوسرے گھروں کا انتظام کرنے میں اُن کو خاص ملکہ تھا۔ اُن
کی ذات گھر کی مستورات کے واسطے ایک نمونہ تھی۔ یوں تو اس گھرانے کی سب
ہی بی بیاں تھوڑی یا بہت پڑھی لکھی ہیں۔ خدا تعالےٰ اس خاندان کے افراد کو
خوش و خورم رکھے اور اس قابل رکھے کہ باوجود ختم تعلقہ و زمینداری خدمت خلق
جاری رکھیں۔ آمین ثم آمین۔

خاندان دادوں

حاجی غلام محمد خاں ابن باز خاں

اب ہم بھیکم پور کے بعد شروانی خاندان دادوں کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ یہ اول الذکر کے سب سے
ہی کی شاخ ہے۔ جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا ریاست دادوں کے سب سے
پہلے مورث جو یہاں آکر آباد ہوئے حاجی غلام محمد خاں ابن باز خاں تھے ہم موصوف
کی پیدائش کی صحیح تاریخ تو بتا نہیں سکتے مگر قرین قیاس [illegible] ۱۱۹۲ھ کے
بعد جبکہ اُن کے بڑے بھائی خان نعمان خاں [illegible] اٹھارہویں
صدی عیسوی کے اختتام سے قبل پیدا ہوئے [illegible] غلام محمد خاں نے اپنے آبائی
قلعہ بھیکم پور میں اپنے والد اور بھائی اداد خاں و [illegible] ان خان کی نگرانی اور صحبت
میں تربیت پائی۔ آدمی ہوشیار اور زیرک [illegible] میں اُن کی جوان
عمری میں آبائی ریاست میں سے اُن کا حصہ علیحدہ تقسیم ہوا تو دادوں اور موہن پور
ضلع ایٹہ کے علاقے اُن کے حصہ میں آئے۔ حاجی صاحب موصوف دادوں میں
آکر بسے اور یہاں گڑھی اور عمارات اور مساجد تعمیر کرائیں۔ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ
راٹھور راجگان قنوج کے زمانہ میں اس کا نام [illegible] تھا اور راجہ گوبند چندر [illegible]

نے مسلمانوں کے ہندوستان میں قدم جمنے سے پچاس برس قبل پٹھان کے موضع پر یہ موضع ایک بھار برہمن کو پُن کے طور پر دیا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ کب یہ موضع مسلمانوں کی ملکیت میں آیا۔ البتہ ہم نے اوپر بتایا ہے کہ ۱۸۵۲ء کے اُس پٹہ میں شامل تھا جو منجانب نواب مرزا نجف خاں باذخاں موروث بھیکم پور کے نام کیا گیا۔ حاجی غلام محمد خاں مرحوم نے اس ریاست کو سنبھالا اور اس میں ترقی دے کر چار چاند لگا دئیے۔ دادوں کے علاقہ کے زیادہ تر مواضعات اُس زمانہ میں اراضی بھوڑ کے دیہات تھے یا کھادر گنگا میں تھے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ علاقہ بھیکم پور کے مقابلہ میں سرسبزی کم ہوگی اور اب تو وہ نہریں نکل جانے کی وجہ سے گلزار ہے۔ بقول ڈسٹرکٹ گزیٹر علی گڈھ ۱۸۷۵ء میں (یعنی موصوف کے انتقال کے کچھ دن بعد) ریاست دادوں کی مالگذاری اس علاقہ کی اٹھائیس ۲۸ ہزار روپیہ سے کچھ زائد تھی۔ اس کے مقابلہ میں ریاست بھیکم پور کی مالگذاری اس سن میں بیالیس ۴۲ ہزار تین سو تیرہ روپیہ تھی۔ حاجی غلام محمد خاں مرحوم حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے اور چونکہ برادری کی اور پہلی زوجہ سے کوئی اولاد نہ تھی ایک نکاح مکہ معظمہ میں ایک عرب بی بی سے کیا۔

محمد ہادی یار خاں

ان کے بطن سے ایک بیٹے ہادی یار خاں اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ حاجی غلام محمد خاں نے جب دادوں میں انتقال کیا تو ان کے بیٹے ہادی یار خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ راقم الحروف نے اپنے لڑکپن میں ہادی یار خاں مرحوم کو دیکھا ہے بلکہ کچھ دن اُن کی شفقت آمیز صحبت میں رہا۔ قطع وضع پرانے شرفا پٹھانوں کی رکھتے تھے اور بڑے بلند قامت اور آن بان کے رئیس تھے۔ اور سرکاری حکام میں بہت با اثر تھے۔ موصوف نے مواضعات بردولی متصل چھرہ و کنونی ضلع ایٹہ میں نیل سازی کے کارخانے جاری کئے جس سے اُس زمانہ میں کافی منافع تھا۔ دادوں سے متصل ایک وسیع باغ میں جدید طرز کی کوٹھی تعمیر کرائی جس کے ترشادہ کے درخت مشہور تھے اور اس میں جدید طرز کا

فرنیچر رکھا۔ برلہ میں امام خاں مرحوم کی بیٹی کے ساتھ شادی ہوئی اور اُس کے
بعد دو نکاح غیر کفو میں اور کیئے مگر اولاد صرف زوجہ اولیٰ سے پیدا ہوئی۔ اپنے
موضع لہرہ میں مکان تعمیر کرایا۔ موصوف کے دونوں علاقوں میں شکار کی کثرت
تھی۔ اور وہ شکار کے بڑے شائق تھے۔ گھوڑے کے شہ سوار تھے۔ یہ شکاری
چیتا اور باز جرے بھی رکھتے تھے اور اُن کے یہاں ہاتھی، گھوڑے، سواریاں پیادے
غرض کہ ریاست کے سب ہی لوازم تھے۔ موصوف بڑے باہمت تھے اور
بات کے دھنی تھے۔ اُن کی ہمت کا ایک قصہ خاندان اور جوار میں مشہور ہے۔
ایک مرتبہ وہ دادوں سے علی گڑھ تشریف لے جا رہے تھے جب وہ نگلہ وصافطلی
پر پہونچے تو حقہ کے واسطے آگ کی ضرورت ہوئی۔ خادم کو آگ لانے کی غرض سے
گاؤں میں بھیجا تو اُس کو کسی نے آگ نہ دی۔ اس پر آگ بگولا ہو کر گاؤں کے چند
چھپروں میں آگ لگوا دی اور علی گڑھ پہونچ کر کلکٹر ضلع سے (جو اُن کا ملنے والا تھا) اطلاع
خود کر دی۔ کلکٹر بہت سٹ پٹایا مگر موصوف نے کہا کہ اگر ضرورت ہوگی تو وہ اس
معاملہ میں عدالت میں اپنی صفائی پیش کر دیں گے۔ کلکٹر نے معاملہ رفع دفع کر دیا
اور اُن کا بال بیکا نہ ہوا۔ پھر موصوف نے گاؤں والوں کے نقصان کی تلافی کر دی
موصوف کی سیر چشمی اور غیرت طبعی کا بھی ایک قصہ قابل بیان ہے۔ موصوف
ہاتھرس کے ایک ساہوکار کے بڑی رقم کے مقروض تھے۔ ساہوکار کا عزیز ایک
اہم جرم میں ماخوذ ہوا اور اُس کے خلاف مقدمہ عدالت فوجداری میں پہونچا تو
موصوف کی امداد سے وہ بری ہو گیا۔ اس کے شکرانہ میں سیٹھ صاحب نے کچھ
مٹھائی اور اُس کے ساتھ قرضہ کا دستاویز موصوف کی خدمت میں بھیجا اور اُس
پر لکھ دیا کہ قرضہ بے باق سمجھا جائے۔ موصوف کی طبیعت نے اس منت کشی کو
گوارا نہ کیا اور دونوں چیزیں واپس کر دیں۔

موصوف کی شاہ خرچی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب اپریل ۱۹۰۵ء میں اُن کا انتقال ہوا
تو ریاست پر تین لاکھ روپیہ کا قرضہ تھا [illegible] ریاست ہی میں جائداد

کو بوجہ قرضہ کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں دے دیا تھا۔ مگر خاندانی اثر کی وجہ سے اُن کے بڑے صاحبزادے احمد سعید خاں صاحب مرحوم اُس کے منیجر مقرر ہو گئے تھے۔ موصوف نے دو بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑے۔

احمد سعید خاں

احمد سعید خاں صاحب مرحوم سیدھے سادھے مزاج کے اور مرنج مرنجان قسم کے بزرگ تھے۔ اندازاً اُنیسویں صدی عیسوی کے وسط میں اُن کی پیدائش ہوئی ہوگی۔ بسہاور ضلع ایٹہ کے پٹھان خاندان میں شادی ہوئی اور ان کی اہلیہ سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ آخر عمر میں ایک نکاح غیر خاندان میں کیا مگر اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ احمد سعید خاں صاحب مرحوم نے بحیثیت منیجر ریاست کا انتظام بہت اچھا کیا۔ رعایا نے یہ محسوس نہ کیا کہ کورٹ آف وارڈس کا انتظام ہے۔ اخراجات پر قابو رکھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے ریاست اس بڑے قرضہ کے بار سے جلد سبکدوش ہوگئی اور کورٹ آف وارڈس سے خلاصی پائی۔ نہر سے آبپاشی اور زراعت اور پیداوار میں بڑی ترقی ہوئی اور ریاست کی آمدنی بڑھ گئی۔ احمد سعید خاں صاحب مرحوم عابد تھے بزرگانِ دین سے عقیدت رکھتے تھے اور حافظ محمد اسلم صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ مرحوم اپنے اعزہ اور احباب پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور جہاں وہ اُمرا کے ہم صحبت اور ہم جلیس تھے وہاں غربا کی رسائی بھی اُن تک آسانی سے ہوتی تھی۔ کچھ طب میں بھی موصوف کو دخل تھا۔ گھوڑے کے سوار بہت اچھے تھے۔ اور اپنی سالگرہ میں کرسمس تیوہار کے زمانہ میں انگریز حکام کو مہمان رکھتے تھے۔ مرحوم نے دو بیٹے یعنی نیاز احمد ابوبکر خاں مرحوم اور حاجی غلام محمد خاں مرحوم چھوڑ کر اگست ۱۹۰۹ء میں انتقال کیا۔

عبدالرؤف خاں

احمد سعید خاں مرحوم کے چھوٹے بھائی عبدالرؤف خاں مرحوم تھے جو انگریزی حکومت میں نائب تحصیلدار تھے کے عہدہ پر مقرر ہوئے مگر تھوڑے دن کام کرنے کے بعد استعفا دے دیا۔ موصوف کی پہلی

شادی برادری کے خاندان میں کنوبی میں ہوئی اور ان اہلیہ کے بطن سے ایک بیٹے مولوی حاجی محمد جان خاں اور ایک بیٹی چھوڑ کر جوان عمری یعنی ۳۲ سال کی عمر میں جون ۱۸۹۷ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ موصوف کی پہلی اہلیہ کا انتقال اُن کی حیات میں ۱۸۹۴ء میں ہو گیا۔ دوسرا نکاح بھی موضع ڈھولنہ میں پہلی بی بی کی حقیقی بھانجی سے کیا مگر ان سے موصوف کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عبدالرؤف خاں مرحوم بڑے خلیق اور سیدھی سادھی وضع کے آدمی تھے۔ راقم الحروف پر وہ شفقت فرماتے تھے جو ہمیشہ یاد رہے گی۔ احمد سعید خاں صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد ہادی یار خاں صاحب کا ترکہ ورثا میں باہمی مشورہ اور رضامندی سے ایسی خاموشی اور خیر و خوبی کے ساتھ تقسیم ہو گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ تقسیم کے وقت مشترکہ ریاست کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپیہ سے زائد تھی۔ علی گڑھ ضلع کا علاقہ احمد سعید خاں مرحوم کے بڑے صاحبزادے نواب ابوبکر خاں مرحوم کو ملا۔ معہ مواضعات دادوں اور سانکرہ کے اور موہن پور ضلع ایٹہ کا علاقہ حاجی غلام محمد خاں مرحوم کے حصہ میں آیا۔ اور دونوں اضلاع میں معہ بڑے موضع لہرہ ضلع علی گڑھ کے ترکہ مولوی حاجی محمد جان خاں کو ملا۔ چند مواضعات ہادی یار خاں صاحب مرحوم کی بیٹی کو ملے جن کی شادی برلہ میں حاجی اسحاق خاں مائل مرحوم کے ساتھ ہوئی ہادی یار خاں مرحوم کی دوسری بیوہ کو چند دیہات ملے جو مرحومہ نے معہ شہر علی گڑھ کی سکنی جائداد کے اپنے انتقال سے قبل مدرسہ عربیہ دادوں کے امور خیر کے واسطے وقف فی سبیل اللہ کر دئے۔ اور نواب ابوبکر خاں مرحوم اس کے پہلے متولی مقرر ہوئے۔ ان بی بی کا نام عائشہ خاتون عرف سکھ بدن تھا۔ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی صاحب کا بیان ہے کہ ان کا ارادہ اس جائداد کو مدرسہ شروانی چھرہ کے نام وقف کرنے کا تھا اور خاتون موصوفہ نے ان سے بارہا مشورہ کیا تھا۔ مگر نواب ابوبکر خاں صاحب مرحوم کے اثر سے گنگا کا رخ اُدھر سے اِدھر پھر گیا۔

نواب ابوبکر خاں | نواب صاحب مرحوم نے ابتدائی فارسی تعلیم گھر پر اور اس کے بعد

انگریزی کی ایم اے او کالجیٹ اسکول میں درجہ دوم (حال نہم) تک پائی۔ آنریبل رئیس صاحب ان دونوں بھائیوں کو اپنی ایف۔ اے کی انگریزی کلاس میں بھی رکھنے لگے تھے۔ پہلی شادی مولوی حاجی محمد جان خاں کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی مگر بہ جوان عمری میں کوئی اولاد چھوڑے ہوئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ اُس کے بعد موصوف نے دوسری شادی اپنی پھوپی زاد بہن (یعنی حاجی اسحاق خاں بابل برلوی کی بیٹی) کے ساتھ کی جن سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ نواب ابوبکر خاں مرحوم صحیح معنی میں نواب تھے۔ اپنے خاندانی روایتوں اور رواج کے مطابق بڑے مخیّر تھے۔ داد و دہش میں مشہور اور اپنے دادا مرحوم کی طرح سے شاہ خرچ۔ اگرچہ اوائل عمر میں کورٹ آف وارڈس کے زمانہ میں بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خلیق متواضع عمائد میں پیش پیش اور حکام میں بہت با اثر تھے۔ خان بہادر اور آنریری مجسٹریٹ ہوئے۔ شکار کے بڑے شائق تھے۔ اپنی شکارگاہ موضع سانکرہ میں دریا گنگا کے قریب ہے اور جس کا پرانا نام گنگا شنکر پور تھا اور جہاں بُدھ کے زمانہ کی پرانی یادگاریں کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں) ایک ٹیلہ پر چھوٹی سی مگر خوبصورت کوٹھی تعمیر کرائی جس کا کتبہ ہمیشہ موصوف کے نام نامی کو یاد دلاتا رہے گا۔ نواب صاحب مرحوم کے زمانہ میں بلکہ اُس کے بعد اب سے چند سال قبل تک حکام اور خاندان کے احباب جو شکار کے شائق تھے اس پُر فضا مقام پر قیام کرتے تھے اور زندگی کا لُطف اُٹھاتے۔ راقم الحروف نے بھی یہاں دو چار مرتبہ لطف کے ساتھ وقت گذارا (بالخصوص مولوی حاجی محمد جان خاں کے خُلق اور مہربانی کی وجہ سے) نواب ابوبکر خاں مرحوم نے دادوں میں ایک چھم خانہ قائم کیا جس میں خاندان شروانی کے اور دیگر شہسوار گھوڑے کی سواری کی مشق حاصل کرتے اور نیزہ بازی وغیرہ کے کرتب دکھاتے تھے۔ اسی طرح موصوف نے دادوں میں مدرسہ عربیہ کے طالب علموں کے واسطے فٹ بال کلب قایم کیا جس کے اخراجات وہ خود برداشت کرتے تھے اور اس کھیل کے واسطے طلبہ کو باہر بھی بھیجتے تھے۔ موصوف کے

حلقۂ احباب میں مسلمان - ہندو - عیسائی سب ہی تھے جو اب اُن کے واسطے آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں۔ سر ولیم میرس اور سر ہارکورٹ بٹلر گورنران صوبہ تسکار کے سلسلہ میں سانکرہ میں نواب صاحب مرحوم کے مہمان رہے۔ سر ولیم میرس ہی نے موصوف کو نواب کا خطاب عطا کرایا اور اڑیسہ کی گورنری کے زمانہ میں انھیں اپنے یہاں مدعو کیا۔ موصوف نے اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کیا مگر اس میں کافی حصہ عربی کے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں کے واسطے بھی چھوڑا۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے اوقاف اپنے ملازمان تک کے واسطے چھوڑے۔ موصوف نے اپنی دوسری اہلیہ سے ایک صاحبزادی چھوڑیں جن کی شادی مولوی حاجی محمد جان خاں کے بڑے صاحبزادے احمد رؤف خاں عرف آبادمیاں کے ساتھ ہوئی۔ احمد رؤف خاں نے اپنی جائداد کا مع سانکرہ و دادوں کے مکانات کے سات برس کے واسطے ٹھیکہ سندھ پاکستان کے ایک شرنارتھی کو دیا اور تبادلہ میں وہاں جائداد حاصل کی۔ احمد رؤف خاں مع نواب بیگم اور اپنی اولاد کے اب حیدرآباد سندھ میں مقیم ہیں۔ نواب صاحب مرحوم کے بعد وقف مدرسہ دادوں کے متولی اُن کے چھوٹے بھائی حاجی غلام محمد خاں ہوئے۔ نواب صاحب موصوف نے ایک طویل علالت کے بعد رمضان ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء میں عین افطار کے وقت قبل نماز مغرب خاندان کو داغ مفارقت دیا۔

حاجی غلام محمد خاں

نواب صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی حاجی غلام محمد خاں مرحوم تھے جن کی تعلیم مثل اپنے بھائی کے تھی جن کا قیام تقسیم ریاست کے بعد زیادہ تر موہن پور متصل قصبہ سہاور ضلع ایٹہ میں رہتا تھا مگر اکثر دادوں میں آتے جاتے رہتے تھے۔ موصوف نے موہن پور میں قدیم مکانات کو سنبھالا اور جدید مکانات تعمیر کرائے۔ اور یہیں سے اپنی صاحبزادی کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ مولوی حاجی محمد جان خاں کے ساتھ کی۔ اس شادی کے موقع پر ایک بارونق کیمپ میں اعزا برادری اور دیگر حضرات کا بڑا مجمع تھا جن کو سب خاطر تواضع رہی۔ ان کے والد نے ان کا نکاح چچا کی بیوہ سے کر دیا تھا۔ ان

بطن سے صرف ایک لڑکی ہوئی۔ چونکہ موہن پور بھی چڑیا کے شکار کے لئے مشہور جگہ ہے اور حاجی صاحب مرحوم خود اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز تھے یہاں بھی حکام اور دیگر احباب کا مجمع رہتا تھا اور وہ حاجی صاحب مرحوم کے خلق سے فائدہ اُٹھاتا تھا۔ مرحوم جوانی عمری میں شہ سواری میں مشہور تھے۔ نیزہ بازی، گھوڑدوڑ، کتّوں کے ذریعہ سے شکار میں اُن کے مقابلہ کے بہت کم لوگ ہوں گے۔

ایک زمانہ میں راقم الحروف نے موصوف کو علی گڑھ کے جم خانہ میں پولو کھیلتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ مگر آخر عمر میں علاوہ چڑیا کے شکار کے موصوف کی طبیعت نے صوفیت کے باز کا شکار کیا ؎

چو ہر گوشہ تیر نیاز افگنی
امید ست ناگہ کہ باز افگنی

وہ اپنے والد بزرگوار کی طرح عابد اور حافظ محمد اسلم صاحب رحمت اللہ علیہ خیرآبادی کے مرید تھے۔ اور ایسے مُرید ہوئے کہ خیرآبادی کے ہو رہے یہاں ایک بڑا مکان حاصل کیا اور حافظ صاحب مرحوم کے مزار پر سماع خانہ تعمیر کرایا۔ حاجی غلام محمد خاں صاحب مرحوم کو سماع سے بڑا ذوق و شوق تھا اور خود اپنی عمدہ درجہ کے قوالوں کی چوکی ملازم رکھتے تھے اور اُن کی جھولیاں بھرتے تھے۔ بزرگان دین کے اعراس میں (بالخصوص اجمیر شریف میں) پابندی اور خلوص کے ساتھ حاضری دیتے تھے۔ جس زمانہ میں راقم الحروف کے سپرد درگاہ حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ بہرایچ کی خدمت تھی حاجی صاحب موصوف بھی ایک مرتبہ وہاں عُرس میں شریک ہوئے اور اُن کی وجہ سے اُس کا لُطف اور رونق دوبالا ہوگئے۔ حاجی صاحب موصوف اُردو فارسی کے بڑے اچھے شاعر تھے۔ اُن کا کلام معرفت اور صوفیت کے حمد و نعت اور منقبت کے نکات سے پُر ہوتا تھا اور دل میں اُتر جانے والا۔ خیرآباد شریف اور باہر بھی جابجا مشاعرے کرائے اور اُن کے گلدستے چھپوائے سنہ ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء میں اپنے اُردو کلام کا مجموعہ "بادۂ حافظی" کے نام مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی

کے "شروانی پرنٹنگ پریس" میں چھپوایا جس میں مولوی صاحب کا لکھا ہوا ایک بہت پرلطف مضمون بھی "نظر گزرا" کے عنوان سے شامل ہے۔ موصوف کی ملازم چوکی قوالان کی اکثر اس کلام کو سناتی تھی۔ آنکھ کے علاج کے سلسلہ میں بعض ممالک یورپ (از آں جملہ انگلستان) کا سفر کیا۔ وہاں بھی قوالوں کی چوکی ساتھی اور جابجا ان کے فن کا مظاہرہ کراتے تھے۔ انگلستان میں ان کے پرانے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کے دوستوں نے بہت آؤبھگت کی۔ حج وزیارت بھی نہایت عقیدتمندانہ شان سے کی۔ پہلی جنگ عظیم کے زمانہ میں عرب وعراق میں گھر گئے تھے۔ مگر خدا نے بہت عزت کے ساتھ مخلصی دی۔ مرحوم نے بھی اپنی جائداد وقف علی الاولاد وعلی الخیر کی اور اس کی متولیہ مرحوم کے بعد ان کی صاحبزادی ہوئیں۔ مدرسہ عربیہ دادوں کا انتظام بڑے شغف سے کیا۔ اس کی مطبوعہ سالانہ رپورٹیں شائع کراتے تھے۔ مرحوم نے سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق سنہ ۱۹۴۳ء میں خیرآباد میں انتقال کیا اور وہیں اپنے پیر ومرشد کے پائیں مدفون ہوئے۔ ہم موصوف کے اور ان کے بڑے بھائی مرحوم کے بابتہ عرض کریں گے کہ ؎

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والوں میں

مولوی حاجی محمد جان خاں

ہم نے اوپر مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب ابن عبدالرؤف خاں کا ذکر کیا ہے۔ ان کی پیدائش سنہ ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ ہوئی۔ موصوف نے اپنے والد بزرگوار مرحوم کے انتقال کے بعد اپنے شفیق چچا احمد سعید خاں مرحوم کی نگرانی میں تربیت اور فارسی عربی کی تعلیم حاصل کی اور پھر مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے اسکول میں انگریزی تعلیم کے واسطے داخل ہوئے۔ عربی فارسی کی اچھی استعداد رکھتے ہیں۔ اور اگرچہ خود شاعر نہیں ہیں مگر شاعر نواز سخن شناس اور نکتہ سنج ہیں۔ موصوف کو بھی سماع سے ذوق شوق ہے۔ اور ایک زمانہ میں یہ بھی اچھے قوالوں کی ایک چوکی ملازم رکھتے تھے۔ بزرگان دین سے عقیدت رکھتے ہیں اور اکثر ان کے اعراس میں شرکت اور حاضری سے مستفید ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا قاسم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت کلیم اللہ شاہجہان

پوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے بیعت ہیں۔ شریعت کے ساتھ طریقت کے بھی پابند اور عامل ہیں۔ اپنی عربی تعلیم اور عبادت گزاری کی وجہ سے خاندان اور احباب میں مولوی میاں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں دادوں میں بڑے پیمانہ پر محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محرم کے زمانہ میں مجلس عزا منعقد کرتے تھے دل کھول کر تبرک تقسیم کرتے تھے اور باہر سے آنے والے حضرات کی دعوتیں کرتے تھے۔ دنیادی مشاغل میں جوان عمری میں گھوڑے کی سواری کا شوق تھا اور گھوڑ دوڑ سے ذوق۔ اُس زمانہ میں خاندان بھر کیا بلکہ آس پاس موصوف سے بہتر اور زیادہ سواری، دوڑ اور کتّوں سے شکار کے گھوڑے شاید ہی کوئی رکھتا ہو۔ ایک مرتبہ ملازمت کے زمانہ میں راقم الحروف نے اُن کے تیز رفتار گھوڑ دوڑ کے عربی گھوڑے سے گر کر جسمانی تکلیف اُٹھائی جس کا لطف اور موصوف کا مذاق ہمیشہ یاد رہیں گے۔ اسی طرح موصوف نے شکاری کتوں اور عمدہ عمدہ کبوتر رکھنے کا شوق اور اُن کا انتظام انتہا تک پہونچا دیا۔ اپنے خاندان کی طرح چڑیا کے شکار کے بڑے شائق ہیں اور تیتر، بٹیر، چھا، مرغابی پر نشانہ لگانے اور اُن کے شکار میں بھلے بھلے شکاری موصوف کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی شوق کی بدولت موصوف اکثر احباب کے میزبان بنتے ہیں اور طرح طرح کے کھانے کھلاتے ہیں۔ موصوف نے دادوں میں اپنے دادا مرحوم کے زمانہ کے وسیع باغ میں آخر الذکر کی بنائی ہوئی کوٹھی کی جگہ ایک بڑی عالی شان اور خوبصورت دو منزلہ کوٹھی تیار کرائی جس کے ہال کمرہ کی چھت تو آسمان سے باتیں کرتی ہے مگر اب یہ اکثر و بیشتر خالی پڑی رہتی ہے کیونکہ موصوف کا قیام علی گڑھ کی کوٹھی بیت الاکرم میں رہتا ہے۔ موصوف کئی سال تک صوبہ کی آئین ساز مجلس کے رکن رہے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے ممبر ہیں۔ علی گڑھ ایٹہ کے پبلک کارہائے رفاہ عام میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اور باوجود منسوخی زمینداری کے اب تک رعایا اُن کی ہمدرد ہے اور وہ ہمیشہ رعایا میں ہر دلعزیز اور اُن کے مددگار رہے۔ اُس کی مثالیں راقم الحروف نے خود دیکھی

ہیں موصوف کو کھانے کھلانے میں جو ذوق سلیم رہا اُس کی وجہ سے ان کا دسترخوان اکثر وسیع رہتا ہے۔ گویا ؎

بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ موصوف کا باورچی حاجی جیمی (جس کو سابق آقا نواب ابوبکر خاں مرحوم نے طباخی کی تعلیم دلائی) اپنے فن میں کامل ہے اور جوار میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

مولوی حاجی محمد جان خاں کی اولاد

موصوف کے بڑے صاحبزادہ احمد جان خاں متذکرہ بالا ہیں۔ عربی میں تعلیم یافتہ اور انگریزی سے واقف ہیں یہ بھی بہت اچھے گھوڑے کے سوار اور شکار کے شائق ہیں۔ انتظام زمینداری میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ نواب ابوبکر خاں مرحوم کی اکلوتی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی اور اُن کی جائداد کے اپنی خوشدامن صاحبہ کی طرف سے منتظم رہے۔ اب حیدرآباد سندھ پاکستان میں مع اپنے خاندان کے مقیم ہیں اور وہاں کی جائداد کے انتظام میں مشغول ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی غلام اکرم خاں عرف پیارے میاں مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ اور عربی میں ایم اے ہیں۔ ان کی شادی خان بہادر حبیب المتقیت خاں صاحب رئیس بودہ گاؤں کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی یہ تھوڑے عرصہ کے لئے دوران جنگ میں لکھنؤ میں سرکاری ملازم رہے اور اب یہ بھی حیدرآباد سندھ میں ہیں اور اُس جائداد کے منتظم ہیں جو علی گڑھ کی موروثی جائداد کے تبادلہ میں وہاں حاصل کی گئی۔

یہ دونوں بھائی مولوی میاں کی زوجہ اولی سے پیدا ہیں اور ما شاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ خدا ان کو خوش و خرم رکھے۔

مولوی محمد جان خاں کے تیسرے صاحبزادے غلام جیلانی خاں عرف اچھے میاں بی اے ہیں جو مولوی میاں کی زوجہ ثانی سے پیدا ہیں۔ ان کے سپرد موہن پور ضلع ایٹہ کے (یعنی اُن کے نانا مرحوم حاجی غلام محمد خاں کی) جائداد کا انتظام رہا

اب آج کل اُن کا قیام علی گڑھ میں ہے اور ہلدوانی ضلع نینی تال میں ایک زراعت کا فارم شروع کیا ہے۔ اُن کی شادی خاں صاحب چودھری احمد اللہ خاں رئیس قصبہ بہادر کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی غلام السبطین عرف افضال میاں بی ایس سی کی شادی نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ ان سے چھوٹے بھائی احمد جان عرف فیاض میاں کا قیام بھی علی گڑھ میں اپنے گھر پر رہتا ہے اُن کی صحت اچھی نہیں ہے فیاض میاں سے چھوٹے بھائی غلام الثقلین خاں عرف عاصم میاں کی شادی شاہجہاں پور میں ایک ممتاز ترین پٹھان خاندان میں حامد خاں مرحوم کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ حامد خاں مرحوم راقم الحروف کے دیرینہ کرم فرما اور مولوی میاں کے ایک عرصہ کے مخلص دوست تھے۔ عاصم میاں سے چھوٹے بھائی غلام الحسنین عرف عارف میاں کی شادی برلہ میں محمد عزیز خاں ابن حاجی عبدالواسع خاں مرحوم کی بیٹی کے ساتھ حال میں ہوئی۔ مولوی محمد جان خاں صاحب کی بڑی صاحبزادی کی شادی حسن پور کے سردار بہادر خاں شروانی بی اے کے ساتھ ہوئی جو اب پاکستان میں محکمہ مرکزی کسٹم میں عہدہ دار ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد موصوف نے اپنی خدمات وہاں کو منتقل کرا لیں۔

مولوی محمد جان خاں کی دوسری صاحبزادی کی شادی نواب رحمت اللہ خاں عرف حیات میاں ابن نواب سر حاجی محمد مزمل اللہ خاں مرحوم کے ساتھ ہوئی۔ خدا تعالیٰ اس خاندان کو اور اُن کی اولاد و احفاد کو با خیر و برکت خوش و خرم اور عرصہ تک زندہ رکھے۔

قبل اس کے کہ ہم اس خاندان کا یہ مختصر تذکرہ ختم کریں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ریاست ہائے بھیکم پور قلعہ جدید۔ دتاولی کے طرح یہاں بھی ریاست کی طرف سے غربا کے علاج کے واسطے حاذق طبیب ملازم رہے۔ اور یہ سلسلہ داد ولیاں میں نواب ابوبکر خاں مرحوم کی حیات تک رہا۔ حالانکہ یہاں ایک سرکاری شفا خانہ بھی موجود ہے

ہیں۔ موصوف کو کھانے کھلانے میں جو ذوق سلیم رہا اُس کی وجہ سے ان کا دسترخوان
اکثر وسیع رہتا ہے۔ گویا ؎

بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

کا مظاہرہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ موصوف کا باورچی حاجی حبّی (جس کو سابق آغا نواب
ابوبکر خاں مرحوم نے طبّاخی کی تعلیم دلائی) اپنے فن میں کامل ہے اور جواب میں اپنا ثانی
نہیں رکھتا۔

مولوی حاجی محمد جان خاں کی اولاد

موصوف کے بڑے صاحبزادہ احمد یوسف خاں متذکرہ بالا ہیں۔ عربی میں تعلیم یافتہ
اور انگریزی سے واقف ہیں یہ بھی بہت اچھے گھوڑے کے سوار اور شکار کے شائق
ہیں۔ انتظام زمینداری میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ نواب ابوبکر خان مرحوم کی
اکلوتی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی اور اُن کی جائداد کے اپنی خوشدامن
صاحبہ کی طرف سے منتظم رہے۔ اب حیدرآباد سندھ پاکستان میں مع اپنے خاندان
کے مقیم ہیں اور وہاں کی جائداد کے انتظام میں مشغول ہیں۔ ان سے چھوٹے
بھائی غلام اکرم خاں عرف پیارے میاں مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ اور عربی میں
ایم اے ہیں۔ ان کی شادی خان بہادر عبدالمقیت خاں صاحب رئیس بوڑہ گاؤں
کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ یہ تھوڑے عرصہ کے لئے دوران جنگ میں لکھنؤ میں
سرکاری ملازم رہے اور اب یہ بھی حیدرآباد سندھ میں ہیں اور اُس جائداد کے
منتظم ہیں جو علی گڑھ کی موروثی جائداد کے تبادلہ میں وہاں حاصل کی گئی۔
یہ دونوں بھائی مولوی میاں کی زوجۂ اولیٰ سے پیدا ہیں اور ماشاء اللہ صاحب
اولاد ہیں۔ خدا ان کو خوش و خرم رکھے۔

مولوی محمد جان خاں کے تیسرے صاحبزادے غلام جیلانی خاں عرف اچھے میاں
بی اے ہیں جو مولوی میاں کی زوجۂ ثانی سے پیدا ہیں۔ ان کے سپرد موہن پور
ضلع ایٹہ کی (یعنی اُن کے نانا مرحوم حاجی غلام محمد خاں کی) جائداد کا انتظام رہا۔

اب آج کل اُن کا قیام علی گڑھ میں ہے اور ہلدوانی ضلع نینی تال میں ایک زراعت کا فارم شروع کیا ہے۔ اُن کی شادی خاں صاحب چودھری احمد اللہ خاں رئیس قصبہ سہاور کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی غلام السبطین عرف افضال میاں بی ایس سی کی شادی نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں مرحوم کی چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ ان سے چھوٹے بھائی احمد جان عرف فیاض میاں کا قیام بھی علی گڑھ میں اپنے گھر پر رہتا ہے اُن کی صحت اچھی نہیں ہے فیاض میاں سے چھوٹے بھائی غلام الثقلین خاں عرف عاصم میاں کی شادی شاہجہاں پور میں ایک ممتاز ترین پٹھان خاندان میں حامد خاں مرحوم کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ حامد خاں مرحوم راقم الحروف کے دیرینہ کرم فرما اور مولوی میاں کے ایک عرصہ کے مخلص دوست تھے۔ عاصم میاں سے چھوٹے بھائی غلام الحسنین عرف عارف میاں کی شادی برلہ میں محمد عزیز خاں ابن حاجی عبدالواسع خاں مرحوم کی بیٹی کے ساتھ حال میں ہوئی۔ مولوی محمد جان خاں صاحب کی بڑی صاحبزادی کی شادی حسن پور کے سردار بہادر خاں شروانی بی اے کے ساتھ ہوئی جو اب پاکستان میں محکمہ مرکزی کسٹم میں عہدہ دار ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد موصوف نے اپنی خدمات وہاں کو منتقل کرا لیں۔

مولوی محمد جان خاں کی دوسری صاحبزادی کی شادی نواب رحمت اللہ خاں عرف حیات میاں ابن نواب سر حاجی محمد مزمل اللہ خاں مرحوم کے ساتھ ہوئی۔ خدا تعالےٰ اس خاندان کو اور اُن کی اولاد و احفاد کو با خیر و برکت خوش و خرم اور عرصہ تک زندہ رکھے۔

قبل اس کے کہ ہم اس خاندان کا یہ مختصر تذکرہ ختم کریں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ریاست ہائے بھیکم پور قلعہ جدید۔ دتاولی کے طرح یہاں بھی ریاست کی طرف سے غربا کے علاج کے واسطے حاذق طبیب ملازم رہے۔ اور یہ سلسلہ داد ولیھن نواب ابوبکر خاں مرحوم کی حیات تک رہا۔ حالانکہ یہاں ایک سرکاری شفا خانہ بھی موجود ہے۔

اس ریاست میں بھی خیرات اور صدقات کا سلسلہ مولوی محمد جان خاں کے دم سے اب تک جاری ہے۔

خاندان ڈناولی

خاندان ڈناولی کی پوری داستان کے واسطے ایک طویل مقالہ چاہیئے۔ ہم مختصراً چیدہ چیدہ واقعات عرض کریں گے۔ جیسا کہ اس خاندان کے شجرہ سے معلوم ہوگا اُس کے مورث صید حسن خاں تھے۔ یہ نہیں معلوم کہ ان میں اور مہر خاں میں (جن کا ذکر اوپر ہے اور جن سے پردرہ ڈناولی وغیرہ کے پٹھانوں کا نکاس ہے) کتنے پشت کا فرق ہے۔ مگر یہ فرق زیادہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اگر تاریخی اصول کے مطابق یہ لحاظ اوسط فی پشت تینتس (۳۳) سال کی مدت شمار کی جائے تو صید حسن خاں کا زمانہ بھی سلاطین دہلی بہلول لودی اور اُس کے بیٹے سکندر لودی کا ہم عصر قرار پاتا ہے اور جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے محمد میر خاں کا زمانہ بھی یہی ہے۔ ڈناولی کے موجودہ شروانیان صید حسن خاں سے سولہویں پشت میں ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ صید حسن خاں کی اولاد ڈناولی میں بہت بعد کو آکر بسی۔ اس خاندان کے شجرہ میں دو نام (یعنی کالے خاں اور گھاسی خاں جو صید حسن خاں سے ساتویں آٹھویں پشت میں تھے) ایسے ہیں جو بالکل ہندوستانی طرز کے ہیں۔ اصول مندرجہ بالا کے مطابق ان دونوں حضرات کا زمانہ شاہ عالم بہادر شاہ اور فرخ سیر بادشاہان کا ہم عصر قرار پاتا ہے۔ یہ خاندان پردرہ میں مغلیہ خاندان یا اُس سے کچھ دن قبل ہی سے آ بسا تھا۔ یہاں اب تک اس خاندان کا پرانا قبرستان موجود ہے۔ اگرچہ قبروں پر کوئی کتبے نہیں ہیں۔ زمانہ حال میں اس خاندان کے تاریخی حالات جو معلوم ہوسکے وہ عمر خاں ابن گھاسی خاں ابن کالے خاں سے شروع ہوتے ہیں۔

حاجی مراد خاں عمر خاں کے پوتے حاجی مراد خاں ابن شجاعت خاں تھے۔ مراد خاں سنہ ۱۷۱۱ء میں یا اُس کے قریب پیدا ہوئے۔ اور ایک سو بیس (۱۲۰) برس

کی عمر میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے۔ حاجی مراد خاں کا زمانہ خاندان و ریاست دتاولی کے لئے بڑا اہم تھا۔ حاجی مراد خاں کے نام لیوا پروفیسر حاجی محمد ہارون خاں نے اپنے دادا حاجی فیض احمد خاں کے بارے میں ایک مضمون اخبار جمہور علی گڑھ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں شائع کیا جس میں ضمناً حاجی مراد خاں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ مضمون چند خاندانی یادداشتوں پر مبنی ہے جو پروفیسر صاحب کے والد بزرگوار حاجی موسیٰ خاں مرحوم نے چھوڑیں۔ اس مضمون میں بعض باتیں تصریح طلب ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حاجی مراد خاں مرحوم اور اُن کا خاندان کب اور کیسے پرورہ سے نکل کر دتاولی میں آگیا۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی روایت (جس کا حوالہ پروفیسر صاحب موصوف نے بھی دیا ہے) یہ ہے کہ جاٹ گردی کے زمانہ میں حاجی مراد خاں نے پرورہ سے نکل کر دتاولی پر یورش کی اور اس کو جاٹوں سے چھین لیا۔ اس بارے میں ایک دوسری روایت حاجی ہدایت اللہ مرحوم نومسلم نے اپنی تحریری یادداشت میں جس کا نام اُنہوں نے تاریخ شیروانی عرف رحمت یزدانی رکھا اور جو جنوری ۱۹۰۳ء میں اُن کے انتقال سے قبل سنہ ۱۹۰۰ کے لگ بھگ مرتب ہوئی) دکھایا ہے کہ جب برہمن زمیندار دتاولی کی مالگذاری باقی رہی تو حاجی مراد خاں نے گوشائیوں کو (جن کا دور دورہ جاٹ گردی کے بعد شروع ہوا) یہ روپیہ ادا کیا اور گوشائیوں کے عمال نے حاجی مراد خاں کو دتاولی پر قبضہ دلایا۔ راقم الحروف نے اس تحریری یادداشت کو پروفیسر صاحب موصوف کے بھائی حاجی شبیب خاں صاحب کے پاس دیکھا۔ حاجی ہدایت اللہ نے اپنی یادداشت میں یہ بھی تحریر کیا کہ جب دتاولی پر قبضہ پالینے کے بعد حاجی مراد خاں نے وہاں گڈھی اور مکانات تعمیر کرائے تو پانچ سو جاٹوں نے گڑھی پر حملہ کیا مگر حاجی مراد خاں دلیری کے ساتھ ان سے لڑے اور جاٹ بری طرح سے شکست کھا کر بھاگے۔ اس آخری واقعہ کا لحاظ کرتے ہوئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ جاٹوں سے اور حاجی مراد خاں سے جنگ دونوں روایتوں میں مشترک ہے حاجی ہدایت اللہ مرحوم کی روایت غلط معلوم ہوتی ہے اور صحیح یہی روایت

معلوم ہوتی ہے کہ حاجی مراد خاں نے دتاولی پر یورش کرکے جاٹوں کو وہاں سے نکالا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جاٹوں کے چلے جانے کے بعد گوشائیوں نے بھی حاجی مراد خاں مرحوم کو ستایا ہو جیسا کہ انہوں نے بھیکم پور کے خاندان کو ستایا اور حاجی مراد خاں نے اُن کی جھولی بھر کر اس مصیبت کو ٹالا ہو جیسا کہ ایک مرتبہ سورجمل جاٹ کے جانشین نول سنگھ نے جلیسر کے علاقہ کی تاخت وتاراج کے بعد مرہٹوں کو ٹالا۔ پھر بھی ہدایت اللہ کی یادداشت بہت بعد کی ہے ڈسٹرکٹ گزیٹیر علاوہ خاندانی روایتوں کے سرکاری یادداشتوں پر مبنی ہے۔ اُس کے سامنے ۱۸۳۳ء و ۱۸۶۰ء کی بندوبست کی رپورٹیں بھی ہوں گی۔ انیسویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں حاجی مراد خاں کے زمانہ میں ریاست دتاولی کی ملکیت کے بارے میں بڑی مقدمہ بازی رہی۔ اُس کا قصہ یوں ہے کہ عمر خاں کے دو بیٹے تھے یعنی ایک شجاعت خاں پدر حاجی مراد خاں اور دوسرے دایم خاں پدر بشارت خاں۔ بشارت خاں کے بیٹے مداری خاں اور آخرالذکر کے بھائی مصری خاں کے بیٹے عبداللہ خاں۔ ان مداری خاں اور عبداللہ خاں نے حاجی مراد خاں کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ وہ اور حاجی مراد خاں یک جدی ہیں مگر حاجی مراد خاں نے پوری ریاست دتاولی پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس میں سے نصف ان دونوں مدعیان کو دلائی جائے۔ حاجی مراد خاں نے اس میں عذرداری داخل کی کہ مدعیان کے مورث دایم خاں مادرزاد نابینا تھے اُن کا ریاست پر کوئی قبضہ نہ تھا اور وہ اپنے باپ عمر خاں کی حیات میں فوت ہو گئے اور اس وجہ سے دایم خاں کی شاخ جس میں مدعیان تھے محجوب الارث ہو گئی۔ علاوہ ازیں عمر خاں نے نوّے سال سے ترک وطن کرکے چلے گئے تھے۔ اور مدعا علیہ حاجی مراد خاں ہی پچاس سال سے نواب مرزا نجف خاں گورنر کول کے وقت سے مالگذاری ادا کرتے چلے آئے ہیں مدعیان کی شاخ نے کبھی ادا نہ کی۔ علاوہ اس کے حاجی مراد خاں کے بھائی نظام خاں بھی اپنے والد شجاعت خاں کی حیات میں فوت ہو گئے اور انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اس لئے تنہا حاجی مراد خاں ریاست

دتاولی کے مالک اور قابض رہے۔ یہ مقدمہ عدالت العالیہ کلکتہ تک گیا اور اس میں آخر تک کامیابی کا سہرا حاجی مراد خاں کے سر رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدعیان متعلقہ کی شاخ معافیات اور کاشت کاری سے گزر بسر کرتی رہے اور اب تک ایک صاحب جو اس شاخ میں باقی رہ گئے ہیں کاشتکاری سے ہی اپنی معاش کماتے ہیں۔ اسی مقدمہ بازی کے دوران میں یعنی ۱۸۲۳ء میں حاجی مراد خاں نے ریاست دتاولی کا ہبہ نامہ عدالت کلکتہ میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن خاں کے حق میں رجسٹری کیا۔ اس ہبہ کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس سے قبل حاجی مراد خاں مفلوج ہو گئے تھے اور چونکہ وہ قوی ہیکل تھے اسی حالت میں ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ اس ہبہ نامہ میں بھی حاجی مراد خاں نے اسی قسم کا بیان لکھا جیسا کہ دیوانی کی عدالت میں اپنے جواب دعوے اور عذرداری مندرجہ بالا میں کیا تھا۔ ان بیانات میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ حاجی مراد خاں کا انتقال مارچ ۱۸۳۴ء (شوال ۱۲۴۱ھ) میں ہوا اور ہبہ نامہ ۱۸۲۳ء میں اس سال سے پچاس برس قبل یعنی نواب مرزا نجف خاں گورنر کول محولہ ہبہ نامہ کے زمانہ میں ۱۷۷۳ء یا ۱۷۷۴ء قرار پاتا ہے اور جیسا کہ تواریخ سے ثابت ہے نواب نجف خاں گورنر کول نے اسی زمانہ میں علی گڑھ سے جاٹوں کو نکالا۔ اور اسی میں خاندان بھیکم پور کے بھاگے ہوئے شروانیان واپس آئے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ جب حاجی مراد خاں نے جاٹوں کا چراغ گل ہوتے ہوئے دیکھا اور نواب مرزا نجف خاں کی آمد آمد کا غلغلہ ہوا تو پردہ سے نکل کر اور اس حالت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے دتاولی سے جاٹوں کو نکالا۔ اس لحاظ سے بھی ڈسٹرکٹ گزیٹر علی گڑھ کی روایت کسوٹی پر کھری قرار پاتی ہے۔ ہبہ نامہ کا دوسرا بیان بھی کہ عمر خاں نوے سال سے تارک الوطن تھے قابل غور ہے۔ اگر ہم ہبہ نامہ کے سن یعنی ۱۸۲۳ء سے نوے سال منہا کریں تو عمر خاں کے وطن چھوڑنے کا زمانہ ۱۷۳۳ء کے لگ بھگ یعنی جاٹ گردی اور گوشائیوں کے دور دورہ سے پہلے کا یعنی حاجی مراد خاں کے عالم شباب کا قرار پاتا ہے۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ عمر خاں اپنے وطن کو کیوں چھوڑ گئے۔ حاجی مراد خاں کی شادی

باز خاں رئیس بھیکم پور کی ہمشیر کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک بیٹے عبد الرحمن خاں تھے اور ایک بیٹی جن کی شادی مداری خاں متذکرہ بالا کے ساتھ ہوئی۔

حاجی مراد خاں نے ریاست دتاولی کو ترقی دی اور اس میں اضافہ کیا کیونکہ بقول جے۔ آر ہچنسن مصنف "اعداد و شمار علی گڑھ" ۱۸۳۱ء لغایتہ ۱۸۵۴ء (یعنی علی گڑھ اسٹیٹکس) ریاست دتاولی کا بندوبست ۱۸۳۳ء میں تھارن ٹن انگریز نے کیا اور اس وقت اس ریاست کے چھبیس تیس ۲۵ ۳۰ مواضعات تھے جن کی آمدنی تیس ہزار روپیہ سالانہ کے قریب تھی اور مالگذاری بیس ہزار روپیہ سالانہ کے قریب تشخیص ہوئی۔ دتاولی کے علاوہ ریاست کا بڑا موضع بڈھالسی تھا اس سے ثابت ہے کہ حاجی مراد خاں کے زمانہ میں ہی انہوں نے اور ان کے بیٹے عبد الرحمن خاں نے بڈھالسی کے علاقہ کو خرید لیا تھا عبد الرحمن خاں نے اپنے والد کے حیات ہی میں ریاست کا کاروبار سنبھال لیا تھا اور کرتا دھرتا وہی تھے۔ مئی ۱۸۴۳ء میں حکومت نے عبد الرحمن خاں کو آگرہ میں صدر الصدور کے عہدے پر تنخواہ چارسو روپیہ ماہوار علاوہ الاؤنس کے مقرر کیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے تھوڑے دن بعد اس عہدے سے استعفا دے دیا کیونکہ تھوڑے دن بعد موصوف کا انتقال ہوگیا۔ اس عہدے پر تقرری کی سند موصوف کے خاندان میں انیس الرحمن خاں ابن حاجی مولوی مونس خاں مرحوم کے پاس محفوظ ہے۔ حاجی مراد خاں کے داماد مداری خاں متذکرہ بالا نے دتاولی کے وسط میں پرانی گڑھی کے قریب ایک مسجد تعمیر کرائی۔ پرانی گڑھی کا تو اب نام و نشان بھی نہیں مگر مسجد موجود ہے اور اس پر حسب ذیل کتبہ ہے:

مداری خاں امیر باکرم پر بشارت خاں — بنائے مسجد نو طرز کرد از فضل یزدانی
مطرز شد بطرز بوالعجب از ہمت قائم خاں — کہ از طرز بدیعش آب غیرت بر رخ مانی
نصیر از کعبۂ دل چوں تاریخش نشاں جستم — بگفتا سال تاریخش بود بیت الحرم ثانی

۱۲۶۳ھ

۱۲۶۳ھ

اسی مسجد کے قریب بشارت خاں مرحوم کی شاخ یعنی احمد رضا خاں مرحوم وغیرہ کے مکانات موجود ہیں حاجی مراد خاں کا انتقال ایک سو بیس برس کی عمر میں ماہ پوس ۱۸۳۴ء میں ہو گیا۔

عبدالرحمٰن خاں اور اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ ان کی پیدائش ۱۷۶۳ء یا ۱۷۶۴ء میں ہوئی تھی۔ اور بازخاں رئیس بھیکم پور کی بیٹی کے ساتھ اُن کی شادی ہوئی۔ بھیکم پور اور دتاولی کے شروانی خاندانوں میں شادی بیاہ دونوں کے عروج کے زمانہ سے شروع ہو گئے تھے ؎

کہ زر زر کشد در جہاں گنج گنج

کا مقولہ مشہور ہے۔ اس عروج سے پہلے کا حال معلوم نہیں کہ دونوں میں رشتہ داری تھی یا نہیں بقول ہے۔ آنریبل ممتذکرہ بالا عبدالرحمٰن خاں نے بھی چھوٹی چھوٹی زمینداریاں اُس وقت خریدیں جب وہ بعلت بقایا مالگزاری سرکار نیلام ہوئیں اور اس طرح سے ریاست میں اضافہ کیا۔

اُن کے زمانہ میں ضلع علی گڑھ کے پرگنہ جات کی حدود میں بار بار تبدیلیاں ہوتی رہیں اور ریاست کے مواضعات کبھی پرگنہ اکبرآباد میں رہے اور کبھی پرگنہ اترولی میں مگر بالآخر اس ریاست کا زیادہ حصہ پرگنہ اترولی میں رکھا گیا۔ اگرچہ اب تک چند دیہات پرگنہ اکبرآباد میں بھی رہے۔ اس ضلع کے دیہات کے علاوہ ضلع بلند شہر کے تحصیل صدر و انوپ شہر کے وہ دیہات علیحدہ رہے جو بعد میں عبدالرحمٰن خاں کے بیٹے حاجی فیض احمد خاں کے زمانہ میں خریدے گئے جس زمانہ میں یہ آگرہ میں صدر الصدور تھے اپنی ریاست کی نگرانی میں بھی اپنے ضعیف والد بزرگوار مرحوم کو مدد دیتے رہے۔

عبدالرحمٰن خاں نے دتاولی میں گڑھی کے اندر ایک خوبصورت بنگلہ تعمیر کرایا اور اپنے بیٹے حاجی فیض احمد خاں کے نام پر فیض آباد اُس کا نام رکھا۔ اس بنگلہ پر حسب ذیل تاریخ کندہ ہے:

عبدالرحمٰن خان عالی مرتبت الانژاد — طرحِ بنگلہ خوشنما فرمود بہرِ خیر و داد
سالِ تاریخِ بنایش گو حسینؔ از قلبِ شاد — بنگلہ فیض آباد جائے منعم جواد باد

سنہ ۱۲۴۱ھ (مطابق سنہ ۲۷-۱۸۲۶ء)

عبدالرحمٰن خاں نے ستّر سال کی عمر میں اپنے والد کی حیات میں ہی اور آخرالذکر کے انتقال سے چند ماہ قبل اس دنیا سے رخصت ہو کر اُن کو داغ مفارقت دیا۔ یہ دونوں بڑے صاحب اقبال تھے اور ریاست کو بڑی ترقی دے گئے۔ عبدالرحمٰن خاں نے دو بیٹے چھوڑے یعنی محمد حسین خاں بعمر بیس سال اور حاجی فیض احمد خاں بعمر بارہ سال۔

محمد حسین خاں

محمد حسین خاں سنہ ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ حاجی داؤد خاں رئیس بھیکم پور کی صاحبزادی کے ساتھ اُن کی شادی ہوئی تھی مگر ان اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور وہ شباب ہی میں قضا کر گئیں۔ بقول پروفیسر حاجی ہارون خاں کے پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد محمد حسین خاں نے ایک غیر کفو خاندان کی لڑکی کے ساتھ شادی کی اور وہ اُن کو بڈہانسی میں رکھتے تھے۔ محمد حسین خاں نے صرف اٹھائیس سال کی عمر پائی اور سنہ ۱۸۳۸ء میں انتقال کیا۔ محمد حسین خاں کی وفات کے بعد اُن کی والدہ نے زوجہ ثانی کو اور اُس لڑکی کو جو اُن سے پیدا ہوئی دتاولی میں بلا کر رکھا اور لڑکی کو تعلیم دلائی اس کی شادی اپنے مختار عام مرزا وزیر بیگ کے ساتھ کر دی۔ ان دونوں سے ایک علیحدہ خاندان چلا اور بہت پھلا پھولا۔ اس جداگانہ خاندان کے حالات ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہیں۔ محمد حسین خاں کے انتقال کے بعد ریاست کے مالک اُن کے بھائی ہوئے۔

حاجی فیض احمد خاں

سنہ ۱۲۴۱ھ (۲۶-۱۸۲۵ء) میں پیدا ہوئے اور بھائی کے انتقال کے وقت اُن کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ ریاست کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں آئی اور حاجی فیض احمد خاں کے ماموں حاجی

داؤد خاں رئیس بھیکم پور ریاست دتاولی کے منیجر مقرر ہوئے۔ حاجی فیض احمد خاں نے کچھ دن تک اپنے دادا اور پھر اپنی والدہ اور ماموں کی نگرانی میں تربیت پائی اور گھر پر فارسی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ یہ شروع ہی سے بہت مذہبی اور فدائے اسلام تھے۔ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مرحوم دہلوی سے حدیث شریف پڑھی۔ موصوف کے استادوں میں مولوی سرفراز خاں رامپوری مولوی عبدالواحد خاں رامپوری مؤلف کتاب الایمان تھے۔ یہ دونوں حضرات عالم کامل اور باعمل تھے۔ اسی کے ساتھ فنون سپہ گری اور جسمانی ورزشوں میں مشق بہم پہونچائی۔ موصوف کے خلفا احباب میں مولانا قطب الدین مؤلف مظاہر حق بھی ممتاز تھے۔ موصوف کو حدیث شریف کے مطالعہ سے بہت شغف پیدا ہوگیا۔ جو نسخہ بخاری شریف کا موصوف کے مطالعہ میں تھا وہ اب اُن کے پوتے حاجی پروفیسر ہارون خاں کے پاس موجود ہے۔ اُن کی ایک تصنیف "اوراد ماثورہ" کو موصوف کے بیٹے نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم نے مطبع نورالانوار کانپور میں چھپوایا۔ ایک دوسری تصنیف "مناسک حج" بھی تھی مگر اُس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے ریاست کے انتظام اور ترقی میں توجہ سے کام لیا اور اُن کے زمانہ میں ضلع بلند شہر کا قریب چالیس دیہات کا علاقہ خریدا گیا۔ ضلع علی گڑھ میں بھی جائداد خرید کی گئی اور ریاست کے مواضعات کی تعداد ایک سو دس تک پہونچ گئی۔ موصوف فیاض اور مخیر تھے اُن کی سیر چشمی مشہور تھی۔ بقول موصوف کے پوتے پروفیسر حاجی ہارون خاں کے ایک مثال سے اُن کی ان صفات کا پتہ لگتا ہے۔ جب علی گڑھ کے قریب موضع گوڑ شنکرن کسی ڈگری کے اجرا میں نیلام ہوا تو حاجی صاحب موصوف کی طرف سے کارندوں نے بائیس ہزار روپیہ میں خرید لیا۔ جب کاغذات سرکاری میں حاجی صاحب موصوف کے نام کے اندراج اور داخل خارج کی نوبت آئی تو اس موضع کے ہندو مرد عورتیں اور بچے گڑھی کے صدر دروازہ پر پہونچکر واویلا کرنے لگے۔ جب حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے شور و غل سنا تو دریافت کیا کیا معاملہ

سے جواب دیا گیا کہ یہ لوگ دُہائی دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کا موضع تو حاجی
صاحب نے خرید لیا اب وہ کیا کھائیں کیسے گزر بسر کریں۔ یہ سُن کر موصوف آبدیدہ
ہوئے اور تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد حکم دیا کہ موضع کا بیع نامہ ترک کیا جائے۔
فریادی خوش خوش واپس ہو گئے اور حاجی صاحب نے اتنی بڑی رقم اور جائداد
پر لات ماردی۔ اللہ رے بے نیازی! موصوف کی اس فیاضی کا موجودہ حالات سے
مقابلہ کیا جائے تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ حاجی صاحب موصوف نے اپنی زندگی میں کثرت
سے مساجد تعمیر کرائیں چنانچہ دتاولی کی گڑھی میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی
جس میں ۱۲۷۰ھ کے کتبہ جات ہیں جو ذیل میں درج ہیں:-

(۱) محمد فیض احمد خان ذی جاہ ۔۔۔ شدہ چوں مسجدے والا و خوش اساس
نصیر از بہر تاریخش چنین گفت ۔۔۔ بنائے ثانی بیت المقدس

(۲) اولوالعزم خاں فیض احمد نے مسجد ۔۔۔ بنائی بلا کاری و خوش طرازی
پئے سال ہاتف نے دی بانگ علوی ۔۔۔ اذاں کہہ کے پڑھ لے نماز نیازی

(۳) چو مسجد فیض احمد خاں بنا کرد ۔۔۔ کہ [illegible] شد کنند [illegible]
شدہ تاریخ از رشتہ [illegible] ۔۔۔ جزاہ اللہ فی الدارین خیرا

اس کے علاوہ گڑھی میں موصوف نے بنگلہ فیض آباد میں تعمیر کیا اور بنگلہ
کے بڑے دروازہ پر بالا خانے تعمیر کرائے ان پر ۱۲۶۹ھ کے دو منظوم کتبے ہیں
یعنی:-

(۱) بنا وہ فیض احمد خاں کا بنگلہ ۔۔۔ تجمل جس سے گلستاں پہ نشاں ہے
ثنا نے لکھ دیا پر محل کی یہ تاریخ ۔۔۔ نہیں گرد بہار بے خزاں ہے
(ثناء اللہ خان فرخ آبادی)

(۲) زہے خان ذیشان ابن الامکاں — مکانے بنا کرد نقل بہشت
زہے کلک مشتاق سال بنا — بگو مورد فیض احمد نوشت

(مشتاق علی کاکوروی)

ان مکانات اور گڑھی کی مسجد کے علاوہ ملک پور ضلع بلند شہر، مواضعات بڈھانہ، پرورہ، پچھوسا دلی شاہ پور، کھیرسہ وغیرہ میں بھی مساجد تعمیر کرائیں اور اس صدقہ جاریہ سے لوگ اب تک مستفیض ہو رہے ہیں۔ ان مساجد میں مؤذن پیش امام مقرر کئے۔ بچوں کو دینی اور دنیوی تعلیم مفت دینے کے واسطے مدرسے قائم کئے اور ان کے مدرسین کے اخراجات برداشت کئے۔ دتاولی میں اور ملک پور میں غرباء کا مفت علاج کرنے کے واسطے یونانی طبیب مقرر کئے۔ دوائیں مفت دی جاتی تھیں اور دتاولی میں تو زمانہ حال میں چند سال قبل تک ریاست کی طرف سے یونانی طبیب رہے جن کو راقم الحروف نے بھی دیکھا ہے۔ موصوف کی جوانی کے زمانہ میں ۱۸۵۷ء کی شورش اور جنگ آزادی کا زمانہ آیا جس کو انگریز غدر کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس سے حاجی صاحب موصوف بھی بہت متاثر ہوئے۔ وہ پورے طور پر مسلمانوں کے ہمدرد تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ موصوف نے آخری اور لاچار تاجدار دہلی کی اپیل پر ایک ہزار روپیہ کی رقم بادشاہ کی خدمت میں بطور امداد اور نذر بھی بھیجی اور ساتھ ہی ضلع علی گڑھ کے مجاہدین کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ دتاولی کی گڑھی پر توپیں چڑھی ہوئی تھیں مگر اس کے ساتھ دتاولی میں کوئی شورش نہ ہونے دی اور اپنی فراست اور سیاست سے کھیرسہ اور دتاولی کی شورشوں کو حکمت عملی کے ساتھ دفع کیا۔ شہر علی گڑھ میں مولوی عبد الجلیل شہید مرحوم کے ساتھ ان کے گہرے مراسم تھے (مولانا مرحوم کا مزار کول کے بالا قلعہ کی جامع مسجد میں ہے جو نواب صاحب نے گذشتہ ۱۹۳۰ء میں تعمیر کرائی) اسی زمانہ میں دتاولی سے متعلق راقم الحروف کے موضع برہمن پور میں بڑی شورش ہوئی اور موضع الفت پور کے گدیوں نے چڑھائی

بدمعاشوں کے ساتھ مل کر برلہ کے ایک مالدار بنیے لالہ موجی رام کو قتل کرا دیا۔ یہاں کے مسلمان زمیندار اور راقم الحروف کے خاندان نے دیگر ملحقہ مواضعات میں پناہ لی۔ اس زمانہ میں یہاں نیل سازی کے کارخانے اور کوٹھی کا مالک (Dandy) ڈانڈی کے چلے جانے کے بعد ایک انگریز تاجر پوتھ نامی تھا ان دونوں کا ذکر ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ نے کیا ہے۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم سے اس کے تعلقات تھے۔ یہ انگریز گھبرا کر برلہ سے بھاگا اور اپنا کاروبار سب سامان چھوڑ گیا۔ اُس کا کوئی نگراں نہ تھا تو حاجی صاحب موصوف نے اس کا سامان اپنے یہاں حفاظت سے رکھا اور اپنے ملازمان کے ذریعہ سے اس انگریز کی کوٹھی اور کاروبار کی نگرانی کرائی۔ اور ہنگامہ فرو ہونے کے بعد یہ سب اُس کو واپس دیا۔ پوتھ کو بہت نقصان سے بچا لیا جس کا بڑا گہرا اثر اُس کے دل پر ہوا۔ گھبرائے ہوئے اور بدلا لینے پر تلے ہوئے انگریز حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی طرف سے مشکوک تھے۔ تحقیقاتیں اور تلاشیاں شروع ہوئیں دتا ولی کی گڑھی کے دروازوں پر توپیں تو پہلے ہی سے موجود تھیں۔ تلاشی میں ایک رفل بھی برآمد ہوا اور حاجی صاحب موصوف کو پکڑ لئے گئے اور بلند شہر کی حوالات میں بند کر دئے گئے۔ جب برلہ کے انگریز پوتھ کو موصوف کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ کسی نہ کسی طرح اُن سے ملا اور کہا کہ رفل کے بارے میں موصوف اپنی صفائی میں کہدیں کہ پوتھ کا دیا ہوا ہے۔ مگر موصوف نے یہ کہہ کر کہ وہ جھوٹ کبھی نہ بولیں گے اس قسم کا بیان دینے سے انکار کر دیا۔ پوتھ نے یہ تدبیر کی کہ وہ انگریز حکام سے ملا اور موصوف کی پُرزور سفارش کی اور کہا کہ رفل اُس کا دیا ہوا ہے اور حاجی صاحب نے اُس کے ساتھ یہ سلوک کئے ہیں۔ بہرحال جب حاجی صاحب کے خلاف الزامات غلط ثابت ہوئے تو وہ رہا کر دئے گئے۔ مگر موصوف ان واقعات سے بہت متاثر ہوئے اور اُن کی خود دار طبیعت نے اُن کو ہندستان سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور وہ مکہ معظمہ چلے گئے۔ موصوف نے مکہ معظمہ کے محلے

حارۃ الشامیہ میں مکانات خرید کئے اور انہیں گرا کے ایک رباط (مسافرخانہ) فی سبیل اللہ وقف کئے۔ راقم الحروف نے بھی ان محلے میں ان کے مکانات کا موقع دیکھا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں عیسائی پادریوں نے انگریزی حکومت کے بل بوتے پر عیسائیت کی اشاعت اور تبلیغ اور اسلام کی مخالفت کا ملک بھر میں جال پھیلا رکھا تھا اور مسلمان علماء جان توڑ کر عیسائیت کی اس کوشش اور مذہب اسلام پر حملوں کے رد کرنے کی سعی میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مولانا حاجی رحمت اللہ صاحب مرحوم کیرانوی مہاجر مکی نے آگرہ میں پادری فنڈر کو ایک بڑے مناظرہ میں نیچا دکھا کر ان کی تحریکات کو روکا اور اس کے بعد جب مولانا مرحوم موصوف بھی ہندوستان کی حالت سے بیزار ہو کر ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں جا بسے اور وہاں ایک مذہبی اور دینی تعلیم کا مدرسہ صولتیہ کی (جو اب مکہ معظمہ میں سب سے بڑی اور مسلمانوں کی امداد کی مستحق درسگاہ ہے) اپنے رفیق کار مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم مہاجر کی تائید سے بنا ڈالی تو یہ تعلیم گاہ سب سے پہلے محلہ شامیہ میں حاجی فیض احمد خاں صاحب مرحوم کے مکان میں قائم ہوئی۔ یہاں بھی حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے ہندوستان کی طرح مسلمان بچوں کی تعلیم میں اس طرح حصہ لے کر ثواب کمایا۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے طائف میں بھی مسجد اور مکانات تعمیر کرائے اور ایک باغ خریدا یہ سرزمین ایسی پسند آئی کہ وہیں کے ہو رہے۔ جب ۱۸۷۷ء میں ترکوں میں اور روس میں جنگ چھڑ گئی تو حاجی صاحب موصوف نے ایک کثیر رقم بطور مالی امداد کے سلطان ترکی کو نذر کی اور اپنے آپ کو بطور رضاکار پیش کیا۔ جس پر سلطان ترکی نے (جن کو اس زمانہ میں خلیفۃ المسلمین کا درجہ حاصل تھا) خوش ہو کر ایک سنہری تمغہ اپنے سکرٹری کے ذریعہ سے حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی خدمت میں بھیجا اور موصوف کے لئے قطر و ترکیہ میں آٹھ توپوں کی سلامی مقرر کی۔ مکہ معظمہ میں حاجی صاحب موصوف کا بڑا رسوخ تھا اور وہ اس قدر ہر دلعزیز تھے کہ

بچہ بچہ اُن سے واقف تھا وہ خواجہ ہندیؒ کے نام سے پکارے جاتے تھے اس مقدس شہر کے قیام میں موصوف کی اہلیہ اُن کے ساتھ تھیں اور اُن کی زیادہ اولادیں یہیں پیدا ہوئیں۔ زوجہ ثانی اعانت فاطمہ عرف بھرجی صاحبہ تو سولہ برس مکہ معظمہ میں رہیں۔ بے تکلف عربی بولتی تھیں اور متعدد حج کئے۔ یہاں کے قیام کے دوران میں والیِ حجاز اور شریف مکہ سے حاجی صاحب موصوف کے گھریلو اور بے تکلفی کے تعلقات تھے۔ اور وہ حاجی موصوف کے دسترخوان پر اکثر مہمان رہتے تھے۔ موصوف کی وجہ سے مکہ معظمہ کی ایک پہاڑی کا نام بھی "جبل ہندی" ہو گیا اور اسی وجہ سے طائف میں بھی موصوف کی تعمیر کرائی ہوئی مسجد "المسجد الہندی" کہلاتی ہے۔ حاجی صاحب موصوف اہلِ حدیث عقیدے کے تھے۔ اس زمانہ میں عبدالوہاب نجدی کی تحریک کی وجہ سے مکہ معظمہ میں وہابیوں اور اہلِ حدیث کے خلاف بڑا جوش تھا۔ چنانچہ شریف مکہ نے حاجی صاحب کے ملنے والے اہلِ حدیث علما یعنی مولوی محمد احسن اور مولوی امیر الدین وغیرہ مرحومین کے اخراج کا حکم دیا۔ حاجی موصوف یہ سن کر شریف مکہ کے پاس گئے اور کہا کہ میرے اخراج کا بھی حکم دیجئے۔ شریف نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیوں آپ تو یہاں کے عمائد میں سے ہیں؟ تو حاجی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ میں بھی اہلِ حدیث ہوں شریف نے سمجھا کہ موصوف کا غصہ ٹھنڈا کیا اور علما کے اخراج کا حکم واپس لے لیا۔ حاجی صاحب موصوف کا قیام مکہ معظمہ میں کم و بیش بیس سال رہا اور اس زمانہ میں دو شریف یہاں تھے یعنی شریف عبداللہ بن محمد ۱۲۷۴ھ سے ۱۲۹۴ھ تک اور شریف حسین پاشا بن محمد ۱۲۹۴ھ سے ۱۲۹۷ھ تک۔ حاجی صاحب موصوف کی عدم موجودگی میں اُن کے بڑے بیٹے نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم ریاست دتاولی کا کام کرتے تھے۔ حاجی نجیب احمد خاں مرحوم اس زمانہ میں دو تین مرتبہ دتاولی آئے۔ نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم نے اپنے پدر بزرگوار کی عدم موجودگی میں دتاولی کی گڑھی میں ایک عالی شان دو منزلہ کوٹھی بنگلہ شاہجہاں آباد کے اور مسجد

کے سامنے تعمیر کرائی اور اُس کو طرح طرح کے سامان اور جھاڑ فانوس سے آراستہ کیا۔ اور اپنے والد کے کتب خانہ کو وسعت دی۔ عربی فارسی کی کتابیں جمع کیں۔ ایک پائیں باغ لگایا جس کو گلابی باغ کہتے تھے۔ راقم الحروف نے بھی اُس کو آخری زمانہ میں جبکہ اُس پر پژمردگی کے آثار نمایاں ہو چکے تھے اور بہار خزاں سے بدل رہی تھی دیکھا ہے۔ اُس میں مختلف پھلوں کے درخت لگائے گئے۔ ایک حوض میں مچھلیاں پالی گئیں۔ اس باغ میں غریبوں کا مفت علاج کرنے کے واسطے شفاخانہ قایم کیا۔ آخری زمانہ میں اُس کے ایک ڈاکٹر شمشاد علی نامی باقی رہ گئے تھے جن کو اپنے لڑکپن کے زمانہ میں راقم الحروف نے بھی دیکھا۔ گڑھی میں چڑیا خانہ قایم کیا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اس سب آراستگی اور رونق کو دیکھ کر اُن کے والد بزرگوار خوش ہوں گے مگر معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم سیدھی سادھی زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے وہ بھلا ان باتوں کو اور اسراف کو کیا پسند کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ہجرت کے بعد ایک مرتبہ دتاولی آئے اور یہ سب آرائش اور عیش و عشرت کے سامان دیکھے۔ مصاحبین نے کہا کہ آپ کے صاحبزادے نے آپ کے آرام کے واسطے یہ کوٹھی تعمیر کرائی ہے۔ لاحول پڑھتے ہوئے اور غصہ میں کھڑے ہوئے اُس کے بڑے کمرہ میں داخل ہوئے اور بہت سے جھاڑ فانوس توڑ کر اپنے تعمیر کرائے ہوئے بنگلہ فیض آباد میں قیام کیا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

کا مضمون ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ پھر کبھی ہندوستان میں واپس نہیں آئے۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے بہ پابندی شرع کئی ایک نکاح کئے۔ اُن کی پہلی اہلیہ سے جو بھیکم پور کے خاندان کی تھیں ایک بیٹے حاجی یعقوب خاں اور ایک بیٹی پیدا ہوئیں جو نواب حاجی اسمٰعیل خاں سے چھوٹے تھے۔ دوسری اہلیہ عانت فاطمہ تھے جو وزیر خاں صاحب مرحوم کنتولی کی بیٹی تھیں نواب حاجی اسمٰعیل خاں اور

اُن کے بھائی بہنیں پیدا ہوئیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ ان کے علاوہ مکہ معظمہ میں
ایک نکاح والیِ افغانستان شاہ شجاع کے خاندان کی ایک بیگم سے کیا جن کا
نام نکاح کے بعد عروس بیگم ہوا۔ ان سے بھی تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے
علاوہ مکہ معظمہ میں اور بھی نکاح کئے مگر ان زوجگان اور اُن کی اولاد کا جلد
انتقال ہوگیا۔ بقول ایک تحریری یادداشت کے جو نواب حاجی اسمٰعیل خاں
مرحوم نے چھوڑی اور جس کو راقم الحروف نے دیکھا ہے حاجی فیض احمد خاں مرحوم
طائف کے قیام میں بیمار ہوئے اور رمضان ۱۲۹۵ھ مطابق ستمبر ۱۸۷۸ء میں
اُن کا انتقال وہیں ہوگیا۔ بحساب سن ہجری ۵۴ سال اور بحساب سن عیسوی
باون سال کی عمر پائی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مزار شریف
کے متصل اور مسجد کے پائیں گورستان میں اپنی والدہ مرحومہ کی قبر کے متصل دفن کئے
گئے۔ اُن کے جنازے کی نماز غائبانہ مکہ معظمہ میں بھی ادا کی گئی جس میں شریف مکہ
اور عمائد شریک ہوئے اور حکومت کے دفاتر ایک روز بند رہے۔

زہرہ بیگم عرف بیگم صاحبہ

اب یہاں ایک اور دلچسپ واقعہ کا بیان کرنا
ضروری ہے جس کا تعلق خاندان دتاولی سے
ہے۔ اسکاٹ لینڈ انگلستان کا رہنے والا ایک انگریز (Dr Maeckin Zosh) ڈاکٹر
میکن ٹوش تھا جو اپنی زوجہ کے ڈبلن شائر انگلستان میں آ رہا۔ یہ بی بی تعلیم یافتہ
تھیں مگر وہ اپنے مذہب عیسائیت کی طرف سے بہت مشکوک اور اُس کی صداقت
کی بابت شبہات میں مبتلا تھیں۔ بچوں کے ہمراہ دونوں میاں بی بی ۱۸۵۷ء کے
لگ بھگ ہندوستان میں چلے آئے اور دہلی میں مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب
رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بی بی کا اصلی نام نہیں معلوم
مگر بعد کو وہ زہرہ بیگم مشہور ہوئیں۔ یہ خاندان حج کی غرض سے مکہ معظمہ پہنچا اور کچھ
دن بعد شوہر اور بچوں کا وہاں انتقال ہوگیا۔ زہرہ بیگم کا سرمایہ ختم ہوگیا اور
وہ طرح طرح کے مصائب اور آلام میں مبتلا ہوئیں مگر بڑی مستقل مزاج اور با

نئے مذہب اسلام میں پکی اور استقلال کی آزمائش میں پوری ثابت ہوئیں۔ وہ کپڑوں کی سلائی سے تکلیف کے ساتھ گزر بسر کرنے لگیں۔ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مرحوم دہلوی بھی اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ موصوف نے ان بیگم کو لکھا کہ وہ نکاح ثانی کر لیں تاکہ اُن کی تکلیف رفع ہو جائے مگر بیگم نے ایک نہ سنی اور وہ اسی حالت پر قانع رہیں جب مولانا صاحب مرحوم موصوف نے ہندوستان کو واپسی کا ارادہ کیا تو بیگم مرحومہ کی نگرانی مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مرحوم نے اپنے شاگرد حاجی فیض احمد خاں مرحوم شروانی رئیس دتاولی کے سپرد کر دی۔ آخرالذکر کے دوست حکیم ملا نواب مرحوم کو بھی اس کام میں شامل کر دیا۔ یہ حکیم ملا نواب ہی تھے جن کی زوجہ کی بہن عزیزالنسا یا نجم النساء عرف عروسہ بیگم صاحبہ مرحومہ سے حاجی فیض احمد خاں مرحوم نے نکاح کر لیا تھا اور جن کے بطن سے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے انتقال کے بعد جب اُن کا خاندان حاجی نواب اسماعیل خاں مرحوم (ابن حاجی فیض احمد خاں) کے ساتھ ہندوستان کو واپس آیا تو یہ انگریز خاتون زہرا بیگم بھی یہاں چلی آئیں اور دم واپسیں (۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء) تک دتاولی میں مقیم رہیں کبھی علی گڑھ میں نواب حاجی اسماعیل خاں مرحوم کی ڈگی والی کوٹھی (حال نشاط) میں قیام کرتی تھیں راقم الحروف نے لڑکپن کے زمانہ میں مرحومہ کو یہیں دیکھا تھا۔ لوگ اُن کو بیگم صاحبہ کے نام سے پکارتے تھے۔ اُردو بہت صاف بولنے لگی تھیں عربی کر تا پا جامہ پہنتی تھیں۔ ایک انگریز ایچ۔ پی۔ کین سلطان کا بھیس بدل کر دھوکے فریب سے مکہ گیا تھا۔ کچھ دن وہاں مقیم رہا۔ جب اُس کو ان انگریز خاتون کا وہاں حال معلوم ہوا تو وہ مکہ معظمہ میں اُن سے ملا۔ باتوں ہی باتوں میں اُن کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا اُس نے بیگم مرحومہ کو اپنے وطن میں واپسی کی بہت کچھ ترغیب دی مگر اس میں بھی وہ ناکام رہا۔ یہ بڑی مستقل مزاج تھیں اور اسلام پر ثابت قدم رہیں علی گڑھ میں انگریز کلکٹر فارن آفس لندن کی خاص ہدایت کی بنا پر حکومت کی طرف سے ان کے حالات معلوم کرنے کے واسطے تعینات ہوا اُس کی زوجہ بھی بیگم

مرحومہ سے ملتی رہتی تھیں مگر وہ بھی اس کام میں کامیاب نہیں ہوا۔ بیگم صاحبہ خاندان شروانی کی مستورات سے گھل مل گئی تھیں۔ بالخصوص حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی زوجہ اعانت فاطمہ مرحومہ اور اُن کے بیٹوں اور دوسرے عزیز قریبوں سے علی قدر حال گہرے اور محبت کے تعلقات تھے۔ چونسٹھ برس کی عمر پائی اور ۱۹۲۳ء میں دتاولی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئیں۔ مرحومہ کے متعلق حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے پوتے حاجی پروفیسر ہارون خاں صاحب شروانی نے دو مضامین (اپریل و جولائی ۱۹۵۲ء کے) اخبار جمہور علی گڑھ میں شائع کئے جس میں بیگم مرحومہ اور کیپن کی بابت پوری تفصیلات درج ہیں اور مرحوم کے حالات کی بابت مولانا امان الرحمٰن صاحب مرحوم متذکرہ بالا کی کتاب "ذکر جمیل" اور ایچ۔ پی۔ کیپن کی کتاب "حجاز میں چھ ماہ" (Six months in Hejaz) کی اسناد پیش کی ہیں۔ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی صاحب کے ایک مضمون بعنوان "گورستان یادگاں" (جمہور ۲۰ جنوری ۱۹۵۲ء) میں بیگم صاحبہ کے متعلق پہلا مضمون شائع ہوا۔ مولوی صاحب موصوف کے علم سینہ کے مطابق وہ فیض احمد خاں صاحب کے نکاح میں تھیں۔ اور پروفیسر ہارون خاں صاحب کے علم سفینہ کے مطابق نکاح میں نہ تھیں۔ بیگم مرحومہ کے متعلق مزید تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حاجی فیض احمد خاں صاحب نہایت کثیر الاولاد تھے۔ باون سال کی عمر میں باون ۵۲ یا ترپن ۵۳ اولادیں مختلف بطنوں سے ہوئیں۔ سب سے زیادہ اعانت النساء کے بطن سے ہوئیں۔

حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے مزار کو اُن کے بیٹے مولوی حاجی یونس خاں مرحوم اور حاجی عیسیٰ خاں مرحوم اور اُن کے پوتے حاجی شبیث خاں اور آخر الذکر کی ہمشیر راحیلہ خاتون صاحبہ نے دیکھا ہے۔ بی بی راحیلہ خاتون نے طائف کے قیام میں اُس کی مرمت کا انتظام بھی کیا۔ حاجی فیض احمد خاں کی بیماری اور وفات کی خبر پہونچنے پر حاجی اسماعیل خاں مکہ معظمہ گئے۔ اُس وقت حاجی فیض احمد خاں کے آٹھ ورثہ ہندوستان میں اور گیارہ مکہ معظمہ میں تھے۔

فیض احمد خاں کی پہلی شادی خاندان بھیکم پور میں ہوئی مگر ان اہلیہ کے بطن سے کچھ دن تک اولاد نہیں ہوئی تو دوسری شادی موضع کنوبی میں امانت فاطمہ (دختر وزیر خاں) کے ساتھ ہوئی۔ ان دوسرے بطن سے سب سے پہلے

اسماعیل خاں جمادی الاوّل سنہ ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اس کے بعد اسحاق خاں پیدا ہوئے جن کا انتقال جوانی عمری میں ہوگیا۔ اسحاق خاں کی شادی نواب فضل اللہ خاں کی بڑی ہمشیرہ سے ہوئی مگر شادی کے جلد ہی بعد بیوہ ہوجانے کے بعد ان کا عقد ثانی حاجی یوسف خاں سے ہوگیا۔ مگر پھر خود بھی زیادہ زندہ نہ رہیں۔

امانت فاطمہ سے دو بچے (اسماعیل خاں و اسحاق خاں) ہوجانے کے بعد پہلے (بھیکم پور والی) بطن سے دو بچے ہوئے ایک بیٹی امت القیوم عرف بڑی بی اور ان کے بعد حاجی یعقوب خاں سنہ ۱۲۷۳ھ میں۔ ان سے بس یہی دو بچے ہوئے۔ مگر دوسری اہلیہ سے بعد اسمٰعیل خاں و اسحٰق خاں یوسف خاں سنہ ۱۲۸۱ھ میں بمقام مکہ مولوی حاجی یونس خاں سنہ ۱۲۸۳ھ میں بمقام طائف سنہ ۱۲۸۹ھ میں حاجی موسیٰ خاں بمقام مکہ اور پھر حاجی عیسیٰ خاں سنہ ۱۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ان حضرات کے علاوہ دو بیٹیاں یعنی رابعہ بیگم اور نور فاطمہ بوجی صاحبہ کے بطن سے اور تین لڑکیاں جن میں مریم بیگم بڑی تھیں) عروسہ بیگم کے بطن سے اور چار لڑکیاں عرب زوجگان سے پیدا ہوئیں ان میں سے ایک عرب اہلیہ اور ان کی لڑکی حاجی اسماعیل خاں کے مکہ معظمہ پہونچنے سے قبل فوت ہوچکی تھیں۔ نواب حاجی اسماعیل خاں اپنے بھائی بہنوں کو اور والدہ اور عروسہ بیگم کو مع ان کی تینوں بیٹیوں کے دتاولی لے آئے باقی ماندہ عرب زوجگان اور ان کی لڑکیوں کی جائداد کے حصوں کو بیعنامہ کرکے اُس کی قیمت کا روپیہ ادا کر دیا۔ حاجی اسماعیل خاں اور یعقوب خاں کے علاوہ بقیہ بیٹے اُس وقت نابالغ تھے۔ اُس وقت خاندان شروانی میں بی بیوں اور بیٹیوں کے ناموں کا اندراج بطور حصہ داران کاغذات سرکاری میں کرانے کا رواج کم تھا البتہ بیٹیوں کی شادی ہونے پر جہیز میں ان کے حصہ کی جائداد کم و بیش دے دی جاتی تھی۔ دتاولی میں آنے کے بعد عروسہ بیگم کے تعلقات خاندان کی دیگر مستورات سے خوشگوار نہ رہے اس لئے سنہ ۱۸۸۰ء میں وہ اپنی لڑکیوں کو ساتھ لے کر نواب حاجی اسماعیل خاں کی ہمراہی میں پھر مکہ معظمہ واپس چلی گئیں۔ اس زمانہ میں بڑے بھائی

کی عدم موجودگی میں حاجی یعقوب خاں اور حاجی یوسف خاں نے ریاست کا کام انجام دیا۔ ۱۸۸۲ء تک حاجی اسماعیل خاں دو تین مرتبہ ہندوستان میں آئے اور پھر حجاز کو واپس گئے عروسہ بیگم اور اُن کی لڑکیاں پھر یہاں آئیں مگر جب مئی ۱۸۸۴ء میں نواب حاجی اسماعیل خاں یورپ کے سفر کے واسطے روانہ ہوئے تو عروسہ بیگم اور اُن کی لڑکیوں کو مکہ میں چھوڑ گئے۔ شروانی خاندان میں حاجی اسمٰعیل خاں پہلے شخص تھے جنہوں نے یورپ کی آب و ہوا چکھی۔ اُس زمانہ میں تو ایسا سفر نہ محض بمنزلہ قطعہ سقر تھا بلکہ مذہب کے پابند مسلمان اُس کو بُری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ حاجی فیض احمد خاں کے ورثہ کی تعداد کثیر اور پھر اس طویل سفر کے اخراجات جن کی وجہ سے ریاست کی آمدنی پر بہت بار پڑ گیا اور یہیں سے آئندہ تقسیم ریاست کی بنا پڑی۔ پھر گڑھی دتاولی میں کوٹھی کی تعمیر نے اور بھی اضافہ کر دیا۔ سفر یورپ کی واپسی سے قبل حاجی اسماعیل خاں قسطنطنیہ گئے اور خلیفۃ المسلمین سلطان المعظم کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ اپنے والد مرحوم کی طرح ایک طلائی تمغہ سے سرفراز ہوئے۔ ترکی زبان سے خوب واقف ہو گئے۔ راقم الحروف نے اپنی طالب علمی اور موصوف کی ڈگّی والی کوٹھی (حال نشاط) میں قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ موصوف کے پاس ترکی زبان کے اخبارات آتے تھے جن میں وہاں کا ایک باتصویر اخبار "ثروت فنون" بھی شامل تھا۔ سید سجاد حیدر یلدرم مرحوم نے اُس زمانہ میں جبکہ وہ روزانہ کچھ وقت موصوف کو علی گڑھ میں بطور سکریٹری دیتے تھے ترکی زبان موصوف ہی سے سیکھی۔ حاجی صاحب ۱۸۸۵ء میں سفر سے واپس آئے۔ بھائی صاحبان کی شکایت پر یہ انتظام کیا کہ مہمان داری اور مشترکہ اخراجات کے علاوہ والدہ صاحبان اور بھائی بہنوں کو ذاتی اخراجات کے واسطے سالانہ رقوم ملتی رہیں۔ اس عرصہ میں ریاست کچھ مقروض ہو گئی اس لئے قرضہ کی ادائگی کا بندوبست کیا گیا ۱۸۸۵-۸۶ء میں باہمی مشورہ سے کچھ دیہات علیحدہ علیحدہ ہر ایک بھائی کے انتظام میں دیدے گئے تاکہ وہ اپنے اور پھوپھی صاحبہ اور بہنوں کے اخراجات برداشت کریں۔ عروسہ بیگم اور اُن کی لڑکیوں کے اخراجات

کا انتظام نواب صاحب ممدوح نے اپنے سپرد رکھا۔ ۱۸۸۶ء میں وہ مکہ معظمہ پھر گئے مگر جلد ماہ دو ماہ وہاں رہ کر واپس آ گئے۔ اس زمانہ میں حاجی یوسف خاں کے ساتھ مولوی حاجی یونس خاں بھی انتظام ریاست میں شریک رہے۔ نواب حاجی اسمٰعیل خاں نے دو تین مرتبہ بنکوں سے اور مہاجنوں سے قرض لیا۔ کاغذ کی ناؤ کب تک چلتی بھائیوں میں آپس میں بے اطمینانی اور بدمزگی ہونے لگی۔ نواب صاحب اکثر سفر میں رہتے تھے۔ سامان آرائش و آرام و ملبوسات عمدہ رکھتے تھے۔ راقم الحروف نے اُن کی متعدد تصاویر عربی لباس میں دیکھی ہیں۔ بالآخر حاجی یوسف خاں دتاولی سے باہر کول میں رہنے لگے اور ذاتی اخراجات کے واسطے دیہات کی تقسیم میں کئی مرتبہ تبدیلیاں ہوئیں۔ حاجی یوسف خاں مرحوم کا ارادہ ہوا کہ وہ صوبہ کی حکومت میں ملازم ہوں اس لیے ۱۸۹۱ء میں نواب صاحب ممدوح نے کلکٹر جیمس ڈگس لاٹوش سے (جو بعد کو صوبہ کے لفٹنٹ گورنر ہو گئے) سفارش کر کے حاجی یوسف خاں مرحوم کو سکندرہ راؤ کی تحصیل میں نائب تحصیلداری کا کام سیکھنے کی اجازت دلائی مگر یہ شوق محض حباب ثابت ہوا ؎

اگر اندیشے ماند شیے دیگر نمے ماند

کا مضمون ہوا۔ انجام کار ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) میں ایک پنچایت کے ذریعہ سے (جس کے پنچ حاجی کریم اللہ خاں صاحب رئیس بوڑہ گاؤں۔ حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے بھانجے حاجی مصطفٰے خاں رئیس بوڑہ گاؤں اور سید زاہد حسین الہ آبادی ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ سرپنچ تھے) ریاست دتاولی آپس میں تقسیم ہوئی۔ تقسیم کے وقت ریاست کا مشترکہ منافعہ ایک لاکھ چار پانچ ہزار روپیہ سالانہ تھا اس کے علاوہ جائداد سکنی تھی۔ ہر ایک بھائی کے حصہ میں دس دس ہزار روپیہ سالانہ کا منافع آیا۔ حاجی یوسف خاں کو حصہ میں علاوہ دیگر دیہات کے بڑھا لشی ملا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ حاجی یعقوب خاں نے اپنے واسطے بیلی کوٹھی واقعہ سرلئے حکیم علی گڑھ پسند کی۔ باقی بھائی بہن اور پھوپھی صاحبہ دتاولی میں رہے مگر حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم نے ۱۳۰۹ھ میں ڈگی والی کوٹھی علی گڑھ

(حال نشاط) سوہن پال بقال سے چھ ہزار روپیہ سے کچھ زائد میں خرید کر اور اُس میں ترمیم کر کے سکونت وہاں اختیار کی۔ ریاست عروسہ بیگم اور اُن کی لڑکیوں کا انتظام حاجی اسماعیل خاں کے سپرد رہا جس کی بدولت دتاولی کے خاندان سے باہر کے شروانیاں بھی اس ریاست میں حصہ دار ہوگئے۔ جیسا کہ آگے دکھایا جائے گا عروسہ بیگم کی بڑی بیٹی مریم بیگم کا نکاح دہلی کے شہزادہ محمد احمد کے ساتھ ہوا اور وہ کبھی کبھی علی گڑھ میں کالا محل میں آکر رہتے تھے۔ دوسری دو بیٹیوں میں منجھلی کا نکاح اول حاجی عبدالکفیل خاں بلونوی سے ہوا۔ اور ان سے طلاق کے بعد عبدالجلیل خاں ساکن کناوہ (جو حاجی اسماعیل خاں کے مختارکل اور کارکن تھے) ان کے بھائی حاجی عبدالجمیل خاں سے اور چھوٹی کا عبدالجلیل خاں مرحوم کے بیٹے حافظ مصلح الدین خاں کے ساتھ ہوا۔ ریاست میں ان کو بھی حصہ ملا۔ ضلع بلندشہر کے دیہات حاجی اسماعیل خاں۔ عروسہ بیگم۔ اور اُن کی بیٹیوں اور مولوی حاجی یونس خاں اور حاجی عیسٰی خاں کے حصہ میں علاوہ علی گڑھ ضلع کے دیہات کے آئے۔ اب اس مجموعی جائداد کا منافعہ زمانہ حال میں تین لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب تھا مگر یہ بھی حکومت کی منسوخی زمینداری کی تجویز کے ماتحت ختم ہوگیا۔

ریاست دتاولی کی اس مجمل اور مختصر داستان کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی اولاد ذکور کی بابتہ فرداً فرداً بھی کچھ عرض کریں۔

نواب حاجی اسماعیل خاں کے کچھ حالات سفر تو ہم اوپر بتا چکے ہیں اس کے علاوہ موصوف کو ہندوستان میں بھی بہت سے سفر درپیش رہتے تھے۔ وہ سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ کے دست راست تھے۔ اور اُن کی تعلیمی تحریک سے پورے طور پر وابستہ۔ محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج کی حتی الوسع خدمت کرتے رہے۔ اُن کے نام نامی کے کتبے اس درسگاہ کی عمارتوں پر موجود ہیں۔ سرسید علیہ الرحمۃ کے ساتھ حیدرآباد دکن اور پنجاب میں وفود کے ساتھ گئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ضلع کے حکام اور صوبہ کی حکومت میں با اثر تھے۔ صوبہ کے لفٹنٹ گورنر نے موصوف کو اُس زمانہ کی صوبہ کی آئین ساز کونسل کا ممبر مقرر کیا۔ موصوف کو لکھنے پڑھنے کا ذوق سلیم تھا۔ اگرچہ

اُنھوں نے انگریزی تعلیم نہیں پائی تھی مگر یورپ کے سفر، انگریزوں کی صحبت اور مدرسۃ العلوم کے معاملات سے وابستگی کی وجہ سے اس زبان سے کچھ واقفیت حاصل کر لی تھی۔ اُس زمانہ کے تہذیب الاخلاق و انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور دیگر رسائل میں مضامین لکھتے رہتے تھے جب سرسید علیہ الرحمۃ اور مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم سے مدرسۃ العلوم کے معاملات میں اختلاف ہوا تو حاجی اسماعیل خاں مرحوم نے سرسید علیہ الرحمۃ کا ساتھ دیا اور اُن کی پارٹی میں رہے۔ موصوف نے انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک عالمانہ مجلّہ "معارف" ڈگّی والی کوٹھی سے مولوی وحید الدین سلیم مرحوم پانی پتی (سرسید کے لٹریری اسسٹنٹ) کی اور اپنی اڈیٹری میں کئی سال تک نکالا جس میں علمی، ادبی اور تاریخی مضامین ہوتے تھے اور جو اپنے زمانہ کا نہایت بلند پایہ رسالہ تھا۔

اسی زمانہ میں چند سال کے واسطے علّامہ شبلی مرحوم جن کے تعلقات حاجی صاحب موصوف سے گہرے تھے ڈگّی والی کوٹھی میں آکر رہے اور یہاں قیام کے زمانہ میں پروفیسر آرنلڈ مشہور مستشرق علامہ مرحوم سے قرآن مجید پڑھنے آتے تھے۔ راقم الحروف نے دیکھا کہ پروفیسر مذکور علامہ مرحوم کا بڑا احترام کرتا تھا۔ جب سرسید علیہ الرحمۃ اپنے فاضل (مگر مدہوش) بیٹے جسٹس محمود مرحوم کی وجہ سے اپنی کوٹھی چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو نواب حاجی اسماعیل خاں کی دوسری کوٹھی (موسومہ "تھوڑی والی") میں جو اُنھوں نے ایک انگریز تاجر نیل پرلہ سے خرید کر بنوائی تھی سرسید علیہ الرحمۃ آکر رہے اور وہیں پر ۱۸۹۸ء میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کوٹھی کو مولوی حاجی یونس خاں مرحوم نے خرید لیا اور اُن کے ترکہ میں پروفیسر حاجی ہارون خاں کی اہلیہ انیسہ خاتون دختر مولوی حاجی یونس خاں مرحوم کے پاس ہے۔ اب اُس کا نام اُسی مناسبت سے "بیت الانس" ہے اور اُن کمروں میں، جو سرسید علیہ الرحمۃ کے استعمال میں تھے پروفیسر ہارون خاں صاحب نے کتبے لگا دیے ہیں۔ سرسید علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد حاجی اسماعیل خاں مرحوم نے سکونت زیادہ تر آگرہ میں اختیار کی اور محلہ حبلی اینٹ میں وسیع سکنی جائداد پیدا کی اور اُس مکان کو مریم بیگم کے بیٹے فیاض خاں کے نام سے "فیاض میاں منزل" سے موسوم

کیا۔ آگرہ کے قیام میں نواب صاحب موصوف علی گڑھ بھی آتے رہتے تھے اور ڈگی والی کوٹھی میں قیام کرتے جہاں اُن کی اہلیہ اور صاحبزادی (یعنی اہلیہ عامر مصطفےٰ خاں ابن حاجی مصطفےٰ خاں مرحوم) رہتی تھیں۔ اسی ڈگی والی کوٹھی میں حاجی یوسف خاں مرحوم کی صاحبزادی کی شادی صاحبزادہ جعفر علی خاں برادر والی ریاست مالیر کوٹلہ کے ساتھ ہوئی تھی اور اسی کوٹھی میں عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کی شادی نواب صاحب موصوف کی صاحبزادی فاطمہ بیگم کے ساتھ ہوئی۔ یہ کوٹھی ایک عرصہ تک راقم الحروف اور اُس کے دیرینہ مخلص کرم فرما عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کی جولانگاہ رہی جن کے قصے یاد کر کے اب کلیجا منہ کو آتا ہے۔ آگرہ کے قیام کے زمانہ میں حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم کچھ عرصہ تک وہاں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ اُن کی دیرینہ خدمات کا لحاظ کر کے گورنمنٹ نے ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء میں نواب کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ راقم الحروف اس زمانہ میں صدر تحصیل آگرہ میں تحصیلدار تھا۔ اور ایک ممتاز فرد خاندان شروانی کے اس اعزاز کی تقریب میں راقم الحروف نے بھی ایک مختصر سا عصرانہ حکام اور احباب کو دیا۔

نواب صاحب موصوف کے صاحبزادے محمد زبیر خاں بہت لڑکپن ہی میں لیا رینہ ولی ۱۸۹۲ء میں انتقال کر گئے تھے اور علی گڑھ ہی پر مدفون ہوئے۔ نواب صاحب موصوف نے چند مطبوعہ تصانیف چھوڑیں یعنی مسلمان بچوں کے لئے ابتدائی تعلیم لمعات الاسلام فی احادیث خیر الانام۔ تربیت الدجاج (مرغیاں پالنے اور اُن کے علاجوں کی ترکیب) نواب صاحب موصوف کو ایک زمانہ میں مرغیاں پالنے کا بڑا شوق تھا۔ ترک بچہ کشی جس میں ترکی کھانوں کی تیاری کی ترکیبیں درج ہیں۔ انگریزی خالق باری اور اور بہت سی مفید عام کتابیں لکھیں۔ موصوف کو فن الکٹری اور فوٹوگرافی اور دندان سازی میں کچھ دخل تھا۔ القصہ اعصابی کمزوری کے مرض میں ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۱۳۴۰ھ میں آگرہ میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور وہیں دفن ہوئے ہ

جیسے جیسا تک لکھے سفرنامے
چل دئے ہاتھ میں قلم تھا سے

حاجی یعقوب خاں

نواب صاحب سے چھوٹے بھائی مرحوم تھے حافظ کلام پاک تھے اور مصری قرأت سے واقف تھے یہ بڑے سیدھے سادے مرنجانِ مرنج قسم کے آدمی تھے۔ دنیاداری چھوڑنے کے بعد آخر وقت تک پیلی کوٹھی علی گڑھ شہر میں رہے۔ ان کے صاحبزادہ محمد یحییٰ خاں مرحوم جو راقم الحروف کے مخلص دوست تھے سنہ ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور مدرسۃ العلوم کے ابتدائی جماعتوں میں پڑھتے تھے کہ بعارضہ دق مبتلا ہوئے اور لڑکپن ہی میں سنہ ۱۸۹۶ء یا اس کے لگ بھگ انتقال کر گئے اور قریب حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ میں مدفون ہوئے۔ اس وقت حاجی یعقوب خاں مرحوم کے گھر کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ اُن کی صاحبزادی کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ حاجی صالح خاں صاحب مرحوم بھیکن پور کے ساتھ پیلی کوٹھی میں ہوئی۔ مگر ان کی بیٹی کی عمر نے بھی وفا نہ کی اور صرف ایک کم سن لڑکی چھوڑ کر وہ بھی جلد اس دنیائے ناپائیدار سے بمقام مکہ مکرمہ رخصت ہو گئیں۔ حاجی یعقوب خاں صاحب مرحوم کو ریاست کے انتظام سے کچھ دلچسپی نہ تھی۔ آخر عمر میں اکثر ٹہلتے ہوئے حاجی مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم رئیس بوڑھا گاؤں کے پاس کنکر والی کوٹھی علی گڑھ پر تشریف لاتے اور کچھ دیر بیٹھتے۔ ریاست کو مقروض چھوڑا کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں آئی۔ حاجی یعقوب خاں سنہ ۱۹۱۸ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حاجی یوسف خاں

ان سے چھوٹے بھائی مرحوم متذکرہ بالا تھے۔ موصوف نے بڈھانسی کی گڑھی میں عمارتیں تعمیر کرائیں اور گاؤں میں عیدگاہ بنوائی۔ یہاں کے سابق زمینداروں کے خاندان سے تعلقات خوشگوار نہ تھے مقدمہ بازی رہی۔ سنہ ۱۳۰۲ھ میں موصوف کی شادی ڈھولنہ میں رفعت خاں مرحوم کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی۔ ایک بیٹے ابراہیم خاں سنہ ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ایک بیٹی کی شادی مالیرکوٹلہ کے صاحبزادہ جعفر علی خاں کے ساتھ۔ دوسری

کی شادی قایم گنج ضلع فرخ آباد کے ایک ممتاز اور خوشحال یوسف زئی خاندان میں اور
نلیہ رضی کی شادی ریاست ٹونک کے ایک صاحبزادے کے ساتھ (جو کچھ دن تک
ریاست دوجانہ کے منصرم رہے) عمل میں آئی حاجی یوسف خاں مرحوم نے کچھ
عرصہ تک شروانی اسکول چھرہ کا انتظام بحیثیت سکریٹری کیا اور علی گڑھ کے محلہ سرائے
رحمان میں سکنی جائداد حاصل کی اور آخر عمر میں ایک دوسرا نکاح علی گڑھ میں کیا۔ ان اہلیہ
کے بطن سے بھی اولاد چھوڑی۔ موصوف کے انتقال کے بعد ترکہ کی بابتہ اُن کے

وُرثہ میں مقدمہ بازی رہی۔
محمد فراہیم خاں معہ اپنے بیٹے اور اہلیہ کے آج کل پاکستان میں ہیں اور دستبرد
زمانہ سے اُن کی جائداد حکومت کے قبضہ میں ہے۔ فراہیم خاں صاحب نے اپنے
صاحبزادہ کی شادی ریاست مالیرکوٹلہ کے صاحبزادہ جعفر علی خاں کی بیٹی کے
ساتھ کی۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی پاکستان میں ہیں۔

حاجی مولوی یونس خاں

حاجی یوسف خاں سے چھوٹے بھائی مرحوم تھے جو ١٢٨٣ھ
میں طائف میں پیدا ہوئے۔ حاجی یونس خاں صاحب مرحوم
کی شادی ١٣٠٨ھ میں نواب بہادر سر فرل اللہ خاں مرحوم کی ہمشیرہ کے ساتھ بڑی دھوم
دھام سے ہوئی اور بہت سا بیش قیمت سامان جہیز میں ملا۔ مولوی حاجی یونس خاں
الطائفی مرحوم نے مذہبی تعلیم میں کئی ہندوستانی اور عربی اُستادوں سے تکمیل کی علوم
منقول معقول (خصوصاً حدیث) میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اکثر نماز جمعہ و عیدین میں
خطبہ اور وعظ کہتے تھے۔ بہت سے طلباء ان طلبہ کو اپنے یہاں رکھ کر علوم دینی میں درس
دیتے تھے ان طلبہ میں تصدق احمد خاں شروانی مولوی حاجی عبدالمجید خاں رئیس قلعہ
چھرہ، حاجی عبدالرحمن خاں بریلوی مولوی حاجی عبدالغنی خاں بھیوری اور مولوی فتح شیر
پنجابی (جو راقم الحروف کے استاد تھے) شامل تھے۔ عربی طرز کا لباس پہنتے تھے۔ خلافت
کی تحریک کے زمانہ میں اُس میں شریک ہوئے اور بیشتر پیش پیش رہتے تھے۔ سیاسیات اور
مسلم لیگ سے دلچسپی تھی۔ اخبار بینی کا بڑا ذوق تھا۔ آخر میں کھدر پوش ہو گئے۔ انگریزی

حکام سے دور رہتے تھے۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی دستکشی کے بعد شروانی اسکول چھرہ کو ایک عرصہ تک بہ حیثیت سکرٹری کسی نہ کسی طرح چلایا اور اس کے متعلق جلسے دتاولی میں کرتے اور مدعو شدہ مہمانوں کی دعوت کرتے تھے۔ موصوف نے اپنی چند خطبات اور تقاریر کا غیر مطبوعہ مجموعہ چھوڑا ہے جس میں خطبہ محرم الحرام اور سلور جوبلی حضور نظام دکن کی خدمت میں تہنیت کا عربی قصیدہ شامل ہے۔ عربی شعر خوب کہتے تھے۔ مرحوم کو طائف کی پیدائش پر فخر تھا چنانچہ اس کے متعلق ایک عربی رباعی کہی ؎

انا الذی مولودہٗ بالطائف   منشاء تربۃ الحجاز الحال
فذاک فخری بالاولی الالباب   لا فخر لی بالجاہ والاموال

اس سے موصوف کی بلند خیالی مگر سادہ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔

کچھ دن حیدرآباد دکن میں قیام رہا جہاں ایک بنک کھولا مگر وہ کامیاب نہیں ہوا۔ پھر کبھی علی گڑھ میں قیام رہا۔ آخر عمر میں زیادہ تر ضلع بلندشہر میں اپنے موضع ملک پور میں رہے۔ اپنے بڑے بھائی کی کوٹھی جس میں سرسید علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا خریدی۔ اب اس کا نام دار الانس ہے اور موصوف سے ترکہ میں اُن کی صاحبزادی یعنی اہلیہ پروفیسر حاجی ہارون خاں کو ملی۔ موصوف کی اہلیہ کو ترکہ میں نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم سے دو کوٹھیاں بنا دی علی گڑھ میں ملیں جو اب موصوف کے خاندان کے قبضہ میں ہیں۔ موصوف کے بڑے صاحبزادہ انس خاں مرحوم جوان عمری میں اپنے والد بزرگوار کو داغ مفارقت دے گئے۔ موصوف نے اپنی دتاولی کی ریاست کو وقف علی الاولاد کر دیا تھا اور اُس کا انتظام اپنے دوسرے بیٹے حاجی مونس خاں مرحوم کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔ ضلع بلندشہر کے علاقہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا مگر حاجی مونس خاں صاحب اس کام میں بھی موصوف کو مدد دیتے تھے۔ مولوی حاجی یونس خاں صاحب مرحوم ملک پور میں بیمار ہوئے۔ اُن کے صاحبزادے وہاں سے موصوف کو علی گڑھ لائے اور یہاں اپنی نگرانی میں علاج کرایا۔ مگر مرض مولا از ہمہ اولیٰ وہ جانبر نہ ہوسکے اور دسمبر ۱۹۴۸ء میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو جوار رحمت میں لے لیا۔ حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ کے پائیں

میں دفن کیے گئے۔ یہاں احسان فراموشی ہوگی اگر ہم یہ عرض نہ کریں کہ یوں تو راقم الحروف کے خاندان کے ریاست دتاولی سے دیرینہ تعلقات تھے اور اس ریاست کے دو تین مواضعات راقم الحروف کے خاندان میں بطور ٹھیکہ کچھ عرصہ تک رہے مگر مولوی حاجی یونس خاں مرحوم خاص طور سے راقم الحروف کے خاندان کے کرم فرما تھے اور اُس کے والد بزرگوار حافظ عبد الحیٔ خاں مرحوم ایک عرصہ تک موصوف کے مختار عام اور کارندہ رہے۔ راقم الحروف پر موصوف کی شفقت ہمیشہ یاد رہے گی۔ موصوف نے انتقال کے وقت ایک پسر حاجی مونس خاں مرحوم اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ ان میں سے بڑی بیٹی انیسہ خاتون کی شادی پروفیسر حاجی ہارون خاں صاحب کے ساتھ ہوئی اور دوسری کی شادی حافظ حاجی علی اکبر خاں صاحب ایم۔ اے رئیس حسن پور کے ساتھ ہوئی۔

مونس خاں

مرحوم جنوری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن کا بہت سا زمانہ ننہال میں بھیکن پور میں گزرا۔ گھر پر اساتذہ سے اور نیز اپنے والد ماجد سے عربی۔ فارسی اور مذہبی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی جماعتوں کی انگریزی عربک کالج دہلی میں پڑھی پھر ۱۹۱۸ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول علی گڑھ سے انٹرنس پاس کرکے اسکول کالج کی تعلیم کو خیرباد کہا اور ریاست کا کام سنبھالا۔ ۱۹۱۹ء میں پہلی مرتبہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں مرحوم کی چھوٹی لڑکی کے ساتھ حاجی مونس خاں کی شادی ہوئی۔ موصوف بڑے منتظم تھے اور اپنی ریاست کے کام کو دلچسپی اور توجہ سے کرتے اور اسی کے ساتھ قومی اور پبلک کاموں کے واسطے بھی وقت نکالتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں آنریری اسپیشل مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ آخر میں اختیارات میں اضافے ہوئے اور عرصہ تک دتاولی میں اس خدمت کو انجام دیا۔ ۱۹۲۷ء میں علی گڑھ کی آنریری منصفوں کے بنچ کے ممبر مقرر کیے گئے۔ حکومت نے موصوف کی پبلک خدمات کا لحاظ کرکے ۱۹۳۲ء میں خان بہادری کا خطاب عطا کیا۔ ۱۹۳۳ء میں نواب احمد سعید خاں رئیس چھتاری گورنر صوبہ نے گورنمنٹ

کی طرف سے خوشنودی اور کارگزاری کی سند عطا کی پھر ۱۹۳۵ء میں ملک جارج پنجم آنجہانی کے سلور جوبلی کے سلسلہ میں سند عطا ہوئی ۱۹۳۶ء میں صوبہ کی ریڈکراس سوسائٹی اور اُس کی ... کے ممبر مقرر کئے گئے ۱۹۳۲ء میں شاہی تاجپوشی کے سلسلہ میں وائسرائے ہند نے ایک تمغہ عطا کیا ۱۹۴۲ء میں سینٹ جان ایمبولینس ایسوسی ایشن کے لائف ممبر مقرر ہوئے ۱۹۳۹ء میں دوبارہ حج بیت اللہ شریف سے واپسی کے وقت جہاز اسلامی کے امیرالحج مقرر ہوئے اور اس سفر اور جہاز کے انتظامات کے متعلق بڑی مفصل اور مفید رپورٹ پیش کی۔ اسی حج کے سلسلہ میں سلطان ابن سعود ملک الحجاز نے پورے عربی لباس کا خلعت عطا کیا۔ شروانیوں میں اس اعزاز کی یہ دوسری مثال تھی۔ ملّی اور قومی خدمات میں بھی مرحوم پیش پیش تھے۔ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر مقرر ہوئے اور مسلم لیگ کے رُکن رہے ضلع مسلم لیگ کے صدر رہے ۱۹۴۱ء میں سالانہ اجلاس کے موقعہ پر کمیٹی استقبالیہ کی طرف سے خطبہ صدارت پڑھا۔ مگر ۱۹۴۲ء میں لیگ سے مستعفی ہو کر دوسرے حضرات کو یہ کام اپنے ذمہ لینے کا موقعہ دیا۔

۱۹۴۶ء میں مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول کی اعزازی منیجری کے واسطے منتخب کئے گئے اور اس درس گاہ کے انتظام کو ترقی دی اور مسلم لیگ کی درخواست پر خان بہادری کا خطاب واپس کیا ۱۹۴۷ء میں تین سال کے واسطے مسلم یونیورسٹی کے ایگزیکیٹو کاونسل کے ممبر منتخب کئے گئے۔ اور اسی سال میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریک سے انجمن "اتحاد و ترقی" کے ممبر منتخب کئے گئے۔ موصوف نے دتاولی میں ایک بڑا اور عمدہ قسم کے قلمی انبہ کا باغ لگایا اور ایک فلور مل (آٹے کی چکی) کھولی مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی۔ جب ضلع میں منسوخی زمینداری کے خلاف احتجاج شروع ہوا تو اُس کی انجمن کے روح رواں رہے اور بہت سے زمینداران کو ممبر بنایا اگرچہ بدقسمتی سے اُس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ راقم الحروف کا اور موصوف کا ۱۹۳۸-۳۹ء میں حج بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں ساتھ تھا اور ہم دونوں حاجی عبدالجلیل خاں صاحب مرحوم پلونوی مہاجر کے مدینہ طیبہ میں مہمان رہے۔ افسوس ہے کہ مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی دو تین روز

بیمار رہ کر فروری ۱۹۴۹ء میں علی گڑھ میں اس دنیا سے سدھارے اور جوار حضرت شاہ جمال رحمۃ اللہ علیہ میں اپنے والد بزرگوار مرحوم کی قبر کے قریب مدفون ہوئے۔ مرحوم نے تین صاحبزادے چھوڑے جن میں بڑے انیس الرحمٰن خاں ہیں۔ یہ ماشاءاللہ ہونہار اور زیرِ تعلیم ہیں۔ دو صاحبزادی چھوڑیں ایک کی شادی پروفیسر حاجی ہارون خاں کے صاحبزادے کے ساتھ ہوئی۔ خدا تعالیٰ ان سب حضرات کو عرصہ تک زندہ اور خوش و خرم رکھے۔

موسیٰ خاں

مولوی حاجی یونس خاں صاحب مرحوم سے چھوٹے بھائی مرحوم تھے جن کے نام نامی سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ واقف ہے۔ موصوف کے حالات کے واسطے ایک طویل مضمون چاہئے۔ مگر ہم مختصراً عرض کرتے ہیں۔ موصوف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور جب ۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے انتقال کے بعد اپنے بڑے بھائی نواب حاجی اسماعیل خاں کے ساتھ دتاولی میں آئے تو ہندوستانی اچھی طرح سے نہیں بول سکتے تھے۔ موصوف کی والدہ ماجدہ امانت فاطمہ مرحومہ مکہ معظمہ میں پندرہ سولہ برس رہی تھیں اور بلا تکلف عربی زبان بولتی تھیں۔ حاجی موسیٰ خاں مرحوم کی تعلیم گھر پر بڑے بھائی کی نگرانی میں ہوئی۔ فارسی۔ عربی۔ علوم دینی سے اچھی طرح واقف تھے۔ اخبار اور کتب بینی اور پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت نے اُن کے علم میں بہت اضافہ کر دیا۔ اُنیس ۱۹ سال کی عمر میں ڈھولنہ میں حامد علی خاں صاحب مرحوم کی ہمشیر کے ساتھ شادی ہوئی۔ اس زمانہ میں اُن کے بڑے بھائی نواب حاجی اسماعیل خاں کے تعلقات سر سید احمد خاں علیہ الرحمۃ سے گہرے تھے۔

سر سید احمد خاں کی نظرِ انتخاب نے حاجی موسیٰ خاں مرحوم کو بھی تاکا کیوں کہ ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی

می تافت ستارۂ بلندی

اُنیس بیس سال کی عمر میں ہی وہ مدرسۃ العلوم کے ٹرسٹی منتخب کر لئے گئے۔ موصوف کا اس قومی درسگاہ سے یہ تعلق دمِ واپسیں تک رہا۔ اسی زمانہ سے موصوف کی قومی

خدمات اور تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ بچپن میں کالج کے پروفیسر ریلے نے ان کو اور حاجی عیسیٰ خاں صاحب کو دتاولی میں عربی لباس میں دیکھا۔ ریلے ولایت میں اپنی ماں کو ہفتہ وار چٹھیاں لکھا کرتے تھے۔ اس ہفتہ کی چٹھی میں ان دونوں بھائیوں کا ذکر "موزز" (موسیٰ) اور "جیسس" (عیسیٰ) کے نام سے ہے۔ اور حاجی موسیٰ خاں صاحب کی نسبت ہے کہ جو لڑکے میں نے دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ خوب صورت ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: "The prettiest boy I have ever seen." راقم الحروف نے دیکھا کہ موصوف کا کوئی وقت لکھنے پڑھنے سے خالی نہ رہتا تھا۔ ایک عرصہ ہوا کہ موصوف نے دتاولی میں اپنے جلسوں کا سلسلہ شروع کیا جن میں مفید مضامین پر تقریریں کی جاتی تھیں تاکہ لوگوں کے طرز معاشرت میں اصلاح ہو۔ راقم الحروف نے بھی ایک مرتبہ اس قسم کے جلسے میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں حفظانِ صحت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ موصوف جس طرح میدان تحریر کے شہسوار تھے اسی طرح بڑے نقاد بھی تھے۔ سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ اُن سے بہت سے قومی کام لیتے تھے۔ مرکزی اور صوبائی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سرگرم رکن تھے۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں وہ اس کانفرنس کے جلسوں میں اور مدرسۃ العلوم کی بہبودی کے واسطے تقریریں کرتے رہتے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں الہ آباد، ۱۸۹۲ء میں دہلی اور ۱۸۹۵ء میں سرسید علیہ الرحمۃ کے ہمراہی میں اسی غرض سے گئے۔ مدرسۃ العلوم کی خوبصورت اور رفیع الشان مسجد کے واسطے چندہ جمع کرنے کا کام بھی اُن کے سپرد کیا گیا جس کو خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ موصوف کی عادت تھی کہ نماز جمعہ میں خطبہ دیتے اور عیدین کے موقعہ پر عیدگاہ میں عیدی کے طرز پر نظمیں سناتے جن میں مسلمانوں کے لئے پند و نصائح اور اپنی حالت سنبھالنے کی تحریک ہوتی تھی اور کبھی کبھی اُس دور کی سیاسیات پر بھی اظہار خیال کرتے۔ اُن کو خواب خرگوش سے بیدار کرتے۔ سرسید احمد خاں علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد سرسید میموریل فنڈ اور مسلم یونیورسٹی کی تحریک میں عملی حصہ لیا اور اس سلسلہ میں نواب محسن الملک مرحوم کے ساتھ

لاہور، مالیر کوٹلہ اور ریاست رامپور وغیرہ میں گئے۔ اور اسی سلسلہ میں نواب وقار الملک مرحوم کے ساتھ بھی ملک میں دورہ کیا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں "سنڈیکیٹ" کے نام سے ایک مجلس انتظامیہ قایم ہوئی تو اس کے صیغہ جائداد کے اعزازی نگران کار اور کچھ دن صیغۂ تعمیرات کے بھی سکریٹری رہے۔ کالج کا اخبار انسٹی ٹیوٹ گزٹ، اور مطبع انسٹی ٹیوٹ پریس صیغۂ جائداد ہی میں شامل تھا۔ ۱۹۰۰ء میں اردو ہندی کے مسئلہ کے متعلق جب لکھنؤ میں مسلمانوں کا مشاورتی جلسہ ہوا تو موصوف اس میں بھی شریک ہوئے اس کے بعد مسلمانانِ بلند شہر اور علی گڑھ کا ایک جلسہ علی گڑھ میں ہوا اس میں زعمائے مسلمین ہند شریک تھے۔ اس جلسہ نے ایک جدید سیاسی اور سماجی تحریک کی بنا ڈالی جس کے ماتحت ۱۹۰۶ء میں ہز ہائی نس آغا خاں کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک وفد لارڈ منٹو وائسرائے کی خدمت میں شملہ گیا اور مسلم لیگ کی بنا پڑی۔ حاجی صاحب اس جلسہ اور تحریک کے روحِ رواں تھے اگرچہ وہ ۱۹۰۶ء کے اس وفد کے ساتھ نہ جاسکے کیونکہ موصوف اس سال اپنے صاحبزادہ پروفیسر حاجی ہارون خاں صاحب کو اعلیٰ تعلیم کے واسطے انگلستان لے گئے اور وہاں سے واپسی پر حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ اب مسلم لیگ نے ترقی شروع کی تو حاجی صاحب اس کے رکن رکین ہوئے۔ تقریریں کرتے اور تحریریں شائع کرتے تھے۔ ۱۹۰۸ء کے اواخر میں مسلم لیگ کے جلسہ میں مع اپنے صاحبزادہ حاجی شیفتہ خاں کے شریک ہوئے چندروز (یعنی جب تک لیگ علی گڑھ میں رہی) اس کے آنریری سکریٹری بھی رہے۔ اور اس کی کامیابی میں موصوف کا بڑا دخل تھا۔ مگر حاجی صاحب موصوف مولانا محمد علی مرحوم کی رفاقت میں اس پارٹی میں شامل ہوئے جس کی رائے تھی کہ مسلمانوں کو اپنے وطن کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔ جنگ بلقان و جنگ ترکی و اٹلی کے نتائج اور نوجوان ترکوں کی جانفروشی دیکھ کر اور انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کا تماشا دیکھ کر حاجی صاحب موصوف بہت متاثر ہوئے اور شہیدِ ملت مولانا محمد علی مرحوم کے ساتھ خلافت کی تحریک اور کانگریس کی طرف رجوع ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں لیگ اور کانگریس کے سمجھوتے میں بھی موصوف

شریک تھے۔ کچھ دن تک مرکزی خلافت کمیٹی کے سکرٹری اور پھر صوبہ کی خلافت کمیٹی کے صدر رہے۔ اس زمانہ میں حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی مرحومین کے پارٹی کے موصوف سرگرم ممبر تھے۔ اس پارٹی کا خیال تھا کہ مسلم یونیورسٹی کے معاملات میں حکومت کا دخل نہ ہونا چاہیے۔ دوسری پارٹی اس درسگاہ کے واسطے حکومت کی امداد ضروری سمجھتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک علیحدہ درسگاہ "جامعہ ملیہ" کی تاسیس اور قیام کی تجویز ہوئی تو اُس کی تائید میں موصوف حاجی صاحب نے اپنی کوٹھی مشرف منزل علی گڑھ پر جلسۂ شوریٰ منعقد کیا اور چند روز تک اُس کے عارضی سکرٹری رہے۔ جامعہ ملیہ کا عام مصطفٰے خاں شروانی مرحوم کی اہلیہ کی کوٹھی "ڈگی والی" میں (جو اُن کو ترکہ نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم سے ملی تھی) افتتاح ہوا اور بعد کو یہ درسگاہ دہلی میں منتقل ہوگئی۔ موصوف ترکِ موالات (نان کوآپریشن) کی تحریک میں شریک رہے۔ اسی وجہ سے کھدر پوش رہتے تھے۔ صوبہ کی کانگریس کمیٹی کے بھی ممبر مقرر ہوئے۔ موصوف کی کوٹھی مشرف منزل علی گڑھ سیاسیات کا اکھاڑا بنی ہوئی تھی جس میں سیاسیات کے موٹے اور دُبلے پہلوان سب ہی اپنے اپنے کرتب اور زور دکھاتے تھے۔ یہ مکان ملک اور بیرونِ ملک کے رہنمایان اور اکابر کا قیام گاہ تھا۔ اور علاوہ جلسوں کے یہ حضرات حاجی صاحب موصوف کی تواضع اور مدارات سے دعوتوں کا لطف بھی اُٹھاتے تھے۔ پیٹ بھروں کو جتنی باتیں سوجھتی تھیں وہ سب ملک کے سامنے آتیں اور رنگ جماتیں۔ اپنی جائداد کو موصوف نے وقف علی الاولاد کیا جس کے متولی اب اُن کے بڑے صاحبزادے پروفیسر حاجی ہارون خاں ہیں۔ حاجی صاحب موصوف نے علاوہ اخباروں اور رسالوں میں مضمون شائع کرانے کے کئی ایک کتابیں بھی تصنیف کرکے شائع کیں۔ باوجود ان سیاسی خیالات اور آزادی کے دلدادہ ہونے کے موصوف سرسید علیہ الرحمۃ کے ہمیشہ معتقد رہے اور ایک رسالہ شائع کیا جس کا نام تھا "سرسید احمد خاں بہ حیثیت رہنمائے وطن اور ملکی خدمت گزار کے" موصوف کی جو تصانیف راقم الحروف کو معلوم ہوسکیں حسب ذیل ہیں یعنی:

(۱) حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات ولادت سے ہجرت تک "مولود ہمایوں" کے نام سے (۱) "مصطفائی کمال" حضور سرور عالم روحی فداہ کے حالات ہجرت سے ۵ھ تک (۳) فتح مبین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ۵ھ سے ۱۰ھ تک (۴) روئداد مسلم پولیٹیکل اینڈ سوشل آرگے نائزیشن ۱۹۱۰ء۔ (۵) جداگانہ مسلم یونیورسٹی ۱۹۱۱ء (۶) حقیقت اسلام ۱۹۱۳ء (۷) شکارگاہ جس میں علی گڑھ کی سیاسیات پر تبصرہ ہے ۱۹۱۵ء (۸) اسلامی خلافت کا پہلا خطبہ ۱۹۲۱ء (۹) ہندی قوم ۱۹۲۲ء (۱۰) مسلم یونیورسٹی کے بھولے ہوئے اصول (۱۱) اسلامی خلافت کا کارنامہ ۱۹۲۶ء

آخر میں ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حاجی صاحب موصوف زبانی جمع خرچ کے آدمی نہ تھے بلکہ باعمل تھے۔ ایک سال راقم الحروف کے وطن موضع برلہ میں عربی مدرسہ کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے موقعہ پر موصوف نے بہ حیثیت صدر بڑا بلیغ اور جوش دلانے والا خطبہ دیا اور ساتھ ہی ساتھ برلہ کی کوٹھی کی اراضیات میں جو حصہ موصوف کا تھا اس کو اس مدرسہ کے واسطے وقف علی الخیر کر دیا۔ خدا تعالے موصوف کو اس کی جزا دے۔ اس مدرسہ کے حالات (جس کے بانی راقم الحروف کے بھائی مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم تھے) اس کتاب میں آگے برلہ کے سلسلہ میں ملیں گے۔ القصّہ حاجی صاحب موصوف کی زندگی کے کس کس پہلو پر نظر ڈالی جاوے اس کے لئے ایک طویل داستان چاہئے۔ اور وہ یاد آتے ہیں ؎

اے مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

حاجی صاحب موصوف ایک طویل اور اعصاب کی کمزوری کے تکلیف دہ مرض میں مبتلا رہ کر مارچ ۱۹۴۲ء میں اس دنیائے دوں سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔

پروفیسر حاجی ہارون خاں موصوف کے فرزند اکبر پروفیسر حاجی محمد ہارون خاں صاحب ہیں اُن سے چھوٹے حاجی شیث خاں ہیں۔ پروفیسر صاحب سے چھوٹی اور شیث خاں صاحب سے بڑی بہن محترمہ راحیلہ خاتون

ہیں۔ اُن سے چھوٹی دو بہنیں آمنہ خاتون اور آسیہ خاتون ہیں۔ پروفیسر حاجی ہارون خاں شعبان ۱۳۰۸ھ (مطابق مارچ ۱۸۹۱ء) میں پیدا ہوئے گھر پر اُردو فارسی اور مذہبی تعلیم پانے کے بعد ۱۸۹۹ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی ابتدائی جماعت میں داخل ہوئے اور اتنی جلد ترقی کی کہ سات سال میں ۱۹۰۶ء میں انٹرنس پاس کر لیا۔ اور اپنے والد مرحوم کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کے واسطے ۱۹۰۷ء میں انگلستان پہونچے اور چند ماہ مس بیک کی (جو مدرسۃ العلوم کے سابق پرنسپل مسٹر بیک کی ہمشیرہ تھیں) اتالیقی میں رہ کر لندن کے ایک اسکول میں تعلیم پائی اور پھر وہاں کی مشہور کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں داخل ہوگئے۔ یہاں مسلم ایسوسی ایشن کی بنا ڈالی اور اس کے پہلے سکرٹری رہے۔ فرانس گئے اور فرانسیسی زبان سیکھنا شروع کی اور ۱۹۰۸ء کے آخر میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں منتقل ہوگئے۔ اور یہاں بھی ۱۹۰۹ء میں اسلامک سوسائٹی کی بنا ڈالی اور اُس کے پہلے سکرٹری ہوئے۔ اس سے ثابت ہے کہ اپنی ملت اور قوم کو سب سے آگے رکھا۔ لندن میں ایم اے او کالج کے پرانے طلبہ کی انجمن میں کارکن کمیٹی کے رکن رہے اور بلجیم کے ملک کی سیاحت کی اور جنیوا میں حال کی فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کو جاری رکھا۔ ۱۹۱۱ء میں جرمنی گئے اور جرمن زبان میں سبق لئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ہندوستانی کلب کے (جو آج کل آکسفورڈ میں مجلس ہند کہلاتی ہے) صدر رہے۔ زمانہ حال کی تاریخ میں بی۔اے آنرس کا امتحان پاس کیا۔ اور اُس زمانہ کے اسلامی اخبار کامریڈ میں جو دہلی سے شائع ہوتا تھا مجوزہ مسلم یونیورسٹی پر ایک زوردار مضمون لکھا۔ ۱۹۱۲ء میں انگریزی ادبیات۔ جغرافیہ۔ فرانسیسی زبان اور ادبیات اقتصادیات تاریخ اور قانون میں پوسٹ گریجویٹ جماعتوں میں رہ کر ان علوم میں امتیازات پاس کئے اور لندن کی ہندوستانی انجمن کی کمیٹی کارکن کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں لندن کی انڈین ایسوسی ایشن کے (جو اب لندن کی ہندوستانی مجلس کہلاتی ہے) صدر منتخب ہوئے اور اسی سال بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ جرمنی۔ آسٹریا اور اٹلی کی سیاحت کرتے ہوئے اپنے وطن کو واپس ہوئے۔ کچھ دن بیرسٹری کی ساتھ ہی مسلم یونیورسٹی کے متعلق اخباروں کو

اپنے رشحات قلم بھیجنے شروع کئے اور مسلم یونیورسٹی ایسوسی ایشن کے ممبر منتخب ہوئے مضمون
نویسی کا یہ سلسلہ کم وبیش ۱۹۱۹ء تک جاری رہا اور اسی دوران میں علی گڑھ کی اولڈ بوائز
ایسوسی ایشن کے جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے ۱۹۱۷ء میں لکھنؤ میں پراونشیل کانفرنس کے
اجلاس خصوصی میں شریک ہوئے اور صوبہ کی سیاسی اور صنعتی اور حرفتی کانفرنس کے
جنرل سکریٹری مقرر کئے گئے۔ علی گڑھ میں اخبار انڈپینڈنٹ الہ آباد کے نامہ نگار مقرر ہوئے
اور اخبار مذکور میں بھی مضامین شائع کرتے رہے۔ جولائی ۱۹۱۹ء میں موصوف کی زندگی
کا ایک تیسرا دور شروع ہوا اور وہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں شعبہ تاریخ کے اسسٹنٹ
پروفیسر مقرر ہوئے جبکہ اس درسگاہ کا افتتاح اگست ۱۹۱۹ء میں ایک شاندار جلسہ
میں ہوا تھا۔ اسی سنہ ۱۹۲۰ء میں مولوی حاجی یونس خاں مرحوم کی صاحبزادی انیسہ خاتون کے
ساتھ شادی اور خانہ آبادی ہوئی۔ جب ۱۹۲۱ء میں جامعہ عثمانیہ میں تاریخ کے پروفیسر بنائے
گئے تو حیدرآباد کے اخبار تذکرۃ الکرام نے موصوف کے سوانح حیات چھاپے۔

اب یہاں سے موصوف کے عروج میں دن دونی رات چوگنی ترقی شروع ہوئی۔ ۱۹۲۶ء
میں آکسفورڈ یونیورسٹی انگلستان نے ڈی لٹ کی ڈگری دی جو علمی حلقوں میں بڑا اعزاز
سمجھا جاتا ہے۔ مگر اس دنیاوی درس وتدریس اور حصول علم وادب کے ساتھ اپنے
مذہب اور عاقبت سے بھی غافل نہیں رہے اور اسی سال ادائے حج بیت اللہ شریف
اور زیارت مدینہ طیبہ سے مشرف ہوئے۔ تن دہی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہے
اور اس کا صلہ خدا تعالیٰ نے حکومت کے ذریعہ سے یہ دلایا کہ جامعہ عثمانیہ میں ترقی
کے ساتھ ۱۹۲۹ء میں شعبہ تاریخ کے صدر مقرر کئے گئے ۱۹۳۰ء میں فرانسیسی زبان سے
رینا کی کتاب "فرانس، پیڈمانٹ اور سوئٹزرلینڈ پر مسلمانوں کے حملے" کا انگریزی میں
ترجمہ شائع کیا۔ اب یہاں سے تصنیفات کے سلسلہ میں ترقی کی ۱۹۳۱ء میں نیرنگ خیال
لاہور میں افلاطون کے سوانح حیات پر مضمون شائع کیا۔ اور حیدرآباد میں فرینچ سرکل
قائم کیا۔ موصوف کی قابلیت کو دیکھ کر لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے اور وہاں
کی رائل سوسائٹی فنون نے اپنا ممبر منتخب کیا۔ اور پیرس دار الحکومت فرانس کے تاریخی

اور ہیرلڈ لاسکی ادارہ نے اپنا نامہ نگار ممبر مقرر کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ایچ ڈی لف ہوس کی تاریخ یونان کا چار جلدوں میں اردو میں ترجمہ شائع کیا۔ اسی سن میں کتاب "مختصر تاریخ دکن" اردو میں شائع کی جو حیدرآباد دکن کے مدارس کے نصاب میں داخل ہے اور چھ مرتبہ چھپ چکی ہے۔ ۱۹۳۶ء میں علی گڑھ میں ہندوستان بھر کی یونیورسٹیوں کے بورڈ کے جلسے میں جامعہ عثمانیہ کی دائم مقامی کی اور درسی کتب فارسی کے انتخاب کی کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے ۱۹۳۸ء میں ہندوستان کی طرف سے علوم تاریخ کی بین الاقوامی کانفرنس میں (جو زیورچ سوئٹزرلینڈ میں منعقد ہوئی) نمایندگی کی اور اس میں غیر یورپین ملکوں کی تاریخ کے شعبہ کے صدر رہے اور ۵ سال کے واسطے بین الاقوامی کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے اور اسی کے سلسلہ میں اٹلی، یونان، ٹرکی، بلغاریہ، یوگوسلافیہ، فرانس، انگلستان اور سوئٹزرلینڈ میں سیاحت کر کے جہانیاں جہاں گشت بنے۔ اور زیورچ کے اخبار زیورچر زیٹنگ میں ریاست حیدرآباد پر مضمون شائع کیا۔ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان کے مجلہ پولیٹیکل سائنس اور تاریخ ہند کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔ اپنے گھر کی مسلم یونیورسٹی نے بھی موصوف کی قدر افزائی کی اور اپنے کورٹ کا ممبر منتخب کیا۔ ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ کے رسالہ تاریخی ریسرچ کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں اپنا معرکۃ الارا تاریخ محمود گاوان (وزیر سلطنت بہمنی دکن) انگریزی میں شائع کی جس پر مسز سروجنی نیڈو نے بصیرت افروز تبصرہ کیا۔ یہ کتاب اس مضمون پر اپنی قسم کی پہلی تھی اور بہت مقبول ہوئی۔ اسی سن میں ہندوستان کی ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن نے اپنی ریسرچ اور اشاعتی کمیٹی کا ممبر منتخب کیا۔ ۱۹۴۲ء میں موصوف نے اپنی تقریروں کا مجموعہ جو ریڈیو کے ذریعہ سے نشر کی گئی تھیں "نشریات" کے نام سے شائع کیا۔ اسی سن میں ہندوستان کے انٹر یونیورسٹی بورڈ کے سکریٹری مقرر کئے گئے۔ ۱۹۴۳ء میں موصوف کی کتاب "مسلمانوں کے سیاسی خیالات اور انتظام" کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ اسی سال میں علی گڑھ کی تاریخی کانگریس میں مغلیہ عہد سے قبل کی تاریخ کی شاخ کے صدر بنائے گئے۔ اسی کانگریس کے موقع پر راقم الحروف نے نواب صدر یار جنگ مرحوم کی صدارت میں شہر دانیوں پر اپنا ناچیز

مقالہ پڑھا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں حکومت نے موصوف کو قدیم عمارات (صنادید) کے متعلق مرکزی
بورڈ کا ممبر مقرر کیا۔ اسی سن میں موصوف نے انٹر یونیورسٹی اسپورٹس بورڈ کے سکریٹری
کے عہدہ سے استعفا دیا تو اس بورڈ نے ایک رزولیوشن پاس کیا جس میں موصوف
کی ان خدمات کو بہت سراہا گیا اور اُن شکریہ ادا کیا گیا۔ اسی سن میں دکن کی
تاریخ کانگریس میں ازمنہ وسطیٰ کی شاخ کے صدر مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۴۵-۴۶ء میں
نظام کالج حیدرآباد دکن کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اور عمارات قدیم کے متعلق مرکزی
بورڈ کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر منتخب کئے گئے۔ مدراس اور آندھرا یونیورسٹیوں
نے بھی اپنی تاریخی اور سیاسی بورڈوں کا ممبر منتخب کرکے موصوف کی قدر افزائی
کی۔ حیدرآباد کی درسگاہوں سے سبکدوش ہونے کے بعد موصوف عربک کالج
دہلی کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اور یہاں کی لودی روڈ کی مسلم مجلس کے صدر منتخب ہوئے
ہندوستان کی سائنس ایسوسی ایشن کے وائس پریسیڈنٹ اور بین الاقوامی معاملات
کے متعلق انڈین انسٹیٹیوٹ کی کاؤنسل کے ممبر بنائے گئے۔ اور مسلم یونیورسٹی کے کورٹ
کے ممبر پھر منتخب ہوئے۔ اپنی کتاب "سلطنت بہمنی" شائع کی۔ اور بمبئی یونیورسٹی نے
درجہ پی ایچ ڈی کا ممتحن مقرر کیا۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے واقعات کی وجہ سے موصوف نے
عربک کالج دہلی کی پرنسپل کے عہدہ سے سبکدوشی حاصل کی۔ سنہ ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ ہند نے
آئین حکومت کا اردو ترجمہ کرنے والی کمیٹی کا ممبر مقرر کیا اور اسی سن میں حکومت حیدرآباد
نے پھر موصوف کو عثمانیہ یونیورسٹی میں شعبہ پولیٹیکل سائنس کا صدر مقرر کیا۔ سنہ ۱۹۵۰ء
میں عثمانیہ سوشل کلب کے پریسیڈنٹ مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں اسلامک کلچر [illegible]
و شائستگی اسلام) کے بورڈ کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ اسی سن میں عثمانیہ یونیورسٹی
سے آخری سبکدوشی حاصل کی اور ہندوستان بھر کی انجمن پولیٹیکل سائنس کے پریسیڈنٹ
بنائے گئے۔ چنانچہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء کو اس کے جلسہ منعقدہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بلیغ
و پر از معلومات و معاملات خطبہ صدارت پڑھا۔ سنہ ۱۹۵۲ء میں مدراس پبلک سروس
کمیشن نے پولیٹیکل سائنس کے مضمون کی تعلیم دینے کے واسطے چیف پروفیسر کے انتخاب

کے واسطے موصوف سے امداد طلب کی۔ القصہ معاشیات، سیاسیات، اسلامی سیاسی نظریات، تاریخ عام اور تاریخ دکن پر موصوف کے قلم سے بہت سے مضامین اور مقالات مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کی تفصیل کہاں تک دی جاوے ہندوستان، پاکستان، نیویارک امریکہ میں موصوف کے سوانح حیات چھپ چکے ہیں اور ۱۹۵۱ء کی الہ آباد کی ہندی زبان کے سالنامہ نے بھی موصوف کے حالات چھاپے۔ ہندی اُردو رسم الخط پر بھی کئی ایک مفید مضامین شائع کئے۔ انسان موصوف کی ہنس مکھ صحبت اور علمی گفتگو میں تھوڑی دیر کے لئے دُنیوی افکار سے نجات پاتا ہے۔ ہمارا کاغذ ختم اور روشنائی خشک، قلم شکستہ ہوا مگر موصوف کے کارنامے تمام نہیں ہوئے۔ انشاء اللہ باقی آئندہ۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

حاجی ہارون خاں کی اہل بیت

ماشاء اللہ حاجی ہارون خاں صاحب کی رفیقۂ حیات (دختر حاجی محمد یونس خاں صاحب)

اہلیہ خاتون صاحبہ بھی بہت پڑھی لکھی اور طبقۂ نسواں میں ممتاز ہیں۔ علوم دینی سے واقف فارسی عربی کی تعلیم یافتہ اور شاعرہ ہیں۔ ذوق سلیم رکھتی ہیں۔ بفضل ایزدی وہ بھی حجن ہیں۔ موصوفہ نے ۱۹۴۴ء میں اپنے کلام کا ایک دلچسپ اور پُراثر مجموعہ "انیسیات" کے نام سے حیدرآباد دکن سے شائع کیا۔ ظاہر ہے کہ ماحول اور والدین کی صحبت اور تربیت کا اولاد پر بہت اثر پڑتا ہے۔ حاجی صاحب کے دونوں صاحبزادگان تعلیم یافتہ ہو نہال اور برسر روزگار ہیں۔ ایک کی شادی خان بہادر عبدالمقیت خاں صاحب رئیس لوہڑ گادل کی صاحبزادی کے ساتھ اور دوسرے بیٹے کی شادی حاجی مونس خاں مرحوم رئیس دتاؤلی کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ حاجی ہارون خاں صاحب کی صاحبزادی خالدہ ادیب خانم ماشاء اللہ اسم بامسمیٰ ادیب ہیں۔ انگریزی زبان میں ایم اے کی سند حاصل کی اور یونیورسٹی میں اول نمبر رہیں۔ اردو زبان میں بھی ایم اے کی سند حاصل کی

اور اب پی۔ ایچ۔ ڈی کے امتحان کی تیاری کر رہی ہیں۔ خدا تعالےٰ اُن کو کامیاب کرے اللّٰھم زد فزد۔ موصوف نے اعلیٰ انگریزی تعلیم حاصل کر کے اپنے خاندانی روایت کو توڑا جس کے توڑنے کی آج کل کے زمانہ میں واقعی ضرورت تھی۔ خاندان کی شہرت میں چار چاند لگائے اور خدا کرے آیندہ آٹھ چاند لگائیں۔ خاندان شروانی میں اتنی ڈگریاں لینے والی یہ پہلی بی بی ہیں۔

بی بی راحیلہ خاتون

حاجی ہارون خاں صاحب کی ہمشیر راحیلہ خاتون بھی ماشاءاللہ خاندان کے دیگر افراد سے پیچھے نہیں ہیں۔ یہ ۱۳۱۱ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ اسلامیات سے رغبت اُن کو موروثی ترکہ میں ملی ہے۔ گھر پر رہ کر ایسی تعلیم حاصل کی کہ کالج اور اسکول میں پڑھی ہوئی بی بیوں کے دانت کھٹے کرتی ہیں۔ نواب سرور الملک بہادر کے بیٹے مرزا یحییٰ بیگ تھے جن کا تعلق دہلی کے شاہی مغل خاندان سے ہے۔ اس خاندان کے افراد ریاست حیدرآباد دکن میں معزز عہدوں پر تعینات اور ممتاز رہے۔ راحیلہ خاتون صاحبہ کی شادی مرزا یحییٰ بیگ کے ساتھ ہوئی اور یہاں بھی موصوفہ کے والد مرحوم نے اچھا کیا کہ خاندانی روایت کو پس پشت ڈال دیا۔ مگر افسوس ہے کہ خدا تعالےٰ نے جلد مرزا یحییٰ بیگ کو اپنے جوار رحمت میں لے لیا۔ اس قبل از وقت وفات سے متاثر ہو کر اور اپنے دونوں چھوٹے بچوں کو اپنے والدین کے پاس چھوڑ کر راحیلہ خاتون موصوفہ ۱۳۴۲ھ (مارچ ۱۹۲۴ء) میں حج بیت اللہ شریف کے واسطے اپنے چھوٹے بھائی حاجی حشمت خاں صاحب کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ بحر ہند میں ان کا جہاز فرنگستان آگ لگنے کی وجہ سے تباہی میں آیا اور بہت سا نقصان اُٹھا کر ایک مصیبت کے بعد اپنی جانیں سلامت لے کر یہ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے جہاز پر (جو عین وقت پر امداد کے لئے پہونچا) جدہ پر اترے اور وہاں سے مکہ معظمہ۔ طائف اور مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر ممالک اسلامیہ یعنی بیت المقدس۔ دمشق۔ اور بغداد شریف اور عراق کے دیگر مقدس مقامات پر سیاحت کے لئے گئے۔ اور اس سعادت سے بہرہ ور ہو کر ہندوستان کو واپس آئے۔ اس سفر میں راحیلہ خاتون صاحبہ کی جرأت اور اُن کا

صبر و استقلال قابل داد ہیں۔ اس کی کیفیت موصوفہ نے اپنے سفرنامہ "زاد السبیل معروف بہ رحلت ساحیل" میں اُردو زبان میں مفصل اور دلچسپ اور سبق آموز پیرایہ میں شائع کی۔ اس پر ان کے والد حاجی موسیٰ خاں صاحب مرحوم اور بھائی ہارون خاں صاحب کے علاوہ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی کا مقدمہ بھی نہایت دلچسپ اور پسندیدہ ہے۔ اس سے بلاد اسلامیہ کی اُس وقت کی مسلمانوں کی حالت پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ طائف میں موصوفہ نے اپنے دادا حاجی فیض احمد خاں صاحب مرحوم کے مزار کی جو شکستہ ہو چلا تھا مرمت کرائی موصوفہ شاعرہ ہیں ان کی مطبوعہ نظم "یاد الٰہی" جو حمد اور مناجات پر مشتمل ہے اس قابل ہے کہ ہر ایک مسلمان اُس کو اپنا ورد بنائے حج میں جانے سے بہت قبل سنہ ۱۹۱۲ء میں مکالمہ کی صورت میں موصوفہ نے ایک کتاب "تاثیر صحبت" شائع کی جس میں علاوہ اس کے کہ اعلیٰ تعلیم کا انسان کے طریق زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے زنانہ اسکول کے انتظام اور ایم اے او کالج کے وظیفہ خوروں پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے سنہ ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ میں انجمن دارالخواتین قایم کی اور شہر میں اُس کا ایک زنانہ مدرسہ کھولا۔ اس کے افتتاحیہ جلسہ کی صدر نشیں محمودہ بیگم صاحبہ تحسین اور راحیلہ خاتون صاحبہ اُس کی سکریٹری مقرر کی گئیں۔ ایک مدرسہ تعلیم القرآن مجید کے واسطے کھولا۔ اب راحیلہ خاتون صاحبہ کے پاکستان چلے جانے کے بعد اس انجمن اور اس کے مدرسہ کو موصوفہ کی چھوٹی بہن آمنہ بیگم محمود علی خاں صاحب چلا رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ راحیلہ خاتون صاحبہ کے دو تعلیم یافتہ صاحبزادے ہیں جو ماشاء اللہ ہونہار ہیں اور پاکستان (کراچی) میں کاروبار کر رہے ہیں۔

حاجی محمد شبیث خاں

حاجی ہارون خاں صاحب کے چھوٹے بھائی حاجی شبیث خاں صاحب ہیں۔ یہ بھی دیگر افراد خاندان کی طرح قومی خدمات کے جذبات لیے لب ملیٹ ہیں۔ ایک زمانہ میں مسلم لیگ کے سرگرم ممبر رہے اور اُس کے مقامی نیشنل گارڈ کے جوشیلے قائد۔ اُس کی وردی پہننے کے بعد غازی انور پاشا مرحوم کے قایم مقام معلوم ہوتے تھے۔ ہر ایک سوشل اور یونیورسٹی

کے جلسہ میں نظر آتے ہیں۔ کچھ دن تک انگریزی کی ابتدائی تعلیم ایم اے او کالج کے اسکول میں پائی۔ اب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی کارکن کمیٹی کے رکن ہیں۔ ضلع کے پبلک کاموں میں شریک اور اب کانگریس کے حامی اور طرفداروں میں ہیں۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ زمانہ کی رفتار سے واقف اور اپنی دھن کے پکے اور خصوصیات کی وجہ سے ضلع میں معروف ہیں۔ موصوف نے ہماری اس ناچیز تاریخ کی تدوین میں ہمارا بہت ہاتھ بٹایا۔ اپنی ہمشیر صاحبہ کے ساتھ بلاد اسلامیہ کے حالات اردو اخباروں میں شائع کئے۔ رکشا سروس جاری کی اور کپڑے پروائر پروف کا کارخانہ کھولا۔

حاجی عیسیٰ خاں اور اُن کی اولاد

اس شروانی خاندان کے حالات نامکمل رہ جاویں گے اگر ہم حاجی فیض احمد خاں صاحب مرحوم کے چھوٹے صاحبزادہ حاجی محمد عیسیٰ خاں مرحوم کا ذکر نہ کریں۔ موصوف سنہ ۱۲۹۱ھ سنہ ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۴۷ء تک زندہ رہے۔ آخری سال ایک طویل اور تکلیف دہ اعصابی امراض میں کٹا۔ موصوف اپنی ریاست کے کاروبار میں بڑے منتظم تھے باوجود سیاحت کے شوق اور عیش طرب کی زندگی گزارنے کے ریاست کو کبھی مقروض نہیں ہونے دیا اور جتنی چادر تھی اُتنے ہی پیر پھیلائے۔ اوائل عمری میں ایم اے او کالجیٹ اسکول میں انگریزی کی تعلیم پائی۔ اُس زمانہ میں گھوڑے کی سواری کے بہت شائق تھے اور اُن کا برق صفت صبا رفتار عربی گھوڑا ضلع میں مشہور تھا۔ انتقال سے کچھ عرصہ قبل دوبارہ حج سے مشرف ہوئے۔ موصوف کے بڑے بیٹے آدم خاں کچھ عرصہ تک ریاست حیدرآباد میں ملازم رہے۔ وہیں شادی کی مگر افسوس کہ جوان عمری میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اُن کے چھوٹے بھائی صاحبان حاجی حاتم خاں، حاجی احمد لوط خاں اور ذوالکفل خاں اپنی اپنی زمینداریوں کے کاروبار میں بعد تقسیم باہمی مشغول ہیں۔ اور ان میں سے حاجی حاتم خاں بلند شہر کے علاقہ میں ہیں۔ حاجی عیسیٰ خاں صاحب مرحوم کی ایک صاحبزادی کی شادی حاجی صالح خاں صاحب حسن پوری کے صاحبزادہ فخر الزماں خاں صاحب کے ساتھ ہوئی جو آج کل سب رجسٹراری کے عہدہ پر

حکومت میں ملازم ہیں۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ خاندان دتاولی حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی طرح مذہبی عقائد میں اہلِ حدیث ہیں اور چاروں اماموں کے پیرو ہیں آمین بالجہر اور رفع یدین کے موئد اور میلاد شریف میں قیام کے مخالف ہیں مگر ان عقائد میں بعض دیگر ہندوستانی مسلمانوں کی طرح خاندان دتاولی کو اتنا غلو نہیں ہے کہ وہ اپنے سے مخالف عقائد رکھنے والوں کے ساتھ تنگ نظری کا برتاؤ کریں۔

خدا تعالےٰ سے دعا ہے کہ خاندان دتاولی میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ناموں اور ہیچ کا سلسلہ عرصہ تک جاری وساری رکھے۔

احمد رضا خاں ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ دتاولی کے خاندان کے مورث عمر خاں کی اولاد میں دایم خاں بوجہ محجوب الارث ہونے کے ریاست میں حصہ نہ پا سکے اور مقدمہ بازی میں بھی ناکامیاب رہے۔ اس محروم شاخ میں ایک بھائی کی اولاد حاجی احمد حسین خاں اور طالب حسین خاں تھے۔ ان دونوں نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔ اُن کے چچازاد بھائی حاجی احمد رضا خاں مرحوم کو راقم الحروف نے اپنے لڑکپن میں دیکھا ہے اور چونکہ یہ راقم الحروف کے نانا حاجی سرفراز خاں مرحوم کے دوست تھے ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا رہتا تھا اس لئے راقم الحروف کو بھی اُن کی بعض باتیں یاد ہیں۔ بلوتہ میں ننہال اور سسرال تھی سیدھے سادھے پرانی قطع وضع کے بزرگ تھے۔ بڑے خوددار تھے۔ رؤسائے دتاولی اور برادری کے افراد اُن کا بڑا احترام کرتے تھے۔ نجیب خاں بلوتہ کے نواسے اور اپنے بڑے ماموں حاجی حسن علی خاں بلوتہ کے داماد تھے۔ اس بطن سے ایک لڑکے اشرف رضا خاں ہوئے جن کی شادی حاجی احمد حسین خاں کی بڑی لڑکی محمودہ بیگم سے ہوئی۔ اُن سے ایک لڑکا ہادی رضا ہوا جو کم سنی میں گزر گیا۔ لڑکی مریم بیگم کی شادی حاجی عنایت احمد خاں کنوڑ سے ہوئی ایک لڑکی ہوئی ماں بیٹی دونوں میں سے کسی کی عمر نے وفا نہ کی۔ اشرف رضا خاں کا انتقال جوانی میں باپ کے سامنے ہو گیا۔ بڑے خوشکل اور وجیہ تھے۔ تصویر سے شہزادے معلوم ہوتے ہیں۔ چار لڑکیاں ہوئیں۔ بڑی حافظہ حبیب النسا مولوی حاجی

محمد مقتدیٰ خاں شروانی کی والدہ اور منجھلی حفیظ النسا شکر اللہ خاں و صابر علی خاں صاحبان کی والدہ تھیں۔ اپنی شادی سے قبل اتنے تنگ دست تھے کہ جب والدہ بلوتہ چلی جاتیں تو گھر میں کوئی پکا کر کھلانے والا نہ رہ جاتا۔ بقول خود مہینوں دودھ پیتے اور ملائی کھاتے۔ جو دودھ بچ رہتا وہ پڑوسیوں کو مفت بانٹ دیتے۔ مگر شادی کے بعد قسمت نے پلٹا کھایا۔ حاجی فیض احمد خاں نے بربنائے مصالح دتاولی سے ملحقہ چند دیہات ٹھیکہ میں دے دئے جس کے بعد امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خودداری کی ایک دلچسپ مثال یہ ہے کہ سوء اتفاق سے ایک بار رتھ کے لئے گھر کے بیل نہ تھے تو بیلے جوڑ کر دتاولی سے بلونہ پہونچ گئے۔ اسی عسرت کے زمانہ میں ماں مرض الموت میں مبتلا ہوئیں تو سال بھر یہ معمول رہا کہ ماں کے لئے جو مجوزہ پرہیزی کھانا پکاتے وہی خود کھاتے۔ دوا خود بناتے۔ اور جب ضرورت ہوتی قارورہ قصبہ جلالی کو لے جاتے۔ کیوں کہ وہیں کے ایک حکیم صاحب کا علاج کچھ موافق آگیا تھا۔ بلونہ والی بی بی کے انتقال کے عرصہ بعد (خصوصاً بھو محمودہ بیگم بیوہ اشرف رضا خاں کے اصرار سے) دوسری شادی کنادہ سے کی۔ اس بطن سے محمد رضا خاں ہوئے جو غیر تعلیم یافتہ اور بتقاضائے الٰہی مفلوک الحال ہیں۔ حاجی موسیٰ خاں صاحب نے باپ (حاجی محمد رضا خاں) کے انتقال بماہ جون ۱۸۹۸ء کے بعد ان کی تعلیم کا ہارون خاں کے ساتھ اہتمام کیا تھا۔ مگر ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

تین لڑکیاں ہوئیں۔

خاندان بوڑہ گاؤں

علاوہ بھیکن پور، کنوبی، ڈھولنہ، حسن پور اور بلونہ کے خاندانی دتاولی کی رشتہ داری بوڑہ گاؤں میں بھی ہے۔ بوڑہ گاؤں شروانیان کے مورث اعلیٰ حسن خاں تھے جو یوسف خاں ساکن راجمو کے چوتھے بیٹے تھے۔ حسن خاں کے ایک پرپوتے بہروز خاں کنوبی میں جا بسے اور اُن کے بیٹے قیدن خاں شروانیوں میں ممتاز اور مشہور ہوئے۔ حسن خاں کے پرپوتے بہروز خاں بوڑہ گاؤں میں

آگر رہے پیروز خاں اور بوڑہ گاؤں کے ناموں میں بھی تھوڑی سی مناسبت ہے پیروز خان کے پڑپوتے نظام خاں تھے جن کی شادی کا قصہ دلچسپ ہے۔ نظام خاں کے والد حسین خاں نے اُن کی شادی کی نسبت عزت خاں ساکن حسن پور کی لڑکی کے ساتھ ٹھہرائی تھی مگر بعد کو کسی وجہ سے اس نسبت کے مطابق عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ بات عزت خاں اور اُن کے خاندان کو ناگوار گزری اور اُن کی پٹھنوری نے جوش مارا۔ بعد مشورہ چند تابعداروں سے مسلح آدمی بوڑہ گاؤں کو اس غرض سے بھیجے گئے کہ وہ نظام خاں کو پکڑ کر لے آئیں چنانچہ جب یہ گروہ بوڑہ گاؤں پہونچا تو نظام خاں اپنے بالاخانہ پر سو رہے تھے ان کو معہ چارپائی کے نیچے اُتارا گیا جب وہ جاگے تو اُن کو دھمکی دی گئی کہ اگر آواز نکالی تو قتل کر دئے جاؤ گے۔ جان جانے کے خوف سے وہ خاموش رہے۔ جب حسن پور پہونچے تو اُن نکاح عزت خاں کی دختر کے ساتھ کر دیا گیا اور ان کو ایک بیتی و دو گوشش بوڑہ گاؤں کو واپس کر دیا گیا۔ اُس کے کچھ دن بعد بوڑہ گاؤں والوں کے کہنے سننے پر لڑکی کو رخصت کر کے بوڑہ گاؤں بھیجدیا گیا۔ اس قصہ سے اُس وقت کے پٹھانوں کی آن بان اور طرز معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ نظام خاں نے علاوہ ان زوجہ اولیٰ کے ایک دوسرا نکاح اور کیا مگر آخر الذکر کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ زوجہ اولیٰ کی اولاد میں رحم علی خاں ہوئے اُن کے دو بیٹے تھے یعنی علی رضا خاں و احمد رضا خاں۔ علی رضا خاں کے بیٹے حاجی رحیم اللہ خاں و کریم اللہ خاں تھے حاجی رحیم اللہ خاں صاحب نے ۷۵ سال کے قریب عمر پائی اور سنہ ۱۹۳۱ء میں انتقال کیا اُن کے بیٹے سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم تھے حاجی کریم اللہ خاں صاحب کی دو بیٹیاں تھیں جن کی شادی خاندان کھیکن پور میں ہوئی جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا۔ یہ دونوں بھائی بڑے نیک اور پکے مسلمان اور برادری میں ہر دلعزیز تھے۔ راقم الحروف نے دونوں بزرگوں کو دیکھا ہے۔ وہ برادری کی جائدادوں کے بہت سے تنازعات پنچایت سے طے کر دیتے تھے چنانچہ حاجی کریم اللہ خاں صاحب اور اُن کے چچا زاد بھائی حاجی مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم نے ریاست دتاولی کا بٹوارہ

کیا۔ خود ان دونوں بھائی صاحبان کی ریاست کا بٹوارہ باہمی رضامندی سے لادی یار خاں صاحب رئیس دادوں نے کیا تھا۔ حاجی رحیم اللہ خاں مرحوم کے بیٹے سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم تھے جن کے بیٹے خان بہادر عبدالمقیت خاں صاحب ہیں۔ آخر الذکر کی شادی نواب بہادر مزمل اللہ خاں مرحوم کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ خان بہادر صاحب موصوف نے نواب صاحب بہادر موصوف کے دوران حج میں اُن کی ریاست کی دیکھ بھال کی۔ پبلک کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں چنانچہ ۱۹۳۶ء میں حکومت نے موصوف کو خان بہادری کا خطاب عطا فرمایا۔ شکار کے شائق اور شیر افگن ہیں۔ چونکہ آج کل سکونت علی گڑھ میں ہے اس لئے ۱۹۴۵ء سے میونسپل بورڈ علی گڑھ کے ۱۹۵۲ء تک صدر رہے۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر اور اس کی ایگزیکیوٹو کاؤنسل کے رکن رہے۔ اپنی تندرستی کو خراب کر کے اور تجربہ حاصل کر کے حفظان صحت پر آج کل کتاب لکھ رہے ہیں۔ خلیق اور متواضع ہیں۔ راقم الحروف کے کرم فرما اور کبھی کبھی شکار میں ساتھ ہوتا رہا۔ موصوف کے صاحبزادہ نعیم اللہ خاں عرف نعمت میاں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم پانے کے بعد اب موٹروں کی مرمت اور ٹریکٹروں کی بہم رسانی کا کارخانہ کھولا ہے۔ خان بہادر موصوف کی تینوں صاحبزادیوں کی شادی ہو چکی ہے۔ ایک بیٹی مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب کے صاحبزادہ غلام اکرم خاں کی زوجہ ہیں جو اب پاکستان میں ہیں دوسری کی شادی نواب گوہانی کے صاحبزادہ کے ساتھ ہوئی اور تیسری کی شادی پروفیسر حاجی ہارون خاں شروانی کے بیٹے کے ساتھ ہوئی۔

حاجی مصطفیٰ خاں

احمد رضا خاں کے بیٹے حاجی مصطفیٰ خاں صاحب مرحوم ہوئے راقم الحروف کو اُن کی صحبت میں رہنے کا بہت موقعہ ملا۔ موصوف راقم الحروف کے نانا حاجی سرفراز خاں مرحوم کے دوست تھے اور پھر خاں صاحب موصوف کے صاحبزادہ عامر مصطفیٰ خاں مرحوم راقم الحروف کے کرم فرما ہم جماعت اور ساتھ کھیلنے والے مخلص اور گہرے دوست تھے۔ حاجی

مصطفےٰ خاں مرحوم کی زوجہ حاجی عنایت اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس بھیکن پور کی
چھوٹی دختر تھیں اور اپنے ساتھ طیب پور تحصیل کاسگنج ضلع ایٹہ کے علاقہ میں کئی
گاؤں جہیز میں لائیں۔ حاجی مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم حاجی فیض احمد خاں مرحوم
رئیس دتاولی کے بھانجے تھے چنانچہ اسی وجہ سے مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم
کا ایک باغ اور چند مکانات رعایا جو دتاولی کے قریب تھے "بنگلہ ماموں جی" کہلاتے
تھے۔ پرورش دتاولی میں پائی۔ اسی وجہ سے خود نُنّو میاں کہلاتے تھے۔ جب
پوڑہ گاؤں کے کایستہ پٹواری کا رشتہ دار اودھ بہاری لال پسر بنسی دھر پوڑہ گاؤں
میں مسلمان ہوا تو حاجی مصطفےٰ خاں مرحوم کے والد احمد رضا خاں نے اُس کو حفاظت
کے خیال سے دتاولی حاجی فیض احمد خاں مرحوم کے پاس بھیجدیا۔ اودھ بہاری لال
کا نام ہدایت اللہ رکھا گیا اور وہ حج سے مشرف ہو کر تمام عمر ریاست دتاولی
میں رہے انہوں نے ایک کتاب جو غیر مطبوعہ ہے "تاریخ شروانی عرف رحمت یزدانی"
کے نام سے خاندان دتاولی کے مختصر حالات پر لکھی۔ اس کتاب سے معلوم ہوا
کہ طیب پور کا علاقہ پانے کے بعد وہاں اظہار خوشی میں ایک جلسہ ہوا جس میں
حاجی مصطفےٰ خاں مرحوم نے رعایا کو انعام اکرام دئے۔ اور عنایت خاں شروانی
مرحوم زمیندار عنایتی کو یہاں کا کارندہ مقرر کیا۔ اس علاقہ کی دریائے گنگا کی کھادر
میں دیہات گونتی وغیرہ شکار کے لئے مشہور ہیں۔ حاجی مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم
شکار کے شائق اور بڑے قادر انداز تھے اور اُن کا ایک رفل راقم الحروف کو بھی
ملا۔ حاجی صاحب پوڑہ گاؤں کی گڑھی میں نئے طرز کے برج اور مکانات اور اُن کو
نئے طرز کے فرنیچر سے آراستہ رکھتے تھے اور یہاں اکثر انگریز حکام دوست حاجی
صاحب موصوف کی دعوتوں میں شریک ہوتے تھے انگریزی زبان سے واقف نہ تھے
مگر اعلیٰ درجہ کی انگریزی دوکانوں کے سلے ہوئے کپڑے زیب تن فرماتے تھے وہ
جامہ زیب اور حسن صورت و حسن سیرت میں مشہور تھے۔ قسطنطنیہ کا ان کا ایک ترکی
لباس کا مع تمغہ فوٹو ہے جس سے وہ ایک نہایت جلیل القدر پاشا اور حاجی عبدالجلیل خاں

آہ! اُن کا ذکر کیا کروں !! کلیجہ مونھ کو آتا ہے !!! ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ راقم الحروف سے چند ماہ چھوٹے تھے۔ چھ سات سال کی عمر میں راقم الحروف سے ملاقات ہوئی اور آخر وقت تک ساتھ رہا۔ مرحوم کی اُردو فارسی اور کچھ انگریزی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اور پھر مدرسۃ العلوم کے اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۵ء کے لگ بھگ کا زمانہ تھا۔ اول ڈگی والے پھوس کے بنگلہ میں مقیم رہے۔ اور جب کنگڑ والی کوٹھی مکمل ہوگئی تو اس میں سکونت اختیار کی۔ مرحوم نے انٹرنیس تک اور چند روز فرسٹ ایر کی تعلیم کے بعد مدرسۃ العلوم کو خیرباد کہا اور پھر گھر پر عبد الکریم خاں صاحب مرحوم بیرسٹر ایٹ لا (سابق چیف جسٹس گوالیار و پروفیسر قانون علی گڑھ کالج) سے قانون کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ انگریزی کتب اور اخبار بینی کا بہت شوق تھا جس کی وجہ سے انگریزی ایسی بولتے اور لکھتے تھے کہ اعلیٰ تعلیم یافتوں کو مات کرتے تھے۔ اسی طرح انگریزی لباس کا شوق ان کو والد مرحوم سے ترکہ میں ملا تھا۔ ہمیشہ عمدہ قسم کے کاٹ چھانٹ کرنے والا درزی اپنے گھر پر ملازم رکھتے تھے۔ بڑے باغ و بہار تھے۔ ایک درزی مرحوم کو مسخرا اور ہم سب کا دل بہلانے والا تھا۔ اس بے چارہ کو ہم سب نے ایک مرتبہ ڈگی کے اوپر پیپل والے بھوت کے مفروضہ قصے سنا کر بے حد خائف کر دیا اور جب وہ رات کے وقت شہر کو اپنے گھر جانے لگا تو پیپل کے اوپر سے دہی سے بھری ہوئی ایک ہانڈی اس کے سر پر گروائی جس سے وہ بے ہوش ہوگیا اور مرتے مرتے بچا۔ موصوف کے قریب کے رشتہ کے بھانجے حافظ شعیب خاں مرحوم حسن پوری کے ساتھ جنھیں ہم سب نواب صاحب کہا کرتے تھے (اور وہ عامر خاں کو "ماموں ممون حضال" کہتے تھے) ان کے ساتھ مرحوم عامر مصطفےٰ خاں اور ہم سب کی شرارتیں عمر بھر یاد رہیں گی۔ اور کہاں تک درج کیا جاوے اور ناظرین کی سمع خراشی کی جاوے۔ مرحوم نے کنگڑ والی کوٹھی پر ایک ٹینس کلب قائم کیا جس کی وجہ سے بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ جب ۱۹۱۱ء میں راقم الحروف تحصیل سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ میں تحصیلدار تھا تو عامر مصطفےٰ خاں مرحوم اور مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب تعلقدار کے واسطے تشریف لائے اور مرحوم کو دق کیا گیا تو ان کا بگڑنا اور پھر سنبھلنا عمر بھر یاد رہے گا۔ ہائے وہ لطف صحبت اب کہاں۔ مرحوم عامر مصطفےٰ خاں کے خلق اور تواضع کی وجہ سے آئے دن اُن کے یہاں مہمانوں کا مجمع اور دعوتوں کی کثرت رہتی تھی۔ مرحوم کو لذیذ انگریزی اور ہندوستانی غذاؤں کا

شوق تھا۔ خود کھاتے اور احباب کو کھلاتے، اُن سے داد لیتے۔ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کی جوبلی میں شریک ہونے والے بہت سے حضرات کا قیام عامر مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم کی کوٹھی پر خیمہ جات میں تھا جن سے علی گڑھ کی نمائش کا لطف آتا تھا۔ جب ۲۰-۱۹۱۹ء میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم وغیرہ کی تحریک سے مسلم یونیورسٹی سے علیحدہ مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے جامعہ ملیہ کی بنا علی گڑھ میں ڈالی گئی۔ تو اس درسگاہ ملیہ کا قیام سب سے پہلے عامر مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم کی اہلیہ کی ڈگی والی کوٹھی پر ہوا۔ جو کہ مرحومہ کے والد نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم سے ترکہ میں ملی تھی۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد جامعہ ملیہ دہلی کو منتقل کی گئی۔ ان کو اسی زمانہ میں بھی ان کا گھر مہمان سرائے رہتا تھا۔ اور گاندھی جی بھی ان سے لطف رکھتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں یا اس کے تھوڑے دن بعد) بعض خانگی ناگوار واقعات کی وجہ سے عامر مصطفےٰ خاں مرحوم نے علی گڑھ کی سکونت ترک کر کے دہرہ دون میں قیام کیا۔ اور دم واپسیں تک وہیں رہے اس سن سے بہت پہلے مرحوم نے علی گڑھ میں ایک دوسرا نکاح کر لیا تھا۔ مگر زوجہ ثانی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مرحوم نے دہرہ دون جانے سے قبل اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کیا۔ اور چونکہ اب قرضہ کا بار بہت بڑھ گیا تھا اس لیے نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں کے یہاں رہن با لقبض کیا۔ نواب بہادر موصوف مرحوم نے جو کہ اُن کے عزیز تھے عامر مصطفےٰ خاں صاحب کے ساتھ رہن نامہ میں بہت مراعات کیں۔ اور ان کے اور خاندان کے واسطے سولہ سو (۱۶۰۰) روپیہ ماہوار کا الاؤنس مقرر کیا۔ اب تک مرحوم کے صاحبزادہ احمد کامل مصطفےٰ خاں صاحب کو بارہ سو روپیہ ماہوار اسی رقم میں سے الاؤنس ملتا رہا۔ چار سو روپیہ ماہوار کی رقم عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کی زوجہ ثانی کو ملتی تھی مگر وہ چونکہ پاکستان چلی گئیں اس لیے یہ رقم بند تھی۔ شکست زمینداری کی وجہ سے کامل مصطفےٰ خاں کا الاؤنس بھی بند ہو گیا۔

جائداد نواب بہادر موصوف کی دیگر جائداد کے ساتھ کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں ہے۔ عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کی زوجہ اول نے بھی اپنی موروثی جائداد کو وقف اولاد کیا۔ اور اس کے متولی مرحومہ کے بعد اُن کے صاحبزادے احمد کامل مصطفےٰ خاں ہیں۔ عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کے کامل میاں کے بعد ایک اور بچہ بھی ہوا مگر وہ چند ہی ہفتہ زندہ رہ کر لکھنؤ میں فوت اور دفن ہوا

جہاں وہ زندگی ہو تے کے خیال سے بار ہا وہاں کو سے گئے تھے۔ عامر مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم کے دہرہ دون کے قیام میں راقم الحروف نے دیکھا کہ یہاں بھی ان کو احباب سے فرصت نہ تھی مع باغ کے ایک کوٹھی خریدی اور یہاں ایک علیحدہ باغ بھی لگایا۔ اس زمانہ میں موصوف کے نواب حامد علی خاں صاحب مرحوم والیٔ رام پور سے گہرے تعلقات تھے اور رام پور میں نواب صاحب مرحوم کے مہمان ہوتے۔ اور دہرہ دون میں نواب صاحب کو اپنے یہاں مہمان کرتے جب راقم الحروف مراد آباد اور رائے بریلی میں تعینات تھا تو عامر مصطفےٰ خاں مرحوم دو مرتبہ راقم الحروف کے ساتھ ایک ایک ہفتہ شکار میں مہمان رہے اور جو لطف صحبت اس وقت رہا اس پر آج یہ خاکسار آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ القصہ مرحوم کی کس کس بات کو یاد کیا جاوے۔ ان کی صورت، سیرت، شفقت اور محبت کے نقشے ہر وقت دماغ میں اور آنکھوں کے سامنے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں مرحوم اپنے صاحبزادہ احمد کامل مصطفےٰ خاں کی بارات مالیر کوٹلہ پنجاب لے گئے اور وہاں خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم بیرسٹر ایٹ لا کی صاحبزادی کے ساتھ عقد نکاح ہوا۔ خواجہ صاحب موصوف اس زمانہ میں اس ریاست کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس وقت کے والیٔ ریاست نواب احمد علی خاں مرحوم نے اہل بارات کو عصرانہ پر مدعو کیا۔ اور بڑی خاطر مدارات کی بالخصوص اس وجہ سے کہ نواب صاحب کا اور عامر مصطفےٰ خاں مرحوم دونوں کا تعلق خاندان شیروانی سے تھا اور نواب صاحب مرحوم کے بھائی صاحبزادہ جعفر علی خاں بدھا لسی کے حاجی یوسف خاں شیروانی کی صاحبزادی کے خاوند تھے۔ اس موقع پر بڑا لطف رہا۔

عامر مصطفےٰ خاں مرحوم سنہ ۱۹۳۷ء میں کشمیر کی سیاحت کے دوران میں بیمار ہوئے اور اسی سن میں اللہ کے گھر سدھارے اور وہیں مدفون ہوئے۔ راقم الحروف نے شاہجہاں پور سے جا کر مرحوم کو انتقال سے چند گھنٹے قبل دیکھا تھا۔ وہ بڑے صبر سے اپنے تکلیف دہ مرض کو برداشت کر رہے تھے۔ خدا تعالےٰ مغفرت کرے۔ اور ان کے صاحبزادہ

کامل مصطفےٰ خاں

کو خوش و خرم اور عرصہ دراز تک زندہ رکھے۔ آخر اکتوبر سنہ ۱۹۰۸ء میں ڈگی والی کوٹھی علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ وجہ تسمیہ شنیدنی ہے۔ "عامر" اور "کامل" کا وزن ظاہر ہے اور اس کے ساتھ "مصطفےٰ" کے الحاق کا تبرک ظاہر ہے مگر

حسنِ اتفاق کسی کے علم میں نہ ہوگا کہ ان کی پیدائش کے قریب زمانہ میں مصطفےٰ کمال نام مصر کا مشہورِ عالم سیاسی اور محبِ وطن تھا۔ عالمِ اسلام بقید حیات و مقبول نام تھا۔ کامل نے گھر پر تعلیم پائی۔ اپنے دادا دادی اور ماں باپ کے لاڈلے تھے۔ دونوں کی نگرانی میں پرورش اور تربیت حاصل کی۔ اپنے والد مرحوم کے ساتھ دہرہ دون میں رہے۔ اور اُن کے انتقال کے بعد مع اہلیہ کے علی گڑھ آ گئے۔ اور اب اپنی سابق ڈگی والی اور حال نشاط کوٹھی میں قیام ہے۔ موصوف کو شکار اور عمدہ کھانے اور ملبوسات کا شوق ترکہ میں باپ دادا سے ملا ہے۔ کتابوں کے شائق ہیں۔ عمدہ فرنیچر اور سامان اور ظروف اور قالین رکھنے کا ذوق سلیم ہے۔ شادی کے بعد سے رفیق حیات سفر اور حضر میں ہمیشہ ساتھ رہیں۔ بڑی نیک بی بی تھیں اور شروانی خاندان میں گھل مل گئی تھیں۔ مگر افسوس کہ اُن کی عمر نے وفا نہ کی اور عرصہ تک بیمار رہ کر بلا اولاد چھوڑے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو کر سب کو داغِ مفارقت دے گئیں۔

کامل مصطفےٰ خاں اب کنارہ والی کوٹھی اور نشاط اور اپنی والدہ مرحومہ کی جائداد پر بطور متولی قابض ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں۔ شکار کے وہ بھی بڑے شائق ہیں۔ اور اس عمر میں راقم الحروف بھی کبھی کبھی ان کی وجہ سے اس تفریح سے دل بہلا لیتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ عامر مصطفےٰ خاں مرحوم کی طرح کامل میاں کے کوائف بھی درج کرتا رہوں اور دل کو بہلاتا رہوں مگر تا بہ کے۔ لہذا اب کچھ حالات

خاندانِ بلونہ

اور یہاں کے شروانیوں کے لکھتے ہیں۔

جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں اس موضع کے مورثِ اعلیٰ یوسف خاں (ساکن راجپوتوں کی) اولاد میں تھے۔

بلونہ کے شاہ محمد خاں اور ان کی اولاد کا کچھ ذکر بھی حصہ اول کے آخر میں آ چکا ہے۔ نیز ہم یہ بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ ایک زمانہ میں **بلونہ بڑی مردم خیز بستی** تھی اور **"خطۂ یونان"** کہلاتی تھی۔ اور (جیسا کہ ان شاء اللہ آگے چل کر ناظرین کو خود معلوم ہو جائے گا) اس میں کچھ مبالغہ

نہ تھا۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ اب وہ بھی گردشِ روزگار کی یاد صرصر سے زیر و زبر ہے۔ اس کا کچھ سبب تو یہ ہے کہ پرانے حضرات (جن کے دم قدم سے رونق تھی) اس عالم ہی سے رخصت ہو گئے۔ کچھ باقیات الصالحات ترک وطن کر کے دوسرے مقامات پر چلے گئے اور باہمی رنجشوں اور کدورتوں کو بھی اس میں کچھ کم دخل نہیں رہا۔ بہرحال اب سنئے۔

یہاں کے شروانی پٹھانوں کی ایک شاخ تو شاہ محمد خاں کے بیٹے دلیل خاں کی اولاد میں ہے۔ دوسری چھوٹی شاخ محمد خاں (برادر شاہ محمد خاں) کی نسل ہیں۔

محمد خاں کے پوتے ہمت خاں اور شادی خاں فرخ آباد کے نواب بنگش کی سرکار میں ملازمت کے سبب سے باونہ چھوڑ کر قصبہ سہاور ضلع ایٹہ میں نواب موصوف کی طرف سے معافی اراضی حاصل ہو جانے کے حساب سے سہاور ہی میں بس گئے۔

اسی طرح دلیل خاں (ابن شاہ محمد خاں) کے ایک بیٹے نصرت خاں (جو لاولد رہے) اپنی بہن کے پاس کنادہ چلے گئے۔

البتہ دلیل خاں کے دوسرے بیٹے رشید خاں باونہ ہی میں رہے۔ اور ان کی اولاد بہت پھلی پھولی۔ اور اسی سے باونہ کا نام چلا۔ دلیل خاں کے سلسلہ میں دو واقعوں کا ذکر دو دو لفظوں میں ضروری ہے۔

ایک تو یہ (جس کا اچٹتا ہوا سا ذکر ہم پہلے حصہ میں بھی کر چکے ہیں) کہ نواب ثابت خاں والی کول (علی گڑھ) نے دلیل خاں کو اپنی دامادی میں لینا چاہا تھا۔ مگر باپ (شاہ محمد خاں) نے ہرگز منظور نہ کیا۔ اس پر نواب ثابت خاں نے باونہ پر فوج کشی کی۔ مگر شاہ محمد خاں کے بھاگ نکلنے (اور باونہ کے اس وقت نواب بنگش والی فرخ آباد کی نوابی میں ہونے) کی وجہ سے نواب کول کو کامیابی نہ ہوئی۔ قصبہ سہاور بھی بنگش ہی کی عمل داری میں تھا۔ اور وہاں نواب کی طرف سے بہرام خاں نام ایک منشی پٹھان نائب حکومت تھے اب ان بہرام خاں نے بھی اپنی لڑکی کا پیام دیا اور ساتھ ہی بقایا مال گزاری کی علت میں بجائے باپ (شاہ محمد خاں) کے بیٹے (دلیل خاں) ہی کو پکڑ لینے کی دھمکی دی۔ اب شاہ محمد خاں مجبور ہو گئے اور بہرام خاں کی بیٹی (نائب نواب) کی لڑکی لے لی ہے

آنچہ کہ شیراں را کند روبہ مزاج
احتیاج ست ، احتیاج ست احتیاج

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ دلیل خاں بلونہ کے اہروں کی سازش سے گڑھی چکیری کے جاٹوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور اُن کے کم سن بیٹے رشید خاں (جن کو جاٹ بقصد قتل پکڑ لے گئے تھے) صرف اپنی پھوپھی مدینہ بی بی (بنت شاہ محمد خاں زوجہ عظمت خاں کنولی) کے حسن تدبیر سے بچ سکے۔ یہ محض واسطہ اور سبب تھا۔ ورنہ ؎

اگر تیغ عالم بجنبد ز جائے
نہ بُرّد رگے تا نخواہد خدائے

رشید خاں کے دو بیٹے ہوئے :۔ (۱) نجیب خاں (۲) خدا بخش خاں۔
نجیب خاں کی دو شادیاں ہوئیں۔ ایک تاج النساء دختر قادر داد خاں بھوریکی سے۔ اُن سے یہ اولاد ہوئی :۔ (۱) حسن علی خاں۔ (۲) غلام مرتضٰے خاں۔ (۳) زیب النساء والدہ عبدالصمد خاں حسن پور (۴) ظہور النساء والدۂ احمد رضا خاں دتاولی (۵) عمر النساء زوجہ وزیر خاں کنولی جن سے امانت فاطمہ والدہ روشن خاں دتاولی اور کفایت النساء والدہ احمد سعید خاں وفضل اللہ خاں رؤسائے بھیکم پور اور تین بہنیں اور ہوئیں۔ نجیب خاں کی دوسری شادی خیر النساء دختر مردان خاں بھاموں سے ہوئی۔ اُن سے صرف عبدالمجید خاں ہوئے۔

رشید خاں کے دوسرے بیٹے خدا بخش خاں کی شادی صدری بیگم دختر منگل خاں بربیرہ سے ہوئی۔ اور نجیب خاں کی ایک لڑکی (بدر النساء) داؤد خاں کناوہ کو بیاہی گئی۔
خدا بخش خاں، حسن علی خاں، غلام مرتضٰے خاں، عبدالمجید خاں کے پورے سلسلے ان شاء اللہ بلونہ کے شجرہ کے سلسلہ میں آئندہ حصۂ سوم میں معلوم ہوں گے۔ ہم یہاں محض بغرض آسانی فہم مطالب اس قدر بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ بلونہ کی موجودہ نسل میں "شروانی برادرز" (مسٹر تصدق احمد خاں مرحوم، مسٹر نثار احمد خاں سلمہٗ، مسٹر نور احمد خاں مرحوم) خدا بخش کی (پانچویں) پشت میں اور بہار سے رئیس کار مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں حسن علی خاں اور صابر علی خاں غلام مرتضٰے خاں کی چوتھی پشت میں ہیں۔ عبدالمجید خاں لاولد رہے۔

اب اس کے بعد چند افراد خاندان کے جستہ جستہ حالات قلم بند کر کے اس دریا کو اپنی دوات کے کوزہ میں بھرتے ہیں۔

خدا بخش خاں، اور ان کی نسل میں اسد علی خاں (پدر حاجی عبدالرشید خاں وجد شروانی برادرز) غلام مرتضےٰ خاں، اور ان کے بیٹے احمد علی خاں اور پوتے حاجی کفایت علی خاں اور عبدالمجید خاں (پسر سوم نجیب خاں) تقریباً گوشہ گیر اور "اہل الجنت" قسم کے بزرگ تھے۔ نجیب خاں کے بڑے بیٹے حسن علی خاں کے چھ بیٹوں میں سے پانچ بھی اسی وضع کے تھے۔ البتہ
حسن علی خاں (جو داؤد خاں رئیس بھیکم پور کے ہم عصر تھے) کاروبار میں بڑے چوکس تھے۔ اور یہی دونوں اپنے زمانے میں سارے خاندان کے مدبر تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو "خان صاحب" کہتے تھے۔ سارے خاندان کے سارے معاملات انہی دونوں کے باہمی مشورے سے طے پاتے تھے۔ یہاں تک کہ خاندان کے شادی بیاہ کے معاملات کو یہی دونوں (گویا اپنی اپنی بی بیوں کو نظر انداز و در بند کر کے) خود طے کرتے تھے۔ خدا جانے ان کی بی بیوں کو حسب دستور عام دخل ہوتا تو کیا نتیجہ ہوتا۔ مگر ان دونوں کے دخل در معقولات نے بڑے بڑے عبرت انگیز اور دور رس نتائج پیدا کئے۔ مثلاً فیض احمد خاں رئیس دتاؤلی کی پہلی بی بی (بھیکم پور والی) سے اولاد نہ ہوتی تھی تو اپنی نہایت قریب گھر کی بھانجی (امانت فاطمہ بنت وزیر خاں گنوری) ان کو بیاہ دی۔ علیٰ ہذا دوسری بھانجی کفایت النساء بوڑھے غلام احمد خاں (پدر احمد سعید خاں و منزل اللہ خاں) کو دی جو عقد ثانی کے وقت ماشاء اللہ خود نانا ہونے کے قابل تھے۔ اسی طرح باقی تین بھانجیاں بھی کھاتے پیتے گھروں میں دیں۔ مگر خود اپنی بیٹی عنایت بی بی اپنے ایسے بھانجے (احمد رضا خاں دتاؤلی) کو دی جس کے حال کا اضمحلال مثل وزیر خاں گنوری کے تھا۔ اپنے چھوٹے بھتیجے (منصور اللہ خاں) کو اپنی عزیزہ قریبہ ایسی لڑکی (منیر النساء دختر محمد یار خاں کھوری) کی جس کی چیچک سے ایک آنکھ جاتی رہی تھی اور رنگ تاریک سا چہرہ داغ دار ہو گیا۔ اسی سبب سے کسی بڑی تھی۔ اور اپنا وجود ہ سے وہ نکاح کے وقت اپنے نوجوان شوہر (منصور اللہ خاں) سے بہت زیادہ بڑی بھی تھی۔ حسن علی خاں اور داؤد خاں دونوں حج و زیارت کے ۳ سالہ مبارک سفر میں بھی رفیق طریق اور شریک سعادت تھے۔ ایک بار حقیقی اور عزیز بھانجے (عبدالغنی خاں حسن پور) نے دو سو روپے مانگے تو [illegible]

اور اس حتمی وعدہ کے لیے کہ آئندہ کبھی قرض نہ لیں گے۔ افراط شیں ریاست کی طرف کوئی توجہ نہ تھی۔ چنانچہ موضع ہمیرپور (جو کسی اپنے گاؤں کے ایک مزرعہ کی درکا ہے) ٹانڈہ کی انگریز سے داؤد خاں کے بے حد اصرار کے بعد اس طرح لیا کہ روپیہ داؤد خاں نے دیا جو ان کو صرف ایک سال کی فصل نیل دے کر ادا کیا۔ اور آخری حساب پر پانسو روپے نقد واپس لیے۔ اس وقت تو ان بزرگوں کا یہ عمل محض کوتہ اندیشانہ اکھڑپن سمجھا گیا۔ مگر زمینداریوں، ریاستوں، سلطنتوں کے اس وقت اکھڑ جانے کے بعد سے کیا سمجھا اور کیا کہا جائے گا ماسوائے اس کے کہ

"مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ الخ"

(اے ملک کے مالک تو دیتا ہے ملک جسے چاہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہے اور تو ہی عزت دیتا ہے جسے چاہے اور تو ہی ذلت دیتا ہے جسے چاہے۔ تیرے ہاتھ میں بھلائی ہے۔ اور ضرور ہے کہ تو ہی ہر چیز پر قادر ہے)

نوے سال کی عمر پائی۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ مگر صاحب اولاد بیٹوں، بہوؤں پر بڑی گالی گلوچ کے ساتھ برابر حکومت قائم رکھتے تھے۔

منجھلے بھائی غلام مرتضیٰ خاں زمینداری کے کام سے بڑی حد تک بے تعلق تھے۔ اور تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں غیر اضلاع (مثلاً میں پوری، فرخ آباد وغیرہ) تک چکر لگایا کرتے تھے۔ شرمیلے اتنے تھے کہ گھر سے باہر سر سے چادر اوڑھ کر اور بے مبالغہ گھونگٹ مار کر چلتے تھے اور گھر میں بھی بالکل نیچی نظر سے آتے جاتے تھے۔ اپنی بہو بیٹیوں میں سے کسی کو صورت سے نہ پہچانتے تھے۔ ایک بار پانچویں بیٹی (منیرالنساء والدہ حکیم الیاس خاں) سامنے سے گزری تو حاضر الوقت بھتیجی نوری بی (بنت اکبر حاجی حسن علی خاں) سے پوچھا "نوری بی یہ کس کی لڑکی ہے؟" بھتیجی نے ناک پر دوپٹہ رکھ کر اور ہنس کر جواب دیا "چچا جی! آپ ہی کی ایک ہے۔" رات کو دونوں بھائیوں کے پلنگ برابر بچھتے تھے اور گزشتہ اور آئندہ دن کے معاملات اس وقت مشورہ پاتے تھے۔ ان پڑھ تھے۔

عبدالمجید خاں چھوٹے بھائی بھی اَن پڑھ (مگر منجھلے بھائی غلام مرتضیٰ خاں سے بھی بڑھ کر ان گھڑ بھی) تھے۔ ہم نے اوپر حسن علی خاں کو کاروبار میں چوکس بتایا ہے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ چھوٹے علاتی بھائی عبدالمجید خاں کی طرف سے بوجہ اپنی مردم شناسی کے اُن کے بچپن ہی سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے عبدالمجید خاں کے باپ (نجیب خاں) تو میاں جی کو ان کے پڑھانے کی تنخواہ دیتے تھے اور بھائی حاجی حسن علی خاں نہ پڑھانے کی۔ مگر باوجود اس کے اس زمانے کے رنگ کے مطابق مذاکرات سے پورا پورا لطف لیتے تھے۔ اور سخن گو تو نہ تھے، مگر سخن فہم تھے۔ موقع موقع سے ضرب الامثال کہتے اور اشعار پڑھتے۔ بڑے نسّاب تھے۔ چنانچہ سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم کے مرتب کردہ رسالہ کی ترتیب میں ان کا ہاتھ بہت لمبا تھا۔ لاولد رہے۔ اگرچہ شادیاں دو کیں۔ گھر کے بہت سے کام بے تکلف اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ ایندھن پھاڑنا، دودھ دُہنا تو معمولی باتیں ہیں۔ بلا ناغہ روزانہ اُپلے بھی اپنے ہاتھ سے پاتتے تھے۔

جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا، حاجی حسن علی خاں کی پہلی بی بی (بوڑھ گانوں والی) سے صرف ایک بیٹی نور بی بی (چودھری ماشاء اللہ خاں بہادر کی نانی) ہوئیں۔ دوسری بی بی (دھنساری والی) سے ایک بیٹی (عنایت بی بی زوجہ احمد رضا خاں ذادلی اور مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی اور شکر اللہ خاں و صابر علی خاں کی نانی) اور چھ بیٹے ہوئے۔

ضروری تفصیل شجرہ میں دیکھی جائے۔

منجھلے بیٹے **محمد شریف خاں** (جد مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی) کی نسبت اتنا کہیں گے کہ سپاہی منش اور رئیس مزاج تھے۔ اُن کا اور محمد تقی خاں عظیم پور اور ہادی یار خاں دادوں کا جھگڑا رہا تھا۔ ایک نکاح غیر کفو میں بھی کیا جو ہادی یار خاں کی غیر کفو بی بی عائشہ خاتون عرف شکھ بدن کی حقیقی خالہ زاد بہن تھیں۔ جوانی میں انتقال کیا۔ اور بیٹے (محمد مستجاب احمد خاں واحد اولاد) کو یتیم چھوڑا۔

لطیفہ: محمد تقی خاں سے برادری کے علاوہ حقیقی ہم زلفی بھی تھی۔ ایک بار محمد تقی خاں بلونہ

ہاتھی پر سوار ہوکر آئے۔ اس وقت باونہ کی گڑھی کا قلعہ نما دروازہ بنا ہوا تھا۔ چھت تھی بہت بڑا اچھا ٹھک تھا۔ دونوں طرف صحن چبیال اور اُن میں دربان تھے۔ مگر چھت اتنی اونچی نہ تھی کہ فیل نشین مع عماری بحالت سواری داخل ہو سکے۔ مجبوراً اترے اور پاؤں پاؤں چل کر داخل ہوئے۔ ہاتھی گھٹنوں گھٹنوں چل کر آیا۔ بڑے ساڑھو (محمد شریف خاں) نے کہا: "جب جانتے نہ اُترتے! ہاتھی پہ چڑھ کے آتے"!! چھوٹے نے برجستہ جواب دیا ؎

"یا مکن با پیل باناں دوستی
یا بنا کن خانہ درخور دِ پیل"!

حاجی حسن علی خاں کے سب سے چھوٹے بیٹے حاجی عبدالکفیل سے بڑے بیٹے **حبیب اللہ خاں** (لیڈی مزمل اللہ خاں کے نانا) تھے۔ ان کا ذکرِ خیر تبرک سے یوں خالی نہیں کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ کے اسم گرامی کی سماعت کی سعادت خاندانِ شروانی کو یوں حاصل ہوئی کہ حبیب اللہ خاں کو اُن کے مرض الموت میں حضرت ممدوح سے رجوع و استمداد کی بذریعہ بشارت ہدایت کی گئی۔ چنانچہ مہینوں کی تلاش کے بعد حاجی عبدالکفیل خاں حاضر خدمت ہوئے۔ لیکن مولانا نے فرمایا کہ دیر بہت ہوگئی۔ اس کا ذکر گو دلچسپ ہے مگر طویل ہے۔ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے "جمہور" کی اشاعت مورخہ ۲۶ ردسمبر ۱۹۵۱ عیسوی میں مفصل لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت نے اپنی کیاری کا پودینا استعمال کے لئے اس شرط کے ساتھ دیا کہ اگر سبز پہونچ جائے تو شفا ہے۔ ورنہ خدا کی مرضی۔ لیکن باوجود غایت احتیاط پودینا خشک ہوچکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس کے بعد خاندان شروانی کے بہت سے اصحاب (ازاں جملہ نواب صدر یار جنگ مرحوم) حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی سلکِ بیعت میں منسلک ہوئے۔

حاجی حسن علی خاں کے سب سے چھوٹے بیٹے (بلکہ سب سے چھوٹی اولاد) حاجی **عبدالکفیل خاں** کا ذرا زیادہ ذکر نہ صرف صواب بلکہ عین ثواب ہے۔ ان کے والد (حاجی حسن علی خاں) جب حج و زیارت کو گئے تو گھر دو بیٹیاں اور پانچ بیٹے چھوڑ گئے تھے۔ اور

ان میں کئی نہ صرف جوان بلکہ گریجویٹ تھے۔ مگر خدا کے گھر بھی ایک بزرگ سے بیٹے کے
لئے دعا کرائی۔ چنانچہ حاجی عبدالکفیل خاں باپ کی حج سے واپسی کے بعد پیدا ہوئے۔ اس
واقعہ کے راوی خود حاجی عبدالکفیل خاں ہیں جن سے خود ان دعا کرنے والے بزرگ نے
فرمایا تھا کہ "تو ہماری دعا کا بچہ ہے"۔ تقریباً ۱۸۷۴ء کی پیدائش تھی۔ پہلا فریضۂ حج جوانی
میں اپنی بڑی بہن نور بی بی کے ساتھ ادا کیا۔ اور پھر عمر بھر یہ کار خیر (دوسروں کے لئے
بدل) کرتے رہے۔ کثرت سے اپنے اعزا اقربا کے لئے اور ایک حج حضرت مفتی لطف اللہ
رحمۃ اللہ کے لئے۔ ہندوستان اور بلاد اسلامیہ میں سیاحت کرتے اور بزرگان دین کے
مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ جب ۱۹۰۸ء میں حاجی مصطفیٰ خاں کی رفاقت میں سفر کیا
تو بعض ممالک یورپ بھی دیکھے۔ سلطان عبدالحمید خاں کے حضور میں باریاب ہوئے۔ اور
تمغۂ مجیدی پایا۔ اور قسطنطنیہ سے مدینہ منورہ تک حجاز ریلوے کے سب سے پہلے سفر میں
چلے۔ اس زمانہ میں سلطنت ٹرکی کے تین مسلسل دور دیکھے۔ (۱) سلطان عبدالحمید خاں کا
کمال عروج۔ (۲) انقلاب۔ (۳) سلطان کا عزل اور نوجوان ترکوں کا نصب۔ بظاہر سیدھے
سادے تھے مگر بڑے کماؤ اور گاڑھے زمیندار تھے۔ خوب کماتے اور حج کو اڑاتے۔ جب
وہاں تلاش ہو جاتے تو پھر ہندوستان آجاتے۔ چنانچہ ایک بار کی واپسی پر نواب بوبکر خاں
مرحوم نے حاضری کی اجازت چاہی تو لکھ بھیجا۔ "میاں! آج کل ہرگز نہ آنا۔ چراغ طاق
پر اور روٹی ہاتھ پر رکھ کر گزار رہا ہوں۔" مرنج و مرنجان، خوش باش، آزادی پسند، بچوں میں
بچے، بڑوں میں بڑے تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں عمائد سے تعلقات تھے۔ اور باوجود
بھولے پن کے چاہتے تو اچھے اچھوں کو اپنے سے بے تکلف کر لیتے۔ چنانچہ حکیم محمود خاں
دہلوی (پدر حکیم حافظ اجمل خاں مرحوم) جیسے جاہ و جلال کے شخص سے ایسے بے تکلف
تھے کہ ان کی بساط پر شطرنج بازی کرتے۔
۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء میں ہجرت کر گئے۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں چھ ماہ (اپریل تا اکتوبر) کے لئے آئے۔ اور
واپس جا کر مارچ ۱۹۳۹ء (محرم الحرام ۱۳۵۸ھ) میں مدینہ منورہ میں وفات اور جنت البقیع میں
جگہ پائی۔ بڑی عقیدت کے ساتھ خرچ کرتے تھے۔ اور نواب مشہور تھے۔ اپنی خود

جائداد کا بہت معقول حصہ مسجد بلونہ کے لئے سنہ ۱۹۰۷ء میں وقف کرکے نواب صدر یار جنگ
مرحوم کو متولی اول کیا۔ بڑے عابد زاہد، غم گسار، تہجد گزار تھے۔ آخر میں مدینہ منورہ کے والہانہ
شوق قیام (اور وہاں سے باہر جانے کے خوف) کی وجہ سے حج تک میں حاضر نہ ہوتے تھے۔
ہندوستان سے اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء میں واپس ہوکر آخری حج سنہ ۱۳۵۵ھ (فروری سنہ ۱۹۳۷ء) میں کیا۔
حرم شریف مدینہ طیبہ میں جو نواب صدر یار جنگ بہادر کی طرف سے سبیل جاری تھی اس کے منتظم تھے
اور خود کوزوں میں بھر بھر کر پیاسوں کو پانی پلاتے تھے۔ جب جنوری سنہ ۱۹۳۹ء میں راقم الحروف اور
مولوی حاجی محمد یونس خاں مرحوم حاضر مدینہ طیبہ ہوئے تو اپنے ہاں ہم دونوں کو مہمان رکھا۔ اور
ہم پر بڑی بزرگانہ شفقت رکھی۔ پہلی شادی عبدالصمد خاں حسن پور کی لڑکی سے ہوئی اور دوسری
سارہ بیگم (دختر فیض احمد خاں و عروسہ بیگم) سے (جن کا حاجی عبدالکفیل خاں سے طلاق
کے بعد عقد ثانی عبدالجمیل خاں سے ہوا) اولاد دونوں میں سے کسی سے نہ ہوئی۔ تقریباً
۹۰ نوے سال کی عمر پائی۔ اپنے عزیزوں میں مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی اور ان کے بچوں
سے سب سے زیادہ مانوس تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کو اپنی کچھ جائداد بذریعہ ہبہ اور
اکثر بذریعہ بیع دی۔ زر ثمن کی قسط بندی تھی۔ مگر خدا کی قدرت کہ من جملہ ۳۲ بتیس ہزار صرف ڈھائی
ہزار لے کر سفر آخرت اختیار کیا۔ اور مولوی صاحب ممدوح کو اپنا واحد وارث شرعی چھوڑا۔
"ولله میراث السموات والارض"

محمد شریف خاں کی واحد اولاد **محمد مستجاب اللہ خاں** (والد مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں
شروانی) تھے باپ کے ترکہ زمینداری پر اضافہ کیا۔ نیل سازی کی کوٹھی بنائی۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں
دادوں اور کھریری کی عظیم الشان دالانوں کی دو کوٹھیاں کورٹ کے زمانہ میں ایک وقت چلائیں
نقد و داد و ستد کے سبب بلونہ کے نواح میں ایک چھوٹی موٹی "سرکار" تھی۔ رسمی فارسی کی تعلیم بھی
تھی۔ شاعری میں استاد داغ سے تلمذ تھا۔ نام مستجاب کے لحاظ سے مقبول تخلص کرتے تھے
پیام یار وغیرہ گلدستوں میں کلام چھپتا رہتا تھا۔ ریاض الاخبار وغیرہ میں شعر مضامین چھپتے رہتے
تھے۔ علم دوست تھے۔ مالیات سے زیادہ کلیات کا شغف تھا۔ اپنے دوست حافظ عبدالرحیم
صاحب مرحوم وکیل علی گڑھ (والد مولوی بدرالدین علوی استاد عربی مسلم یونیورسٹی) کی تحریک پر انگلس

کے ممبر بھی رہے۔ اور بعض اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ کانگریسی دوستوں میں مسٹر لاڈلی پی۔ اے۔ (بنگالی خاتون مسز سروجنی نیڈو سے بھی مقدم) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سرسید مرحوم سے بھی خوش عقیدہ تھے۔ رائے میں بے لاگ تھے۔ آخر عمر کے شاعری کے مشغلہ کے نتائج میں عبداللہ نورخاں (بھیکم پور) نور اللہ خاں (سہاور) کنور عبدالغفور خاں (دھرم پور) مرحومین مغفورین کے مراثی زیادہ مقبول ہوئے۔ مرحوم کی علم دوستی کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ اپنی چھوٹی بیٹی (اور سب سے چھوٹی اولاد) امت الغنی (زوجہ شکر اللہ خاں بلونہ) کو ۹۶-۱۸۹۵ء میں ایک پنڈت رکھ کر ہندی پڑھائی۔ یہ واقعہ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی نے اپنی ایک مطبوعہ شائع شدہ تحریر میں بتایا ہے۔ حال آں کہ یہ اب سے تقریباً ساٹھ سال کا زمانہ وہ تھا کہ ہندی کی ترویج کی آج کے دن کی سی کوتہ اندیشانہ اور بد مذاقانہ ترویج کا دور دور تک وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ افزائش زمینداری کی طرف سے مثل باپ دادا کے یہ بھی اتنے بے پروا رہے کہ ایک قدیم الخدمت اہیر کو اپنے پاس سے بلا سودی معقول رقم دے کر زمینداری جائداد خرید وادی۔

حسن علی خاں کے **سنجھلے بیٹے حفیظ اللہ خاں** کے واحد اولاد نرینہ **حاجی شمس الحسن خاں** تھے ان کے دم سے بھی رونق تھی۔ نواب ابوبکر خاں کے انیس و جلیس تھے۔ فارسی کے علاوہ ابتدائی عربی پڑھی اور چند سال ایم اے او کالیجیٹ اسکول میں بھی تعلیم پائی۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ایک لڑکی نور جہاں بیگم زوجہ محمد حنیف خاں بلونہ چھوڑی۔

محمد مستجاب اللہ خاں مقبول کے واحد فرزند نرینہ راقم آثم کے دیرینہ کرم فرما اور حال کے شریک کار **مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں** ہیں جو ماشاء اللہ ہندوستان کیا بیرون ہندوستان میں بھی با نام و نشاں ہیں۔ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ محمد مقتدیٰ خاں (۱۲۹۷) نام تاریخی ہے۔ موصوف کے علمی و ادبی کارناموں کے اظہار و شمار کے لیے ایک طویل دفتر درکار ہے۔ ہم یہاں مجبوراً صرف مختصراً عرض کرتے ہیں۔ تاہم اس سے ہمارے اس دعوے کی پوری تائید ہوگی کہ بلونہ واقعی ایک مردم خیز بستی ہے۔ فارسی

گھر پر پڑھی۔ انگریزی کا سلسلہ ۱۸۸۹ء میں ڈھولنہ سے شروع ہو کر اور ۱۸۹۲ء تک گنگوہری میں جاری رہ کر جون ۱۸۹۳ء میں ایم۔ اے او کالیجیٹ اسکول علی گڑھ میں داخل ہوئے اور یہاں ۱۸۹۹ء تک تعلیم پائی۔ اسی دوران میں اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ ہندی سیکھی اور اپنے ایک آریہ کلاس فیلو پنڈت اندرمن سے کچھ سنسکرت سیکھی۔ اور پنڈت اندرمن کو کچھ عربی بتائی جو انھیں کچھ نہ آئی۔ عربی تعلیم شروانی اسکول چھپرہ میں مولوی بشیر احمد صاحب اور مولوی کریم بخش صاحب سے شروع کی۔ اور دوران ملازمت میں شمس العلماء مولانا عبد اللہ صاحب ٹونکی، مفتی محمد لطف اللہ اور مولانا محمد امانت اللہ صاحب کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا رحمہم اللہ تعالے علیہم اجمعین۔ آبائی پیشہ زمینداری سے عدم دلچسپی اور بدو شعور سے اخبار نویسی اور مضمون نگاری کے شوق نے ان کو لاہور (پنجاب) کی طرف دھکیلا۔ اور وہاں ۱۹۰۲ء سے لے کر ۱۹۰۹ء تک باقاعدہ رہے۔ خاص تعلق اس زمانہ کے مشہور روزگار پیسہ اخبار سے تھا۔ اور خانگی (مگر مستقل) طور پر رسالہ ترقی (عیسائی) پولیس گزٹ (سکھ) ہندوستان (ہندو) وغیرہ سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ پیسہ اخبار میں روزانہ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر، ٹرانسلیٹر، نیوز ایڈیٹر، پولیٹکل و لنگل رپورٹر تھے۔ ہفتہ وار پیسہ اخبار اور ماہوار بچوں کے اخبار کے ذمہ دار ایڈیٹر، زنانہ اخبار شریف بیبی کے لٹریری ایڈوائزر تھے۔ اس زمانہ میں بھی وطن و مخزن لاہور، ریاض الاخبار گورکھپور۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ میں بھی مضامین لکھتے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں بزمانہ نواب وقار الملک بہادر آنریری سکریٹری کالج علی گڑھ آ کر کالج کے آرگن علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ادیٹری پر مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی (لٹریری اسسٹنٹ سر سید مرحوم) کے قائم مقام ہوئے۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۵ء تک البوشی انڈیپنڈنس سے متعلق نامہ نگار اس طرح رہے کہ ان کے افکار برق سوار کی چمک سے آنکھیں تو بے شمار خیرہ ہوئیں۔ لیکن ان کی دھمک سے کان ایک بھی آشنا نہ ہوا۔ اور اس چودہ (۱۴) سال کی طویل مدت میں ہمارے یار کا اس ڈھنگ کا نامۂ اعمال خدا جانے کس رنگ کا رہا۔ اسی زمانہ میں ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک علی گڑھ گزٹ نامی ایک سہ (۳) روزہ اخبار کی ایڈیٹری کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ نان کوآپریشن اور خلافت کی تحریکیں زوروں پر تھیں۔ یہ اخبار ان کے لیے شہ بار اور زیر بار تھا۔ چنانچہ خلافت کمیٹی کے

حسابات کی اشاعت نے اسے مقصد ادا ہی کر دیا۔ ان کی ایڈیٹری میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ
گزٹ کو دن دونی رات چوگنی مالی اور اخلاقی ترقی ہوئی۔ بجائے نقصان سے چلنے اور کالج
پر ناگوار مالی بار ہونے کے اب وہ کالج کو معقول سالانہ نفع دینے لگا۔ اور ہند اور بیرونِ ہند
میں اسے "نیوز پیپر" سے زیادہ "ویوز پیپر" تسلیم کیا جانے لگا۔ اور اہم معاملات میں اس کی رائے
کا انتظار ہونے لگا۔ سنہ ۱۹۱۱ء کے شاہی دربار دہلی کے بعد نواب وقار الملک مرحوم کا منسوخی
تقسیم بنگال کے خلاف وہ مشہور عالم مضمون شائع ہوا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں اس
سرے سے اس سرے تک نئی بیداری کی ایک لہر دوڑا دی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں کالج کے مسلم یونیورسٹی
ہو جانے کے بعد اخبار مسلم یونیورسٹی گزٹ اور پریس مسلم یونیورسٹی پریس ہو گیا۔ ابتدائے قیام
(سنہ ۱۸۶۴ء) سے پریس ٹائپ (یعنی لوہے کے چھاپے) کا تھا۔ مگر سنہ ۱۹۱۲ء میں موصوف نے لیتھو
(یعنی پتھر کے چھاپے) کا اضافہ کیا۔ اور اس حصہ نے بفضلِ خدا ایسی شہرت حاصل کی جو
ہندوستان کے لیتھو کے مطابع کی تاریخ میں بے نظیر تھی۔ علاوہ دوسری بے شمار کتابوں
کے کلیاتِ خسروؒ کے سلسلہ میں آٹھ کتابوں کا وہ مجموعہ شائع کیا جس نے حضور نظام عالی مقام مدظلہ
کی سرپرستی اور یورپ تک کے مستشرقین سے سندِ قبولیت حاصل کی۔ اس سلسلہ میں ایک کتاب
(دول رانی خضر خاں) ایسی بھی جو باوجود اسے کہ نہ صرف حضرت امیر خسروؒ کی مثنویوں میں ایک خاص
اہمیت رکھتی تھی بلکہ اب تک چھپی بھی نہ تھی۔ اور دنیا میں صرف تین چار نسخے ہی اس کے قلمی
تھے۔ اور ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ میں بھی اس کا بلند پایہ تھا۔ "خمسہ" (یا پنج گنج)
خسروی کے سلسلہ کی سب سے پہلی کتاب مطلع الانوار کی تصحیح اور مقدمہ نگاری مولوی حاجی محمد مقتدی خاں
شروانی نے کی جو دوسرے نامور مقدمہ نگاروں (مثلاً نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم) کی دوسری
کتابوں کے مقابلہ میں "مخمل میں ٹاٹ کا پیوند" نہ سمجھی گئی اور ماشاء اللہ کافی مقبول رہی۔

میر ولایت حسین مرحوم کے استعفے کے بعد کالج بک ڈپو کے آنریری منیجر ہوئے۔ موصوف کے
حسن انتظام سے کتابوں کا پرانا ذخیرہ (جو ناقابل فروخت سمجھا جاتا تھا) نکل گیا۔ بلکہ کتنی بڑی
بڑی ضخیم کتابیں (جو متعدد جلدوں میں تھیں مثلاً تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولانا ذکاء اللہ دہلوی مرحوم)
از سر نو چھاپیں۔ اور کالج بک ڈپو سے بھی کالج کو سالانہ رقم دی۔ لاہور کے قیام (تا اگست سنہ ۱۹۰۹ء)

کے زمانہ میں موصوف وہاں کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن مرکزی شاخ پنجاب اور علی گڑھ وہاں کی
انجمن اردو کے اسسٹنٹ سکریٹری رہے۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کی پچاسویں سالہ طلائی جوبلی
کے موقع پر وہ "اردو کانفرنس" اور "مسلم پریس کانفرنس" کی مجالس استقبالیہ کے صدر ہوئے۔ اردو
کانفرنس کے جلسۂ عام کے صدر نواب صدر یار جنگ اور پریس کانفرنس کے فخر القوم مولوی
بشیر الدین صاحب اٹاوہ تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جوبلی کا اجلاس موصوف کے خطبہ (اردو کانفرنس)
سے شروع اور انہیں کے خطبہ (پریس کانفرنس) پر ختم ہوا۔ اور لندن ٹائمز نے بھی خاص طور پر حوالہ
انہی کانفرنسوں کے خطبوں کا دیا۔ موصوف کو انگریزی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کا
ماشاء اللہ بڑا ملکہ ہے چنانچہ بعض اوقات یہ لطیفہ پیش آیا کہ اصل انگریزی کے مقابلہ میں
ان کے ترجمہ کی سلاست اور روانی سے ایسے اچھوں کو ترجمہ پر اصل کا دھوکا ہوا۔ آل انڈیا
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سلسلہ کی مشہور کمال یار جنگ کمیٹی کی طویل رپورٹ کے ترجمہ سے خود
کانفرنس کا اشاعت خانہ قاصر رہا۔ تو انہوں نے کانفرنس کے ستاونویں اجلاس منعقدہ پونا (سنہ ۱۹۴۲ء)
میں پیش ہونے کے لیے اس کا دن بھر کی ایک نشست میں ترجمہ کر دیا۔ "شروانی سیریز"
کے نام سے پندرہ سولہ چھوٹے بڑے رسالے نکالے ہیں جن میں عقائد اسلامیہ میں چار رسالوں
کا سیٹ "الایمان" کے نام سے بہت مقبول ہے۔ اور بلاد اسلامیہ کے ہندوستانی گھروں
اور ننھیال اور ددھیال تک جاری ہے۔ یہ سلسلہ نواب سر مزمل اللہ خاں کے نام سے معنون
ہے۔ پیسہ اخبار کے تعلق کے زمانہ میں اخبارات عالم کی فہرست مرتب کی جو بہت مشہور اور
مقبول ہوئی۔ جب سنہ ۱۹۳۳ء میں مسلم یونیورسٹی نے عام علم و فہم سے خارج وجوہ کی بنا پر مسلم
یونیورسٹی پریس کو (فروخت کیا) اور بند کر دیا تو موصوف نے فوراً ہی اپنا ذاتی پریس "شروانی
پرنٹنگ پریس" کے نام سے جاری کیا جس نے اپنی چند سالہ حیات میں علاوہ اور کتابوں کے
سب سے زیادہ معرکہ کی اعظم کتاب "بشارات" چھاپی جو مشہور عالم (سر سید مرحوم کے استاد)
مولوی عنایت رسول چڑیا کوٹی مرحوم نے بیس سال کی طویل مدت میں لکھی تھی۔ مگر باوجود سالہا
سال کی (ان کی اور ان کی اولاد کی) سعی پیہم کے چھپی نہ تھی۔ یہ کتاب رسول اللہ صلعم کے متعلق
کتب انبیائے سابقین کی پیش گوئیوں کے متعلق اصل عبرانی متن سے مرتب ہوئی ہے

اور خداوند تعالیٰ نے شروانی پریس کو اس کمال کا فخر عطا فرمایا کہ اصل عبرانی حروف کی عبارتیں (جو کتاب میں نہایت کثرت سے ہیں) ایسی صحت و درستی سے نقل کی ہیں کہ جن چند واقفوں نے یہ دیکھی ہیں انھوں نے حیرت کی ہے۔ اور آپ سے صرف ذات مبارک صلعم کا فیضان قرار دیا ہے۔ یہ کتاب دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں بھی یورپ اور امریکہ میں شائع ہوتی رہی۔

مسلم یونیورسٹی پریس فروخت ہو جانے کے بعد سلطنت افغانستان کی طلب پر جو ماہرین تعلیم (سید راس مسعود، ڈاکٹر اقبال مرحوم اور سید سلیمان ندوی) کابل گئے تو علی گڑھ سے علمی کارناموں کی سند کے طور پر حاجی صاحب موصوف کا چھپا ہوا کلیات خسرو کا آٹھ کتابوں کا سٹ لے گئے اور ان کے بعد سید ظفر عمر مرحوم کی سرکردگی میں جو ہاکی ٹیم یونیورسٹی سے کابل گئی وہ شروانی پرنٹنگ پریس کی چھپی ہوئی (تبصرے وغیرہ) لے گئی۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ پریس کے ساتھ تعلق کے شروع ہی میں خود اپنی چند کتابیں (اپنے صرف سے چھپی ہوئی) پریس کو بلا معاوضہ دے کر بک ڈپو جاری کیا جو اس وقت تک نہایت کامیابی سے چلا اور پریس کو کئی ہزار سالانہ کی آمدنی دیتا رہا کہ یونیورسٹی بک ڈپو کا آنریری کام مولوی صاحب حسب تحریر کر چکے تھے۔ اور یونیورسٹی بک ڈپو اور پریس کا مقابلہ ہونے لگا تھا۔ اور یونیورسٹی بک ڈپو کے اس وقت کے سیکر منیجر مسٹر عبدالکریم فاروقی بی اے (علیگ) مرحوم کی درخواست پر یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد (وائس چانسلر، ٹریژرر، پرو وائس چانسلر) اس پر مجبور ہوئے کہ پریس بک ڈپو کو ختم کر دیا۔ شروانی پرنٹنگ پریس کے ساتھ مولوی صاحب نے شروانی بک ڈپو بھی جاری کی جو خدا کے فضل سے اب تک کام کر رہی ہے۔ موصوف آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں کے شرکا میں بھی بہت قدیم ہیں۔ پندرہ سال کی عمر میں ۱۸۹۲ء کے اس اجلاس میں شریک تھے جو سید صاحب مرحوم کی حیات میں علی گڑھ میں ہوا اور جس میں سید راس مسعود مرحوم کی بسم اللہ کی رسم بے نظیر شان کے ساتھ ادا ہوئی۔ ۱۹۰۹ء میں علی گڑھ آنے کے بعد ہی اس کی مجلس منتظمہ کے رکن بنائے گئے پھر اس کے بعد مجلس عاملہ کے بھی رکن ہو گئے۔ اور تین سال (۱۹۳۶ء۔۱۹۳۹ء) کی ایک مدت میں اس کے شعبہ تعلیم نسواں کے آنریری سکریٹری رہے۔ اور مردانہ وار خدمات انجام دیں۔ اس حیثیت سے اس کے اجلاس دسمبر ۱۹۳۹ء (کلکتہ) اور دسمبر ۱۹۴۰ء (پونا) میں اپنی جو رپورٹیں پیش کیں اور جن کو اپنے ذاتی خرچ سے چھپا یا اور شائع کیا وہ تعلیم نسواں

کے اسلامی نقطۂ نظر سے بجائے خود قابل مطالعہ ہیں۔ مگر کانفرنس کی تاریخ کے اس دور کی دفتری چیرہ دستیوں کی بدولت دوسرے بہت سے بہی خواہوں کے ساتھ "دودھ کی مکھی" بنائے گئے۔ شاعری میں بھی بہت کچھ دم بھرتے ہیں۔ جیسے والد مرحوم کا نام مستجاب اور تخلص مقبول تھا۔ اسی طرح آپ مقتدیٰ نام کی مناسبت سے (کبھی کبھی) رہبر "تخلص" باندھتے ہیں۔ مگر معلوم نہیں "کس راہ بری کند" !؟ اور اُس قسم کے شاعر ہیں جو بزعم خود "تلامیذ الرحمٰن" اور بعرف عام "خود رَو" کہلاتے ہیں یعنی بے استادے (گویا "بے پیرے") کبھی کبھی فارسی میں بھی لمبی لمبی نظمیں لکھتے ہیں۔ بہر حال حالی مرحوم کا یہ شعر ان کے حال پر بہت ہی خوب چسپاں ہے ؎

ہیں ہماری مدح کے پیر و جواں امّید وار
اور ہماری ہجو سے تھراتے ہیں شاہ و گدا

انھوں نے دوسرے فاضل مصنفوں کی بہت سی تصنیفات و تالیفات پر دل چسپ مقدمات بھی لکھے ہیں۔ اور متعدد تالیفات میں شرکت بھی کی ہے۔ مثلاً اُردو کی اب تک کی واحد مبسوط لغت فرہنگ آصفیہ کے آخری ایڈیشن کے طبع کے وقت نظر ثانی اور اضافہ لغات کی خدمت انجام دی۔ اور سنسکرت اور ہندی الفاظ ہندی حروف میں اپنے قلم سے لکھے جس کا سبب یہ موافق فرہنگ مولوی سید احمد دہلوی کا لکھا ہوا چھپا ہے۔ نواب محسن الملک مرحوم کی سب سے پہلی سوانح عمری جو پیسہ اخبار نے چھاپی اس پر نظر ثانی اور اضافہ مطالب کیا۔ اور "حیات جاوید" (حیات سرسید) کے مقابلہ میں "حیات جاودانی" نام بھی انھی نے تجویز کیا۔

بعض اوقات معلمی بھی کی۔ مثلاً شیروانی اسکول چھپرہ کی آنریری ہیڈ ماسٹری۔ اور اس زمانہ میں چودھری احمد اللہ خاں اور عبد المقیت خاں جیسے "ملکوت" کے "معلّم" تھے۔ ایک انگلش مشنری لیڈی مس بگل کو بلا معاوضہ اُردو کی تعلیم دی۔ اور اس سے شکریہ میں مقدس بائبل کا ایک عمدہ نسخہ حاصل کیا جس پر اس کے اپنے قلم کی تحریر اکتوبر ۱۹۰۳ء کی ہے۔ لاہور کے قیام کے زمانہ میں ایک مسلمان مہتر (بھنگی) کو اپنے پاس چارپائی کی پائینتی بٹھا کر انگریزی پڑھاتے رہے۔ اور پڑوسیوں کے احتجاج کی کچھ پروا نہ کی۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نوّے کی تعداد پوری کئے بغیر ماشاء اللہ دو بار حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ پہلی بار ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء میں نواب صدر یار جنگ بہادر اور حاجی عبد الکفیل خاں کی معیت میں اور اپنی بڑی ہمشیر کنیز فاطمہ مرحومہ کو لے کر اور دوسری بار ۱۳۴۸ھ ۱۹۳۰ء میں تنہا۔ باوجود پیرانہ سالی و کہن سالگی ماشاء اللہ اپنے کاروبار اور مشاغل میں بدستور مستعد ہیں۔

آخر میں ہم چند واقعات (نہایت اختصار کے ساتھ بلکہ محض اشارۃً) ایسے بھی خود بیان کرتے ہیں جن سے ان کی اخلاقی جرأت اور دوربینی پر روشنی پڑے گی۔

ایم اے او کالج اور مسلم یونیورسٹی سے ان کا تعلق ۱۹۰۹ء سے ۱۹۳۶ء تک پورے ستائیس سال رہا ہو ظاہر ہے کہ ملازمت یا "بندگی و بیچارگی" کا تھا۔ مگر انھوں نے محض قومی خدمت سمجھ کر انجام دیا۔ پریس اور اخبار کو مالی اور اخلاقی حیثیت سے کہاں سے کہاں تک ترقی دی۔ مگر اپنی تنخواہ کی ترقی کا کبھی مطالبہ نہ کیا۔ چنانچہ وہ در چند (یعنی آخر تک) دوسو ۲۰۰ سے نہ بڑھی۔ یہاں تک کہ (یہ بھی سنے دیکھا کہ) رہنے کے لئے ایک مکان تک نہ ملا۔ کیوں کہ جس مکان میں وہ ٹٹیاں لگا کر بیٹھا رہتے وہ درحقیقت کسی موسم کے بھی آرام کا نہ تھا۔ کیوں کہ سکونت کے لئے بنایا ہی نہیں گیا تھا۔ بلکہ محض دفتری اغراض کے لئے تھا اور اس بے نفسی کے باوجود اپنے فرائض ایسی یکسوئی کے ساتھ انجام دیتے کہ باوجود اس کے کہ ایک زمانہ میں سرکار حضور نظام ان کو معقول مالی امداد ذاتی پریس قائم کرنے کے لئے دے رہی تھی مگر یونیورسٹی کے تعلق کے ساتھ اسے اختیار کرنا انھوں نے دیانت کے خلاف سمجھا۔ اور اس واقعہ کے شاہد اب بھی مل جائیں گے کہ جب ۱۹۱۷-۱۸ء میں کالج کے آنریری سکریٹری سے اختلاف ہوا تو مسٹر (یعنی مولانا) محمد علی مرحوم نے ان کو دہلی میں (سلسلہ کامریڈ و ہمدرد اخبار و پریس بااضافہ تنخواہ) اپنے ساتھ کام کرنے کے لئے ہر چند بلایا مگر انھوں نے علی گڑھ کے آستانہ کو چھوڑ کر دہلی کے کاشانہ کا رخ نہ کیا۔ محمد علی کی چٹھیاں ان کے پاس اب بھی موجود ہیں۔ اگر وہ اس وقت اس پیش کش کو منظور کر لیتے تو شاید آج عرف عام کے بہت بڑے آدمی ہوتے۔ مگر

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

بفضل اللہ بااثر و بااختیار تھے۔ دوسرے بڑے سے بڑے افسر کی جس رائے کو اپنے فرائض کے سلسلہ میں قومی مفاد کے خلاف سمجھا اُسے کبھی نہ مانا۔ اور اس وجہ سے سنہ ۱۹۱۷-۱۸ء میں کالج کے آنریری سکریٹری اور سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء میں اور پھر سنہ ۱۹۳۶-۳۷ء میں یونیورسٹی کے وائس چانسلروں سے اُن کی جو مہابھارت ہوئی وہ ایک افسانۂ بیداری آور ہے۔ علیٰ ہذا آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے معاملات میں وہ کانفرنس کے آنریری سکریٹری اور اس کے وائس چیرمین اور چیرمین (یعنی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی) کے مقابلہ پر جس طرح یکہ و تنہا اٹھے اور لڑے اس کے بہت سے شاہد اب بھی مل سکیں گے۔

پھر باوجود یہ کہ وہ ایک اوسط درجہ کے پشتینی زمیندار تھے، مگر اپنے باپ کے بعد بھی وہ اپنے اسی پیشہ میں لگے رہے جو انھوں نے زمینداری کی موجودگی میں بعد باپ کے سامنے ہی سے اختیار کر رکھا تھا۔ اور یہی اصول انھوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں مرتے دم تک مد نظر رکھا جسے ہم انھی کی اس تصنیف سے نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اپنے دو جواں مرگ بچوں کے مرثیوں کے طور پر (۱) صبرِ جمیل بیانِ رحلت احمد کفیل اور (۲) دفع الصادر بیانِ رحلت محمد منظور کے نام سے لکھی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے ؎

سب کی تعلیم کا لیں ایک رکھا میں نے اصول
اور لگا دینا پہ پھر کسب ہو سب کا معمول
دین سے دل میں خدا ہو (کہ وہ دل شاد رہیں)
دھن ہی کسب میں خدمت نہ ہو تا آزاد رہیں

ان دو شعروں کی تفسیر یہ ہے کہ انھوں نے ماشاء اللہ اپنے نو بچوں (سات لڑکوں اور دو لڑکیوں) میں سب کو کسی نہ کسی پیشہ (ڈاکٹری اور سلیمن شپ اور الکٹرک اور دوسری سے کفش دوزی یا دیہاتی زبان میں چمربنی تک) کی تعلیم دلائی۔ عام تعلیم صرف دینیات اور اردو، فارسی، عربی اور انگریزی (حتیٰ کہ اب ہندی بھی) کی بقدر کفایت تک محدود رکھی۔ بچیاں کتابی تعلیم کے علاوہ خانہ داری کے کاموں میں ماشاء اللہ کافی سلیقہ مند ہیں۔

جیسے پرونے، زردوزی، کشیدہ کاری، بید، تری، موتی کی دست کاریوں کی عملی مشق رکھتی ہیں۔ ہر قسم کے کپڑوں کی دھلائی بہت صفائی سے کرتی ہیں۔ ابتدائی نقاشی اور چمن بندی میں بھی درک ہے۔ بچے علاوہ اپنے مخصوص پیشوں کے ایک سے زیادہ دوسرے فنون میں بھی دلچسپی (بلکہ خاصی مہارت) رکھتے ہیں۔ مثلاً مصوری، نجاری، ٹائپ رائٹر، شارٹ ہینڈ، رکابی، دھلائی، سلائی کا کام بچے بھی کر لیتے ہیں۔ گھر کے سب چھوٹے بڑے گھر کا سارا چھوٹا بڑا کام بے تکلف اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ کاش ہمارے خاندان کے تمام صاحب اولاد اصحاب اپنے بچوں کو اپنی طرف سے یہی طرز معاشرت اختیار کراتے اور پھر ان کو خدا کی تقدیر اور ان کی تدبیر کے حوالے کرتے اور ان کو ذوق مرحوم کے ساتھ یہ کہنے میں ہم نوا بناتے کہ

قسمت سے تو ناچار ہوں اے ذوق، وگرنہ
ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

حبیب خاں کے منجھلے بیٹے غلام مرتضٰے خاں کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے **احمد علی خاں** تھے۔ سپاہی منش، شہسوار، نادر انداز اور حوصلہ مند تھے۔ چھوٹے **حاجی مغفور اللہ خاں** تھے اور چونکہ بڑے بھائی کے علاوہ چار بہنوں کے بعد پیدا ہوئے تھے اس لئے گھر میں "ننھے خاں" کہلاتے تھے۔ شروع ہی سے بڑے ذکی، ذہین، طرار، تقار تھے۔ بڑے باپ (حاجی محسن علی خاں) ازراہ فرط محبت ان کو محب اللہ کہتے تھے جو اس زمانہ میں کول (علی گڑھ) کے چوٹی کے وکیل تھے۔ خاندان شروانی میں اپنی معاملہ فہمی کے لحاظ سے فرد تھے۔ چنانچہ عبدالشکور خاں (منجھلے خاں صاحب) کے دست راست اور مشیر با تدبیر تھے۔ عربی سے واقف نہ تھے۔ البتہ فارسی کا علم پورا رکھتے تھے۔ اور اس زمانہ کے رواج کے خلاف فارسی کی صرف و نحو پر کامل عبور تھا۔ اپنا کتب خانہ اجار رکھتے تھے۔ اور گھر کے بچے بچیوں کو خود کتابیں تصنیف کرکے اور اپنے ہاتھ سے لکھ لکھ کر ابتدائی تعلیم دیتے تھے چنانچہ اپنے بیٹے ظفر حسن خاں اور پوتوں تصدق احمد خاں، نثار احمد خاں، شاکر اللہ خاں، حبیب علی خاں کو فارسی کی ابتدائی تعلیم خود دی۔ البتہ عربی کے لئے مولوی رکھے۔ اور شروانی اسکول قائم ہوا۔ تو ان سب کو وہاں داخل کیا۔ چنانچہ شروانی اسکول کی بسم اللہ کرنے کے لئے اگست ۱۸۹۷ء میں سب سے پہلے انہیں کی بھیجی گئی۔ منجھلے خاں صاحب (عبدالشکور خاں) کے ساتھ تصحیح کیا۔ دلچسپی ہے اور

اوران کے بھتیجے اور داماد حاجی کفایت علی خاں لتنے عامل تھے کہ محض پوست و استخوان تھے مگر خدا کے
گھر سے زندگی لے کر آئے تھے کہ حاجی منور اللہ خاں فروری سنہ ۱۹۱۷ء اور حاجی کفایت علی خاں سنہ ۱۹۳۲ء تک
زندہ رہے۔ احمد علی خاں کے دو بیٹے حاجی **کفایت علی خاں** اور **سمیع اللہ خاں** ہوئے۔ اول الذکر فقیر کشی،
پیری فقیری اور اوراد و وظائف کے آدمی تھے۔ عبدالشکور خاں اور حاجی منور اللہ خاں کے ساتھ حج کیا۔ سمیع اللہ خاں
بڑے سمجھدار، زیرک، صادق القول و پرجوش گوشش کے آدمی تھے۔ انہی نے سب سے پہلے خاندانی شجرہ رسالہ کی
شکل میں سنہ ۱۳۰۶ھ میں مرتب کیا جس سے ہم نے فائدہ اٹھایا اور جس کا فہرست ماخذ شروانی نامہ میں بھی حوالہ دے دیا
گیا ہے اور جس کے وثوق پر ہم نے شاہ محمد خاں و لیل خاں (ابتدائی مورثان بلونہ) کے حالات لئے ہیں۔
نواب صدر یار جنگ مرحوم کے بڑے مخلص بہی خواہ تھے اور نواب صاحب ریاست کے اہم اور پیچیدہ معاملات میں بھی ان کے
مشورہ کے بغیر یا ان کی رائے کے خلاف کچھ نہ کیا کرتے تھے۔ کم گو اور کم آمیز تھے مگر بے تکلف ہو جانے کے بعد
بڑے ہی دلچسپ ثابت ہوتے تھے۔ مثل پنجہ دار غلام مرتضیٰ خاں کے صورتاً بھی اپنی ہیبت و شکوہ کی نوعیت رکھتے
تھے۔ بڑے دبنگ اور صاف گو تھے اور ان کے سامنے بڑے بڑے جابر و مشتول و شہ زور پانی بھرتے
ہوتے تھے غیور، پابند وضع و غیور۔ اصول و صداقت کے سبب سے بڑے بڑے نقصان اور صدمات بھی برداشت
کرتے تھے مگر اپنی جگہ سے کبھی نہ ٹلتے تھے۔ آخر سازشوں کا شکار ہوئے اور عزیزوں کے با اتفاق قاتل اپنے
جد امجد ولیل خاں کی بے دردی سے شہید کرائے گئے زخمی ہونے کا واقعہ ۱۳ مئی سنہ ۱۹۳۲ء کو پیش آیا اور ۱۶ رجب کو انتقال ہوا

چو در نسل من کشتن آمد نخست — کشندہ نسب کرد بر من درست

اس ہولناک اور عبرت انگیز حادثہ الم کے متعلق خاندان کا رد عمل یہ ہوا ہے

کون پوچھے ہے حال بسمل کا — خلق منہ دیکھتی ہے قاتل کا

گر کوئی منتقم بھی ہے جس نے دکھا دیا کہ ہے

بہتا نہ آج خنجر اغلو بھی نہیں رہے گا — کر قاتل کی اے ستم گر ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا

اور اصل راز فاش ہو کر رہا ہے

مجھے حیرت ہے کہ ستم گر ہا ہے چھپا کشتوں کا خون کیونکر!! — جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا!!

ان کی دو شادیاں ہوئیں جن کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا بیٹے اولاد یہ ہیں۔ (۱) شکر اللہ خاں (۲) صابر علی خاں (۳)
ذاکر علی خاں جوان مرگ اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء بعمر تقریباً ۲۵ سال۔ **شکر اللہ خاں** باپ کے سامنے ہی سے گھر کا روبار

بیں رہتے اور اب بھی باپ دادا کی جو کھوٹ کے پچادر بنے ہوئے ہیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پاکر شروانی اسکول چھرہ میں بھی عربی، انگریزی کی ابتدائی تعلیم پائی۔ بڑے بلند بانگ و رعب داب و جلال کے آدمی ہیں۔ رابطہ ضبط کی باتوں میں بھی معلوم ہوتا ہے ضبط کر رہے ہیں (کم از کم چھیڑ چھاڑ کھیل رہے ہیں) بقول غالب ؎

ہے بس کہ ہر اک اُن کے اشارہ میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت بھی تو ہوتا ہے گماں اور

صابر علی خاں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پاکر شروع ہی سے شروانی اسکول چھرہ میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے مڈل پاس کر کے ایم اے او کالج سے گریجوایٹ ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں ایم اے ایل ایل بی کی ڈگریاں بیک وقت لیں۔ اقتصادیات کے مضمون میں اول درجہ پر پاس ہوئے اور "ہارسن گولڈ میڈل" حاصل کیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ اقتصادیات سے عملاً اتنے ہی باہر ہیں جتنے علماً اس میں ماہر ہیں۔ مطالعہ کے ہمیشہ سے شائق ہیں۔ چنانچہ طالب علمی کے زمانہ میں بھی پرائیویٹ لائبریری کالج سے بہتر بیں صرف نفیس کی تھی جسے بحیثیت ٹیوٹر ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم نے اپنی رپورٹ میں خاص طور پر نوٹ کیا تھا۔ صوبے کے لفٹنٹ گورنر کی براہ راست نامزدگی سے سنہ ۱۹۱۲ء میں ڈپٹی کلکٹر ہوئے علی گڑھ سے شروع کر کے کئی ضلعوں میں رہے۔ مستقل سنہ ۱۹۱۴ء میں ہوئے۔ کانپور کے نوٹس لیا سنت ہنگامہ مسجد مچھلی بازار میں وہیں تھے۔ اور جتنے چوٹی کے لیڈر (ازاں جملہ حافظ ہدایت حسین مرحوم) تھے سبھی ان کے ساتھ دوستانہ اور آنے جانے اور کھانے کھلانے کے تعلقات رکھتے تھے۔ مگر ان کی بے لوثی ایسی مسلم تھی کہ ٹائلر جیسے عفریت کلکٹر کو بھی گرفت کا کوئی موقع نہ ملا۔ گورکھپور جو ہندوستان کا سب سے بڑا ضلع ہے (اتنا بڑا کہ اس کی تحصیلیں مثل ضلعوں کے ہیں) وہاں کے بٹوارہ کا بیلنا بڑی قابلیت سے استوار کیا۔ چھٹیاں بڑی کثرت سے لیتے تھے۔ بارہ برس کے زمانہ ملازمت میں (جو دلّی کے ایک بسیتہ شہر کلام کی مدت ہے) ایک سال کی فرلو بھی حاصل فرمائی۔ ساری مدت ملازمت انگریز کلکٹروں کے ساتھ گزاری ——— مگر سوائے ایک (شاید نالائق گرفوش قسمت) کے سب کے مقابلہ میں آستینیں چڑھی رکھتے تھے حتیٰ کہ اگر سوء اتفاق سے انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ٹمٹم ان کی ٹمٹم سے آگے ہو جاتی

تو باوجود "صاحب" اور سائیس کی انتہائی کوشش کے اپنی مشہور صبا رفتار گھوڑی سے اسے نکل جانے کا موقع نہ دیتے۔ اور اجلاس ہی پر جاکر دم لیتے۔ روزمرہ کے فرائض میں کبھی کلکٹر کو دخل نہ ہونے دیتے تھے۔ زبانی گفتگو میں کلکٹر یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا: "مسٹر شروانی! تم سے بحث کرنا بہت ہی مشکل ہے۔" کبھی کبھی کمشنر کو مداخلت کرنی پڑتی۔ مگر کمشنر کا فیصلہ (مثلاً براؤن رگ جیسے اینگلو انڈین کمشنر کا بھی) ہمیشہ ان کے حق میں ہوتا۔ ایک بار ایک کمشنر افسر دیانت کا فیصلہ چکانے آ گئے تو ان سے گفتگو کے بعد کلکٹر صاحب سے جس لہجہ میں بات کی اس کی رپورٹ کمشنر صاحب کے الٹم طلب اردلیوں نے ان الفاظ میں کی کہ: "سرکار کے اٹھ آنے کے بعد ہمارے صاحب کلکٹر صاحب پہ بڑے چلّائے۔" اگر کسی کلکٹر نے ان کے تبادلہ کی کوشش کی تو کبھی کامیاب نہ ہوا۔ بعض کلکٹر ان کی بدولت انتظامی صوبہ سے ہٹائے گئے۔ ۱۹۲۳ء میں لکھیم پور کھیری میں جو حسب معمول کلکٹر سے بگڑی تو استعفیٰ ہی دے بھاگے اور نہ صرف بزرگوں اور دوستوں بلکہ کمشنر تک کے پرزور مشورہ کے باوجود واپس نہ لیا۔

۱۹۲۵ء میں وکالت شروع کی۔ جو چند ہی مہینے میں علی گڑھ میں بہت خاصی چمک گئی۔ بہ نسبت ذاتی نفع کے موکل کا زیادہ پاس کرتے۔ انگریزی مجسٹریٹوں سے بہت کم بنتی تھی۔ تقریباً سال بھر بعد نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی بے حد خواہش اور اپنے والد کی ہدایت اور مولوی حاجی محمد تقدیری خاں صاحب کے مشورہ پر نواب صاحب کے نو خرید مسرز جانسن کمپنی کے کارخانہ کی منیجری (وکالت کی آمدنی سے بہت کم تنخواہ پر) منظور کر لی۔ اور کارخانے کے تمام بگڑے ہوئے کل پرزوں کو چلتا کر دیا۔ اور اس کی گئی ہوئی ساکھ واپس لا دی۔ یہاں بھی بھیکن دری کے دم خم دکھاتے رہتے تھے۔ ایک بار ایک شخص کو ملازم رکھا جو اس وقت کی بگڑی ہوئی خاندانی فضا کے لحاظ سے نواب صاحب کی صوابدید میں مناسب نہ تھا۔ نواب صاحب نے پایا اس مصلحت کی طرف متوجہ کیا تو دست بستہ (بدستور بالواسطہ) کہلا بھیجا کہ نواب صاحب ایک فہرست بھیج دیں کہ آئندہ کسے رکھوں، کسے نہ رکھوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ نواب صاحب بھی "وضعدار" تھے سمجھ کر بزرگانہ لطف کو کام فرماتے۔ اسی دوران میں پانچ سال کی ایک مدت کے لئے مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی رہے۔ چند سال اپنی قابلیت کا نمونہ

دکھا کر اور مزہ چکھا کر (باوجود نواب صاحب کی شکایت کے) جالسن کمپنی کی منیجری سے مستعفی ہو کر رہے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخاب کے موقع پر کانگریس کی طرف سے کونسل کے امیدوار ہوئے۔ اور اس قوت کے ساتھ کہ ان کے شہرۂ آفاق مقابل کے لئے سو فیصدی کامیابی کا کوئی دور کا بھی موقع نہ تھا۔ مگر محض نواب صدر یار جنگ بہادر اور نواب مزمل اللہ خاں کی تحریک پر آرام سے بیٹھ گئے۔ ورنہ یقیناً آج کل اڈکر ریاست (صوبہ) اتر پردیش کے نہایت کامروا وزیر مال ہوتے۔ مہینوں کی گفت و شنید کے بعد ایک بڑی خاندانی ریاست کے منیجر ہوئے مگر وہاں بھی "میاں مٹھان" بنے رہے۔ آخر ؎

اگر ماند شبے ماند، شبے دیگر نمی ماند

کا مضمون ہوا۔ اور "السلام علیکم، وعلیکم السلام" کے بغیر ہی "بالخیر و بالسلامت" ہوگیا۔

یہ بالکل واقعہ ہے کہ ان کے رٹائر ("ٹائر") ہو آنے کے بعد عرصہ تک یہ کیفیت رہی کہ جو حکام ان اضلاع میں رہ کر علی گڑھ آتے جہاں صاحب علی خاں رہ چکے تھے تو ان کی "وحشت" کی داستانوں سے کان بھرے ہوئے لاتے۔ اور ان کو تلاش کر کے ان سے ملتے۔ گویا ؎

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل!
شہید ناز کی تربت کہاں ہے؟!

اب گوشہ نشین ہیں اور صرف یہ مشاغل رہ گئے ہیں۔ (۱) یاد اللہ (۲) مطالعہ (۳) انسانی شجروں کی (بجائے تخم ریزی کے) پیوند کاری جس کا نتیجہ اب تک یہ ہوا کہ ؎

دو کس فتنہ دیدند و آشوب و جنگ — پراگندہ لشکر و تیرہ سنگ
یکے فتنہ دید و رہ پیش گرفت — دگر دید [illegible] آمد و سر شکست

بہر حال دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ انہیں خیر و عافیت سے رکھے اور زمرۂ صالحین میں شامل کرے۔ آمین۔ راقم الحروف اور موصوف کا [illegible] عمر بھر کا لطف صحبت یادگار رہے گا۔

سمیع اللہ خاں کے دوسرے بطن (فاطمہ بیگم) سے پانچ لڑکیاں اور تین لڑکے ہوئے۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔ (۱) خدیجۃ الکبریٰ زوجہ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی

(۲) امت الرحمان زوجہ اولیٰ مسیح الزماں خاں ڈھولنہ موجیہ (۳) منظور فاطمہ لیڈی قمر الملّٰہ خاں (۴) امۃ الشّبحان زوجہ مولوی مسعود الرحمٰن خاں جبیب گنج ۔ (۵) اسلام اللّٰہ خاں (۶) انعام اللّٰہ خاں ۔ (۷) کاملہ خاتون ناکتخدا (۸) حافظ حاجی اکرام اللّٰہ خاں ۔

اسلام اللّٰہ خاں اور انعام اللّٰہ خاں خانہ نشین زراعت کے کاروبار میں مشغول ہیں۔ اکرام اللّٰہ خاں نے باپ کے سامنے ہی قرآن شریف حفظ کیا اور محراب سنائی جس سے باپ نے بے انتہا دلی اور روحانی مسرت پائی ۔ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں میں عربی پڑھی ۔ گورنمنٹ اسکول آف آرٹس لکھنؤ میں زرگری (سناری) کا کام سیکھا ۔ کچھ عرصہ لکھنؤ ہی میں کام کیا۔ پھر چند روز (قبل از تقسیم) لاہور میں ۔ اب فروری ۱۹۴۸ء سے کراچی میں ہیں ۔ اور ماشاء اللّٰہ کامیاب ہیں ۔ کراچی ہی کے قیام کے دوران میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے خداوند تعالیٰ برکت دے ۔ آمین ۔

ان بھائیوں کی شادیوں اور اولاد کا حال شجروں سے معلوم ہوگا ۔

شکر اللّٰہ خاں کے بچوں میں شاکر علی خاں نے بی اے کیا ۔ اور کچھ دن ایم اے میں بھی پڑھا ۔ اور اس تعلیم کے دوران میں تقریباً ایک "دورہ" (تین چار سال) کے قریب مولانا سلیمان اشرف صاحب کی مشہور تفسیر کلاس میں نہایت باقاعدہ حاضری دی۔ انگریزی حکومت ہی کے زمانہ میں فوجی دفتر میں ملازم ہوکر دہلی میں رہے ۔ اب فروری ۱۹۴۸ء سے راولپنڈی میں اسی صیغہ میں ہیں ۔ ماشاء اللّٰہ صاحب اولاد ہیں جن کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا ۔

ناظر علی خاں نے ایف اے تک تعلیم پائی اور وہ بھی اپنے بھائی کے ساتھ اسی دفتر میں ہیں ۔

ان دونوں بھائیوں کی تکمیل تعلیم میں ان کے ماموں مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی کی دلچسپی اور شفقت کا بڑا دخل ہے ۔

لڑکی نادرہ خاتون دولت خاں حسن پور کے چھوٹے بیٹے حاجی فصیح اللّٰہ خاں سے منسوب ہے ۔ اور ماشاء اللّٰہ کثیر الاولاد ہے ۔

چھوٹا لڑکا ناصر علی خاں میٹرک کے بعد مشغول شکار روزگار (جاب ہنٹنگ) ہے۔
صابر علی خاں کے بچوں میں جعفر علی خاں مکتبی فارسی کی تعلیم کے بعد اپنے والد کے زیر سایہ
ہیں۔ لڑکی ثوبیہ خاتون اپنے شوہر (مسٹر شاکر علی خاں) کے ساتھ راولپنڈی ہے۔ اور
ماشاء اللہ گرہست ہے۔
مبارک الرحمن عرف چاہت میاں کا میٹرک کے بعد پاکستان کا عزم ہو رہا ہے۔ خداوند
تعالیٰ سب کو کامیاب بامراد کرے۔ آمین۔

مولوی ظفر حسن خاں تھو

حاجی مغفور اللہ خاں کی پانچ بیٹوں اور دو بیٹیوں میں ایک
جو چار بھائیوں اور ایک بھائی (شبیر حسن کم سن فوت) سے چھوٹے اور ایک بہن (بتول فاطمہ زوجہ
حکیم الیاس خاں) سے بڑے تھے۔ ان سب کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔ محرم ۱۲۹۹ھ
کی پیدائش تھے۔ نام تاریخی تھا۔ فارسی عربی کی ابتدائی تعلیم گھر پا کر ۱۸۹۷ء میں شروانی
اسکول چھرہ میں داخل ہوئے۔ ایک چند روز عربی کے ساتھ انگریزی پڑھ کر اور پھر انگریزی
پر لعنت پڑھ کر صرف عربی کو سر لے لیا۔ مولانا بشیر احمد (ہیڈ مولوی) سے صرف عربی پڑھتے
رہے۔ اور جب مولوی صاحب ممدوح شروانی اسکول سے قطع تعلق کر کے حسن پور (ضلع
مرادآباد) گئے تو وہاں بھی ساتھ گئے۔ اور انہی کے ساتھ علی گڑھ واپس آئے۔ اور یہاں
حافظ مفتی محمد عنایت اللہ (خلف دوم حضرت مفتی محمد لطف اللہ) سے تکمیل کی۔ عربی سے فارغ
ہو کر انگریزی کی ابتدائی تعلیم مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی سے حاصل کی۔ اور ان کو عربی
کی صرف نحو تمام کرائی۔ بڑے خلیق، بامروت، علم دوست، خانگی معاملات میں چُست تھے۔
شروانی اسکول کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سکریٹری بھی رہے۔ شروانی خاندان
کے حالات اور شجرات سے آخر عمر میں بڑی دلچسپی ہو گئی تھی۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حافظ حاجی
عبدالجمیل خاں سے مل کر بہت قابل قدر کام کیا۔ بہت ملنسار اور اپنی خوبیوں کے سبب سے
بہت ہر دل عزیز تھے۔ تین شادیاں کیں۔ تینوں سے اولاد ہوئی جن کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا
مگر مشیت الٰہی کہ دنیا سے لاولد گئے۔ جو جائداد باپ سے ترکہ میں پائی اور جو دو بھائیوں اور ایک بہن
نے ان کے حق میں دست برداری کے ذریعے ان کو دی اور جو چھوٹی بہن کا ترکہ پہنچا خریدا اور

خود پیدا کی، یہ سب ملاکر نومبر ۱۹۲۸ء میں بذریعہ اقرارنامہ رجسٹری شدہ وقف علی الاولاد لاولد درصورت اولاد نہ ہونے (یا نہ رہنے) کے کل کا مالک بحصہ مساوی (۱) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ (۲) دارالعلوم دیوبند (۳) ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ (۴) انجمن حمایت الاسلام لاہور کو قرار دیا۔ اور تکمیل وقف کے لئے ضروری اسٹام بھی خرید لیا۔ یہ زمانہ ان کی علالت کا تھا بغرض علاج حکیم الیاس خاں کے پاس دہلی گئے۔ اور خیال تھا کہ وہاں سے واپسی پر تکمیل وقف کریں گے۔ مگر ۱۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو دہلی میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ جنازہ باونہ آیا۔ اور حسب وصیت آبائی گورستان سے باہر (مگر بالکل متصل) اپنے تعمیر کردہ عیدگاہ کے پردہ کی دیوار کے پیچھے دفن ہوئے۔ انتقال سے چند ہی روز بعد (تقریباً سال بھر کے اندر) بہن بتول فاطمہ اور بیوہ فاروقی بیگم کے مقابلہ میں وقف کا معاملہ کھڑا ہوگیا۔ جس کے مقدمہ الجیش سمیع اللہ خاں شہید تھے۔ پورے بارہ برس تک معاملہ ادارات موقوف علیہم کے مابین زیرِغور رہا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۰ء کو باضابطہ دائر عدالت ہوا۔ مگر عدالت کی رائے میں عدم تکمیل کی بنا پر خارج ہوا۔ اور ۵ جنوری ۱۹۴۳ء کو ہائی کورٹ الہ آباد میں دائر ہوکر پورے دس سال کے بعد ۹ اگست ۱۹۵۲ء کو وہاں سے وقف کے خلاف طے ہوا۔ مگر اب یہ وہ زمانہ تھا کہ نہ زمیندار تھے نہ زمینداریاں ؎

سرے کو سر قتل و تاراج داشت — سحر گہ نہ تن سر نہ سر تاج داشت

بیک گردشِ چرخ نیلوفری — نہ نادر بجا ماند و نے نادری

اب ہم باونہ کی شاخ دوم پر آتے ہیں جس کے مورث **خدابخش خاں** (ابن رشید خاں برادر خرد نجیب خاں) تھے۔ خدابخش خاں کے ایک پوتے **اسد علی خاں** تھے۔ یہ بڑے باغ و بہار بزرگ تھے۔ بڑوں تک کو ان سے بڑا لطف رہتا تھا۔ اپنے کنبہ (اہل باونہ) سے بہت گرویدگی رکھتے تھے۔

اُن کے دو بیٹوں میں سے چھوٹے **حاجی عبدالرشید خاں** (والد شروانی برادرز) تھے۔ یہ بھی اپنے والد کے مثل بہت خوش مزاج تھے خاندانی سلسلوں پر بھی گونہ عبور تھا۔ والدہ اور خوش دامن (والدہ احمد سعید خاں بر ہرہ) کو ساتھ لے کر حج کیا۔ حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سابقین اولین اور نہایت عقیدتمند مریدوں میں تھے۔ دو بیٹوں (تصدق احمد خاں و نثار احمد خاں)

کے نام حضرتؒ ہی کے تجویز کردہ تھے۔ گاندھی جی کو بھی اُن سے خاصہ لگاؤ تھا۔ باوجود سے کہ خدا نے تینوں بیٹوں کو اتنا عروج دیا، مگر انھوں نے اپنی زندگی آخر تک مثل سابق شریفانہ سادگی کی رکھی۔ بیٹوں میں سے کسی کے پاس کبھی رہنے کی طرح نہ رہے۔ اور بلونہ ہی کی تتلی کوٹھے رہے۔ سمیع اللہ خاں کے واقعہ کا دل پر بڑا ہی اثر (بلکہ داغ) رہا۔ مزار خاندانی اور آبائی قبرستان سے باہر آبادی میں مکان مسکونہ کے قریب ہے۔ ایسے خوش قسمت تھے کہ ایسی صاحب نصیب اولاد پائی ؎

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت
نوشیرواں نہ مرد کہ نام نکو گذاشت

اُن کی پہلی اولاد **تصدق احمد خاں** تھے جن کی زندگی کے دوسرے واقعات کے ساتھ تو یہ غیر معمولی و غیر عادی واقعہ بھی یاد رکھے جانے کے قابل ہے کہ بطن مادر میں (بجائے عام و عادی نو ماہ کے) بارہ ماہ یا ایک سال رہے۔ فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پاکر شروع ہی سے شروانی اسکول چھپرہ میں داخل ہوئے علوم میں منطق سے خاص مناسبت تھی چھپرہ سے فارغ ہو کر مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ اور بی اے تک تعلیم جاری رکھی۔ اس دوران میں یونین کے سکریٹری اور فٹ بال کی فرسٹ الیون کے مشہور اور بے نظیر گول کیپر تھے تعطیلوں میں انجمن الفرض کے چندہ کے لیے وفدوں کی سربراہی کرتے تھے۔ ان اسباب سے ان کی واقفیت (بلکہ دوستی) طالب علمی ہی کے زمانے سے (نیز آگے بڑھنے اور آگے رہنے کی خداداد قابلیت کی وجہ سے) سربرآوردگان قوم سے ہو چلی تھی۔ اور کتنے لوگ جو بعد کو خود بھی بڑے ہوئے (مثلاً عبد الرحمن سندھی، کھجوری و ڈاکٹر محمود، تو ہم وغیرہ وغیرہ) ان کے معاصر تھے۔ خیالات شروع ہی سے آزادی کے تھے۔ چنانچہ شروانی اسکول چھپرہ میں طلبہ نے شورش اور ہڑتال کی تو اس میں سب سے آگے ہوئے ؎

کچھ رنگ جوانی میں نہیں عشق کا چمکا
طفلی میں بھی ہم کھیل جو کھیلے تو صنم کا

سنہ ۱۹۰۷ء میں بعہد نواب محسن الملک مرحوم کالج میں اسٹرائک ہوئی تو اس میں بھی پیش پیش تھے۔

شادی سنہ ۱۸۹۸ء میں شروانی اسکول کی طالب علمی ہی کے زمانہ میں (اپنے ماموں احمد سعید خاں کی بیٹی

کے یہاں) ہوگئی تھی ۔ کالج سے بی اے پاس کئے بغیر ١٩٠٩ئ میں ولایت چلے گئے ۔ اور تقریباً دو سال بعد ١٩١٢ئ میں بیرسٹری کی ڈگری لے کر اور "مسٹر ٹی اے کے شروانی" ہو کر واپس آئے ۔ باوجودیکہ شادی سے بیس٢٠ سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی ۔ اور ڈاکٹری مشوروں نے بی بی کو بھی ناقابل قرار دے دیا تھا ، تاہم تمام جوانی (بلکہ تمام عمر) بی بی کے ساتھ مردانہ وفاداری کے ساتھ گزاری ۔ شادی سے تقریباً بیس٢٠ سال بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب امید ہوئی تو اگرچہ وہ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح یہ تو نہ کہہ سکتے تھے کہ "قد بلغت من الکبر عتیا" (میں بڑھاپے سے اکڑ تک گیا ہوں) لیکن ان کا یہ سوچنا بے جا بھی نہ تھا کہ "امرأتی عاقرہ" (میری بی بی بانجھ ہے) ۔ لیکن اصل یہ ہے کہ تصدق احمد خاں کو لڑکی دینے والا خدا وہی خدا تھا جس نے حضرت زکریا ع کو یحییٰ ع بیٹا دیا تھا ۔ لڑکی کی شادی ان کے بعد حاجی حبیب الحسن خاں ڈھولت کے ساتھ ہوئی ۔ بیرسٹری میں اپنے پیشے کے لحاظ سے انھوں نے جلد ترقی کرنا شروع کی ۔ اور ساتھ ہی سیاسی تحریکات میں بھی گاندھی جی ، پنڈت موتی لال نہرو اور مسٹر محمد علی کے ساتھ رہے ۔ اور نان کوآپریشن کر کے بیرسٹری بھی چھوڑ دی ۔ اور ایک سے زیادہ مرتبہ جیل بھی گئے ، یہاں تک ایک مہربان مسلمان مجسٹریٹ کے اجلاس سے سزا پائی ۔ جیل سے چھوٹنے اور نان کوآپریشن کا زور ٹوٹنے کے بعد انھوں نے پھر بیرسٹری شروع کی ۔ ١٩٢٥ئ میں علی گڑھ چھوڑ کر ہائی کورٹ الٰہ آباد میں کامیاب وکالت شروع کی ۔ ١٩٢٦ئ میں مرکزی قانون ساز مجلس کے رکن منتخب ہوئے ۔ ١٩٣٥ئ میں مرکزی قانون مجلس کے صدر کے عہدہ کے لئے تجویز ہوئے ۔ تو انھیں اپنے امیدوار کے مقابلہ میں ناکام کرنے میں انگریزی گورنمنٹ کو اتنی مصیبت پیش آئی کہ بعض حال میں دوسرا سٹریچر پر ڈال کر ووٹنگ بوتھ پر ڈالے گئے ۔ بقار دشنگ ، مستقل مزاج اور وہ اگر خدائی کا قدم قوم پرست نیشنل کانگریس کے سکریٹری بھی رہے ۔ خون کی ریاضت کے عارضہ کے علاج کے لئے یورپ بھی گئے ۔ دان پور نگر یا (ضلع ایٹہ) کے مشہور کارخانہ شکر سازی کی بنیاد بھی انھی کی ڈالی ہوئی ہے ۔ اور وہ اپنی زندگی میں ان بنیادوں کو کافی اونچا اٹھا چکے تھے ۔ مرکزی اسمبلی کے اجلاس کے سلسلہ میں دہلی میں تھے کہ گردن توڑ بخار کا حملہ ہوا ۔ اور باوجود انتہائی اور بہترین طبی کوشش کے جاں بری نہ ہو سکی ۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا ۔

چنانچہ مرض کی شدت میں ڈاکٹر انصاری کے پہنچنے میں دیر ہوئی تو انھیں خسروؒ کا یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

بلبم رسیدہ جانم، تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم، بچہ کار خواہی آمد؟

جوان عمری میں جمعرات جمعہ کی درمیانی شب میں انتقال ہوا۔ جنازہ علی گڑھ آیا۔ نماز جنازہ شہر کی جامع مسجد میں ہوئی۔ اور یونیورسٹی کے گورستان میں دفن ہوئے۔ علاوہ یونیورسٹی کے طلبا اور اسٹاف کے عام لوگ (بلا تفریق مذہب و ملت) نہایت کثرت سے شریک تھے۔ بلکہ ہندو بھی برابر کندھا دیتے چلتے تھے۔ والد کا خیال تھا کہ جنازہ نماز کے بعد بلونہ جائے۔ مگر یونیورسٹی کے اسٹاف اور طلبہ کے بے حد اصرار سے نہایت بادل ناخواستہ مجبور ہو گئے۔ اور اصل یہ ہے کہ مٹی یہیں کی تھی "منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری" ان کے منجھلے بھائی

مسٹر نثار احمد خاں شروانی بی اے ایل ایل بی ہیں۔ یہ بھی گھر پر فارسی عربی پڑھ کر شروع ہی سے شروانی اسکول میں داخل ہوئے۔ اور علی گڑھ کالج سے بی اے کی ڈگری لی۔ جس کے بعد سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اور ابتدائی تعیناتی علی گڑھ ہی میں ہوئی۔ بعدہ بعض اضلاع میں بسلسلہ ملازمت سرکاری ہمارا ان کا اور رضا علی خاں کا تنگ ڈارہا۔ کالج کی طالب علمی کے زمانہ میں اگرچہ مثل اپنے بڑے بھائی کے مطالبات کی تحریکوں میں مقدمۃ الجیش تو نہ ہوتے تھے، مگر پس پشت برادروں میں کسی سے پیچھے کبھی نہ رہتے تھے چنانچہ سنہ ۱۹۰۷ء میں پروفیسر براؤن اور طلبہ سے جو گرلجو اسٹیس لان پر دو بدو سخت کلامی ہوئی اس کے بانی یہی تھے تصدق احمد خاں کے جیل میں بند ہونے کے زمانہ میں سنہ ۱۹۲۱ء میں انھوں نے بھی استعفا دے دیا۔ اور ایک دھواں دھار تقریر کر کے جیل بھی گئے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں جیل سے نکل کر ایل ایل بی کیا۔ اور کچھ دن علی گڑھ میں وکالت کی۔ چند روز لکھنؤ کے میونسپل بورڈ کے سپرنٹنڈنٹ رہے۔ جھوسی ضلع الہ آباد کے کارخانہ شکر سازی کے پانچ سال تک مینجنگ ڈائرکٹر رہے۔ سنہ ۱۹۳۶ء کے انتخاب میں کانگرس کی طرف سے صوبہ کی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور وزیر زراعت مقرر ہو گئے۔ جس سے اگست سنہ ۱۹۵۱ء میں مستعفی ہوئے۔ اور آج کل مان پور نگریا کے کارخانہ شکر سازی کے

[مینجنگ

منیجنگ ڈائرکٹر ہیں۔ اور ہندوستان بھر کی شکر سازی کی سرکاری و غیر سرکاری سنڈیکیٹوں کے رکن رکین ہیں۔

جھوسی (الہ آباد) اور نگریا کے شکر سازی کے کارخانوں کو اُن کے حسنِ کارگزاری اور وسعتِ کاروائی سے بڑی ترقی ہوئی۔

جھوسی کے تعلق کے زمانہ میں انھوں نے اپنی لڑکی کی شادی الہ آباد سے کی تو اس میں جو الہ آباد کے سرکاری و غیر سرکاری مسلم و غیر مسلم عہدیدار محض ان تینوں بھائیوں کی رواداری سے شریک ہوئے اُن میں وزیر اعظم مسٹر نہرو کے باپ (پنڈت موتی لال نہرو) مثال کے طور پر بیان کئے جا سکتے ہیں۔

شادیاں صرف تین کیں (حالانکہ بیک وقت چار کر سکتے تھے اور تین اور اب بھی کر سکتے ہیں) سے

مرد چوں پیر شود حرص جوانی گردد

(۱) خاندان میں بیرام پور سے .. اس بطن سے ایک لڑکی بہت کم سن فوت ہوئی۔

(۲) مسٹر خواجہ عبدالمجید بیرسٹر علی گڈھ کی ہمشیرہ۔ ان سے کئی اولادیں ہوئیں۔ جن میں بعض طفولیت سے ذی پڑھیں۔ دو (مسٹر صدیق رشید اور ایک لڑکی) ماشاء اللہ اب خود گرہست ہیں۔

مسٹر رشید خاں بہادر رفیع القدر خاں مرحوم رئیس شاہ جہاں پور ریٹائرڈ کلکٹر کے داماد ہیں۔ کاروباری تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں امریکہ اور جاپان کو ہو آئے ہیں۔ اور اب کافی بڑے پیمانہ پر تجارت کرتے ہیں۔

لڑکی کے شوہر (جو اعلیٰ عہدہ دار ہیں) پاکستان میں ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں بیبیوں کے بعد

(۳) خاندان قمر شاہ خاں رئیس بریلی میں ہے۔ بیگم اُردو فارسی میں عمدہ استعداد رکھتی ہیں اور انگریزی سے بھی واقف ہیں۔ شاعرہ بھی ہیں اور مخفی تخلص کرتی ہیں۔

بحیثیت وزیر انھوں نے نہایت قابلیت اور بےلوثی سے کام کیا۔ اور حالانکہ علالت سے ان کا دور رہنما زبان زدِ خلائق رہا۔ مگر ان خوبیوں کے باوجود (بلکہ انھی کی وجہ سے) انھیں گوناگوں مشکلات کا سامنا رہتا تھا۔ بار بار استعفیٰ دیتے تھے مگر منظور نہ ہوتا تھا آخر کار بہرحال خانگی وجوہ سے اگست ۱۹۵۱ء میں آخری طور پر مستعفی ہوئے جو حکومت نے بکراہت منظور کیا۔ یہاں تک کہ گزشتہ انتخاب کے موقع پر خود کھڑے نہیں ہوئے البتہ ان کی بیگم صاحبہ منتخب ہوئیں۔

نثار احمد خاں سے چھوٹی بہن **عالیہ خانم** ہیں جو ہدایت اللہ خاں کنادہ کی بیوہ ہیں۔

چھوٹے بھائی **فدا احمد خاں شروانی** تھے۔ انھوں نے بھی شروانی اسکول چھترہ میں ابتدائی تعلیم پائی۔ علی گڑھ کالج میں ایف۔ اے میں پڑھ رہے تھے کہ اسی عرصہ میں نان کوآپریشن کا غوغا بلند ہوا۔ اور انھوں نے بھی تعلیم کو خیرباد کہہ کر اول اپنے بڑے بھائی تصدق احمد خاں شروانی کے قدم بقدم چلے۔ مگر پھر انھی کی بنائی ہوئی اسکیم (شکر سازی کے لیے نگر یا بان پور ضلع ایٹہ) میں اپنے اسی فطری و عقلی جوش (مگر اس کے ساتھ نہایت قابلیت) کے ساتھ ایسے شریک ہوئے کہ اس کی روحِ رواں یا برقی قوت اپنی ذات واحد سے وہی بن گئے اور اس وقت جو کچھ نظر آتا ہے وہ انھی کی وسعت کاری اور پامردی کا نتیجہ ہے۔

شادی عبدالوحید خاں (عرف چھترو بھائی) کنادہ کی لڑکی سلطان جہاں سے ہوئی جس سے ایک لڑکا احمد رشید خاں ہے جو مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے۔ ایک عقد ثانی بھی کیا۔ خاندان کے بچوں کو خصوصیت سے صنعتی تعلیم حاصل کرنے اور کاروباری زندگی اختیار کرنے کے لیے سرگرم حامی تھے۔ چنانچہ مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی صاحب کا قول ہے کہ ان سے اکثر کہتے کہ "بھائی اپنے کم از کم ایک بچہ کو مجھے دے دیجئے"

[صاف گو

دستہ پیچئے]

صاف گو اور پاک باطن تھے ۔ مگر عمر نے وفا نہ کی ۔ اور ایک عصبی مرض میں مبتلا ہو کر سنہ ۱۹۳۹ء میں عین عالم شباب میں انتقال کیا ۔ قبر نگر پال کے ایک ممتاز قطعہ میں ہے ۔ شکر سازی کی صنعت میں اپنے تجربہ اور مطالعہ سے بڑی مہارت اور بصیرت حاصل کی تھی ۔ حسن انتظام بے نظیر تھا ۔ انتقال پر بڑے بڑے انگریزی اخبارات میں خبر چھپی تو اس کا عنوان تھا :۔

" شوگر ایکسپرٹ ڈیڈ " (شکر کے ایک فنی نے رحلت کی)

اپنے منجھلے بھائی (نثار احمد خاں سعیدانی) سے مل کر بڑے بھائی (تصدق احمد خاں مرحوم) کی اکلوتی لڑکی کی شادی نگر پال سے بڑی دھوم دھام سے کی ۔ جس میں حکام اور خاص برادری کے علاوہ ہندو مسلم احباب اور اونچے اونچے لیڈر بڑی کثرت سے شریک ہوئے ۔

خلاصہ یہ کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ تینوں بھائی نہ صرف شاخ خدا بخش خاں کے ، بابا بلونہ کے دل و دماغ ہیں ، بلکہ خاندان کے ، بلکہ کل ہندوستان کے بیدار و کارگزار دل و دماغ اور روشن چشم و چراغ ہوئے ۔

خدا بخشے بہت سی خوبیوں کے مقبول حامل ہیں

شاخ سوئم بلونہ

اس شاخ کے مورث اول و اعلیٰ [14] باوجود کوشش اور کاوش کے کچھ پتہ نہ چل سکا ۔ حاجی حافظ عبد الجمیل خاں اور مولوی ظفر حسن خاں کی یادداشتوں سے بھی کچھ مدد نہیں ملی ۔ یہاں تک کہ سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم کے رسالہ میں (جو اب سے چھیانوے ۹۶ سال پہلے یعنی سنہ ۱۳۰۷ھ میں بلونہ کے تمام افراد حاجی عبد الرشید خاں و احمد علی خاں و حاجی منصور اللہ خاں و عبد المجید خاں و فضل علی خاں مرحومین مغفورین کی زبانی اور تحریری یادداشتوں سے مرتب ہوا) اس شاخ کو درمیان ہی سے چلا کر معذوری کا اظہار کیا گیا ہے ۔ اور وہ یوں کہ ایک جد کی اولاد میں ایک بیٹے ولی محمد خاں ہوئے

جن کی اولاد (۱) احمد حسین خاں (۲) مجید النسا اور (۳) وزیر النسا تھیں۔ دوسرے بیٹے علی محمد خاں۔ ان کی اولاد (۱) سراج النسا (۲) بھکن خاں (۳) ننھے خاں۔ ان ضمنی رشتوں کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔

ان صاحبوں میں سے کسی نے اس زمانہ کی رسمی معمولی مکتبی تعلیم بھی حاصل نہ کی۔ احمد حسین اور بھکن خاں زمینداروں کی ملازمت کرتے رہے۔ ننھے خاں کھیتی باڑی کے سر رہے۔

ننھے خاں کی کئی اولاد (بیٹے بیٹی) ہیں۔ سب سے بڑے منشی ابراہیم خاں قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے رسمی تعلیم پا کر مولوی ظفر حسن خاں کی سرپرستی میں سیاق (زمینداری حساب کتاب) کی مشق بہم پہونچائی اور عرصہ تک ان کی ریاست میں کام کرتے رہے۔ کچھ مدت مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی کی ماتحتی میں ایم اے او کالج بک ڈپو میں کلرک رہے۔ اور پھر مولوی ظفر حسن خاں ہی کے پاس چلے گئے۔ ان کے انتقال کے بعد حکیم الیاس خاں کے دست راست ہو گئے۔ اور اپنی ذاتی کاشت بھی پیدا کی۔ اور اس وقت باونہ میں شاید سب سے زیادہ بڑے رقبہ کی خود کاشت کے مالک ہیں۔ شادی صدیق احمد خاں کلوبی کی لڑکی سے ہوئی۔

بچوں میں دو بیٹوں (۱) آصف خاں اور (۲) عارف خاں اور لڑکی کو بھی تعلیم دلائی۔ لڑکے مسلم یونیورسٹی کے ایف اے تک کے تعلیم یافتہ ہیں لڑکی بھی لکھی پڑھی ہے۔ اور برکات احمد خاں عرف ننھے میاں پسر عبدالوحید خاں کناوہ کے نکاح میں ہے۔ بچوں کی ماں بھی پڑھی لکھی ہیں۔ مزید حال شجرہ سے معلوم کیا جاسکے۔

بھاغوں

بھاموں

مورث خاندان بلوچ محمود خاں ابن یوسف خاں (ساکن راجھو) کے ایک بھائی محمد خاں تھے جن سے بھاموں کے پٹھانوں کا شجرہ شروع ہوتا ہے۔ محمد خاں کے بیٹے واحد خاں تھے۔ یہ خوش حال اور ممتاز تھے۔ بھاموں کے قریب موضع واحد پور بسایا۔ یہاں کے پٹھانوں کے پاس کئی سو بیگہ اراضی معافی شاہی زمانہ سے چلی آ رہی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ کس صلہ میں اور کس نے دی۔ تعجب نہیں نوابان بنگش فرخ آباد نے دی ہو۔ مگر زمانہ حال میں حکومت سے اس پر لگان تشخیص ہو گیا۔ واحد خاں سے پانچویں پشت میں عبدالواحد خاں تھے۔ یہ اردو فارسی کے تعلیم یافتہ اور اپنے موضع میں سربرآوردہ تھے۔ آخر الذکر سے اور نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں سے موضع شہرہ کی زمینداری کے متعلق مقدمہ بازی رہی جس میں یہ موضع عبدالواحد خاں مرحوم کی زمینداری اور قبضہ سے نکل گیا۔ اس کے بعد بھی وہ اس کا کام نواب بہادر مرحوم کے کارندہ کی حیثیت سے مرتے دم تک کرتے رہے۔ سنہ ١٩٢٣ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مولوی عبدالشاہد خاں ان کے منجھلے بیٹے ہیں۔ ان کی پیدائش سنہ ١٩١٥ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کی نگرانی میں گھر پر ہوئی۔ والد کے انتقال کے بعد ان کے ماموں منشی عبدالمجید خاں شروانی نے (جو اس وقت ملحقہ موضع گنوڑی میں مولوی محمد عمران خاں کی طرف سے کارندے تھے) مولوی عبدالشاہد خاں کو دہلی کے عربی کے مدرسہ [illegible] میں (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) داخل کرا دیا۔ پھر اس وقف کے متولی حاجی غلام محمد خاں مرحوم رئیس دادوں جوہنپور کی سرپرستی سے عربی مدرسہ نیازیہ خیرآباد ضلع سیتاپور میں (جہاں کہ حاجی صاحب مرحوم اور ان کے والد صاحب مرحوم کے پیر و مرشد حافظ محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ ہے) داخل ہوئے۔ یہاں سے کچھ سال کے بعد اجمیر شریف گئے۔ اور وہاں کے عربی مدرسہ میں مولانا معین الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے فاضل بزرگ سے تحصیل علم اور تکمیل کی۔ اجمیر ہی کے قیام میں عبدالشاہد خاں نے سیاسیات ملک میں تحریر و تقریر کے ذریعہ حصہ لینا شروع کیا۔ کانگریس یا جمعیت الاحرار اور جمعیت العلماء وغیرہ کے رکن رہے۔ آزادی فلسطین کے سلسلہ میں ایک تقریر کے بعد پکڑے

گئے۔ بھاری ضمانت داخل کر کے چھوٹے کئی مہینے تک مقدمہ ہوتا رہا۔ پھر زبان بندی کی گئی۔
اجمیر شریف سے آنے کے بعد کچھ دن تک اپنی پرانی عزیز درسگاہ مدرسہ دادوں میں مدرس رہے۔ کچھ اعزازی کام حبیب گنج لائبریری میں کیا۔ سنہ ١٣٦١ھ میں حاجی عمران خاں شروانی بھیکن پوری کی صاحبزادی سے شادی کی۔ اور اب ماشاء اللہ علاوہ صاحب تصانیف ہونے کے صاحب اولاد ہیں۔ مجبوری میں ایک بڑا امکان رہائش کے لئے بنایا گیا۔ افسوس ہے کہ آپس کی رنجش سے اس میں آگ لگادی گئی جس میں ان کا کئی سو روپیہ کا سامان جل گیا جس میں عمر بھر کا سرمایہ بہت سی کتابیں بھی ہیں جو خدا کے فضل سے بچ رہیں۔ مدرسہ سعیدیہ دادوں کے کام میں اب بھی اس کے موجودہ متولی مولوی حاجی محمد جان خاں کو مدد دیتے رہتے ہیں۔ یہاں ملازمت کا تعلق ترک کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی کی لٹن لائبریری میں اوریٹل اسسٹنٹ رہے آج کل مقامی انجمن ترقی اردو میں ہیں۔ مقامی جمعیت العلماء کے ناظم ہیں۔ یونیورسٹی کے ملازمین کی انجمن کے رکن ہیں۔ کتاب "باغی ہندوستان" جس میں مولانا فضل الحق مرحوم خیرآبادی کے سوانح حیات اور اپنے خاندان کے حالات ہیں ١٩٤٧ء میں مدینہ پریس بجنور میں چھپوا کر شائع کی۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے دلچسپ خطوط کی تدوین کر کے "افکار روان خیال" کے نام سے ١٩٤٦ء میں شائع کیا۔ اور اس کا دیباچہ لکھا جس میں ان دونوں بزرگ اور باکمال ہستیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اردو فارسی اور عربی کے شاعر ہیں حضرت ریاض خیرآبادی اور حضرت جلیل سے اصلاح سخن لی۔

مولوی عبدالشاہد خاں کی زوجہ ایم۔ بی (محمدی بیگم) سہ روزہ اخبار جمہور علی گڑھ کی مالک ہیں۔ اور شوہر اس کے نگراں کار ہیں۔ اردو کا یہ اخبار سہ روزہ ہے۔ کانگریس اور جمعیت العلماء کا حامی ہے۔ اس کا صدر یار جنگ نمبر عام طور پر مقبول ہوا۔

عبدالشاہد خاں کے بڑے بھائی عبدالماجد خاں عالم شباب ہی میں ١٩٤٢ء میں قضا کر گئے۔ سب سے چھوٹے بھائی زاہد خاں نے کچھ عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ مگر بوجہ خرابی صحت اس کی تکمیل [illegible] سیاسیات میں پڑ گئے۔ اور دہلی [illegible] کی مجلس احرار اسلام کے سکریٹری [illegible] اور جمہور [illegible] ایک اخبار [illegible] ہے۔ شادی شدہ

میوات (پلول وغیرہ) کے زمانہ میں جمعیت العلماء کے کیمپ کے انچارج بنائے گئے۔ پھر جب حالات زیادہ نازک ہوگئے تو زاہد خاں مع دیگر مسلمانوں کے پاکستان چلے گئے۔ چونکہ واپسی کی کوئی صورت نہ تھی دیگر تارکانِ وطن کے ساتھ بہاولپور میں مقیم ہو گئے۔ اور وہیں کے باشندے ہیں۔

عبدالشاہد خاں کے سب سے بڑے چچا عبدالواحد خاں صاحب کی ماشاء اللہ اب اسی سال کے قریب عمر ہے۔ آنکھوں اور کانوں سے بڑی حد تک معذور ہیں۔ یہ اعانت النساء (عرف بھوجی صاحبہ مرحومہ) زوجہ حاجی فیض احمد خاں والدہ نواب اسمٰعیل خاں وغیرہ مرحومین رؤساء (دتاولی) کے حقیقی بھانجے ہیں۔ ایک عرصہ تک ریاست ہائے دتاولی میں کارندہ رہے۔ راقم الحروف کے والد بزرگوار سے ان کے مراسم تھے اس لیے راقم الحروف کے مشفق رہے۔ عبدالواحد خاں صاحب کے دو بھائی اور تھے یعنی عبدالجلیل خاں و عبدالقدیر خاں مرحومین۔ آخر الذکر اپنی خوش مزاجی و بذلہ سنجی میں مشہور تھے۔ کوئی ان سے اگر ایک کہتا تو دس سنتا۔ یہ راقم الحروف کے کبھی کرم فرما تھے۔

کنولی

اب موضع بھاموں سے ملحق موضع کنولی پر ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ ایک زمانہ میں یہاں کے شروانی پٹھانوں کا بڑا عروج تھا۔ اور ان کا خاندان چوٹی کا سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کے شروانیان یوسف خاں راجپوت کی اولاد میں ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہاں آ بسے آخر الذکر سے چھٹی پشت میں پیروز خاں گذرے ان کے بیٹے رفعت خاں ہوئے (جن کا ذکر ہم نے اس کتاب کے حصہ اول کے آخر میں کیا ہے) رفعت خانی شروانیوں کا نکاس انہیں بزرگ سے ہے۔ یہ بڑے متمول اور صاحب جائداد تھے کئی ایک گاؤں کے زمیندار تھے۔ اس امر کی تائید اس مقدمہ کی تجویز عدالت سے ہوتی ہے جو ۱۸۲۸ء میں بدرالدین خاں مدعی اور عبداللہ خاں مدعا علیہ ساکن حسن پور کے درمیان ہوا۔ اس مقدمہ میں عبداللہ خاں کامیاب رہے۔ اور جائداد متدعویہ ان کے قبضہ میں رہی۔ رفعت خاں مرحوم کے

تین بیٹے تھے سب سے بڑے عزت خاں تھے جن کی اولاد حسن پور میں جا بسی۔ عزت خاں خود بھی وہیں چلے گئے۔ نظام خاں بوڑہ گانوں کی شادی کا قصہ انھیں عزت خاں کی بیٹی کے ساتھ پیش آیا۔ رفعت خاں کے منجھلے بیٹے عظمت خاں تھے۔ عظمت خاں کے بیٹے بہادر خاں تھے جن کی شادی بلونہ کے شاہ محمد خاں کی بیٹی مدینہ بی بی کے ساتھ ہوئی۔ مگر وہ لاولد رہے۔ اور سلسلہ نسل منقطع ہو گیا۔ مدینہ بی بی شاہ محمد خاں رئیس بلونہ کی بیٹی اور دلیل خاں کی بہن تھیں۔ اور بلونہ سے اپنے ساتھ بڑی دولت لائی تھیں۔ اور جب جوان عمری میں بلا اولاد چھوڑے ہوئے ان کے بیٹے بہادر خاں کا انتقال ہو گیا تو مدینہ بی بی نے اپنی جائداد یا نصف موضع گنگیھری اور کل موضع ملسی گنگیری کھترا پیرزادگان کو خیرات میں دیدیا جو حضرت مخدوم شنائی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں۔ اب ان مواضعات کی آمدنی ہزار ہا روپیہ سالانہ ہے۔ مدینہ بی بی نے اپنے بیٹے بہادر خاں کے مقبرہ کے قریب ایک مسجد بھی تعمیر کرائی جس پر یہ کتبہ ہے ؎

متصل روضۂ بہادر خاں ۔ بعون اللہ مسجدے ست مکاں
سالِ تاریخ جستم از ہاتف ۔ گفت: آراست از مدینہ نشاں

١١٨٠ھ

رفعت خاں کے سب سے چھوٹے بیٹے سعادت خاں ڈھولنہ میں جا رہے۔ مگر کچھ دن بعد پھر کنوبی میں واپس آگئے۔ ان کے بیٹے شمس الدین خاں، بدر الدین خاں، قطب الدین خاں کی اولاد بہت پھیلی۔ اس زمانہ میں حسن پور بھی رفعت خاں کی زمینداری میں شامل تھا۔ اور یہی وجہ مقدمہ بازی مندرجہ بالا کی ہوئی۔ رفعت خاں کے تعلقات نواب بنگش والی فرخ آباد سے تھے جس کی حکومت میں کنوبی شامل تھا۔ نواب محمد خاں بنگش فرخ آباد نے ستر بیگھہ معافی رفعت خاں کو عطا کی جس کی سند رفعت خاں کے ورثا کے پاس تھی۔ مگر جب سنہ ١٨٥٧ء میں انگریزوں کے خلاف دوندے خاں ساکن کونہ (بلند شہر) اور ان کے بھتیجے ناہر علی خاں ساکن املائی نے بغاوت کی اور باغیان اترولی اکوڑ ہا گنج اور ملحقہ دیہات تک پہونچے اور کنوبی کے پٹھانوں کو اپنے موضع پر بھی حملہ کا اندیشہ ہوا تو سنہ ١٢١٢ فصلی میں موضع خالی کرنے کے

سلسلہ میں یہ سند کھو گئی ۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں انگریزی عمال نے رفعت خاں کے ورثاء کو نوٹس دیا کہ وہ وجہ ظاہر کریں کہ معافی کیوں ضبط نہ کی جائے ۔ اس پر عذرداری کی گئی ۔ جو مسموع ہوئی اور معافی بدستور قایم رہی ۔ یہ معافی اب تک ان کی اولاد خاندان حسن پور کے قبضہ میں ہے ۔ رفعت خاں کا انتقال سنہ ۱۷۳۳ء میں (یعنی بہ زمانہ محمد شاہ بادشاہ) ہو گیا اور ان کے مرتے ہی خاندان پر زوال آنا شروع ہو گیا ۔ رفعت خاں مرحوم کے پوتے شمس الدین خاں تھے اور آخر الذکر کے پوتے وزیر خاں اور نجیب خاں بلوچ گذرے جن کی پانچ بیٹیاں تھیں ۔ منجملہ ان کے ایک بیٹی امانت فاطمہ والدہ رؤسا دتاولی تھیں ، دوسری نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں بھیکم پور کی والدہ تھیں ۔ وزیر خاں مرحوم کے بھائی عبدالاحد خاں مرحوم تھے جن کے بیٹے عنایت احمد خاں گذرے اور ان کی ہمشیرہ شفقت بیگم مرحومہ عبدالرؤف خاں مرحوم دادوں کی زوجیہ ادسے ہوئیں جن سے مولوی حاجی محمد جان خاں دادوں اور ان کی ہمشیرہ یعنی زوجیہ اولی نواب اپو کبیر خاں مرحوم پیدا ہوئے ۔ حاجی عبدالواحد خاں بن محمد حیات خاں ابن اشرف خاں کی بیٹی نیازی بیگم کی شادی علی گڑھ کے مشہور راہبر ولنیر ایڈوکیٹ انس خاں صاحب مرحوم کے ساتھ ہوئی جو خود بھی ایک معزز گھرانہ شیروانی پٹھانوں کے خاندان کے رکن تھے اور علی گڑھ کی پبلک زندگی میں پیش پیش اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر تھے ۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا تماشا دیکھئے کہ کھونیہ پالو ایک زمانہ میں ایک بڑی ریاست کا مستقر اور مرکز تھا ، یا رفعت خاں مرحوم کے انتقال کے کچھ دن بعد مقدمہ بازی ، تقسیم در تقسیم اور اسراف کا یہ نتیجہ نکلا کہ انگریزی عملداری کے اوائل میں یہ موضع بلبت لگایا مالگذاری نیلام ہوا تو حاجی داؤد خاں مرحوم رئیس بھیکم پور نے خرید لیا ۔ جب سنہ ۱۸۳۷ء میں ریاست بھیکم پور شرکا میں تقسیم ہوئی تو یہ موضع رئیسان دادوں کے حصہ میں آیا ۔

ہادی یار خاں صاحب مرحوم رئیس دادوں نے پہلے نیل سازی کا کارخانہ جاری کیا جو کسی زمانہ تک قایم رہا ۔ بعدہٗ یہ موضع ہادی یار خاں مرحوم کے پوتے مولوی حاجی محمد جان خاں کے حصہ میں شامل کیا گیا ۔ اور اب یہاں بھی دیگر مقامات کی طرح تباہی اور بربادی ہے ۔ کچھ صاحبان یہاں سے پاکستان منزل کر چلے گئے ۔

حسن پور

کا نام غالباً حسن خاں کی یادگار ہے جو نواب یوسف خاں راجپوت (بعدہٗ کناوہ) کے بیٹے تھے۔ یہاں کے حالات کے متعلق حافظ حاجی عبدالجلیل خاں صاحب حسن پوری نے ایک مفصل یادداشت مرتب فرمائی ہے اور اس کا نام "یادگار حسن پور" رکھا ہے اور اسے وہ خود چھپوانا چاہتے تھے۔ اور شجروں کے سلسلہ میں بھی اس کی مدد سے وہ کچھ اور زیادہ لکھیں گے۔ یہ یادداشت موصوف نے اپنی نانی صاحبہ کی زبانی روایتوں اور رشتہ کے دادا اصغر علی خاں اور حقیقی تایا اسمٰعیل خاں کی تحریروں سے تیار کی ہے۔ یہ تحریریں ۱۸۶۵ء سے ۱۹۲۱ء تک سلسلہ باقاعدہ لکھی ہیں۔

یہاں محض ربط کلام کے لئے ہم اتنا بتا دینا چاہتے ہیں کہ حسن پور کے مورث اول عزت خاں ابن دولت خاں (ساکن کنوئی) تھے۔ عزت خاں کے ایک بیٹے سربلند خاں اُن کے بیٹے صاحب داد خاں، اُن کے بیٹے **حاجی عبدالصمد خاں** (۱۸۰۹ء تا ۱۹۰۲ء)۔

حاجی عبدالصمد خاں کی اولاد: (۱) عبداللطیف خاں (۲) عبدالمتین خاں (۳) اسمٰعیل خاں (۴) عبدالجلیل خاں (والد عبدالجمیل خاں) (۵) حافظ حاجی زکریا خاں (والد حافظ مولوی حاجی علی اکبر خاں و مسٹر محمد علی خاں) (۶) دختر زوجہ عبدالواحد خاں ڈھولنہ (۷) دختر زوجہ حاجی عبدالفضل خاں بلونہ۔

سربلند خاں کے دوسرے بیٹے اکبر علی خاں ان کے بیٹے اصغر علی خاں۔

عزت خاں بزرگوار کے دوسرے بیٹے عبداللہ خاں، ان کے بیٹے رجب علی خاں، ان کے بیٹے شتاب خاں، ان کے بیٹے (۱) خوش وقت علی خاں کم سنی فوت (۲) اختر علی خاں (۳) حبیب اللہ خاں (۴) عبدالعزیز خاں عرف ارادت خاں (۵) نصیر اللہ خاں۔

ہم اپنے منتظر ناظرین کو اپنے محسن حافظ حاجی عبدالجلیل خاں صاحب کی کتاب مستطاب کے لئے تشنہ طبع نہ رکھ کر صرف چند ہستیوں کا ذکر کریں گے۔

حاجی عبدالصمد خاں بڑے وضع دار، غیور اور منتظم تھے۔ اپنے عہد کے دستور کے

مطابق اچھے پڑھے لکھے تھے۔ خط نسخ و نستعلیق دونوں بڑے پاکیزہ تھے۔ بعض کتابیں نقل کیں۔ ایک نسخہ کلام پاک کا نہایت عقیدہ کے ساتھ مکمل تحریر کیا جس شائع کے وہ مورث بنے اس ہی سنجھلے بیٹے اسمٰعیل خاں فہم و فراست اور با اصولی میں فرد تھے۔ روزنامچہ نہایت باقاعدہ رکھتے تھے جو ان کی تاریخ دوستی کی دلیل ہے۔ ڈائری یا روزنامچہ لکھنا بھی بڑا احمق سمجھا جاتا ہے۔

حافظ حاجی زکریا خاں - پہلا حج ماں باپ کے ساتھ رہ کر جوانی میں کیا۔ اور دوسرا ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء میں بیٹے علی اکبر خاں کو ساتھ لے کر بڑھاپے میں کیا۔ قرآن بڑے اثر گیر اور اثر انداز لہجہ میں پڑھتے تھے۔

عبدالجمیل خاں نے جوانی میں قرآن حفظ کیا۔ اور بڑے جذبہ کے ساتھ حج کیا اب بڑے انہماک کے ساتھ مصروف کاروبار ہیں۔ خداوند تعالےٰ برکت دے۔ آپ ہی خاندان شروانی پیران کا احسان شجروں کی ترتیب سے ثابت ہے۔ فرزند یحییٰ خاں مصروف ڈاکٹر

حافظ مولوی حاجی علی اکبر خاں انگریزی کے ایم اے ہیں، اردو، فارسی، عربی میں خاص قابلیت رکھتے ہیں۔ اور ان زبانوں کے بڑے اہر شاعر ہیں۔ وہ (اور ان کے سب خاندان والے) معقول ہیں۔ مگر وہ پھولوں کی ٹوکری میں گویا چوٹی کا پھول ہیں۔

مسٹر محمد علی خاں - ایف اے تک تعلیم یافتہ اور خاموشی سے زندگی بسر کرنے والے ہیں۔ اس خاندان کی از آدم تا ایں دم بابا لاشتیا نہ ایک بڑی خصوصیت گوشہ گیری اور مرنج و مرنجان رہی ہے ؎

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو | دو تای جامہ اگر کہنہ است یا از نو
چہار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع | کہ کس نگوید از اینجا بخیز و آنجا رو

تدین معروف عام ہے۔ ماشاء اللہ حسب تعداد میں یہ اصحاب حافظ حاجی ... خاندان میں بے بدیل و بے مثیل ہیں۔

اصغر علی خاں - بڑے تعلقہ کے زمیندار ہوئے قرضہ سے زیر بار اور اس حالت میں زمینداری سے دست بردار ہو گئے۔ مگر آن بان وہی رہی۔ منجھلے خاں صاحب (حاجی

عبدالشکور خاں) کی ذات سے بڑی پرورش ہوتی تھی ۔ خانصاحب کے ساتھ کھاتے ، برابر بیٹھتے ، خدمتوں پر رعب جماتے ، نیاز آجاتا تو خاں صاحب سے بہتر کپڑا اپنے لیے خرد لیتے حسن پور میں ایک زمانہ میں اُن کا خوردنوش اُن کے خانہ زاد بھائی موسلے الخبش خاں کے گھر سے تھا جن کا کوئی لڑکا کھانا لاتا ، ہاتھ دُھلاتا ، کھانا لگاتا ، برتن بڑھاتا ، اور پھر ہاتھ دھلا کر واپس جاتا ۔ ایک روز برسات کی رات میں خاں صاحب نماز پڑھ رہے تھے ۔ وہ کھانا رکھ کر چلا گیا صبح جب برتن واپس لینے آیا تو کھانا اچھوتا رکھا ہوا تھا ۔ ڈرتے ڈرتے سبب پوچھا تو للکار کر جواب دیا ۔ : " ہم کھانا خود اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کھاتے ، استغفراللہ " بڑوں سے بزرگانہ ادب اور چھوٹوں سے خوردانہ داب ملحوظ رکھ کر بات کرتے ۔ مثلاً احمد سعید مزمل، خلیل ، عقیل ، حبیب وغیرہ باوجود ان اوصاف کے لنتاب سے تھے ۔ نہانے کے لیے مسجد سے باہر غسل خانہ تھا غسل پورا ہونے کا معیار یہ تھا کہ پانی پوکھر میں پہونچ جائے قطب علی خاں کی شاخ میں ارادت خاں خوش عقیدہ باتدبیر تھے ۔ زوجۂ اولی (بدرالنسا دختر عزیز خاں کنوبی) سے جتنے بیٹے تھے اپنی حیات میں ان سب کو اس تدبیر سے جائداد والا کیا کہ جس بیٹے کی شادی کرنی ہوتی اپنی " انگشتری سلیمانی " اس کی انگلی میں ڈال دیتے اور کسی صاحب جائداد بیٹی والے کے گھر چڑھ دوڑتے ۔ ایک ان بیاہے بیٹے نور اللہ خاں کا جوان عمری میں بیماری سے مجھلے خاں صاحب جدہ میں انتقال ہوا ۔ ان مرحوم نبیداللہ خاں سے چھوٹے صالح خاں بہت دلچسپ آدمی تھے ۔ اُن کے بیٹوں میں حاجی فخرالزماں خاں (دختر حاجی عیسیٰ خاں رئیس دتاولی) ماشاء اللہ جوان صالح ہیں ۔ میٹرک تک تعلیم ہے ۔ سب چیف اپنی پر آج کل تحصیل کھیر (ضلع علی گڑھ) میں تعینات ہیں ۔ بہت رکھ رکھاؤ سے بسر کر رہے ہیں ۔ ملازمت کے دوران میں باپ ، بی بی اور بچی کو ہمراہ لے کر فریضۂ حج ادا کیا ۔ سوتیلی ماں سے برابر سعادتمندانہ فرزندانہ اور سوتیلی بہن کے ساتھ مشفقانہ برادرانہ برتاؤ رکھا ۔ چھوٹے نصیر اللہ خاں بڑے مدبر ، بڑے کاروباری ، بڑے با مروت ، بڑے صاف گو صاف باطن تھے ۔ حاجی مصطفےٰ خاں رئیس لوہرہ گانوں کی درخواست پر ان کی ریاست کی سربراہی کی تو ان کے قرض خواہوں کا قرضہ خود ادا کر کے اور خانصاحب کو خود قرضہ دے کر ریاست کو

بہت خوبی سے پاک کر دیا۔ خود بھی معقول جائداد پیدا کی۔ غلّہ کی بڑی تجارت تھی۔ ہر سال
محفل میلاد بڑی عقیدت اور ایک چھوٹی موٹی شادی کی شان سے برپا کرتے۔ میسندی خاندان بھر میں
ضرب المثل تھی۔ علی گڑھ سے حسن پور لاری اور موٹر کے دور سے پہلے صرف وہی واپس آ سکتے
تھے۔ تقریبوں کے انتظام میں بھی وہ "آل انڈیا" منتظم سمجھے جاتے تھے۔ زوجۂ اولیٰ تمیز النساء (دختر
غلام مرتضیٰ خاں باونہ) سے **ادریس خاں** ہوئے۔ زوجۂ ثانیہ الٰہی بیگم (دختر احمد علی خاں باونہ) سے دو لڑکیاں
اور دو لڑکے ہوئے۔ بڑے لڑکے زین العابدین خاں نے بچپن ہی میں بعارضۂ نمونیا قضا کی۔ چھوٹے **نور العابدین**
خاں ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔ ادریس خاں مثل باپ کے کاروباری، باتدبیر اور دور بین تو نہ تھے مگر صفائی دل
اور زبان کی تقریباً ویسی ہی رکھتے تھے۔ ان کا حال اور اولاد کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔ فرزندان نرینہ میں
سب سے بڑے **نصرت اللہ خاں** علی گڑھ کے بی اے ہیں۔ آج کل چیر کھاری ضلع ہمیر پور میں تحصیلدار ہیں
۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء میں خالہ (نور فاطمہ زوجہ چودھری عبد الحمید خاں رئیس سہاور) اور والدہ کے ساتھ حج و زیارت سے
مشرف ہوئے۔ حج (بماہ جون) سے پہلے ہی خالہ کے دست چپ میں سرطان نکلا۔ اسی حالت میں حج،
حج کے بعد زیارت، زیارت کے بعد وطن کی مراجعت (بماہ ستمبر) اور پھر رحلت (غالباً بماہ دسمبر) تک اس بھانجے
نے بڑی ہی بے جگری اور بے نفسی سے خدمت کی۔ یہ عمر یہ مرض، پھر اونٹ کا سفر، اونٹ پر گود میں لے کر
چڑھاتے اور کندھوں پر چڑھا کر اتارتے، سامان وغیرہ کی ترتیب ملازموں اور جمالوں پر چھوڑ کر سب سے پہلے اپنی
ماں اور بہن کی بہن کے لئے مرہم پٹی میں مصروف ہوتے اس سے پورے اطمینان کے ساتھ فارغ ہو کر سامان دیکھنے
اور کھانے وغیرہ کے انتظام میں لگتے۔ علاج ایک فرشتۂ رحمت "خیر الناس من ینفع الناس" رفیق طریق
رام پوری حکیم حاذق کا تھا۔ نواب صدر یار جنگ اور مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی اس حصول سعادت کی نقول
سے کبھی نہ تھکے۔ "ان اجرہ الا علی اللہ" اس کے بعد دو حج اور کر چکے ہیں۔ اب توجہ بجائے تحصیل مال کے کسب آل
کی طرف بہت زیادہ ہے۔ چھوٹے **سردار بہادر خاں** بھی علی گڑھ کے بی اے ہیں۔ مولوی محمد جان خاں رئیس
دادوں کے خویش ہیں۔ آج کل لائل پور (مغربی پنجاب) میں بعہدہ سپرنٹنڈنٹ ایکسائز متعین ہیں۔ خلیق، بامروت
علم دوست ہیں۔ نور العابدین خاں باپ کے بعد بھائی بہنوں کے مابین تقسیم جائداد کے مراحل طے کئے پیچھے پورے
انہماک سے کاروبار میں مصروف ہوئے اور خدا کے فضل سے خوب ترقی کی۔ چھوٹے بیٹے فصیح اللہ خاں کو ساتھ لے کر
فریضۂ حج سے فارغ ہوئے۔ دو بیٹے **نسیم اللہ خاں** اور حاجی فصیح اللہ خاں ماشاء اللہ کار آگاہ ہیں اور کاروبار
میں سالہا سال سے باپ کے زیر نگاہ ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

ڈھولنہ

موضع کنوبی کے قریب موضع ڈھولنہ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ کہنے کو تو چھوٹی سی بستی ہے مگر یہاں کی چند ہستیوں کی وجہ سے وہ جوار میں مشہور ہے۔ اس موضع کے سربراہان رفعت خاں کنوبی متذکرہ بالا کی اولاد میں ہیں۔ مگر یہ بھی حقوق ملکیت کی مقدمہ بازی کا شکار رہے۔

بدرالدین خاں ابن سعادت خاں ابن رفعت خاں کنوبی کی شاخ میں اللہ یار خاں اور حاجی بھیکن خاں گذرے۔ ان کے اور بخش اللہ خاں (عرف منگل خاں) کے درمیان مقدمہ بازی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بخش اللہ خاں ہارے تو ان کی جائداد نیلام ہوئی۔ حاجی بھیکن خاں کی اولاد میں **مسیح اللہ خاں** بڑی آن بان اور شان کے رئیس گذرے۔ ضلع ایٹہ میں ان کی بڑی دھاک تھی۔ گھوڑے کی سواری اور شکار کے شائق تھے ان کے بیٹے مسیح الزماں خاں کی شادی اول سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس بلونہ کی منجھلی صاحب زادی کے ساتھ اور اس کے انتقال کے بعد مصلح الدین خاں رئیس عنایتی کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ اور اس وقت مسیح الزماں کا قیام عنایتی میں ہے۔ مسیح اللہ خاں کی ایک بیٹی ابراہیم خاں ابن حاجی یوسف خاں تاولی رئیس بڈ ہانسی کی زوجہ تھیں۔ مسیح اللہ خاں مرحوم شکار کے سلسلے میں اپنے موضع گڈھی بنید لہ میں مقیم تھے کہ یکایک سند ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور وہیں انتقال کر گئے۔ موصوف کی ہمشیر کی شادی چودھری حمید اللہ خاں صاحب رئیس سہادر کے ساتھ ہوئی۔ چودھری صاحب ممدوح سے مسیح اللہ خاں مرحوم کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اور منجھلی (صالحہ بیگم) کی نواب سرمزمل اللہ خاں سے ہوئی جن کے بطن سے داؤد احمد خاں مرحوم پیدا ہوئے جن کا مزار دیرہ دون میں ہے۔

مسیح اللہ خاں کے چھوٹے بھائی حاجی ضمیر الحسن خاں مرحوم تھے۔ یہ ایک فقیر منش عابد و زاہد اور سیدھی سادھی زندگی بسر کرنے والے پٹھان تھے۔ ان کی شادی عابد خاں مرحوم ساکن بھیکم پور کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی۔ ضمیر الحسن خاں کے صاحب زادہ حاجی حبیب الحسن خاں ہیں۔ یہ ماشاء اللہ دو مرتبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح

مذہب کے پابند گوشہ نشین، کفایت شعار اور مرنجان مرنج قسم کے آدمی ہیں۔ ان کی شادی تصدق احمد خاں شروانی بیرسٹرایٹ لا مرحوم کی بیٹی کے ساتھ زیر سرپرستی نثار احمد خاں مسلم، و فدا احمد خاں مرحوم مگریا میں بڑی شان سے ہوئی جس میں حکام ضلع اور کئی چوٹی کے لیڈر، تصدق احمد خاں مرحوم کی یاد لیے ہوئے محبت آمیز شوق اور عبرت و حسرت انگیز ذوق کے ساتھ شریک ہوئے۔ بخش اللہ خاں مرحوم کے بیٹے عباس علی خاں و فضل الرحمٰن تھے۔ فضل الرحمٰن خاں ہر دلعزیز آدمی تھے۔ بہت کم دن زندہ رہے دو نکاح کئے۔ ان کی صحبت میں بڑے لطف سے وقت کٹ جاتا تھا۔ عباس علی خاں کے سالے حاجی حامد علی خاں ابن رضا علی خاں تھے۔ موصوف کی شادی بڑی دھوم دھام سے مارچ ۱۸۹۹ء بی بی نور فاطمہ صاحبہ دختر حاجی فیض احمد خاں رئیس دتاؤلی کے ساتھ ہوئی۔ اس موقعہ پر دونوں مقامات پر بڑی چہل پہل رہی۔ راقم الحروف بھی اس میں شریک تھا۔ حاجی حامد علی خاں بڑے عابد و زاہد تھے۔ ہر وقت مصلے اور نماز سے واسطہ تھا۔ مگر جوان عمری میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ موصوف کے بیٹے محمود علی خاں صاحب ہیں جو پندرہ سولہ برس تک اسٹیٹ میں آنریری مجسٹریٹ اور منصف رہے۔ کانگریس کے سرگرم رکن رہے۔ ایک زمانہ میں شکار اور موٹر ڈرائیوری کے شائق تھے۔ مگر صحت اب اچھی نہیں ہے لہذا مشغلہ چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنے مکان بیلی کوٹھی علی گڑھ میں مقیم ہیں۔ موصوف نے شروانیوں کے بدو جبر میں ایک نظم خوب لکھی ہے۔ قطب الدین خاں متذکرہ بالا کے پڑپوتے اللہ یار خاں کے بیٹے یہاں کے رئیس حافظ رحمت خاں بھی تھے۔ جو بڑے جلال اور شان کے پٹھان تھے۔ ان کی پہلی شادی موضع بلونہ میں مولوی ظفر حسن خاں مرحوم کی منجھلی ہمشیرہ مسماۃ فاطمہ سے ہوئی۔ اور ان کی بہن زہرہ بیگم حاجی یوسف خاں رئیس دتاؤلی اور پٹھا کسی کو بیاہی گئی تھیں۔ ان کے چھوٹے بھائی عبد الرزاق خاں نے جوان عمری میں قضا کی اور سب سے چھوٹی بہن رحمت الٰہی بھی جوان عمری میں ناکتخدا فوت ہوئیں۔ حافظ رحمت خاں کے بیٹے احمد اللہ خاں نے جو شروانی اسکول چھرہ میں طالب علم تھے جوان عمری میں قضا کی۔ ایک بیٹا نثار اللہ خاں اور بیٹی خاتون جہاں زوجہ حافظ عمران خاں چھوڑی۔

اب قبل اس کے کہ ہم اس موضع کی داستان ختم کریں یہاں کا ایک دلچسپ اور پرانا قصہ (جو خاندانی روایات پر مبنی ہے) بیان کرنا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قطب الدین خاں

متذکرہ بالا کے بھائی بدرالدین خاں بڑے عالی ہمت اور بارعب زمیندار تھے۔ یہ اپنی زمینداری کے ملحقہ موضع بدھاری (بزرگ ہی کی گڑھی میں اکثر قیام کرتے تھے۔ اس گڑھی کے ایک برج پر کسی بزرگ کا مزار ہے۔ بدرالدین خاں نے اس گڑھی میں رات کو خواب دیکھا کہ ایک خونی بکری ان کے سامنے پھر رہی ہے۔ اس کی تعبیر انھوں نے یوں لی کہ ان کو موت کا یقین ہو گیا۔ اور یہاں کے ایک فقیر کو ساتھ لے کر ڈھولنہ کے قبرستان میں گئے۔ اس فقیر کو قبرستان میں ایک درخت اور جگہ بتا کر ہدایت کی کہ میری قبر بعد مردن اس جگہ بنائی جائے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر جب رات کے وقت یہ اس گڑھی میں سو رہے تھے تو ٹھاکروں نے گڑھی پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا۔ ان کی نعش ڈھولنہ لائی گئی۔ اور وصیت کے مطابق دفن کئے گئے۔ غالباً اس واقعہ کا (جو سنہ ۱۸۴۵ء کا بتایا جاتا ہے) کوئی سبب ہو گا۔

موضع برہرہ

اب ہم چلتے پھرتے ڈھولنہ کے اس موضع میں پہنچتے ہیں۔ برہرہ کے مورث اعلیٰ عالم خاں تھے جن کا خاندان بڑا تھا۔ تنگی روزگار سے پورے موضع کی زمینداری احمد سعید خاں مرحوم کے پاس پہونچ گئی۔ اور یہاں کے دیگر شروانیان (جو زمانہ حال میں برادری میں با اثر اور معزز تھے، مثلاً عبدالصمد خاں۔ رفیع اللہ خاں۔ حاجی نور احمد خاں۔ عبدالرزاق خاں۔ عبدالخلاق خاں وغیرہ) وہ اس موضع میں کاشتکارانہ اور معافی دارانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اور اس کے علاوہ بیرونی شروانی ریاستوں میں کارندگی سے بھی گزر بسر کرتے تھے۔ احمد سعید خاں مرحوم (جو وجیہہ اور قد آور تھے شروانیوں میں اور حکام میں با اثر تھے۔ موصوف نے برہرہ میں ایک بڑی پختہ حویلی تعمیر کرائی جس کا نام محل رکھا۔ اور ایک پختہ نشست گاہ تعمیر کرائی۔ موصوف نے اپنی جائداد وقف علی الاولاد کی مگر ان کے بیٹے مظہر احمد خاں کی جوان عمری میں موت نے (جو باپ کے تقریباً بعد ہی واقع ہوئی) احمد سعید خاں مرحوم کی سب تجاویز اور انتظامات مندرجہ وقف نامہ درہم برہم کر دیئے۔ اور

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

کا قصہ پیش آیا۔ احمد سعید خاں مرحوم کی ایک بیٹی تصدق احمد خاں شروانی بیرسٹر ایٹ لا مرحوم کی زوجہ ہیں جن کو تنزکرہ میں موضع بھرسولی (جہاں لُو اسے آئے ہوئے شروانیان آباد ہوئے) ملا اور دوسری بیٹی حاجی سعید احمد خاں کی زوجہ ہیں جو حافظ مصلح الدین خاں ابن عبد الجلیل خاں کنادہ کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ اب یہی سعید احمد خاں احمد سعید خاں مرحوم کے وقف کے متولی ہیں اور بیربیرہ میں بس گئے ہیں۔ احمد سعید خاں مرحوم کی ایک بہن حاجی عبد الرشید خاں بلونہ کو بیاہی گئیں جن سے تصدق احمد خاں مرحوم ڈ نثار احمد خاں ندا احمد خاں مرحوم اور ایک بیٹی پیدا ہوئی اور دوسری بہن عبد الرشید خاں بھیکم پور کو بیاہی گئیں جن سے عبد الحمید خاں عمران خاں اور ان کے بھائی پیدا ہوئے۔ اس موضع پر تباہی آئی اور یہاں کے بہت سے شروانیان پاکستان مغربی کو ہجرت کر گئے۔ اس موضع کے پٹھانوں میں برلہ کے شروانیان کی بھی رشتہ داری ہے۔ احمد سعید خاں مرحوم کے حاجی عبد الواسع خاں مرحوم برلوی سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ احمد سعید خاں مرحوم نے ایک غیر کفو خاندان میں دوسرا نکاح کیا اور ان اہلیہ سے بھی ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ اب بربیرہ کو دیکھ کر خدا کی خدائی نظر آتی ہے کہ زمانہ نے کیسا پلٹا لیا۔

بھموری نزرک

اب ہم بربیرہ سے فارغ ہو کر باوجود اپنی پیرانہ سالی اور شدت مرض وجع مفاصل پورب سے پچھم کو دوڑ لگاتے ہیں اور موضع بھموری پہنچتے ہیں، جو کہ ایک پرانا تاریخی مقام ہے کنادہ کی طرح سے بھموری بھی ان دیہات میں ہے جہاں سے کئی ایک مواضع کے شروانیوں کا نکاس ہوا۔ بھیکم پور، حبیب گنج، داملی، ہنڈولی کے شروانی مورثان سب سے پہلے بالہ پور بھموری سے چل کر نہیں آکر بسے۔ اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ آخر الذکر ان کی فرودگاہ اور بڑھتی ہوئی مردم شماری کے لیے بالکل ناکافی تھا۔ بھموری کی آبادی کے دو حصے مشہور ہوئے۔ یعنی بھموری مغربی جہاں مورث اعلیٰ ایدل خاں رہتے تھے۔ اور بھموری مشرقی جہاں کہ ایدل خاں سے چھٹی پشت میں جہان خاں پدر ستہراز خاں مورث بھیکم پور پشتہ داول آباد تھے۔ جہان خاں کے بھائی الہ داد خاں مورث ہنڈولی تھے۔ ایدل خاں عہد جہانگیر بادشاہ میں شاہی ملازم تھے

مگر تارک الدنیا ہو کر کنگھوری میں حضرت مخدوم ثنائی رحمتہ اللہ علیہ کے (جو غالباً لودی یا سوری پٹھانوں کی حکومت کے زمانہ میں اس مقام پر تشریف لائے) مزار پر گوشہ نشین ہو گئے۔ اور وہ ہیں مدفون ہوئے۔ ایدل خاں سے پانچویں پشت میں گھاسی خاں گذرے جن کی اولاد کھوری میں رہی۔ گھاسی خاں نواب مرزا ثابت خاں گورنر کول (عہد فرخ سیر محمد شاہ) کے ملازم تھے۔ نواب مرحوم نے ان کو موضع کسیرہ یا اور موضع کھولاولی (حبیب گنج) ان کے ٹھیکہ میں رہا۔ گھاسی خاں کے بیٹے جمال خاں برلہ میں بیاہے گئے۔ اور اسی وقت سے برلہ اور کھوری اور سمراسے میں رشتہ داریاں شروع ہوئیں۔ چھپرہ کے ساتھ بیاں بھی راجہ سورج مل جاٹ کے خسر کے بیٹوں نے قلعہ بنانا شروع کیا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ مگر وہ نا مکمل رہا۔ جاٹوں کے بعد نواب مرزا نجف خاں گورنر کول و جاگیردار اترولی کے عامل نے اور پھر مرہٹوں کے عامل نے کھوری کے باز خاں مورث بھیکم پور اور دیگر پٹھانوں کو (جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) اس موضع کے اور ملحقہ مواضعات کے ٹھیکے دیئے۔ جب بادول میں باز خاں مرحوم اور اچھلیے اہیر سے لڑائی ہوئی تو بیاں کے اور سدلوں کے بعض شرفاء بیان باز خاں کی طرف سے اس لڑائی میں شریک رہے۔ اور اچھلیے کی جماعت کو ہرایا۔ بھیکم پور حبیب گنج کا قدیم قبرستان یہیں ہے۔ اور سرفراز خاں کے یہاں دفن کئے جانے کا قصہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ جب ۱۷۹۳ء میں باز خاں مرحوم نے مرہٹوں کے جنرل پیرون سے ناہ کا علاقہ ٹھیکہ پر لیا تو پورا علاقہ کھوری ناہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہیں سے چل کر عبدالرشید خاں مرحوم پدر عبدالحمید خاں وغیرہ کا خاندان بھیکم پور میں جا کر بسا مگر ان کی زمینداری کسی نہ کسی طرح رئیسانِ بھیکم پور کے قبضہ میں پہونچ گئی۔ اور اس خاندان کی محض دخیل کاری رہ گئی۔ مگر کھوری سے تیرہ اسے اصلیہ کا معلوم ہوا۔ اور عبدالحمید خاں حکومت کے محکمہ آبکاری میں ایک بڑے عہدہ سے پنشن لے کر پھر کھوری آ رہے اور مکان تعمیر کرایا۔ بلونہ سے چل کر خلیل اللہ خاں مرحوم کھوری آ کر بسے اور اس موضع کے زمینداروں میں بڑے حصہ داروں میں تھے۔ اب ان کے قائم مقام ان کے خویش صابر علی خاں صاحب ایم اے ایل ایل بی سابق ڈپٹی کلکٹر بلونہ (جن کا ذکر غیر پاشندہ بلونہ کے سلسلہ میں آیا ہے) یہیں براج رہے ہیں۔ عبدالحمید خاں متذکرہ بالا کے چھوٹے بھائی حافظ حاجی عمران خاں (جو ایک زمانے میں نواب

سر حاجی محمد مزمل اللہ خاں کے پرائیویٹ سکریٹری تھے اور موصوف کے ساتھ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے) اور عمران خاں ـــــ کے بھائی غفران خاں و عبد المجید خاں مرحومین بھیکم پور ہی میں رہے ۔ آخر الذکر بڑے ہر دلعزیز اور مولوی محمد جان خاں کے کارندہ تھے مگر افسوس ہے کہ غفران خاں اور عبد المجید خاں جوان عمری میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔

بھوری میں مولوی حاجی عبد الغنی خاں بہت پڑھے لکھے آدمی تھے ۔ مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی اور جلد از جلد اللہ تعالے نے ان کو اٹھا لیا ۔ یہیں مولوی عبد الشاہد خاں بھاموں نے مکان بنایا جس میں آگ لگ جانے سے بہت نقصان اٹھایا ۔ اسی موضع کے بعض پٹھان روشنائی بھیکم پور ، دادوں ، حبیب گنج و قلعہ جدید کے ہم جلیس اور ہم صحبت رہے ۔ یہاں کے پٹھانوں کی رشتہ داریاں سہاور ، بھاموں اور کئی ایک دیگر مواضع میں ہیں جنکا حال شجرے سے معلوم ہوگا تفصیل خاندان دیگر دیہات سے آکر یہاں بسے ۔

کناوہ

موضع کناوہ کا ذکر اوپر بار بار آیا ہے ۔ اس لئے آگے پاتنوں ہم مختصراً اس کا کچھ حال عرض کرتے ہیں ۔ نواب یوسف خاں شروانی (جنکا ذکر ہم نے اوپر کیا اور جن کی بابت ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ نے لکھا کہ وہ عہد شاہجہاں بادشاہ میں ان اطراف میں آئے) موضع کناوہ کے مورث اعلیٰ تھے اور ان کی نسل یہاں اور کئی دیگر ملحقہ مواضع میں جاکر بہت پھولی پھلی ۔ وہ اول راجمو میں آکر بسے جو نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں مرحوم کی ریاست میں شامل رہا ۔ اور اس کے قریب شاہجہاں آباد پچنہ ان کو شاہی دربار سے عطا ہوا ۔ موصوف کے چند افراد کی قبور راجمو میں موجود ہیں ۔ پھر وہ کسی وجہ سے راجمو کی سکونت ترک کرکے کناوہ میں آ بسے ۔ اور آخر دم تک یہیں رہے اور یہیں مدفون ہوئے ۔ ان کا مزار ایک چھوٹے سے گھنے جنگل کے اندر موجود ہے اور اس جگہ کا نام ہی لوگوں نے گھنا رکھ دیا نواب صاحب موصوف کی شان و شوکت کے قصے مشہور ہیں نواب موصوف کے چار بیٹوں میں سے حسن خاں کی اولاد کناوہ میں رہی ۔ خاندان بھیکم پور کے حالات کے سلسلہ میں ہم نے دکھایا ہے کہ حاجی عبد الشکور خاں (عرف منجھلے خاں صاحب) مرحوم کی تحقیقات کے مطابق (حسب یادداشت مرتبہ مولوی ظفر حسن خاں مرحوم

موجودہ کتب خانہ حبیب گنج) عہد شاہ جہاں میں نواب یوسف خاں اور ان کے بیٹے
کئی ایک گاؤں کے زمیندار تھے یہاں کے حسن خاں متذکرہ بالا کے پرپوتے فاضل خاں کی اولاد میں آج
سے بچاس ساٹھ سال قبل عبدالجلیل خاں بڑے صاحب قبال تھے یہ نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم رئیس دتاولی کے
مختار کل اور ناک کے بال تھے۔ عبدالجلیل خاں نے کناوہ کی سکونت ترک کر کے اپنی حقیقی خالہ زوجہ احمد حسین خاں کی آغوش میں
بمقام دتاولی اور پھر علی گڑھ میں سکونت اختیار کی اور محلہ سرائے حکیم میں پیڑی سکنی جائداد پیدا کی اور اپنے بھائی حاجی عبدالجمیل خاں
کی شادی حاجی فیض احمد خاں مرحوم اور ان کی بیوہ معروف بیگم کی منجھلی بیٹی (مطلقہ حاجی عبدالکفیل خاں بلونہ) کے
ساتھ اور اپنے بیٹے حافظ مصلح الدین خاں کی شادی انھیں عروسہ بیگم
بیوہ حاجی فیض احمد خاں مرحوم کی منجھلی بیٹی کے ساتھ کی جس کی وجہ سے یہ حضرات ریاست
دتاولی میں حصہ دار ہو گئے۔ حافظ مصلح الدین خاں مرحوم کے بڑے صاحبزادے مولوی حاجی
جلیل احمد خاں جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اب پاکستان
مغربی میں ایک عربی مدرسہ میں استاد ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی حاجی سعید احمد خاں ہیں جو بمبرہ
میں مقیم ہیں اور جن کا تذکرہ اس موضع کے سلسلے میں اوپر ہو چکا ہے حسن خاں مرحوم مذکورہ
بالا کے پرپوتے مہابت خاں کی شاخ میں ملیڈو خاں مرحوم ہوئے۔ ان کی مالی حالت
معمولی تھی، مگر ملی اور قومی خدمات کے لحاظ سے وہ اکثر شروانیوں سے ممتاز تھے موصوف نے
اپنی آخر عمر شروانی اسکول چھپرہ کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس درسگاہ کے چلانے
میں ان کا بڑا حصہ تھا۔ فقیروں کے بھیس میں اہل کرم کا تماشا دیکھتے اور ان سے اس
مدرسہ کے لئے مالی امداد حاصل کرتے۔ شروانیوں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر ملیڈو خاں
مرحوم کو خواہ کوئی تکلیف دے یا نہ دے وہ خود پہونچتے اور کھانے کا انتظام اپنے ذمہ لیتے
جس کا ان کو بڑا ملکہ تھا۔ اسی وجہ سے لوگ کہنے لگے تھے کہ ملیڈو خاں کو زنجیروں سے باندھ
دو اور ایک دیگ کھڑکا دو تو زنجیریں توڑ کر دیگ پر پہونچ جائیں گے۔ اور اپنی نسبت یہ کہ کارخانہ
پڑھنے کے بعد جو ملا کھا لیا، ورنہ غم کھایا۔ شعائر اسلام کے ایسے پابند تھے کہ جون کی دھوپ
میں کاشتکاری کا سخت سے سخت کام کرتے اور رمضان کا روزہ بھی رکھتے۔ تقریبات
پر آخر میں شروانی اسکول کے واسطے چندہ کی فرمائش ہوتی جس کو کوئی رد نہ کر سکتا تھا۔

موصوف کے بیٹے علی گڑھ کے مشہور اور ہر دلعزیز اور قابل یونانی طبیب حکیم شبیر احمد خاں ہیں جو اب اس شہر کے محلہ پھیپالہ میں سکونت رکھتے ہیں۔ موصوف نے یہاں سکنی جائداد پیدا کر لی ہے۔ اور قومی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ ان کے بیٹے عزیز احمد خاں حکومت کے مرکزی ایکسائیز میں انسپکٹر ہیں اور معظم خاں صاحب رئیس قلعہ چھرہ کے خویش ہیں۔ حکیم صاحب کے دوسرے بیٹے کراچی میں میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ کسارہ کے چوتھائی حصہ کی مالک ہمت خاں کی اولاد ہوئی جو نواب یوسف خاں سے چوتھی پشت میں تھے۔ ہمت خاں کی شاخ میں ہدایت اللہ خاں مرحوم گذرے جو خوشحال اور باثر تھے جن کی شادی نثار احمد خاں صاحب شروانی سابق وزیر حکومت صوبہ ہذا کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی۔ ہدایت اللہ خاں مرحوم کے ایک داماد برلہ کے حاجی غلام مجتبےٰ خاں ہیں۔ اور دوسرے صوبہ کی حکومت میں مرکزی ایکسائیز میں ملازم ہوئے۔ ہدایت اللہ خاں مرحوم نے ایک باغ قلمی انبہ کا لگایا اور پختہ مکانات تعمیر کرائے۔ غلام مجتبےٰ خاں برلوی کی شادی میں یہاں بڑا مجمع اور بڑی چہل پہل تھی۔ یہاں کے عبدالوحید خاں (عرف چھٹو بھائی) مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی اسکول میں راقم الحروف کے ہم جماعت تھے۔ بڑے ہنس مکھ اور باثر تھے مگر افسوس ہے کہ ایک بیٹی سلطان جہاں زوجہ نذر احمد خاں مرحوم اور ایک بیٹا برکات احمد خاں عرف "منجھلے میاں" چھوڑ کر جلد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہاں کے حاجی امین اللہ خاں کے حاجی مصطفےٰ خاں مرحوم رئیس بوڑہ گاؤں اور نواب حاجی اسمٰعیل خاں رئیس دتاولی سے بڑے گہرے تعلقات تھے (دوستی) تھی سفر حضر میں اُن کے ساتھ رہتے تھے حاجی امین اللہ خاں مرحوم کے بڑے بیٹے حلیم اللہ خاں نے کالجیئٹ اسکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ چھوٹے صاحبزادے ظہور اللہ خاں راقم الحروف کے ہم جماعت رہے۔ یہاں کے حاجی رحیم اللہ خاں کی رشتہ داری راقم الحروف کے موضع سرائے اور اس کے ایک اچھے خاندان میں ہوئی۔ یہاں کے حافظ عبدالسلام خاں شروانی اسکول چھرہ میں استاد اور راقم الحروف کے کرم فرما تھے۔ ان کی خوش مزاجی یاد آتی ہے۔ یہاں کے قدرت اللہ خاں پیر بخش کی وجہ سے قریب جوار کے امیروں نے وسط سنہ ۱۸۹۹ء میں چڑھائی کی اور ان کو شہید کر دیا۔ الغرض قاتلوں کو عبرتناک سزائیں ہوئیں۔ خاندان میں ایک تعلقہ کا بٹا ہوا علاقہ رہا۔ اب یہ موضع بھی تنزل کی یاد ہر کے تغیر سے گذر رہا ہے خدا تعالیٰ فضل و کرم کرے۔

عنایتی

کناوہ سے پور کو چلتے تو موضع عنایتی آجاتا ہے۔ یہ بھی ایک زمانہ میں آپس کی مقدمہ بازی میں مبتلا رہا۔ یہاں کے حصہ دار کی اولاد کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا۔ مگر ان کے بھائی کی اولاد میں محمد خاں گزرے۔ محمد خاں کے پانچ بیٹے ہوئے جن میں سب سے بڑے عنایت اللہ خاں تھے۔ عنایت اللہ خاں نے کچھ عرصہ تک حاجی مصطفیٰ خاں مرحوم رئیس بوڑہ گاؤں کے علاقہ طبیب پورہ کا (جو آخر الذکر کی زوجہ مرحومہ کو ترکہ میں حکیم پور سے ملا تھا) انتظام کیا۔ عنایت اللہ خاں کے منجھلے بھائی شفاعت اللہ خاں تھے جن کے بیٹے شمس الضحیٰ خاں ہیں جو انٹرمیڈیٹ پاس کر کے گوالیار چلے گئے اور برسر روزگار ہو گئے۔ شادی سہارنپور میں ہوئی۔ خدا نے چار بیٹے دیے۔ بی بی نے اولاد کو بہت چھوٹا چھوڑا۔ لیکن شمس الضحیٰ خاں نے اس کچے ساتھ کو بڑے سلیقے سے نباہا۔ دوسری شادی نہ کی اور اپنی جوانی بچوں پر قربان کر دی۔ اعلیٰ تعلیم دلائی تین بیٹے (۱) شفاعت احمد (۲) عنایت احمد (۳) ریاض احمد ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں میں ماشاء اللہ نہایت اعلیٰ اور معزز عہدوں پر ہیں۔ (۴) چھوٹا اپنے بڑے بھائی کے پاس بھوپال میں زیر تعلیم ہے۔ خود بڑے دیندار عبادت گزار اور خدمت خلق خدا سے بادہ کار ہیں۔ کاش شوہروں میں کم سے کم ایسے باپ اور بیٹے بردبار طبعی ہی ہوتے۔ عنایت اللہ خاں کے منجھلے بھائی ہدایت اللہ خاں تھے۔ عرصہ تک منشی حاجی یونس خاں رئیس تاؤلی کے مختار عام اور کارندہ رہے۔ یہ راقم الحروف کے والد مرحوم کے دوست تھے۔ ہدایت اللہ خاں مرحوم کے بیٹے مصطفیٰ اللہ خاں یہاں کے خوشحال اور بڑے زمیندار ہیں۔ انھوں نے علی گڑھ کالجیٹ اسکول میں مڈل تک انگریزی تعلیم حاصل کی۔ گھوڑے کی سواری کے شائق اور جواد ہیں با اثر ہیں۔ موصوف کے بڑے بھائی محمد شریف خاں مرحوم راقم الحروف کے ہم جماعت تھے۔ اور ان کی شرارتیں یاد آتی ہیں۔

عنایت اللہ خاں کے سب سے منجھلے بھائی حمایت اللہ خاں کے چھوٹے بیٹے حکیم ارشاد اللہ خاں یونانی طبیب ہیں اور اب علی گڑھ میں مطب کرتے ہیں۔ ان بزرگ بھائیوں کی اولاد میں ابراہیم خاں (ابن کفایت اللہ خاں عرف تمیز خاں) راقم الحروف کے خاندان میں بیاہے گئے۔ اور اب پاکستان مغربی میں ہیں اور وہاں کاشت سے گزر بسر کرتے ہیں۔ یہاں کے کئی ایک حضرات نے شروانی اسکول چھرہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور اب ان میں سے کئی ایک صاحبان پاکستان مغربی میں چلے گئے ہیں۔ عنایت اللہ خاں مرحوم کی اولاد میں کلیم اللہ خاں مرحوم بھی قابل ذکر ہیں۔ یہ ایک شاعر کفو زوجہ سے پیدا تھے۔ ان میں مخالفت خوب بیانی رہے۔ بڑے ہنگامے میں بیباک تھے اور حکام میں نہایت باعزت تھے۔ ان کی یادگار قصبہ اتیلہ کی خوبصورت جامع مسجد (معروف گنبد والی مسجد) ہے جس کے واسطے موصوف نے بڑی کوشش اپنا روپیہ خرچ کر کے مسجد تیار کیا اور جس کے وہ تادم متولی رہے۔

راقم الحروف سے بھی کرم فرما تھے۔ بڑے صادق مخلص اور زاہد و بے ریا تھے۔ دین کے معاملہ میں بیٹوں تک کے روادار نہ تھے۔

گھونہ

موضع عنایتی سے ذرا اور آگے پورب کی طرف بڑھئے تو موضع گھونہ ملے گا۔

یہاں کے مورث اعلیٰ محمد کریم خاں بھیسولی سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ گھونہ اسی وجہ سے کہلائی کہ یہاں ایک زمانہ میں جنگل جھاڑیاں بڑی گھنی تھیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے شروع سے لے کر اس صدی کے وسط تک دیگر شروانی دیہات کی طرح یہ موضع بھی آپس کی مقدمہ بازی کا شکار رہا جس سے آپس کے تعلقات پر بڑا خراب اثر پڑا اور اب تک جاری رہا۔ یہاں کے نور اللہ خاں، کرامت اللہ خاں، شیراز خاں برادری میں بہت بااثر اور باعزت تھے۔ نور اللہ خاں ریاست دادوں میں چند واضح کے کارندے اور مختار عام رہے۔ احمد سعید خاں مرحوم بسہرہ کے بڑے دوستوں میں تھے، اُن کے بیٹے لطافت اللہ خاں ایک زمانہ میں شروانی اسکول چھرہ میں زیر تعلیم رہے۔ اور یہ مدرسہ اُن کی شرارتوں کا جولانگاہ تھا۔ شیراز خاں کی بیٹی عزیز الرحمٰن خاں ابن فقیر اللہ خاں مرحوم سے لکن پور دہ کو بیاہی گئیں۔ عزیز الرحمٰن خاں کے بیٹے امان الرحمٰن خاں اب بسلسلہ تجارت کاسگنج ضلع ایٹہ میں مقیم ہیں۔ صاحب ثروت اور برادری اور حکام میں بارسوخ ہیں اور وہاں مکانات تعمیر کرا لیے ہیں۔ یہاں کے محمد احمد خاں ایک عرصہ تک نگر باشو گر فیکٹری میں ملازم رہے۔ اور بااثر ہیں۔ امان الرحمٰن خاں کے بھائی مخلص الرحمٰن خاں نے بھی کاسگنج میں مکان تعمیر کرا لیا اور وہاں مقیم ہیں۔ یہاں کے کئی ایک شوقین حضرات کے موضع کے آس پاس عمدہ قسم کے قلمی آم کے باغات لگائے ہیں۔ اس موضع کی جوار میں بڑی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے کئی ایک شروانی حضرات سرطان کے پھوڑے کا بے مثل اور کامیاب علاج کرتے ہیں۔ ان حضرات کے ہاتھ ایک سستا نسخہ لگ گیا ہے۔ مگر جب مریض کا علاج کرتے ہیں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ حتیٰ کہ اس کے یہاں کھانا بھی نہیں کھاتے۔ مگر بلائے جانے پر جاتے ضرور ہیں۔ عبد الکافی خاں، عبد الباقی خاں، عبد المتین خاں بھی بااثر لوگوں میں سے ہیں۔

بھرسولی - طبال پور

اسی جوار میں شروانی دیہات بھرسولی اور طبال پور واقع ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی بستیاں چند مکانات کی ہیں۔ ان کے متعلق راقم الحروف کو کوئی خاص حالات اور شجرے معلوم نہ ہو سکے۔ بھرسولی کے نمبردار عبدالغفور خاں، عبدالحکیم خاں اور ان کے بھائی اسد علی خاں مرحومین برادری میں با اثر تھے، اور ملنسار۔ کاشت کاری سے گذر بسر کرتے تھے۔ یہاں کی بڑی زمیندار تصدق احمد خاں مرحوم بیرسٹر ایٹ لا کی اہلیہ ہیں۔ یہاں کے حکیم حاجی بشیر احمد خاں مرحوم طبیہ کالج دہلی کے تعلیم یافتہ مشہور یونانی طبیب ہوئے۔ ایک عرصہ تک نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں کی ریاست میں امراء غرباء کے علاج سے لوگوں کی خدمت کرتے رہے۔ مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ ان کے بڑے بیٹے بشیر احمد خاں بھی یونانی حکیم ہیں۔

بھرسولی کے ملحقہ موضع طبال پور کی رشتہ داریاں راقم الحروف کے وطن میں ہیں۔ قدیم سے یہ رشتہ داریاں چلی آتی ہیں۔ یہاں کے دو صاحبوں نے شروانی اسکول چھرہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، مگر ان کی عمروں نے وفا نہ کی۔ یہ موضع بھی اب تباہ حال ہے۔ آخری زمانہ میں احمد یار خاں یہاں مشہور اور با اثر ہوئے۔ بھرسولی میں شروانی الُوا سے آکر بسے۔

دھنساری

اب ہم پوربی شروانی علاقہ سے چل کر پھر پچھم میں آتے ہیں۔ یعنی قصبہ چھرہ رفعت پور کے قریب دھنساری میں جو ایک زمانہ میں بڑا بارونق تھا۔ مگر اب جہاں صرف چند شروانی گھرانے رہ گئے ہیں۔ بھیکم پور کے صدرِ اعلیٰ سرفراز خاں کی شادی اسی موضع میں ہوئی تھی (جیسا کہ شروانی نامہ حصہ اول سے معلوم ہوگا)۔ اس موضع پر کبھی جاٹوں کا قبضہ رہا اور کبھی گوسائیوں کا۔ اور آخر میں گوسائیوں سے شروانیوں نے خرید لیا۔ اب حال میں یہ موضع نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کی زمینداری میں رہا۔ جاٹوں نے یہاں ایک گڑھی کی بنیاد ڈالی تھی مگر وہ نامکمل رہی۔ بقول ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ اس موضع میں غوری پٹھان بھی آباد تھے۔ یہ غالباً کاشتکاری پیشہ ہوں گے۔

زمیندار نہ تھے۔ اس کے ملحقہ موضع بھوری میں عوزی قبیلہ کے کاشتکار موجود ہیں جو اب مفلوک الحال ہیں۔ اور "کسان" کہلاتے ہیں۔ اس موضع کی آراضی پر نواب محمد مزمل اللہ خاں مرحوم نے کپاس اور روئی کا کارخانہ کھولا جس نے بہت ترقی کی۔ اور موضع کی آراضی پر بازار احمد گنج قائم کیا۔ یہ سب اب غیروں کے قبضہ میں ہیں۔

حال میں یہاں ارشاد علی خاں اور عبدالہادی خاں کے خاندان ممتاز ہوئے۔ ارشاد علی خاں گھوڑے کی سواری کے شائق تھے۔ بڑے خوش خلق اور باتدبیر تھے۔ اور نواب سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم سے گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ یہاں کے شروانیان کی شاخیں شادی خاں سے جو ارشاد علی خاں کے دادا تھے اور ثابت خاں سے چلیں۔ آخر الذکر کی اولاد کا سلسلہ وسیع تھا۔ ارشاد علی خاں کے چچا نوازش علی خاں کے تعلقات رؤسائے دادوں، بھیکم پور سے گہرے تھے۔

چھترہ رفعت پور

ہم مغرب کی طرف موضع دھنساری کی حدود سے باہر قدم رکھتے ہیں تو پختہ سڑک علی گڑھ دادوں کی دوسری جانب ہم کو قصبہ چھترہ رفعت پور کی گنجان آبادی اور بازار ملتے ہیں۔ یہ تاریخی مقام ہے۔ یہ غالباً ایک ہزار صدی عیسوی کا وہی چھترا ہے جس کا ذکر اس سنسکرت کے کتبہ میں ہے جس کا ذکر ہم نے کول کے سلسلہ میں اور ابراہیم لودی کے عہد میں کیا ہے۔ اور جب گوبند چندر راٹھور۔ راجہ قنوج نے مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے ایک مہا برہمن کو دیگر مواضعات کے ساتھ نہان کے موقعہ پر بخش کیا تھا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا تماشا دیکھئے کہ یا تو یہ چھترا چھتروں کا ایک نگر اتھا یا اب قصبہ چھترہ رفعت پور ہے۔ رفعت پور کا نام بعد میں مسلمانوں کے عہد میں شامل ہوا جیسا کہ دیگر بستیوں کے ساتھ عمل ہوا۔ بقول شاعر ؎

زمیں چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا!
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے!!

اس قصبہ کے بازار سے ہم کو ذرا آگے بڑھتے تو جاٹوں کا بنایا ہوا پرانا قلعہ ملتا ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اس کی دو چار فصیلوں کے نشان رہ گئے ہیں۔ باقی دیواریں منہدم

ہوگئیں۔ زمانے نے ایسے پلٹے کھائے کہ جاٹ حکومت اور جاٹوں کا قلعہ دونوں ٹھنڈے ہوگئے بلکہ ان کے جانشین گوسائیں اور مرہٹے اور اسلامی۔ انگریزی حکومت بھی ختم ہوگئی۔ ؎

بیک گردش چرخ نیلوفری
نہ نادر بجا ماند و نے نادری

خیر یہ تو معترضہ جملے ہیں۔ اسی قلعہ سے ملحق گوسائیوں کا وہ مندر ہے جس میں چور طاق پوشیدہ دفینہ رکھنے کے واسطے تھا۔ اسی قلعہ کے اندر شروانی اسکول چھرہ کی عمارت ہے۔ جس کا بورڈنگ ہاؤس تو شکستہ ہوگیا صرف تعلیم دینے کے کمرے باقی ہیں جن میں اب تک ایک اسلامیہ مکتب اور دیہاتی انگریزی، ہندی کی ابتدائی جماعتوں کا مدرسہ ہے۔ اس اسلامیہ مکتب کے قیام کے بارے میں مولانا فیض الدین ملجی کرلوی مشہور بانی اسلامی مسافر خانہ کی کوششیں قابل تحسین ہیں۔ اسی شکستہ قلعہ کے اندر یہاں کے زمیندران سابق یعنی شروانیان آباد ہیں۔ یہاں کے حال کے شروانیوں میں اللہ وردی خاں، سلیمان خاں، کفایت اللہ خاں، محمد یار خاں نمبردار، محمد علی خاں۔ ممتاز اور قابل ذکر ہوئے۔ بالخصوص سلیمان خاں اور محمد یار خاں مرحومین جنہوں نے شروانی اسکول کے واسطے مفت آراضیاں دیں۔ اور جو اس درسگاہ سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ اس کے روزانہ انتظام کی نگرانی رکھتے تھے۔ ان حضرات نے مدرسہ کو مالی امداد بھی بہت دی۔ سلیمان خاں صاحب مرحوم نے ایک رفیع الشان اور خوبصورت مسجد معہ حوض، چاہ پختہ، اور حجرہ جات کے اس قلعہ میں تعمیر کرائی۔ اور وہ باہر کے کئی ایک خاندانوں کی پرورش کرتے تھے۔ سلیمان خاں صاحب اور محمد یار خاں صاحب مرحوم نے وسیع پختہ حویلیاں اور نشست گاہیں تعمیر کرائیں۔ فقرا و غربا ان کے یہاں سے فیض یاب ہوتے تھے۔ کفایت اللہ خاں مرحوم گوشہ نشین پرانی قطع وضع کے آدمی تھے۔ اور لوگوں سے ملنے جلنے میں گھبراتے تھے مگر شروانی اسکول کے وہ بھی ہمیشہ مددگار رہے۔ اللہ وردی خاں مرحوم وہی ہیں جن کے یہاں شادی کے موقع پر سب سے پہلے داؤد خاں، خان زماں خاں مرحومین رؤسا کے حکم پر تحریک خلاف شرع رسوم اور رقص و سرود کا ترک شروع ہوا جو بحمد اللہ اب تک جاری ہے۔ اب یہاں حاجی مولوی عبد الحمید خاں کی وجہ سے کچھ رونق باقی ہے۔ یہ در اصل خاندان برلہ

کے شروانی ہیں۔ اول ان کی شادی محمد یار خاں نمبردار کی بیٹی کے ساتھ ہوئی جن کے بطن سے محمد معظم خاں پیدا ہوئے۔ زوجہ اولیٰ کے انتقال کے بعد سلیمان خاں مرحوم کی بیٹی کے ساتھ حاجی عبدالمجید خاں کا عقد ہوا۔ اور اول الذکر کی جائداد کے مالک اور منتظم وہی ہوئے اور چھیرہ میں آ بسے۔ حاجی مولوی عبدالمجید خاں کے بیٹے معظم خاں ہیں جو اپنے نانا محمد یار خاں مرحوم کے وارث اور اُن کی جائداد کے منتظم اور مالک ہوئے۔ معظم خاں بڑے اچھے شاعر ہیں۔ مشاعروں سے ان کو ذوق ہے۔ کلام اُن کا فصیح اور بامذاق ہے۔ اُن کے دم سے دو تین مرتبہ قلعہ چھیرہ میں مشاعروں کے پُررونق جلسے رہے۔ اور ان میں سے دو میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ علاوہ کافی داد پانے کے شعرا نے نعم گوناگوں اور اغذیہ بوقلموں سے خوب لطف اٹھایا۔ ایک مشاعرہ میں جو رات بھر رہا نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی صدر تھے۔ اس میں حاجی غلام محمد خاں عاقلی مرحوم رئیس دادوں اور راقم الحروف کے عزیز حاجی محمد اسحاق خاں مائل بریلوی۔ مولانا محمد احسن مارہروی مرحوم بھی شریک تھے۔ بھانت بھانت کے شعرا نے لطف کو دوبالا کر دیا۔ چند سال کا واقعہ ہے کہ حکیم شبیر احمد خاں صاحب کوڑی کے صاحبزادہ کی برات معظم خاں کے یہاں آئی۔ تو وہ بارات رات کے گیارہ بجے پہونچی۔ سب کی آنتوں نے قل ھو اللہ پڑھی۔ مگر دوسرے دن کی دعوت نے سب کسر پوری کر دی۔ اس موقعہ پر بڑی چہل پہل رہی۔ یہاں کی رونق سابقہ بھی منسوخی زمینداری کی وجہ سے چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح بدل گئی۔ یہاں کے کئی ایک شروانی گھرانے بن کر بگڑ گئے۔ اور ایسے بگڑے کہ اُن کے مکانات صرف کھنڈروں کی صورت میں ان کی یاد دلاتے ہیں۔ اس موضع کے پٹھانوں کی رشتہ داریاں حسن پور، برلہ اور دیگر دیہات میں ہیں۔ مگر برلہ سے تعلقات گہرے ہیں جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا۔ سابقہ شروانی اسکول کا ذکر پیدا دیکھ ہے۔

برلہ و سرائے

اب یہاں سے چل کر ہم اپنے وطن برلہ میں پہونچتے ہیں۔ برلہ کا مزرعہ سرائے اُسی کے پاس ہے جو راقم الحروف کا مسقط الراس ہے۔ اگرچہ اب فروغ راقم الحروف کا قیام زیادہ تر علی گڑھ میں رہتا ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا معیوب ہے۔ اس لئے بلا کسی باجہ

اختصار سے کام لیا جاوے گا۔ اگرچہ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ برلہ ایک زمانہ میں کئی ایک وجوہ سے برادری میں چوٹی کا موضع تھا۔ اور اب تو یہ حالت ہے کہ ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

راقم الحروف کے وطن سرائے پر تو وبائے طاعون کا اثر پڑا جس نے اس کو ویران کر دیا۔ یہاں سے اور برلہ سے پرانے شرفائوں کے اُٹھتے ہی افلاس نے قبضہ جمایا اور دونوں موضعوں کی بہاریں خزاں سے بدل گئیں صرف چند پختہ مکانات باقی رہ گئے۔
حال میں کچھ لوگ دونوں جگہوں سے ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے۔ برلہ اور سرائے کے پٹھانوں سے جو مقدمہ بازی ملکیت جائداد کے بارے میں انیسویں صدی کے اول ربع میں ہوئی اس کا حال ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ غالبًا برلہ کے مورثان اور اس مقدمہ کے مدعا علیہم کی یہ ذمہ داری کہ ان مواضعات کے مورث اعلیٰ ایک ہی نہ تھے، ڈسٹرکٹ گزیٹیر علی گڑھ کی اس روایت کی ذمہ دار ہے کہ برلہ کے پٹھان شروانی نہیں ہیں۔ بلکہ درانی ہیں جن کو احمد شاہ درانی نے جنگ پانی پت سے قبل اور کول سے واپس جاتے وقت ان اطراف میں چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے خود اوپر دکھایا ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ اور قرین قیاس نہیں۔ اس کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اور بالآخر عدالت سے بھی قرار پایا کہ دونوں ایک ہی خاندان کے ہیں۔ اور دونوں کو جائداد متدعویہ میں حصہ ملا۔ برلہ کے مورثان میں زمانہ سابق میں چند ہستیاں ممتاز ہوئیں جیسا کہ معروف الله خاں ہیں جنہوں نے ملحقہ موضع الله پور لیا جو عرصہ تک برلہ والوں کی زمینداری میں رہا۔ اور پھر اعجاز کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور شکوفاں جنہوں نے ننگل پور آباد کیا جو اب تک برلہ سرائے کے شروانیوں کی زمینداری میں رہا۔ ان دونوں بزرگوں کی اولاد میں امام خاں (جو ہادی یار خاں رئیس دادوں کے خسر تھے) اور ان کے بیٹے حافظ نور خاں اور شاہ محمد خاں مشہور ہیں۔ حافظ نور خاں مرحوم کے تین بیٹوں میں حاجی عبدالواسع خاں مرحوم چند سال قبل تک زندہ رہے اور شاہ محمد خاں کے بیٹے حاجی اسحاق خاں مائل تخلص کا انتقال بھی حال ہی میں ہوا۔ زمانہ حال میں حاجی عبدالواسع خاں بلحاظ سب با اثر ہر دلعزیز تھے اکثر لوگوں کے تنازعات فیصل کرتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک ریاست دادوں میں منصرم رہے۔ اپنی نیل کی کوٹھی چلائی۔ مگر اس میں نقصان کی وجہ سے

اپنی جائیداد کو مقروض چھوڑا۔ موصوف نے ایک پختہ حویلی تعمیر کرائی باغ لگایا جو اُن کے ورثا کے قبضہ میں ہے۔ حاجی محمد اسحاق خاں ناظم مرحوم ہادی یار خاں مرحوم رئیس دادوں کے خولیش تھے۔ اور اس ریاست سے اُن کی اہلیہ مرحومہ کو ترکہ ملا۔ موصوف متواضع خلیق خوش پوشاک اور خوش خوراک تھے۔ مہمان داری کا سلسلہ اُن کے یہاں رہتا تھا۔ ایک عرصہ تک آنریری مجسٹریٹ رہے۔

اُن کی ایک بیٹی مولوی حاجی محمد جالن خاں دادوں کی زوجہ اولی تھیں۔ اور دوسری بیٹی نواب ابوبکر خاں مرحوم کی بیوہ ہیں۔ موصوف نے وسیع پختہ حویلی اور کوٹھی برلہ میں تعمیر کرائی۔ اور باغ لگایا جو ختم ہو گیا۔ موصوف اچھے اُردو کے شاعر تھے اور داغ سے تلمذ حاصل کیا۔ ایک دیوان اور حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ طیبہ کا سفر نامہ اپنی یادگار چھوڑے۔ موصوف نے دو ایک مرتبہ برلہ میں بڑے زور کے مشاعرے منعقد کئے۔ ان دونوں حضرات کے زمانہ میں برلہ میں بڑی رونق رہتی تھی۔ حاجی عبدالواسع خاں مرحوم نے چار بیٹے چھوڑے یعنی سب سے بڑے محمد عزیز خاں اور اُن سے چھوٹے شعیب خاں نیز مرحوم اُن سے چھوٹے راقم الحروف کے خولیش ادریس خاں ہیں جو برلہ میں مقیم ہیں۔ اُن سے چھوٹے مغیث احمد خاں۔ آخر الذکر مشرقی پاکستان میں ریلوے میں بجلی کے انجینیر ہیں اور وہیں کے ہو رہے۔

حاجی محمد اسحاق خاں کے بیٹے حاجی غلام مجتبیٰ خاں کا قیام برلہ میں ہے۔ ان کا بڑا بیٹا پاکستان مغربی یعنی سندھ میں ملازم ہے۔ حاجی عبدالواسع خاں مرحوم کے بھانجے عبدالواحد خاں، عبدالقدیر خاں اور عبدالکبیر خاں مرحوم تھے۔ اور عبدالماجد خاں عبدالقدیر خاں ایک عرصہ تک ریاست ہائے دادوں دلواب سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم میں کارندے رہے۔ مگر افسوس کہ ان کو اور اُن سے چھوٹے بھائی حافظ عبدالکبیر خاں کو چند بدمعاشوں نے بیک وقت شہید کر دیا۔ راقم الحروف کے عزیز اور ساتھ کے کھیلے ہوئے۔ عبدالماجد خاں مرحوم نے شروانی اسکول چھیرہ اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ اور پھر سب انسپکٹر پولیس مقرر کئے گئے۔ مگر ایک زمانہ میں جو شیلے تھے اور آخر میں مذہبی تھے۔ ۱۹۲۱ء میں خلافت کی تحریک کے سلسلہ میں استعفیٰ دے دیا۔ سرایت افسران نے استعفیٰ واپس لینے کے واسطے اصرار کیا مگر ایک نہ سنی۔ پھر درگاہ حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ بہرائچ کے منیجر ہوئے اور وہیں ملازمت ہے۔ راقم الحروف کے بزرگ مولوی حاجی شمس الدین خاں جو ایک عرصہ تک

مکہ معظمہ میں رہے۔ اپنے علم اور تقدس کی وجہ سے جوار میں مشہور تھے۔ اُن کے بھائی قطب الدین
خاں (جو اپنے اوراد کی وجہ سے پیر جی مشہور تھے) خوب آدمی تھے۔ انگریزوں سے بڑی
نفرت رکھتے تھے۔ اُن کے بیٹے برلہ میں مشہور پہلوان ہوئے۔ مولوی حاجی شمس الدین خاں
کی شاخ میں اب صرف منعم خاں نمبردار اور دو چار پٹھان برلہ میں رہ گئے ہیں۔ کچھ پاکستان کو ہجرت
کر گئے۔ اور کچھ اس دنیا سے سدھار گئے۔ یہاں ایک زمانہ میں عبد الحمید خاں اور ان کے
بھائی سعید خاں نمبردار مرحوم بڑے متمول اور منتظم گذرے۔ سعید خاں مرحوم کے بڑے بیٹے حاجی
مولوی عبد المجید خاں جیرہ میں جا کر بس گئے۔ اور اس موضع کے سلسلہ میں ان کا تذکرہ اوپر آیا ہے۔
یہاں کے عمر خاں میاں مرحوم کے بیٹے عبد الرزاق خاں مرحوم مشہور ہوئے۔ ایک زمانہ میں عرب
گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ اُن کے بیٹے حاجی عبد السلام خاں (جو راقم الحروف کے خاندان
میں شادی کی وجہ سے سراسے میں بس گئے ہیں) ممتاز ہوئے۔ ماشاء اللہ دو مرتبہ حج بیت اللہ
شریف سے مشرف ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں مرحوم کے آگرہ اور
علی گڑھ میں کارندہ رہے۔ زمانہ سابقہ میں رونق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں انگریزوں کی
تجارت پیشہ (مگر آخر کی ملک گیر) ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ سے یہاں انگریز تاجروں کی نیل
کی کوٹھی اور کارخانے رہے۔ ان کی وجہ سے انگریز حکام اور بعض زمانے تک والیان یہاں آتے
رہتے تھے۔ اور عیسائی تیوہار کرسمس میں تو بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ برلہ میں شورش ۱۸۵۷ء
کے زمانہ میں بڑی لوٹ مار اور دھم رہا۔ یہاں کا اس وقت کا موجودہ انگریز بھاگ گیا۔ اور
ایک مالدار تجارت پیشہ بنیا قتل کیا گیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ برلہ سراسے کے پٹھان اس شورش سے
اپنا دامن بچا کر دیگر مقامات پر چلے گئے۔ ورنہ وہ بھی انگریزوں کی دارو گیر سے محفوظ نہ رہتے۔
اسپاتل کا کارخانہ تو ٹھنڈا ہو گیا۔ مگر انگریزوں کی کوٹھی شکستہ حالت میں یہاں موجود ہے
جس میں اب اردو کا مدرسہ ہے۔ جو ابتدا میں عربی فارسی مذہبی تعلیم کے واسطے مدرسہ عربیہ
یعقوبیہ کے نام سے قائم ہوا۔ اور ایک حصہ میں سرکاری مڈل اسکول ہے۔ اس عربی فارسی
کے مدرسہ کے بانی راقم الحروف کے چھوٹے (مگر اس سے علم و فضل میں بڑے) حقیقی بھائی
مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم تھے۔ مرحوم نے سنہ ۱۳۲۰ھ میں اس تعلیم گاہ کی بنا ڈال کر

ہم سب پر احسان کیا۔ موصوف کے زمانہ میں اس درسگاہ نے بڑی ترقی اور رہائت کی خدمت کی۔ حاجی موسےٰ خاں مرحوم رئیس دتاولی اور ان کی ایک ہمشیرہ اور مریم بیگم دختر عروسہ بیگم متذکرہ بالا نے اس مدرسہ کے حق میں اُن اراضیات کو وقف کر دیا جو کارخانہ نیل کی کوٹھی کے احاطہ کے اندر ان کی ملکیت میں تھیں۔ ایک زمانہ میں ان سب اراضیات کے مالک دراصل یہاں کے زمینداران تھے۔ مگر ان انگریزوں نے جبرہ دستی سے اُن پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور کسی کی مجال نہ تھی جو اُن سے نکالتا۔

جب یہاں کا آخری انگریز اسمتھ یہاں سے چلنے لگا تو اپنی اس ملکیت کو حاجی یعقوب خاں مرحوم رئیس دتاولی کی ریاست کے کورٹ آف وارڈس کو کلکٹر ضلع کی مدد سے فروخت کر گیا۔ جب حاجی یعقوب خاں مرحوم کا انتقال ہوا تو یہ کوٹھی اور اراضیات اُن کے ورثار کے حصہ میں آئیں۔ جن میں سے بعض حضرات نے مدرسہ کے حق میں اپنے حصے وقف کر دیئے۔ جو اب تک قائم رہے۔ مگر حکومت کی نئی اسکیم میں معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم مدرسہ عربیہ دیوبند کے فارغ التحصیل تعلیم یافتہ تھے۔ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حاجی مولوی الیاس خاں مرحوم کی جانفشانی، دلچسپی اور حسن انتظام کی وجہ سے اس درسگاہ کے سالانہ جلسوں میں ایک مرتبہ نواب سر حاجی مزمل اللہ خاں مرحوم نے اور ایک مرتبہ حاجی موسےٰ خاں مرحوم نے صدارت فرمائی۔ اور دونوں حضرات نے بڑے بصیرت افروز مفید خطبے دیئے۔ شروع میں یہاں فارغ التحصیل عالم مذہبی عربی تعلیم کے واسطے تعینات تھے۔ مگر چونکہ اس تعلیم گاہ کی جڑ کمزور تھی۔ چندوں پر اس کا کام چلتا تھا۔ اس لیے مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم کے انتقال کے بعد وہ اپنی ابتدائی حالت پر قائم نہ رہ سکا۔ اور نہ پھر اس کو کوئی مولوی صاحب مرحوم جیسا منتظم مل سکا۔ اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ مولانا فیض الدین بلخی صاحب کولوی کی نگرانی میں چل رہا ہے۔ کچھ سرکاری امداد ملتی ہے۔ اور کچھ مولانا موصوف انجمن حزب اللہ علی گڑھ کے سرمایہ سے اخراجات کو کسی نہ کسی طرح پورا کرتے ہیں۔ مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم کے بعد کچھ دن تک اس مدرسہ کا کام شعیب خاں مرحوم برلوی نے انجام دیا۔ اور پھر کچھ نگرانی حاجی عبدالسلام خاں رکھتے رہے۔ مولوی حاجی الیاس خاں مرحوم کا وقت عبادت الٰہی۔ پند و نصائح

وعظ اور مدرسہ کے انتظام میں گذرتا تھا۔ موثر مقرر تھے۔ تحریر کے بھی دھنی تھے مگر عمر نے وفا نہ کی۔ اور تقریباً پچپن سال کی عمر میں رمضان المبارک ۱۹۲۷ء میں ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ حج بیت اللہ شریف سے واپسی کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور ان کاموں کو چھوڑ کر باہر بہت کم جاتے تھے۔ برلہ سے ملحق راس کا مزرعہ سرائے گ ہے جو راقم الحروف کا مولد اور وطن ہے۔ اس بستی کی پرانی تاریخ تو بتانا مشکل ہے مگر جیسا کہ نام سے ثابت ہے مسلمانوں کی بسائی ہوئی جگہ ہے۔ یہاں کچھ پرانی عمارتوں کے آثار موجود ہیں۔ اور اس سے ملحق اور موضع کی حد کے اندر ایک پرانا گنج شہیداں ہے۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ شہدا کے یہ مزارات کس زمانہ کے ہیں۔ اسی گنج شہیداں سے آگے بڑھ کر ایک پرانا کھیڑا ہے جس پر قدیم آبادی کے نشانات موجود ہیں اور گوسائیوں کا ایک مندر بھی تھا۔

ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ برلہ سرائے گ کے شروانیوں کا اور پروره وغیرہ کے شروانیوں کا نکاس ایک ہی مورث اعلیٰ سے بتایا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ یہاں کے شجروں سے جو اس کتاب کے آخر میں درج ہیں معلوم ہوگا۔ یہاں کے مورث اعلیٰ بھی دیگر شروانیوں کی طرح پٹھان بادشاہوں کی حکومت کے زمانہ میں ان اطراف میں آئے۔ یہاں کی مقدمہ بازی کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ اس مقدمہ بازی کے زمانہ میں سرائے گ کے سب سے زیادہ ممتاز پٹھان راقم الحروف کے پردادا گل خاں تھے جن کی پیدائش اس مقدمہ کی تجویز کے مطابق سنہ ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ قرار پائی ہے۔ گل خاں مرحوم کے چار بیٹے ہوئے جن میں سب سے بڑے راقم الحروف کے نانا حاجی سرفراز خاں تھے۔ امام خاں برلہ کے خلیش اور ہادی یار خاں رئیس دادوں کے ہم زلف تھے۔ حاجی سرفراز خاں مرحوم برادری میں ممتاز اور با اثر تھے۔ وتاولی کے چند مواضعات حاجی سرفراز خاں مرحوم اور ان کے بھائیوں کے ٹھیکے میں تھے۔ اور ان مواضعات کی دیکھ بھال کا کام راقم الحروف کے والد بزرگوار حافظ عبدالحئی خاں مرحوم کرتے تھے۔ حاجی سرفراز خاں سے چھوٹے حاجی خاں مرحوم راقم الحروف کے دادا تھے۔ مرحوم کو کئی ایک دستکاریوں میں ملکہ تھا۔ بڑھئی کا کام، معمار کا کام، کپڑے چھاپنے کا کام، گھڑی سازی جانتے تھے نیل کے کارخانے چلانا بھی جانتے تھے۔ فن طباخی اور طرح طرح کی مٹھائیاں بنانے میں

مشہور تھے۔ خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔ اور اُن کے حصہ کی سب آمدنی اسی میں صرف ہوتی تھی۔ راقم الحروف کے خاندان کے مسکونہ مکانات سے ملحق گلابی باغ انھیں کی یادگار تھا۔ موصوف کشتے اعلیٰ درجہ کے پھونکتے تھے۔ اور بالآخر ایک کشتہ زیادہ مقدار میں کھا جانے سے کشتہ ہوئے۔ برادری (خصوصاً دتاولی) کی شادیوں میں باورچی خانہ کا انتظام کرتے تھے۔

حاجی خاں مرحوم سے چھوٹے جمعیت خاں مرحوم تھے۔ جو اپنے تن و توش کی وجہ سے موٹے میاں مشہور تھے۔ یہ بڑے نیک سیدھے سادھے اور رقیق القلب تھے۔ ایک مدت تک نواب حاجی اسماعیل خاں اور حاجی عیسیٰ خاں مرحومین کے کارندہ رہے۔ ان سے چھوٹے، ہدایت اللہ خاں تھے۔ بے تحاشہ خرچ تھے۔ اور اپنی جائداد کو مقروض چھوڑا۔ برلہ کے انگریز اسمتھ کو ہر بار کرسمس کے موقع پر بیش قیمت ڈالیاں دیتے تھے جن کی چیزوں میں راقم الحروف اور اس کے ہم عمروں کو بھی حصہ ملتا تھا۔ اور جن کا بجز اسراف کے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یہ کلکتہ میں نیل کی فروخت میں ماہر تھے۔ اور اسی وجہ سے نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم کا نیل اکثر یہی فروخت کرتے تھے۔ کلکتہ سے طرح طرح کی چیزیں لاتے اور ہم سب کو بانٹتے تھے۔ راقم الحروف کے والد بزرگوار حافظ عبدالحی خاں بڑے نیک دل اور جفاکش تھے۔ راقم الحروف کو شروع میں خود ابتدائی عربی کا درس دیتے تھے۔ مگر میری بدقسمتی سے وہ جاری نہ رہ سکا اور بالآخر کالیجیٹ اسکول میں داخل کرا دیا۔

راقم الحروف کے والد مرحوم ایک مدت تک مولوی حاجی یونس خاں مرحوم رئیس دتاولی کے کارندہ اور مختار عام رہے۔ اس ریاست کا جو بار احسان راقم الحروف کے خاندان پر ہے اس سے ہم کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ راقم الحروف کے ماموں عبدالملک خاں مرحوم جوانی میں اس دنیا سے سدھار گئے۔ اُن کا بڑا بیٹا حبیب الرحمٰن خاں اب پاکستان میں ہے۔ جمعیت خاں مرحوم کے بڑے بیٹے وفاتی خاں مرحوم بڑے جلال کے آدمی تھے۔ ایک مدت تک حاجی یوسف خاں مرحوم رئیس دتاولی کے کارندہ رہے۔ برادری میں با اثر اور ہر دلعزیز تھے۔ وفاتی خاں مرحوم کے بیٹے عبدالسلام خاں اور اُن کے چچا زاد بھائی حبیب الرحمٰن خاں ابن عبدالجبار خاں مرحوم موضع سرائے میں خاندان کی طرف سے

معاملات میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اول الذکر کول میں ایک وکیل صاحب کے محرر ہیں۔ اور آخر الذکر حاجی مونس خاں مرحوم کی ریاست کا کام کرتے ہیں۔ خدا تعالے ان کو خوش وخرم اور عرصہ تک سلامت رکھے۔ ہدایت اللہ خاں کے بیٹے جلد دنیا سے اٹھ گئے۔

راقم الحروف کے ایک چچازاد بھائی یامین خاں اور ایک ماموں زاد بھائی کاشتکاری سے گذر کر رہے ہیں۔ کچھ اعزا پاکستان چلے گئے۔ ہدایت اللہ خاں مرحوم کے ایک پوتے مطیع اللہ خاں بلند شہر میں محکمہ زراعت کے ہیڈ کلرک ہیں۔ اس موضع سرہے کے دیگر شیروانی حضرات اب انحطاط کی حالت میں ہیں۔ اور کاشتکاری پر گذر بسر ہے

راقم الحروف اپنی بابت کیا عرض کرے۔ بجز اس کے وہ ننگ خاندان ہے اور اس ناچیز کتاب کے ذریعہ شیروانیوں کی گذشتہ عظمت، حال کی تباہی کا حال اور اسلاف کی داستانیں سنا کر اپنا دل بہلاتا رہتا ہے اور ست

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ راقم الحروف کی پیدائش سنہ ۱۸۸۳ء کی ہے۔ اپنے گھر پر ایک عزیز حافظ مرحوم سے کلام پاک پڑھ کر فارسی کی ابتدائی تعلیم شیخ حبیب اللہ مرحوم کولوی سے حاصل کی۔ اور خاندانی رواج کے خلاف کالیجیٹ اسکول علی گڑھ کی ابتدائی جماعت میں انگریزی تعلیم کے واسطے داخل کر دیا گیا۔ شروع میں اپنے شفیق بزرگ جمعیت خاں مرحوم کے ساتھ ڈگی والی کوٹھی (حال نشاط) میں مقیم رہا۔ اور سنہ ۱۹۰۱ء سے کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں اقامت اختیار کی۔ اور یہیں سے سنہ ۱۹۰۴ء میں بی اے کی سند حاصل کی۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں چند ماہ تک نواب حاجی حبیب الرحمن خاں صدر یار جنگ مرحوم کی شفقت کی وجہ سے اعزازی طور پر شیروانی اسکول چھیرہ میں ہیڈ ماسٹری کی خدمات انجام دیں۔ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء میں بعض شیروانی زعماء اور روسا کی سفارش پر صوبہ کی حکومت نے راقم الحروف کو نائب تحصیلدار مقرر کر دیا۔ چند روز تک تحصیلدار اور سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ اور دیگر کارہائے خاص پر تعینات رہ کر سنہ ۱۹۲۰ء سے جنوری سنہ ۱۹۳۸ء تک ڈپٹی کلکٹر رہا۔ مگر دوران جنگ کی کارکردگی میں چند درمیانی دھوں

کو پیدرنگ چھوڑ کر اوپر کے درجوں پر ترقی پائی ۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سنہ ۱۹۱۵ء سے سنہ ۱۹۱۷ء تک راقم الحروف اور صابر علی خاں صاحب شروانی ایم اے ایل ایل بی سابق ڈپٹی کلکٹر اور نثار احمد خاں شروانی (سابق سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات و وزیر محکمہ زراعت صوبہ) فتح گڈھ میں تعینات تھے ۔ اس اتحاد ثلاثہ سے بڑے لطف کا زمانہ گذرا ۔ راقم الحروف اس وقت اول سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ اور پھر ریکورڈنگ افسر وغیرہ اور پھر تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر تھا ۔ مگر اس اتحاد ثلاثہ کو فلک کجرفتار کی ایسی نظر لگی کہ تینوں منتشر ہو گئے ۔ ڈپٹی کلکٹری کے زمانہ میں سنہ ۱۹۲۵ء سے سنہ ۱۹۲۷ء تک بہرائچ میں درگاہ حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ کے مزار کی خدمات بہ حیثیت پریذیڈنٹ کمیٹی راقم الحروف نے انجام دیں ۔ اس زمانہ کے عرس کی رونقیں یاد آتی ہیں تو کلیجا منہ کو آتا ہے ۔ اسی زمانہ میں میرے عزیز اور دوست عبدالماجد خاں بریلوی کا تقرر بہ حیثیت منیجر ہوا ۔ موصوف کچھ عرصہ کے بعد اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے مگر پھر مقرر ہو کر سنہ ۱۹۵۲ء میں وفات تک تعینات رہے اور وہیں مدفون ہوئے ۔ راقم الحروف کی مطبوعہ کتاب "حیات مسعودی" (سید سالار مسعود غازی کی سوانح عمری) کی بنا یہیں پڑی تھی ۔ وہ سنہ ۱۹۳۴ء میں مکمل ہوئی ۔

سنہ ۱۹۳۸ء کے اوائل میں پنشن لینے کے بعد سنہ ۱۹۳۹ء میں راقم الحروف حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوا ۔ خدا تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلعم کے صدقہ میں قبول فرمائے ۔ اور راقم الحروف کے گناہ بخشے آمین ۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں قریب ایک سال کے راقم الحروف ضلع فیض آباد میں ایک بڑی تعلقہ داری ریاست کا منیجر رہا ۔ یہاں سے استعفیٰ کے بعد جولائی سنہ ۱۹۴۲ء میں مرکزی سنی وقف بورڈ لکھنؤ نے اپنے سکریٹری کی خدمات راقم الحروف کے سپرد کیں جن کو اس نے سنہ ۱۹۴۷ء تک انجام دیا ۔ چونکہ راقم الحروف کو زراعت اور شکار سے شوق رہا اس لئے ہلدوانی ضلع نینی تال اور ریاست رامپور میں زراعت کے فارم شروع کئے ۔ مگر دونوں جگہ مالی نقصان اور خرابی صحت کی وجہ سے راقم الحروف نے سبکدوشی حاصل کی ۔ سنہ ۱۹۳۹ء سنہ ۱۹۴۰ء میں دودھ پور کے قریب علی گڈھ میں راقم الحروف نے پنشن لینے کے بعد دو کوٹھیاں

تعمیر کرائیں جن کو اپنی دختر (نورجہاں سلمہا زوجہ اویس خاں برلوی) کے نام منتقل کر دیا۔ اب یہاں بفضلہ مقیم ہے۔ خداتعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے احسان کا ہر دم وظیفہ ہے۔ اس کا شکر ہے کہ راقم الحروف کی نواسی اب ایم ایس سی میں تعلیم پا رہی ہے اور نواسے یونیورسٹی اسکول میں زیر تعلیم ہیں۔ ناظرین اکتا گئے ہوں گے اس سے زیادہ اپنی رام کہانی اور کیا سناؤں۔ صرف اس قدر عرض کرونگا ؎

طمع فاتحہ از خلق ندارم نیاز
عشقم اندر پس من فاتحہ خوانم باقی است

نیز ایک جدید کتاب "تاریخ التاریخ ہند" کی تصنیف میں مشغول ہوں انجام بخیر باد۔ یہاں کے حافظ حاجی نصیر اللہ خاں بھی قابل ذکر ہیں۔

پرورہ

برلہ سرائے کی رشتہ داریاں علاوہ دیگر دیہات کے قریب کے موضع پرورہ میں بھی ہیں۔ اس لیے ہم اب آخر الذکر پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ یہ موضع بھی کالی ندی کے قریب دتاولی سے پورب میں اور اس سے متصل پرانی آبادی ہے۔ اور اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ بسانے والے کا پردار یعنی خاندان یہاں آکر رہا ہوگا۔ ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ خاندانی روایات (یادداشت نواب صدر یار جنگ مرحوم حبیب گنج لائبریری) کے مطابق عہد سکندر لودی کے محمد میر خاں شروانی اور ان کی اولاد پرورہ میں آکر بسے۔ اور یہاں سے ملحقہ مواضعات میں پھیلی۔ اور یہیں سے دتاولی کے مورث حاجی مراد خاں نے نکل کر دتاولی سے بالاٹ کو نکالا۔ اور اس پر قبضہ کیا یہاں کی زمینداری تو خاندان دتاولی میں رہی۔ مگر پرورہ کے شروانیان دخیل کاری کاشت کاری سے گذر کرتے رہے۔ ان میں بعض حضرات خوش حال تھے اور چھوٹے زمینداران سے ایک زمانہ میں ان کی مالی حالت بہتر تھی۔ شروانی خاندان دتاولی کا پرانا قبرستان پرورہ میں موجود ہے۔ اور حال کے ایک شفعہ کے مقدمہ میں جو مولوی حاجی یونس خاں مرحوم نے اپنے بڑے بھائی نواب حاجی اسماعیل خاں مرحوم زمیندار پرورہ کے خلاف دائر کیا ایک بنائے دعوائے یہ بھی تھی کہ یہاں دتاولی کا قبرستان ہے۔ اگرچہ یہ دعوے

کامیاب نہ ہوا۔ زمانہ حال میں اس موضع کے فقیر اللہ خاں اور ان کے لڑکے عزیز الرحمٰن خاں
پاسو خاں، حسن رضا خاں، دوست محمد خاں مرحوم مشہور افراد ہوئے۔ عزیز الرحمٰن خاں
نواب حاجی اسماعیل کے کارندے رہے۔ ان سے چھوٹے راقم الحروف کے دوست
اور ساتھ کے کھیلے ہوئے عبدالغفار خاں مرحوم تھے۔ یہ دونوں صاحبان عبدالرزاق خاں
بیرلوی کے بھانجے تھے۔ عزیز الرحمٰن خاں کی شادی موضع گنگورہ میں ہوئی۔ اور ان کی
ان اہلیہ کی اولاد کا ذکر ہم نے گنگورہ کے سلسلہ میں کیا ہے کیوں کہ وہ وہیں جا بسی۔
پاسو خاں مرحوم روپیہ کا لین دین بھی کرتے تھے۔ حسن رضا خاں مرحوم مولوی حاجی یونس خاں
مرحوم رئیس دتاولی کے ہم جلیس تھے۔ اور نبیڈو خاں مرحوم ساکن کنادہ کے انتقال کے
بعد شروانی اسکول کے واسطے روپیہ وصول کرنے کا کام کچھ دن تک حسن رضا خاں مرحوم
نے کیا۔ دتاولی پروردہ کے عنایت خاں مرحوم ایک زمانہ میں مشہور پہلوان جوار میں سے تھے اور ہڈی کی ٹوٹ
پھوٹ کا علاج آخر وقت تک مفت اور خوب کرتے تھے۔ احمد رضا خاں مرحوم کے پوتے
حاجی ضیاء الرحمٰن خاں ہیں (جو اپنے ننھیال موضع سراے میں آباد ہو گئے ہیں) دہلی
میں ایک برقی پریس کے مالک ہیں۔ ماشاء اللہ خوش حال ہیں۔ حج بیت اللہ شریف
سے فائز ہوئے۔ اپنے غریب عزیزوں کو پریس کے کام میں لگائے رکھتے ہیں۔ یہاں سے
دوست محمد خاں موضع سنہرا میں جا بسے تھے۔

قطب پور

اس موضع کے دکھن میں اور کالی ندی کے دوسری پار یہ موضع قطب پور ہے جس
کی آبادی اب قریب قریب ویران ہے۔ یہاں کے شروانیان ترک سکونت
کر گئے۔ کچھ پاکستان چلے گئے۔ اور کچھ وہاں ہی سے چل بسے۔ ایک زمانہ میں
زمینداران دتاولی کی نیل کی کوٹھی تھی جو اب منہدم ہو گئی۔ راقم الحروف کے چچا عبدالغنی خاں
مرحوم کی شادی یہاں کے ایک ممتاز شروانی وارث علی خاں کے یہاں ہوئی تھی۔ اب آخر الذکر کا خاندان
سہاور میں جا بسا جہاں سے وہ ابتدا میں آئے تھے۔ یہ بڑے کاشتکار رہ چکے
تھے۔ یہاں کے حنیف خاں مرحوم کی ہمشیرہ عبدالرزاق خاں بیرلوی کی زوجہ تھیں اور ان

ترکہ میں دخیل کاری کا بڑا رقبہ حاجی عبد السلام خاں ہروی اور ان کے بھائیوں کو ملا
حافظ مصلح الدین خاں ابن عبد الجلیل خاں اکناوہ نے یہاں مکان تعمیر کرائے
اور آخر الذکر کے بہنوئی چودھری ابراہیم خاں سہاوری) اور خیراتی خاں نے (جو نواب
حاجی اسماعیل خاں کے کارندے تھے) یہاں حویلیاں تعمیر کرائیں۔ مگر ان کی اولاد
نے یہاں کی سکونت ترک کر کے علی گڑھ میں رہائش اختیار کی۔ چودھری ابراہیم خاں
مرحوم کے بیٹے راقم الحروف کے ہم جماعت چودھری شفیع الرحمٰن خاں علی گڑھ میں مقیم ہیں
اور چھوٹے جو سیاق میں بہت مشہور ہیں سہاور میں ہیں۔ شفیع الرحمٰن خاں کے بیٹے
حکیم انوار احمد خاں کی شادی راقم الحروف کے خاندان میں ہوئی۔ اور اب وہ لکھنؤ میں
سرکاری یونانی شفاخانہ جات دیہاتی کے انسپکٹر ہیں اور چھوٹے بیٹے پاکستان میں ہیں یہاں کے بڑے
زمیندار خان زماں خاں کا ترکہ وارثان علی خاں و قطب علی خاں سہاوری کو بھی ملا۔ وہ خاندان بھوری اور سہاور سے یہاں
آ کر بسے۔

کھیرہ۔ نوشہ

پپورہ سے ملحق اور شمال میں کالی ندی کے متصل ایک چھوٹا سا موضع کھیرہ
ہے جو خاندان دتاولی کی زمینداری میں اور یہاں کے شروانیان دخیل کار کاشت کار
رہے ہیں۔ بعض ان میں خوشحال گذرے۔ مثلاً بدر الدین خاں۔ قطب الدین خاں۔ علی مردان
خاں۔ شمس الدین خاں وغیرہ تھے۔ راقم الحروف کے دیرینہ دوست اور عزیز حاجی فقیر اللہ خاں
ساکن سراے کی ننھیال یہاں ہے۔ یہاں سے انہوں نے بھی دخیل کاری میں
حصہ پایا۔ راقم الحروف کے کرم فرما اور شروانی اسکول چھرہ کے استاد ماسٹر عبد العلیم خاں
مرحوم بھی یہیں بھوری سے ترک وطن کر کے بوجہ شادی آ بسے تھے۔ بڑی دخیل کاریوں
کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو گئے۔ اس لئے اب یہاں کے کچھ پٹھان ملازمتوں میں
بسر کر رہے ہیں۔ راقم الحروف کے موضع سراے سے ملحق اور اس سے دکھن میں
موضع نوشہ ہے۔ باوجود کوشش کے اس موضع کے پٹھانوں کے شجرے اور
حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ اس موضع میں خاندان دتاولی بھی زمینداری میں شریک ہے
راقم الحروف کی یاد سے پہلے یہاں حکیم محمد خاں مرحوم طبیب حاذق گذرے۔ زمانہ

حال میں مولوی محمد عمر خاں بھی ممتاز ہوئے ۔ اب یہاں حاجی محمد شاہ خاں جن کے والد نواب سر فیض اللہ خاں مرحوم کے کارندے تھے اور حکیم حمید اللہ خاں جو طبیہ کالج دہلی کے سند یافتہ اور جوار میں مشہور ہیں سربرآوردہ ہیں ۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس موضع کے پٹھانوں کی شادی بیاہ اب غیر شروانی خاندانوں میں ہونے لگے ہیں ۔ ایک شاخ کی رشتہ داری قصبہ علی گنج ضلع ایٹہ کے پٹھانوں میں ہوئی جس کی وجہ سے وہاں سے ہدایت اللہ خاں سخاوت اللہ خاں مرحوم یہاں آبسے ۔ اُن کی کچھ اولاد یہاں ہے اور کچھ علی گنج میں مقیم ہے مگر زمانہ کی دست برد سے پریشان حال ہیں ۔ بدقسمتی سے آپس کے نفاق ٹھوک بجا اور مقدمہ بازی میں یہ موضع مشہور ہے ۔ خدا تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے اور راہ راست پر لائے ۔ اس موضع کے ایک صاحب پاکستان میں ایک بڑے معزز عہدے پر ملازم ہیں ۔ مولوی محمد عمر خاں کے خویش لکھنؤ میں ادویہ کی فروخت کا سلسلہ رکھتے ہیں ۔

بہرام پور

کالی ندی سے جنوب اور قصبہ جلالی سے متصل موضع بہرام پور ہے ۔ جو پرانی آبادی ہے ۔ ملک بہرام خاں یہاں کے مورث اعلیٰ تھے ۔ اب یہ موضع قریب اجاڑ ہے ۔ کچھ حضرات پاکستان چلے گئے ۔ کچھ دنیا سے گزر گئے ۔ اور کچھ مفلوک الحال ہو گئے فقط ملک کا بھی نام سے اُڑ گیا ۔ جب مالکیت ہی نہ رہی تو ملک کیسا ۔ زمانہ حال میں برادران نور اللہ خاں اور ان کے بھائی ظہور اللہ خاں مشہور ہوئے ۔ نور اللہ خاں مرحوم گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے ان کی نسل کشی سے مستفید ہوتے تھے ۔ ایک زمانہ میں نمائش علی گڑھ میں ان کے گھوڑے جاتے تھے ۔ متواضع خلیق اور برادری میں با اثر تھے ۔ ان کے بیٹوں میں یوسف خاں ، عابد خاں ممتاز ہوئے ۔ مگر رعایا سے مقدمہ بازی اور حکومت کے جبر و تشدد کی وجہ سے اب علی گڑھ میں مقیم ہیں ۔

ظہور اللہ خاں صوفی منش تھے ان کے بیٹے اطبا حکیم صالح خاں علی گڑھ میں مطب کرتے

ہیں۔ خدا نے دست شفا دیا ہے۔ ساتھ ہی بڑے با اخلاق اور صوفی منش ہیں۔ کبھی نسخہ بغیر بسم اللہ پڑھے نہیں لکھتے۔ اور جب مریض کو نمٹاتے ہیں تو بھی کچھ پھونک دیتے ہیں۔ ہر موسم میں فجر کی نماز تقریباً دو میل پیدل چل کر یونیورسٹی کی مسجد میں پڑھتے ہیں۔ علم اخلاق بہت وسیع ہے۔ کتب بیں ہیں اور ادب کا اچھا مذاق رکھتے ہیں۔ طفل صالح تھے اب جوان صالح ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ بڑھاپے میں بھی پیر صالح رہیں۔ آمین۔

علی محمد خاں کے بیٹے عیوض خاں نے یہاں بڑے ٹھاٹھ باندھے۔ مگر بقول نظیر اکبرآبادی ؎

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

بنجارا یہاں سے لاد گیا۔ اور ٹھاٹھ پڑا رہ گیا۔ ان کی زمینداری ایک عرصہ ہوا ختم ہو گئی۔ اور مکان کھنڈر ہو گیا۔ یہاں کے حافظ اسمٰعیل خاں جو ایک زمانہ میں کبوتر بازی میں مشہور تھے پاکستان چلے گئے اور اب یہاں کبوتر (یا شاید فاختہ) اڑا رہے ہیں۔ آپ کی رشتہ داری کا حال شجرہ سے معلوم ہو گا۔

شاہجہاں آباد رسولپور

بعض مواضع شاہ جہاں آباد اور رسولپور کے شجرے اور حالات ہم کو معلوم نہ ہو سکے مگر ہم یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ ان مواضع کے پٹھانوں کی نسلیں نصف شروانی اور نصف غیر کفو خاندانوں سے چلیں۔ رسولپور میں آجکل حاجی شاہ زماں خاں اور ان کے بھائی بدیع الزماں خاں یہاں کے بڑے کاشتکاروں میں ہیں۔ کیونکہ زمینداری کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اول الذکر نے تجارت سے ایک زمانہ میں بہت فائدہ اٹھایا۔ اور راقم الحروف کے کرم فرما اور شکار کے ساتھی اور کبوتر بازی کی پرواز میں حریف، حاجی محمد جہان خاں رئیس دادوں کے ہم جنس باہم جنس رہتے۔ مگر ؎

میری ان کی رسم الفت اٹھ گئی
مدتیں گذریں زمانہ ہو گیا!

کا مضمون ہے۔ ایک زمانہ میں شاہ جہاں آباد میں بھی نذر علی خاں اور ان کے بھائی کے بڑے ٹھاٹ تھے۔ مگر یہ بھی ختم ہو گئے۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

خاندان علی گنج ضلع ایٹہ کی رشتہ داری یہاں بھی ہے۔ افسوس! اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

سہاور

اب ہم شروانیان اضلاع علی گڑھ و ایٹہ کی داستان پاستان ختم کر کے سہاور ضلع ایٹہ کے بنگش پٹھانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیوں کہ رشتہ داری اور آپس کے تعلقات کی وجہ سے اب شروانی اور یہاں کے بنگش خاندان ایک جان دو قالب ہیں۔

افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے اس قدیم قصبہ کے مکمل تاریخی حالات ہم کو نہ مل سکے، مگر یہاں کے رئیس چودھری عبدالقیوم خاں اور چودھری عبدالواجد خاں کی مہربانی سے جو شجرہ دستیاب ہوا، ڈسٹرکٹ گزیٹیر ایٹہ و علی گڑھ و چودھری صاحبان شعیب خاں و عبدالواجد خاں سے جو حالات مل سکے اور جو باتیں راقم الحروف کے علم میں تھیں اُن سے یہاں کا خاکہ مرتب کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر اس میں کوئی غلطی نظر آئے تو یہاں کے حضرات ہم کو معاف کریں۔

اس قصبہ کا تاریخی سلسلہ محمد بن سام شہاب الدین غوری کے زمانہ تک پہونچتا ہے مگر واقعات کی درمیانی کڑیاں غائب ہیں۔ اس وجہ سے تسلسل قائم نہ ہو سکا۔ اس لئے جو کچھ معلوم ہو سکا ہدیۂ ناظرین ہے۔ ورنہ کچھ عرصہ کے بعد ان پر تاریکی کا پردہ پڑ جائے گا اور آئندہ نسلیں اپنے اسلاف کے حالات سے بالکل ہی بے خبر ہو جائیں گی۔ شروانیوں کی تاریخ میں سہاور کے بنگش پٹھانوں کا تذکرہ لازمی ہے اگرچہ تاریخی مسالہ کی کمی کی وجہ سے وہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو۔

یہ تو ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ پٹھانوں کے مورث اعلیٰ دلو مسلم پٹھان قیس عبدالرشید کی اولاد میاں حسن عرف شیخ بٹ اپنے تقدس کی وجہ سے مشہور تھے۔ یہ لودی اور شروانی پٹھانوں کے ماموں تھے۔ لودیوں اور شروانیوں کی والدہ بی بی متو نے اپنے بھائی بٹن کے خاندان کے ساتھ پرورش پائی۔ یہ چولی دامن کا ساتھ اب تک چلا آ رہا ہے۔ علاوہ ازیں

سہاور میں آکر بسنے کے بعد بٹنیوں نے دیکھا کہ بجز اس قصبے کے قرب و جوار کے بٹنی آبادی اور کہیں نہیں ہے۔ اس لئے شروع میں ان کی رشتہ داریاں بدایوں کے لودیوں میں رہیں یہاں اب تک لودی آباد ہیں۔ بلکہ ایک محلہ لودی پورہ کے نام سے موجود ہے۔ اور پھر علی گڑھ اور ایٹہ کے ملحقہ شروانی دیہات میں ان کی رشتہ داریاں شروع ہو گئیں۔ کئی ایک شروانی دیہات کی لڑکیاں بذریعہ شادی بیاہ سہاور میں گئیں اور سہاور کی کئی ایک لڑکیاں اسی طرح شروانی دیہات میں آئیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے

ممکن ہے کہ ہندوستان میں خال خال دیگر مقامات پر بٹنی پٹھان موجود ہوں جو دوسروں سے بے خبر اور جن سے دوسرے ناواقف ہیں۔ مگر اب سہاور کے علاوہ مغربی پاکستان سے ملحق آزاد قبائل کے علاقہ میں وزیریوں سے ملے ہوئے اور افغانستان میں بٹنی پٹھان موجود ہیں۔ اکبر کی مار دھاڑ کے بعد ہندوستان سابق کے پنجاب سے پٹھانوں کا منتشر ہو جانا کچھ تعجبات سے نہیں ہے۔ ہمارے لئے یہ بتانا ناممکن ہے کہ بروئے تاریخ یہاں بٹنی پٹھان سب سے پہلے کس زمانے میں آکر آباد ہوئے۔ البتہ اس بارے میں چند روایات اور قیاسات ہیں جو ذیل میں ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی شورش کے سلسلے میں یہاں آگ لگا دینے کی وجہ سے یہاں کے ایک ممتاز بٹنی خاندان کے کاغذات تلف ہو گئے۔ اس لئے اور بھی زیادہ تاریکی یہاں کی تاریخ پر پڑ گئی۔ پھر سابق شروانیوں کی طرح سے یہاں کے پٹھان بھی اہل قلم نہ تھے بلکہ اہل سیف کی روایتوں کے حامل تھے۔ غنیمت ہے کہ یہاں کے بٹنیوں کی تیرہ چودہ پشتوں کے شجرے دو ایک صاحب کے پاس موجود ہیں جن کو دیکھ کر ہمارے کرم فرما چودھری عبدالواحد خاں صاحب اور دو ایک دیگر احباب نے مورثوں کے نام بہم پہنچائے۔ اگرچہ یہ شجرہ جو کتاب ہذا کے آخر میں درج ہے نامکمل اور کسی قدر غیر مسلسل اس وجہ سے رہ گیا کہ اس میں مستورات کے نام تحریر نہیں ہیں اور نہ پیدائش اور وفات کی تاریخیں درج ہیں۔

اس سے معلوم ہوگا کہ یہاں کے بٹنیوں کے مورث اعلیٰ جن کا نام معلوم ہے ملک مغیث خاں تھے۔ تاریخی اصول کے مطابق اگر فی پشت اوسط زمانہ تیس سال رکھا جائے تو آج سے ملک مغیث خاں

کا زمانہ لودی اور سوری بادشاہان ہند کا ہم عصر قرار پاتا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ پٹھان یہاں اس سے قبل موجود ہوں۔ اگرچہ یہ قرین قیاس اس وجہ سے نہیں ہے۔ کہ بہلول لودی سے قبل ہندوستان میں پٹھانوں کی کوئی بڑی آبادیاں نہ تھیں۔ اگرچہ پٹھان تغلق خاندان اور اس سے قبل بھی اس ملک میں موجود تھے۔ جیسا کہ شروانیوں کے سلسلے میں ہم نے اوپر دکھایا ہے۔ قصبہ سہاور میں آبادی سے جانب شمال ملک تاج الدین علیہ الرحمتہ اور ان کے بھائی مرحوم کے پرانے اور پرجلال مزارات موجود ہیں۔ جن کی عمارت پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ البتہ یہ مقامی روایت سینہ بہ سینہ سالہا سال سے چلی آتی ہے کہ وہ سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری کی فوج کے سرداروں میں سے تھے۔ اور یہاں آکر شہید ہوئے یا انتقال کیا۔ بقول ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ایٹہ و دیگر تواریخ ضلع ایٹہ اور سہاور کے جوار میں بہلول لودی اور سکندر لودی شرقی بادشاہان جونپور لڑتے رہے۔ اور ایٹہ کے قریب سونہار میں شرقیوں کو آخری اور فیصلہ کن شکست دی۔ سکیٹ ضلع ایٹہ کے قریب لودیوں اور مقامی راجپوت راجاؤں سے لڑائیاں رہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ ان آویزشوں میں شروانی اور بٹنی دونوں نے لودیوں کا ساتھ دیا اور دونوں میں سے کچھ بالآخر ان علاقوں میں بس گئے۔ سہاور میں بٹنیوں کے آکر بسنے کی ایک بڑی وجہ تو یہی ہے کہ شہاب الدین غوری کے زمانے سے یعنی بارھویں صدی عیسوی کے آخر سے سہاور میں مسلمان موجود تھے۔

سہاور کی تاریخ پر ہمارے کرم فرما چودھری عبدالواحد خاں بٹنی نے کچھ روشنی ا... اس مضمون میں ڈالی ہے جو ۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء کے اخبار جمہور علی گڑھ (نواب صدر یار جنگ نمبر) میں شائع کرایا۔ اگرچہ یہ روشنی دھندلی ہے مگر راقم الحروف نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چودھری صاحب موصوف کے مضمون کے مطابق اس قصبہ کا پرانا نام شکیت نگری تھا جب شہاب الدین غوری کے عہد میں قطب الدین ایبک نے ان اطراف کو فتح کیا تو یہاں ... راجہ نورنگ دیو سے مقابلہ ہوا۔ آخر الذکر کو شکست ہوئی۔ اور وہ بھاگ گیا۔ بقول ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ایٹہ نورنگ دیو نے راجہ جلیسر کے یہاں پناہ لی۔ اور اسی کی مدد سے سہاور کو فتح کیا اور اس کا نام نورنگ آباد رکھا۔ اس نام کے بارے میں تو یہ روایت قابل قیاس ہو سکتی ہے...

کہ لفظ اورنگ آباد کا آخری جزو یعنی "آباد" اسلامی ہے جو مسلمانوں سے قبل رائج نہ تھا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شکھ جین نگری والی روایت صحیح ہو۔ بقول گزٹیر مذکور سہاور اس وجہ سے نام ہوا کہ راجہ نے دوبارہ اس مقام کو سہیلوں کی مدد سے فتح کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
بہرحال ہندو حکومت یہاں زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی۔ ورنہ ملک تاج الدین کے مزار کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ ہم نے اوپر بہ سلسلہ عہد اکبری دکھایا ہے کہ بہار اور بنگال میں جو پٹھان اکبر سے لڑتے رہے ان میں بٹنی پٹھان بھی شامل تھے۔ اور ان کے سرداروں کے نام بھی بتائے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ہم نے اوپر یہ بھی دکھایا ہے کہ جب پنجاب سالقہ کے دورہ میں اکبر نے بہت سے پٹھانوں کو اس صوبہ سے نکال کر منتشر کیا تو ان میں چودھریان بٹنیان کا خاص طور سے ابوالفضل نے اکبر نامہ میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ ان کے سرداروں کے نام نہیں بتائے ہیں۔ ہمارے ناقص میں اس زمانہ میں کچھ بٹنیان یہاں آکر ضرور آباد ہوئے ہوں گے۔ کیوں کہ یہاں پیشتر سے پٹھان موجود تھے۔ وہ اپنی زمینداریوں، زراعتوں اور تجارتوں کو بڑھانے میں مشغول رہے۔ اور بخلاف علی گڑھ کے شروانیوں کے جاٹوں اور گوشائیوں کی زد سے باہر رہے۔ اگرچہ مرہٹے سہاور کے آس پاس چکر لگاتے رہے۔
اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ علاقہ دہلی کی کمزور مرکزی حکومت اور ان اقوام کی سازشوں سے کسی قدر دور اور عام شاہراہوں سے ہٹا ہوا تھا۔ اور پھر بھوڑ کا علاقہ وہ سرسبزی کہاں جو شروانیوں کے یہاں تھی۔ پھر یہاں نوابان بنگش فرخ آباد کا اور ان کا چراغ گل ہونے کے بعد نواب وزیر اودھ کا دور دورہ تھا۔ پہلو میں روہیلے تھے۔ اس لئے جاٹوں اور گوشائیوں کے سبز قدم یہاں تک نہ پہونچ پائے۔ خاندان بنگش کے بارے میں ایک تتمہ عرض کر دینا ضروری ہے۔ منور علی خاں نے اپنی فرخ آباد کی تاریخ "لوح تاریخ" مصنفہ ۱۲۵۵ھ (قلمی لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی) میں درج کیا ہے کہ جب اورنگ زیب کے آخری عہد میں اکبر آباد کے صوبے دار رشید خاں نے مئو رشید آباد (مابین شمس آباد و قائم گنج ضلع فرخ آباد) آباد کیا تو وہاں جو فوج رہتی تھی اس میں ایک رسالہ عین خاں شروانی کا تھا۔ ملک سارنگ خاں بنگش ملک بنگش افغانستان سے آکر اسی عین خاں شروانی کے رسالہ میں سب سے اول نوکر ہوئے

اس وقت سے بنگش پٹھانوں نے اس قدر ترقی کی کہ جا بہ جگہ اون کی فوجی رسالوں اور ٹولیوں کی مانگ تھی ۔ یہاں تک کہ عہد فرخ سیر میں (سنہ ۱۱۲۴ھ لغایہ سنہ ۱۱۳۱ھ میں) نواب محمد خاں بنگش نے فرخ آباد آباد کیا ۔ اور اس کے اور ملحقہ علاقہ کے حکمراں تسلیم کر لیئے گئے ۔ جیسے شروانیوں نے لودیوں اور سوریوں کی جنبہ داری کی اسی طرح بنگشوں نے بھی ان سے امداد حاصل کی ۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی ۔ القصہ اسی وقت سے سہاور کے پٹھانوں اور فرخ آباد کے بنگشوں کے گہرے تعلقات قائم ہوئے ۔ یہ بات اس امر سے بھی ثابت ہے کہ نوابان فرخ آباد نے بلونہ کے ایک شروانی صاحب کو جو سہاور میں جا کر بس گئے اور رفعت خاں کتولی کو معافیاں دیں ۔ آخر الذکر معافی سے کچھ رقبہ ان کی اولاد شروانی پٹھانان حسن پور کے قبضہ میں چلا آتا ہے اور کچھ بیر لگان تشخیص ہو گیا ۔ اس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بنگش فوج میں مختلف قبائل کے پٹھان ملازم تھے ۔ اور ان کے علاقہ کی حدود تھیہ کول سے فرخ سیدہ مثل جانب مشرق رہ جاتی تھیں ۔

اب یہاں ایک خاندانی روایت کا درج کرنا بھی ضروری ہے جس کو سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس بلونہ نے اپنی تحریری یادداشت مورخہ سنہ ۱۳۰۶ھ میں درج کیا ہے اور جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ بلونہ کے ممتاز عورث شاہ محمد خاں کے پوتے شادی خاں اور رحمت خاں فرخ آباد کے نواب بنگش کے یہاں ملازم ہوئے ۔ اور کارکردگی کے سلسلہ میں تین سو بیگہ اراضی کی معافی سہاور میں پائی اور جو وقت تک ان کے خاندان میں رہی اور یہ دونوں بھائی سہاور ہی میں بس گئے ۔ اور ان میں سے ایک صاحب نے خاندان بنگش میں شادی بھی کی ۔ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ بلونہ کے شاہ محمد خاں مذکور اور کول کے گورنر نواب ثابت خاں کا زمانہ ایک تھا ۔ (یعنی سنہ ۱۱۳۱ھ لغایہ سنہ ۱۱۶۲ھ) اس لئے بلونہ کے شادی خاں اور رحمت خاں اسی زمانہ میں یا اس کے بعد میں فرخ آباد میں جا کر ملازم ہوئے ہوں گے ۔

دوسری روایت جو سمیع اللہ خاں صاحب مرحوم موصوف نے اپنی یادداشت محولہ بالا میں درج کی وہ یہ ہے کہ نواب ثابت خاں گورنر کول نے جب شاہ محمد خاں کو پیام دیا کہ وہ آخر الذکر کے لڑکے دلیل خاں کی شادی نواب موصوف کی دختر کے ساتھ کر دیں اور شاہ محمد خاں نے دھن

دولت پر لات مار کر اس پیپا م کو اس وجہ سے ٹھکرا دیا کہ نواب ثابت خاں مغل غیر کفو تھے تو ان پر دوسری افتاد یہ پڑی کہ سہاور کے بیرم خاں نے (جو حکومت بنگش میں دخیل اور با اثر تھے) شاہ محمد خاں سے کہلا بھیجا کہ وہ دلیل خاں کی شادی سہاور میں ان کی لڑکی کے ساتھ کر دیں۔ اس سے بھی شاہ محمد خاں نے انکار کیا تو حکومت بنگش کی طرف سے بقایا مالگذاری کی علت میں بیرم خاں پٹھان نے خود شاہ محمد خاں شروانی کی جگہ ان کے بیٹے دلیل خاں کو گرفتار کرا لیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ بیٹے کی محبت میں آخر کار شاہ محمد خاں نے اپنے بیٹے دلیل خاں کی شادی بیرم خاں کی لڑکی کے ساتھ کر دی۔ مگر پٹھان کی قوم پرستی جل گئی پر بل نہ گیا۔ جب سہاور سے جہیز آیا تو گھر سے باہر ڈلوا دیا۔ اور چوکھٹ دھوئی گئی۔

سہاور کے شجرے میں بیرم خاں کا نام مورث اعلیٰ سے چوتھی پشت میں ملتا ہے۔ مگر ان کا سلسلہ نسل منقطع ہے۔ غالباً شروانی اور پٹھان خاندان میں سب سے پہلی شادی جس کا حال معلوم ہو سکا یہی تھی۔ اور اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔

بیرم خاں کا زمانہ بھی اصول مندرجہ بالا کے مطابق نواب ثابت خاں کے لگ بھگ قرار پاتا ہے۔ جب وہ خطۂ ملک جس میں سہاور واقع ہے انگریزوں کے قبضہ میں ۱۸۰۲ء میں آیا تو اس کے انتظام میں انگریزی حکومت کو وہی دقت پیش آئی جو دوسرے اضلاع ملحقہ میں پیش ہوئی۔ یعنی مکمل مالی کاغذات کا موجود نہ ہونا۔ صحیح آمدنی کا پتہ نہ چلنا۔ ملک میں بدامنی، زراعت میں کمی اور زمینداروں اور کاشتکاروں میں پریشانی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی حالت اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سہاور اور موجودہ ضلع ایٹہ تھوڑے دن تک کبھی اٹاوہ میں شامل رہے کبھی مین پوری میں۔ کچھ حصہ فرخ آباد میں اور کول علی گڑھ میں اور کچھ سہسوان بدایوں میں رہا۔

چوں کہ اس خطہ میں بدامنی بہت تھی ایک پورے افسر بطور انچارج ماتحت ضلع کے اول پٹیالی اور پھر بلسڑ میں تعینات رہا۔ ۱۸۲۳ء میں آئین نظم کے مطابق پہلا باقاعدہ بندوبست سہاور کا ضلع مین پوری کے صدر مقام سے کیا گیا۔ اہیر اور اہیڑوں کی شورش۔ ڈھاک کے جنگلات کی کثرت نے رعایا کو پریشان کیا تو ۱۸۴۷ء میں یہ تجویز کیا گیا کہ سہاور کا علاقہ ایک سب ڈویژنل افسر پٹیالی کے ماتحت کیا گیا۔ جو آخری احکام ہر ایک حصہ کی بابت اس ضلع کے کلکٹر

سے لیتا تھا۔ جس ضلع کے حدود کے ماتحت وہ حصہ ہوا۔ یہ چوں چوں کا مربہ ۱۸۵۲ء تک رہا جب کہ ایٹہ جی ضلع قایم کیا گیا۔ اس نئے انتظام کو پانچ برس ہوئے تھے کہ ۱۸۵۷ء میں اس شورش اور جنگ آزادی کا زمانہ آگیا جس کا نام انگریزوں نے اور ان کے دیکھا دیکھی اوروں نے غدر رکھ دیا۔ اس شورش کے زمانہ میں ضلع ایٹہ کے خطہ میں اور سہاور کے آس پاس بڑی بدامنی رہی جس کے قصے سے ضلع کا گزیٹیر اور انگریزی تواریخ بھری پڑی ہیں نواب محمد خاں۔ قایم خاں۔ احمد خاں بنگش فرخ آباد کے نام لیوا اس وقت کے نواب فرخ آباد نے بھی ہاتھ پیر نکالے اور کوشش کی کہ ملک پھر ہاتھ آجائے۔ ان کے کارکن علی گنج۔ کاسگنج۔ پٹیالی وغیرہ میں تعینات رہے۔ اور نومبر ۱۸۵۷ء میں بلوائیاں اور نواب فرخ آباد کی نام نہاد فوج پٹیالی سے سہاور پر بڑھی۔ انگریز بھی اس کی کاٹ چھانٹ میں لگے ہوئے تھے۔ اس کا مفصل قصہ تو ہمارے مضمون کی حد سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ اس زمانہ میں چودھری محمد علی خاں ٹھیا پٹھان بہال کے ممتاز اور بڑے زمیندار تھے۔ انھوں نے چوک میں عالیشان مکانات تعمیر کرائے تھے ان پر الزام لگایا گیا کہ انگریزی افسران فلس، ہال اور براملی کو کوئی مدد نہیں دی۔ اور جب وہ پٹیالی سے آگرہ کو جانا چاہتے تھے تو کج خلقی کا برتاؤ کیا اور چودھری صاحب موصوف نے باغیوں کو مدد دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چودھری صاحب موصوف کو پھانسی دی گئی۔ اور ان کا علاقہ بحق سرکار ضبط کیا گیا۔ مکان کا پھاٹک ہاتھیوں سے تڑوایا گیا۔ آگ لگائی گئی۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ ان شہید ملت کو اپنے وطن اور ملک پر جان نثار کر دینے کا سرٹیفکیٹ ملا۔ ان کے اعزا حیات علی خاں، ولایت علی خاں، ناصر علی خاں اور مظہر علی خاں کو بھی شہید کیا گیا۔ انگریز تو اس وقت حواس باختہ تھے اور اپنے سایہ سے بھڑکتے تھے۔ خوشامدی لوگ رائی کا پربت بناتے تھے۔ یہی غنیمت ہوا کہ موصوف شہید چودھری صاحب کے ساتھ علاوہ مذکورہ بالا اصحاب کے خاندان کے اور لوگوں پر مصیبت نہیں آئی۔ اور وہ انگریزوں کی دار و گیر سے محفوظ رہے۔ اور جو جائداد بچ رہی اس میں بعد کو ترقی ہوگئی۔ مگر زمانہ کی نیرنگی بے رنگی دیدنی ہے کہ انگریز نہ رہے تو بھی جائداد نہ رہی۔

اب ہم مختصر طور پر فرداً فرداً چند حضرات سے ناظرین کتاب ہذا کو روشناس کراتے ہیں۔

چودھری محمد علی خاں مرحوم شہید کے دو بیٹے تھے۔ چودھری نور اللہ خاں و چودھری ظہور اللہ خاں مرحومین۔ آخر الذکر کے کچھ حالات ہم کو معلوم نہ ہو سکے۔ جب سنہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی وجہ سے چودھری محمد علی خاں کی زمینداری اور جائداد ضبط ہوئی تو چودھری امام خاں مرحوم کی جائداد ان کے نواسے

چودھری نور اللہ خاں

کو ملی۔ آخر الذکر سنہ ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے "مظہر علی" ان کا تاریخی نام تھا۔ اپنے گھر پر رہ کر بزرگوں کی صحبت اور نگرانی میں رسمی تعلیم حاصل کی۔ اور اپنے کاروبار کو سنبھالا۔ مذہبی امور کے بڑے پابند تھے۔ اور خواہ کیسا ہی موسم کیوں نہ ہو بلا ناغہ مسجد میں نماز با جماعت ادا فرماتے تھے۔ خوش خلق، کم سخن خوش صورت، پرانی قطع وضع کے رئیس، مگر باوجود ریاست کے سیدھی سادی زندگی بسر کرنے والے تھے۔ راقم الحروف مرحوم کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ مستقل مزاج، مخیر اور غربا نواز تھے۔ خفیہ اور علانیہ ان کی فیاضی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ایٹہ، بدایوں، بریلی فرخ آباد کے سائلان کا ان کے یہاں جمگھٹ رہتا تھا۔ مگر غصہ کو پاس نہ آنے دیتے تھے۔ شروانی اسکول چھرہ کو بھی ایک سو بیس (۱۲۰) روپیہ سالانہ امداد دیتے تھے۔ ان کے خلق اور اسلامی اخوت کی یہ حالت تھی کہ جب دو سال تک سہاور میں وبائے طاعون کا زور رہا تو اپنا گھر چھوڑ کر خدا تعالےٰ کے بھروسے پر کہیں نہیں گئے۔ اور ہر شخص کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ بلا تفریق ملت ملنساری کا برتاؤ تھا۔ البتہ حتی الوسع انگریزوں سے ملاقات کرنے میں گریز کرتے تھے۔ پھلوں کی کاشت کا شوق تھا اور سہاور کی ریتیلی زمین کو باغات سے گلزار بنا دیا جس کی پیروی دوسروں نے بھی کی۔ موصوف کی فیاضی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ریاست مقروض ہو گئی۔ اور کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں آئی۔ مگر مثل مشہور ہے کہ دریا میں روٹی ڈالو تو تم کو واپس ملے گی۔ موصوف کے منجھلے صاحبزادے چودھری عبد الحمید خاں مرحوم کورٹ آف وارڈس کی طرف سے مقروض ریاست کے منیجر مقرر ہوئے۔ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے باپ بیٹوں کی نیک نیتی کا یہ پھل دیا کہ قرضہ جلد بے باق ہو گیا۔ اور ریاست محض واگذار ہوئی بلکہ آخر میں اس کی آمدنی دوچند ہو گئی۔ چودھری نور اللہ خاں مرحوم سنہ ۱۹۱۱ء میں بحیثیت سرکاری معزز مہمان کے دہلی دربار

میں شرکت کی تیاری میں مشغول تھے کہ یکایک بیمار ہوئے اور چند روز مرض میں مبتلا رہ کر اس
دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے "نور اللہ تربتہم" سے ان کی تاریخ وفات برآمد
ہوتی ہے۔ سہاور میں مدفون ہوئے۔ چودھری صاحب موصوف کے بڑے بیٹے
چودھری عزیز اللہ خاں مرحوم تھے۔ یہ رئیسوں کا مزاج رکھتے تھے۔ حکام سے میل
جول تھا۔ آنریری مجسٹریٹ اور آنریری منصف رہے۔ ان
کی وجہ سے سہاور میں چہل پہل رہتی تھی۔ شروع میں کچھ دن تک انسپکٹر پولیس رہے۔
مگر اس کام میں اور ریاست کی آن بان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے جلد استعفیٰ
دے دیا۔ اور پھر سہاور میں قیام رہا۔ یہیں عدالت کا کام انجام دیتے تھے۔ البتہ کبھی
کبھی اپنے اعزا سے ملنے بھیکم پور، حبیب گنج یا دتاولی یا اگرہ نواب حاجی اسمٰعیل خاں مرحوم کے
یہاں چلے جاتے تھے۔ موصوف کی پہلی شادی نواب صدر یار جنگ حاجی حبیب الرحمٰن خاں
مرحوم کی چھوٹی ہمشیرہ مسعودہ بیگم کے ساتھ ہوئی۔ اور ان اہلیہ کے بطن سے خانصاحب احمد اللہ خاں
صاحب بی اے پیدا ہوئے۔ زوجہ اولیٰ کے انتقال کے بعد عزیز اللہ خاں مرحوم نے دوسری
شادی رابعہ بیگم دختر حاجی فیض احمد خاں دتاولی کے ساتھ کی۔ اور ان کے بطن سے چودھری
انوار اللہ خاں عرف اقبال میاں مرحوم اور ایک بیٹی (زوجہ ابراہیم خاں بڈہا بستی) پیدا
ہوئے۔ رابعہ بیگم مرحومہ کو ریاست دتاولی سے چند دیہات جہیز میں ملے ان کا کام کچھ عرصہ تک
راقم الحروف کے والد مرحوم نے بھی انجام دیا۔ چودھری عزیز اللہ خاں مرحوم مرنجان مرنج قسم کے
بزرگ اور ریاست کے کام سے زیادہ دلچسپی لینے والے نہ تھے۔ البتہ اپنے والد مرحوم کے
بعد کیمیا کی بے حد لت اور دھت رہی۔ مگر آخر تک "ڈیڑھ" ایک آنچ کی کسر رہی۔ ان کے بھائیوں
سے تعلقات اچھے رہے اس لئے ان کی حیات میں بھی ریاست کا کام ان کے منجھلے بھائی
چودھری عبدالمجید خاں مرحوم انجام دیتے رہے۔ آرام سے زندگی بسر کر کے چودھری عزیز اللہ خاں
مرحوم نے ۱۹۲۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے نام لیوا دو بیٹے یعنی احمد اللہ خاں
صاحب اور اقبال میاں مرحوم چھوڑے۔ چودھری نور اللہ خاں مرحوم کے منجھلے بیٹے
عبدالمجید خاں صاحب تذکرہ بالا تھے۔ وہ ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی

کی تعلیم اچھے درجہ تک گھر پر حاصل کی۔ مولوی امیر حسن سہسوانی مرحوم چودھری صاحب کے استادوں میں رہے۔ چودھری صاحب موصوف بزرگان دین سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور مولانا شاہ عبدالغفور صاحب نقش بندی مجددی شاہ جہاں پوری سے بیعت حاصل کی۔ صوم وصلوٰۃ کے اپنے والد بزرگوار کی طرح پابند تھے۔ اور فقہ اور حدیث کا مطالعہ وسیع تھا۔ چنانچہ فقہ میں ایک کتاب "کنزالآخرت" نظم میں تصنیف کی اور جس کو بارہ حصوں میں حروف کے حساب سے تقسیم کیا۔ اس کتاب کو عالم متبحر مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم بریلی نے بہت پسند کیا۔ چودھری صاحب مرحوم اردو فارسی کے فصیح و بلیغ شاعر تھے۔ ان کے عزیز دوست نواب صدر یار جنگ مرحوم سے کبھی کبھی منظوم خط وکتابت رہتی۔ دنیاوی مشاغل میں شطرنج اور شکار سے شوق تھا۔ اچھی بندوق اور اچھا نشانہ اور احباب کی اچھی خاطر تواضع سرکاری حکام اور دیگر حضرات کو ان کا مہمان بناتی تھی۔ اس کا تماشا خود راقم الحروف نے ایک مرتبہ سوروں میں دیکھا جب کہ کمشنر آگرہ ڈویژن اور چودھری صاحب کا شکار میں ساتھ تھا۔ ان کے علاقہ میں گنگا کا کھادر شکارگاہ تھی۔ جیاں اور خوبیاں ان میں تھیں وہاں خدا تعالیٰ نے موصوف کو ریاست کا عمدہ انتظام کرنے کی صلاحیت بھی دی تھی۔ چنانچہ اپنی ریاست کو قرضہ سے پاک کیا۔ اور آخر وقت تک اپنے اور اپنے بھائیوں کے کام انجام دیتے۔ باوجود ان مشاغل اور ریاست کے سیدھی سادھی زندگی بسر کی اور اخراجات پر قابو رکھا۔ بلا سود قرض دے کر بعض عزیزوں کی مدد کی۔ اور ایک موقع پر بلا دریغ اپنے ایک عزیز کی جو قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھے ایک لاکھ روپیہ کی نہ صرف خود ضمانت کر لی، بلکہ اپنے بھتیجے چودھری احمد اللہ خاں سے بھی اسی قدر یعنی ایک لاکھ کی ضمانت کرائی۔ اور عام پیروی میں جان لڑائی۔ قصبہ سے باہر ایک عمدہ قلمی آم کا باغ نصب کیا۔ جہاں خوبصورت مسجد اور کوٹھی تعمیر کرائی۔ افسوس ہے کہ کوٹھی شکستہ ہو گئی۔ وہ صاحب اولاد نہ تھے۔ امور خیر کے واسطے اپنی جائداد وقف کی۔ بیمار ہو کر علاج کے واسطے علی گڑھ آ گئے مگر وقت آخر آ گیا تھا۔ جاں بر نہ ہو سکے۔ اور اپنے حبیب نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی کوٹھی حبیب منزل میں انتقال کیا۔ اور اپنے وطن میں مدفون ہوئے۔ سنہ ۱۳۵۵ھ میں ان کے انتقال پر نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم نے ایک پُر درد مقالہ لکھا جو "مقالات شروانی" میں درج ہے۔

مرحوم موصوف کے چھوٹے بھائی چودھری **محمد شعیب خاں صاحب** ہیں جن کے دم سے سہاور کی رہی سہی بات اور تھوڑی بہت رونق باقی ہے۔ موصوف ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ اور گھر پر رہ کر رسمی تعلیم پائی۔ جوان ہوئے تو اپنے بڑے بھائی مرحوم کی تقلید کی اور پولیس ٹریننگ اسکول مرادآباد کا کورس پورا کرکے چند روز آگرہ میں سب انسپکٹر رہے۔

راقم الحروف اس زمانہ میں اس ضلع میں نائب تحصیلدار تھا اور دیکھتا تھا کہ چودھری صاحب موصوف جو خاندانی روایات کے مطابق خلق مجسم تھے اپنی تنخواہ اور گھر کی آمدنی احباب کی دعوتوں پر خرچ کرتے تھے۔ سب انسپکٹری کے واسطے وہ قطعاً موزوں نہ تھے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس عہدے سے استعفا دیا اور گھر چلے آئے۔ دنیا کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہنے والے سنجیدہ اور متین بزرگ ہیں۔ گوشۂ عافیت میں آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ پابند صوم و صلوٰۃ ہیں۔ کبھی کبھی اپنے اعزا سے ملنے باہر چلے جاتے ہیں۔ لوگ ان کی سیر چشمی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ موصوف کی ہمشیر خان بہادر مولوی خلیل الرحمن خاں صاحب رئیس بھیکم پور کو بیاہی گئی تھیں۔ اور آخر الذکر سے گہرے تعلقات تھے۔ چودھری صاحب کی پہلی شادی عبدالشکور خاں صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے جو صاحبزادی ہوئیں وہ خان بہادر حاجی عبیدالرحمن خاں رئیس حبیب گنج کو بیاہی گئیں۔ اور چھوٹی صاحبزادی حاجی صالح خاں کی بہن کے بطن والی اقبال میاں مرحوم متذکرہ بالا کی بیوہ ہیں۔ چودھری محمد شعیب خاں صاحب نے بھی اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد وعلی الخیر کر دیا ہے اور خود متولی ہیں۔ راقم الحروف کو اس ناچیز کتاب کی اشاعت میں موصوف سے بیش قیمت امداد ملی۔ خدا تعالیٰ موصوف کو عرصہ تک زندہ اور خوش و خرم رکھے ؎

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

ہم نے اوپر چودھری خاں صاحب احمد اللہ خاں صاحب الی اسے اپنے چودھری عزیز اللہ خاں کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ایک عرصہ تک اپنی ننھیال حبیب گنج میں اور دوبارہ سہاور میں آنریری مجسٹریٹ رعب داب اور جاہ و جلال کے ساتھ رہے۔ اور ان کے فیصلوں کی دھوم تھی۔

اوقات کے پابند تھے۔ حکومت نے ان خاں صاحب کو "خانصاحب" کا خطاب دے کر خدمات کا اعتراف کیا ؎

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

کا مضمون ہوا۔ اب خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سب جو رہا یا آنریری مجسٹریٹی کے ساتھ ختم ہوگیا۔ وطن سے باہر کم جاتے ہیں۔ صحت کچھ اچھی نہیں ہے۔ کتب اور اخبار بینی سے شوق اور سیاسیات پر گفتگو کرنے کا ذوق ہے۔ مگر یہ ذوق صرف بات چیت تک محدود ہے۔ خلیق اور متواضع ہیں۔ اور انتظام خانہ داری میں ماہر۔ راقم الحروف سے کرم فرما ہیں۔ شادی نواب صدر یار جنگ بہادر کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی۔ سہاور میں ابتدائی تعلیم کا ایک مدرسہ بھی چلایا۔

موصوف کے چھوٹے بھائی انوار اللہ خاں عرف اقبال میاں مرحوم نے بڑی عمر میں بلا اولاد فوت ہوتے ہوئے اس دنیا کو خیر باد کہا۔ اور اپنی عمر کا بڑا حصہ کبوتر بازی کے شوق کی نذر کیا۔

احمد اللہ خاں صاحب موصوف کے ماشاء اللہ دو بیٹے ہیں یعنی ثناء اللہ خاں عرف احمد میاں ثانی جن کی شادی سہسوان ضلع بدایوں کے ایک پٹھان خاندان میں ہوئی اور دوسرے محمد اللہ خاں عرف محمد میاں دونوں جوان صالح ہیں۔ اور اپنے کاروبار میں مصروف ہیں احمد میاں صاحب کو ادبیات سے بھی لگاؤ رہا ہے اور کچھ عرصہ تک علی گڑھ میں ایک مکتبہ کے مالک رہے ہیں۔ اب تجارت میں لگے رہتے ہیں۔ احمد اللہ خاں کی صاحبزادی عفیفہ خاتون غلام جیلانی خاں عرف اعجاز میاں ابن حاجی مولوی محمد جان خاں صاحب رئیس دادوں کی اہلیہ ہیں اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

اس چوٹی کے خاندان کے علاوہ قصبہ سہاور میں کئی ایک دیگر پٹھان حضرات بھی ممتاز اور باثر ہیں جن کے پورے حالات کے لئے دفتر چاہیئے۔ ہم صرف مختصر چند حضرات کا تذکرہ کریں گے۔ یوں تو سہاور کے پٹھان حضرات ایک جدی ہیں۔ مگر تین چار سو برس کے عرصہ میں مردم شماری کے اضافے سے خاندانوں میں آپس میں کئی کئی پشتوں کا فرق ہو گیا۔ پھر دنیا کے قاعدہ اور قانون قدرت کے مطابق ان میں سے مختلف وجوہ سے بعض حضرات

خوش حال ہوئے بعض متوسط طبقہ میں اور بعض افلاس میں جا پڑے ۔

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

کا مضمون ہے ۔ یہاں کے بعض پٹھانوں نے حکومت متحدہ کی ملازمتوں میں بڑا حصہ لیا ۔ اور معزز عہدوں پر تعینات رہے ۔ منیر احمد خاں مرحوم ایک عرصہ تک پولیس سب انسپکٹر اور انسپکٹر رہے ۔ کانپور کے بارعب اور ... کوتوال رہے ۔ کانپور میں سنہ ۱۹۱۳ء کا مسجد مچھلی بازار کا ہندو گیر ہنگامہ انھیں کے دور دورہ میں ہوا ۔ بعد پنشن سہاور میں گھر پر مقیم رہے ۔ ایک پختہ حویلی اور کوٹھی تعمیر کرائی ۔ نواب سر مزمل اللہ خاں مرحوم سے گہرے تعلقات رکھتے تھے ۔ اپنی پوتی کی شادی صابر علی خاں صاحب ایم ۔ اے ایل ایل بی سابق ڈپٹی کلکٹر کے بیٹے کے ساتھ دھوم دھام سے کی ۔ برادری کے معززین شریک تھے ۔ راقم الحروف بھی حاضر تھا اس موقع پر دیکھا کہ یہاں کے پٹھانوں میں رواج ہے کہ لڑکیوں کی شادی میں قصبہ کے اہل برادری شادی اور انتظامات میں تو شریک ہوتے ہیں مگر لڑکی والے کے یہاں کھانا نہیں کھاتے ۔ معلوم نہیں کہ یہ رواج افغانستان اور پنجاب سے ساتھ آیا یا ہندوستان کے دیگر رسوم کا جزو ہے ۔ دوسرا رواج یہ بھی دیکھا کہ اکثر و بیشتر لڑکیوں کو باپ کی جائداد غیر منقولہ سے ترکہ نہیں ملتا ۔

چودھری حامد علی خاں مرحوم بھی ایک عرصہ تک پولیس سب انسپکٹر اور ڈیری کوتوالیوں کے انچارج رہے ۔ سہاور میں اس طرز کا پختہ مکان بنایا کہ بوقت ضرورت اس کے کئی حصے باہم اور الگ الگ ہو سکتے ہیں ۔ بڑا اچھا باغ قلمی انبہ کا لگایا زمینداری تو ختم ہوگئی باغ خدا کرے قائم رہے ۔ موصوف کے یہاں تا عمر کے ایام کے ان کی مہمان نوازی راقم الحروف کبھی نہ بھولے گا علی گڑھ میں سکنی جائداد حاصل کی اور بیٹے کی شادی دھوم دھام سے کی ۔ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں چھوڑیں ۔

موصوف کے بڑے بھائی ادریس خاں مرحوم بڑے ملنسار اور خلیق اور متواضع تھے ۔ صاف ستھرا مکان ۔ تھوڑی آمدنی میں اس انتظام سے رہتے تھے کہ بڑے زمیندار معلوم ہوتے تھے ۔ چونکہ برلہ کے حاجی عبدالواسع خاں مرحوم کے وہ خالہ زاد بھائی تھے اس لئے دونوں کا

ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا رہتا تھا۔ اور کبھی کبھی راقم الحروف کا بھی سہسوار میں موصوف کے یہاں قیام اور ان کی مہمان نوازی سے مستفید ہوتا تھا۔ موصوف کی بیوہ ہمشیر راقم الحروف پر بڑی شفقت کرتی تھیں۔ افسوس کہ ؎

آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

موصوف کے بڑے بیٹے حافظ مقبول احمد خاں اور دیگر اولاد گھر پر مقیم ہے اور شاید راقم الحروف سے واقف بھی نہ ہوں۔ تجارت اب اُن کا ذریعہ معاش ہے۔

موصوف کے چچازاد بھائی چودھری لقی خاں مرحوم کا ایک عرصہ تک ریاست دادوں سے تعلق رہا۔ ان کے بیٹے الیاس خاں اب گھر پر مقیم ہیں۔ ادریس خاں مرحوم سے بڑے اُن کے چچا زاد بھائی محمد سعید خاں مرحوم ہوئے۔ ان کے بیٹے چودھری عبدالقیوم خاں اپنی خصوصیات اور راقم الحروف سے لڑکپن کے زمانے سے تعلقات کی وجہ سے قابل ذکر ہیں۔ علاوہ قدیم رشتہ داری کے (جس کا اب کوئی سلسلہ ہم دونوں کی بدقسمتی سے باقی نہیں ہے) راقم الحروف اپنی ملازمت کے زمانہ میں اور بعد کو بھی ان کی خوش مذاق صحبت اور طبع و تشنیع کے مظاہرے سے لطف اٹھاتا رہا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ بحمد اللہ اب بھی جی رہے ہیں۔ ان کو ضعف بصارت اور بقول بعض حضرات ضعف دماغ کی شکایت ہے اور بندہ کو ضعف سماعت کی اور ضعف اعصاب کی۔ اب حالت یہ ہے کہ ؎

میری ان کی رسم الفت مٹ گئی
دن گیا گذریں زمانہ ہوگیا

خدا گواہ ہے کہ بچپن سے میری اور ان کی صحبت غریب تھی۔ ان کے خاندان کے کچھ لوگ پاکستان میں براج رہے ہیں۔ لقی خاں مرحوم کے بھائی رکنی خاں بھی خوب آدمی تھے۔ اولاد کا حال مجھے معلوم ہوگا۔ حبیب اللہ خاں مرحوم کے بیٹے حبیب اللہ خاں مرحوم کے خاندان میں جو دو ہیں؟ توصیف اللہ خاں صاحب بھی راقم الحروف کے کرم فرما ہیں۔ پولیس سب انسپکٹری سے ترقی کی۔ لکھنؤ کی نمائش کے زمانہ میں راقم الحروف نے شاہ جہاں پور سے جا کر موصوف کی مہمان نوازی سے جب کہ وہ ڈپٹی کوتوال لکھنؤ میں تعینات تھے فائدہ اٹھایا۔ اور پھر تین سال تک موصوف کا بندہ کا ساتھ رہا اس وقت

رہا جب کہ راقم الحروف ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک بطور سکریٹری سنی مرکزی وقف بورڈ لکھنؤ میں تعینات رہا۔ اس زمانہ کا لطف صحبت اور قصبہ دلوا میں جہاں موصوف کے عزیز ڈاکٹر جمیل الرحمن خاں تعینات تھے لطف شکار ہمیشہ یاد رہے گا۔ اب موصوف آگرہ میں اڈیشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ اللھم زد فزد، خدا تعالیٰ ان کے مدارج میں ترقی دے۔

موصوف کے بڑے بھائی رحمت اللہ خاں سے اس وقت سے ملاقات تھی جب کہ وہ مرحوم سیوانی اسکول چھپرہ میں زیر تعلیم تھے۔ موصوف کے دو بھائی حکیم حشمت اللہ خاں حکیم سعادت اللہ خاں طبابت کا پیشہ کرتے ہیں۔ اور ایک بھائی اطیع اللہ خاں صاحب میرس روڈ علی گڑھ پر قیام رکھتے ہیں مگر کچھ عرصہ سے صحت خراب ہے۔ خدا تعالیٰ موصوف کو صحت عاجل و کامل عطا فرمائے۔

چودھری مسیح اللہ خاں صاحب مرحوم اور چودھری اسرائیل خاں صاحب جو بلند خاں قدیم کی شاخ میں ہیں محکمہ آبکاری میں انسپکٹر رہے۔ اول الذکر کی عمر نے وفا نہ کی۔ راقم الحروف آخر الذکر کا احسان مند ہے کہ ان سے سابق ڈگی والی کوٹھی علی گڑھ اور حال نشاط کے قیام میں اپنے طالب علمی کے زمانہ میں درس میں امداد لی۔ طالب علمی ہی کے زمانہ سے صلاح و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد حافظ ہوئے حاجی ہوئے اور اب گھر پر مقیم ہیں موصوف کے ایک صاحبزادے ایم۔ اے ہیں اور اب پاکستان میں ہیں۔

اسی خاندان میں چودھری عبد العزیز خاں اور چودھری حاجی روح اللہ خاں صاحب ممتاز اور با اثر حضرات میں ہیں۔ چودھری روح اللہ خاں صاحب کے تعلقات ملازمت ایک عرصہ تک ریاست بھیکم پور سے رہے۔ اور چودھری عبد العزیز خاں صاحب کا تعلق ریاست ملک پور سے رہا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ انتقال کر گئے۔

الٰہی بلند خاں قدیم کی شاخ میں راقم الحروف کے کرم فرما اور ہم سبق چودھری شفیع الرحمٰن خاں صاحب ہیں جن کا قیام کچھ دن تک قطب پور میں رہا۔ اور اب علی گڑھ میں قیام ہے۔ گوشہ عافیت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ موصوف کے والد چودھری ابراہیم خاں ایک عرصہ تک نواب اسماعیل خاں رئیس دتاولی کے کارندے رہے۔ شفیع الرحمٰن خاں صاحب کے چھوٹے بھائی حبیب الرحمٰن خاں صاحب بھی ریاستوں میں کارندے رہے اور پڑھانے

زمانہ کے ریاستی کاغذات کی ترتیب اور سیاق میں اور اپنی سخت ایمان داری میں مشہور ہیں۔ شفیع الرحمٰن خاں صاحب کے بڑے بیٹے حکیم انوار احمد خاں صاحب ہیں جن کی شادی راقم الحروف کے خاندان میں ہوئی۔ یہ آجکل حکومت صوبہ میں یونانی اور ویدک شفا خانہ جات کے ڈویژنل انسپکٹر ہیں۔ اور لکھنؤ میں تعینات ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو اور ان کی اولاد کو خوش و خرم رکھے۔ آمین۔ دوسرے چھوٹے بیٹے پاکستان میں ہیں۔

یہاں کے مشہور یونانی اطبا میں حکیم محمد الیاس خاں صاحب ہیں جو طبیہ کالج دہلی کے تعلیم یافتہ اور حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کے صحبت یافتہ ہیں۔ مسلم یونیورسٹی میں سابق طبیہ شفاخانہ کے انچارج رہے۔ دہلی میں طبیہ کالج کے اساتذہ میں رہے۔ قرول باغ میں تقسیم ہند سے قبل ایک دوسرے یونانی طبیہ کالج کی بنا ڈالی۔ اور وہاں سکنی جائداد حاصل کی۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد کے واقعات سے دہلی میں ان کی جائداد کو نقصان پہونچا۔ باونہ میں بذریعہ اپنی اہلیہ ستول فاطمہ ہمشیرہ مولوی ظفر حسن خاں مرحوم سنہ ۱۹۲۹ء سے اگست سنہ ۱۹۵۲ء تک کے ہر قسم کے تنازعات کے بعد زمینداری پائی جو اب ختم ہو گئی۔ اب محلہ بلی ماران دہلی میں مطب کرتے ہیں۔ موصوف کے صاحبزادے حکیم الیاسین خاں نے اعلیٰ درجہ کی انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یونانی طبی تعلیم پائی۔ اپنے والد بزرگ کے مطب میں تجربہ حاصل کرنے کے بعد اب حیدرآباد دکن میں ایک یونانی شفاخانہ کے انچارج ہیں۔

ریاست دادوں کے ہادی یار خاں مرحوم کی ہمشیرہ عفت فاطمہ اور جنت فاطمہ سہاور میں حمایت علی خاں و ولایت علی خاں کو بیاہی گئیں۔

اس شاخ میں چودھری عبدالحمید خاں ریاست دادوں کے علاوہ مومن پور ضلع ایٹہ کے منتظم رہے۔ اور اس خاندان کے دیگر افراد کا بھی اس ریاست سے تعلق رہا۔

یہاں کے جتنی پٹھانوں کا کسی شاخ سے تعلق ہے ان کا حال شجرہ سے معلوم ہوگا۔ راقم الحروف کے کرم فرما چودھری عبدالواحد خاں کا تذکرہ لازمی ہے۔ ان کے تذکرہ کے بغیر سہاور کا یہ خاکہ نامکمل رہ جاوے گا۔ موصوف سے بہم فراہمی شجرہ جات اور اس ناچیز تصنیف میں مدد ملی جس کے واسطے ہم ان کے احسان مند ہیں۔ موصوف نے انگریزی کی کچھ تعلیم حاصل کی اور پھر گھر پر رہ کر

اخبار اور کتب بینی سے اپنے علم میں اضافہ کیا۔ ایک زمانہ میں یہاں کی سیاسیات میں بڑا حصہ لیا۔ اور اب موجودہ حکومت کے حامی ہیں۔ پکے مسلمان اور خلیق ہیں ان کی صحبت میں آدمی گھبراتا نہیں ہے بلکہ بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں

کسی وجہ سے چودھری محمد علی خاں شہید کے لڑکے اور ان کے دوسرے بیٹے ظہور اللہ خاں کو چودھری امام خاں کی جائداد سے ترکہ نہیں ملا۔ مگر خاندان میں تعلقات اچھے رہے ہیں۔ ظہور اللہ خاں کی بیٹی جو کفایت علی خاں (والد چودھری عبدالواحد خاں) کو بیاہی گئیں اتنی صاحب جائداد نہ ہو سکیں جس قدر کہ چودھری نور اللہ خاں مرحوم کا خاندان۔ چودھری عبدالواحد خاں اب گوشہ عافیت میں پڑے ہیں۔ ابھی حال میں ان کا ایک جوان صالح تعلیم یافتہ بیٹا ان کو اور اعزا کو داغ مفارقت دے گیا۔ خدا مغفرت کرے۔ ماشاء اللہ کثیر الاولاد ہیں۔ خدا تعالیٰ مدت تک ان کو خوش و خرم رکھے۔

چودھری نور اللہ خاں مرحوم کے چچا کی اولاد میں عظیم اللہ خاں مرحوم، عظمت اللہ خاں مرحوم مشہور ہیں۔ ان کے بھائی مجیب خاں باثر لوگوں میں تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جوان عمری میں اس دنیا سے چل بسے۔ ان دونوں حضرات کے بھائی ماشاء اللہ خاں صحیح معنی میں ماشاء اللہ اپنے بھائیوں کے جانشین ہیں۔ خوش مزاج اور خوش خلق ہیں۔ ان کی صاحبزادی کی شادی حکیم الیاس خاں کے صاحبزادہ کے ساتھ ہوئی تو بڑی چہل پہل رہی۔ اور عمدہ کھانوں کی بہار رہی۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم بھی اس میں شریک تھے۔

بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ بخلاف شرفائے دنیا کے یہاں کے پٹھانوں کو تجارت سے بھی رغبت ہے۔ چنانچہ منور خاں ابن ہادی خاں کی شاخ میں چودھری حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم ایسے لوگوں کے تاجر اعظم تھے۔ اور پختہ اینٹوں کے بھٹوں اور تجارت سے پورا فائدہ حاصل کیا۔ بعض دیگر حضرات بھی دکانداری اور چھوٹی چھوٹی تجارتوں سے اس نازک زمانہ میں اپنا پیٹ پال کر عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

یہاں کی ایک شاخ میں ملند خاں اول مشہور ہوئے۔ ان کے نام سے پٹھان پٹھانوں کی آبادی میں چوک ملند خاں اب تک ان کے نام کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ اس شاخ

میں قطب علی خاں اور وارث علی خاں تھے ۔ وارث علی خاں قطب پور میں جا کر بس گئے ۔ قطب پور کے خان زماں خاں جو یاسین خاں کی اولاد میں تھے ۔ لاولد تھے ۔ مگر ایک ثلث قطب پور کے زمیندار تھے ۔ یہ قطب علی خاں اور وارث علی خاں کے غالباً پھوپا تھے اور چونکہ لاولد تھے وارث علی خاں کی پرورش کی ۔ اُن کے متروکہ سے قطب علی خاں کو شاہ گڈھ میں کئی سو بیگہ دخیل کاری اراضی ملی ۔ اور وارث علی خاں نے بھی حصہ پایا ۔ وارث علی خاں کی اولاد میں عبدالصمد خاں پھر سہاور چلے آئے ۔

اور قطب علی خاں کی اولاد میں طفیل احمد خاں ہیں جو راقم الحروف کے کرم فرما ہیں ۔ اور ایک زمانہ میں شروانی اسکول چھرہ میں تعلیم پاتے تھے ۔ سہاور میں برا بر رہے ہیں قطب علی خاں کی شادی بھاموں میں عبدالرحمن خاں کی ہمشیر کے ساتھ ہوئی ۔ اور طفیل احمد خاں کی شادی نقی خاں صاحب سہاور کی دختر کے ساتھ ہوئی ۔ جیسا کہ شجروں سے معلوم ہوگا ۔ مگر افسوس ہے کہ شاہ گڈھ کی دخیل کاری کا بڑا حصہ ہاتھ سے نکل گیا ۔

بلند خاں اول چودھری ابراہیم خاں ۔ حاجی روح اللہ خاں ۔ چودھری عبدالعزیز خاں ۔ چودھری اسرائیل خاں وغیرہ کی شاخ کے مورث تھے ۔ جیسا کہ شجرے سے معلوم ہوگا ۔ مگر جیسا کہ دوسرے مقامات پر ہو رہا ہے اب پٹھان بلندی سے پستی کی طرف مائل ہیں ۔ خدا اپنا فضل و کرم کرے ۔ آمین ۔

یہاں کے ایک خاندان کا مختصر ذکر بھی ضروری ہے یعنی شادی خاں ابن ہادی داد خاں کی شاخ ۔ شادی خاں ٹنڈولی میں جا کر بسے اُن کے کچھ بیٹے سہاور میں رہے اور ایک بیٹے بھیکن خاں ٹنڈولی میں رہے ۔ بھیکن خاں کے بیٹے شریف خاں رکھوال میں چلے گئے ۔ اور پھر وہاں سے اُن کے بیٹے ایوب خاں کو آخر الذکر کی خالہ عزیز النساء زوجہ منظہر علی خاں شہید نے پرورش کیا اور موہن نگلہ دیا ۔ اس لیئے رکھوال سے ایوب خاں موہن نگلہ متصل سہاور میں چلے گئے جہاں اُن کی اولاد مقیم ہے ۔ ایوب خاں کی شادی حلیمہ بیگم دختر ہدایت اللہ خاں ہمشیر امانت اللہ خاں وغیرہ بلوز سے ہوئی ۔

ایوب خاں کی اولاد میں عبید اللہ خاں ہیں جو ایک زمانہ میں علی گڑھ میں انگریزی تعلیم حاصل کرتے تھے

جب کہ راقم الحروف ملازمت کے سلسلے میں وہاں تعینات تھا۔ اب یہاں سربرآوردہ اور ممتاز ہیں راقم الحروف کے کرم فرما ہیں۔ اگرچہ ملاقات بہت کم ہوتی ہے۔ اس خاندان کے نام شجرہ سے معلوم ہوں گے راقم الحروف کو یہ حسرت ہی رہی کہ کبھی موہن ننگلہ کے ریت اور خشک آب وہوا سے دوچار نہ ہوا۔

شیروانیوں کی طرح سہاور کے بعض حضرات خصوصاً نوجوان بغرض ملازمت پاکستان چلے گئے اور معلوم نہیں کس حال میں ہیں۔ اب ہم اس داستان کو ختم کرتے ہیں ؎

شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می خیزد

ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ شیروانیاں اور پٹھانیاں کہاں کہاں آباد ہیں۔ علی گڑھ اور ایٹہ سے باہر رہنے والے ان قبیلوں کے پٹھانوں کے واسطے ایک علیحدہ کتاب چاہیئے جس کے واسطے اجمالات سازگار نہیں ہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ باہر کے شیروانیوں اور پٹھانوں میں اب دوسرے قبیلوں اور خیلوں اور ذاتوں کے خون کی آمیزش ہوگئی ہے۔ کہیں کہیں تو صرف شیروانیوں کے محلوں کے نام رہ گئے ہیں اور وہاں شیروانی آبادی نہیں ہے۔ جیسے رامپور ضلع مین پوری۔ یا بہرائچ اودھ میں یا بہار سے اور ایٹہ ضلع کے دیہات۔ الوا۔ ڈوری۔ رکھالہ۔ بہادرپور۔ اللہ داد پور وغیرہ میں۔

اب ہم سابق ریاست مالیرکوٹلہ پنجاب اور سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ کے شیروانیوں کا مختصر ذکر کریں گے۔ کیوں کہ یہاں بھی دس بیس نام لیوا شیروانی خاندان باقی رہ گئے ہیں۔ ریاست مالیرکوٹلہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہی۔ قسام ازل نے اتنے ہی دن کی ترقی اور چند روزہ عروج اور پھر زوال اس کی قسمت میں لکھا تھا۔ آئندہ کا علم عالم الغیب والشہادۃ کو ہے۔ بقول شاعر ؎

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

راقم الحروف کہاں کہاں جائے اور ناظرین کے لئے کہاں کہاں سے شیروانیوں اور پٹھانوں کی داستانیں لائے۔ زمانہ کی حالت پر ہر ضلع بیزار زار اور رو رہا ہے اور بقول شاعر کہتا ہے ؎

جہاں بھر میں تیرے کہاں کہاں چرچے
خدا نے کر دیا کیا حال آشیانے کا

ریاست مالیرکوٹلہ

(پنجاب)

اور اس کے فرماں روایان

اب یہاں ریاست مالیرکوٹلہ پنجاب کے شروانی فرماں رواؤں کے مختصراً کچھ حالات درج کیے جاتے ہیں۔ مفصل تاریخ کے واسطے ایک علیحدہ کتاب چاہیے۔ یہ تفصیل ریاست کے گزیٹیر مصنفہ ۱۹۰۷ء اور سردار محمد حیات خاں صاحب کی کتاب "حیات افغانی" سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ ریاست پنجاب کے ضلع لودھیانہ سے جنوب مشرق میں واقع ہے اور اس کے حدود ریاست پٹیالہ سے بھی ملتے ہیں۔ یہ پنجاب کی چھوٹی سی ریاستوں میں سے اور واحد اسلامی ریاست تھی جو تقسیم ہند کے بعد پنجاب مشرق کی ریاستوں کی یونین میں شامل کر دی گئی اور اس کی خود مختاری زمانہ کی نیرنگی سے ختم ہو گئی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے عہد بہلول لودھی میں ایک شروانی بزرگ حضرت صدر جہاں ابن شیخ زندہ پیر شروانی ابن حضرت شیخ مثال شروانی ملک (وہ افغانستان کی اولاد میں سے تھے) پنجاب میں دریائے ستلج کی ایک شاخ کے کنارے موضع بھوسی میں جہاں اب مالیرکوٹلہ واقع ہے اس جگہ کی تنہائی اور خاموشی کو پسند کر کے آ بسے۔ یہ حضرت صدر جہاں علیہ الرحمۃ حضرت رکن عالم ملتانی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ جو حضرت رکن الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے بہلول لودی اپنے مہمات کے سلسلہ میں جب اس موضع کی طرف آنکلا تو اس نے حضرت صدر جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے تقدس اور ریاضت کا حال سنا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد چندے بہلول لودی نے اپنی لڑکی کا نکاح حضرت صدر جہاں کے ساتھ کر دیا۔ بارہ بڑے اور کچھ چھوٹے مواضعات بطور جہیز اپنی لڑکی کے حضرت صدر جہاں کو بطور معافی کے دیئے۔ انہیں مواضعات سے بعد آنے والے زمانہ میں ریاست مالیرکوٹلہ کی بنا پڑی۔ اس کے ابتدائی رقبہ میں دیگر علاقوں کے شمول

مسلسل اضافہ ہوا۔ مگر آخر میں پھر کچھ علاقہ اس ریاست سے نکل گیا۔ حضرت صدر جہاں مالیری کے تین بیٹے ہوئے جن میں سب سے بڑے عیسیٰ خاں تھے۔ اور دوسرے بیٹے حسن خاں تھے۔ عیسیٰ خاں شیروانی ابن حضرت صدر جہاں کی اولاد سے موجودہ حکمراں خاندان ریاست مالیرکوٹلہ ہے اور حسن خاں شیروانی کی اولاد میں حضرت صدر جہاں علیہ الرحمۃ کے مزار کے خلفاء اور سجادہ نشین ہوتے ہیں۔ جب ۱۵۱۵ء میں حضرت صدر جہاں اس دنیا سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے تو ان کی اولاد میں تقسیم ترکہ پدری پر تنازعہ ہوا۔ صوبہ کے حاکم وقت نے فیصلہ کر کے جائداد کا بڑا حصہ عیسیٰ خاں کو دلایا۔ آگے چل کر صوبیدار سرہند کسی وجہ سے مخالف ہو گیا تو اس خاندان پر مصیبت آئی اور عیسیٰ خاں کو مالیرکوٹلہ چھوڑنا پڑا۔ راجہ سول پت کے یہاں انھوں نے پناہ لی۔ جب شیر شاہ سوری کا زمانہ آیا تو عیسیٰ خاں کے بیٹے محمد شاہ خاں نے صوبیدار سرہند کو ہموار کر کے اور کچھ دے کر اپنا علاقہ واپس پایا۔ حضرت صدر جہاں رحمۃ اللہ علیہ سے پانچویں پشت میں بایزید خاں ابن فتح خاں تھے۔ انھوں نے سنہ ۱۶۵۷ء میں مالیر کے قریب قصبہ کوٹلہ بسایا۔ قلعہ بنایا اور بادشاہ دہلی کے دربار میں رسوخ حاصل کیا۔ بادشاہ نے ان کے علاقہ میں اضافہ کیا اور نواب کا خطاب عطا کیا۔ اب اس ریاست کی ترقی شروع ہوئی۔ ۱۶۵۹ء یعنی عہد اورنگ زیب میں بایزید خاں کے انتقال پر ان کے بیٹے فیروز خاں جانشین ہوئے۔ اور ان کے بعد سنہ ۱۶۷۲ء میں شیر محمد خاں ریاست کے مالک اور نواب ہوئے۔ یہ بہت بہادر اور اپنے زمانہ کے ممتاز فوجی سرداروں میں سے تھے۔ بادشاہ وقت کی طرف سے بہار کی طرف فوجی مہم پر بھیجے گئے۔ اور اس میں کامیابی کے صلہ میں سات دیگر دیہات جاگیر میں ملے۔ انہی میں موضع شیرپور تھا جہاں انھوں نے قلعہ بنایا۔ مگر یہ علاقہ اس آخر زمانہ میں ریاست مالیرکوٹلہ سے نکل کر پٹیالہ ریاست کے قبضہ میں ہو گیا۔ مگر یہ زیادہ دن تک چین سے نہ بیٹھنے پائے تھے کہ ملحقہ علاقوں کے سکھوں نے ہاتھ پیر نکالے۔ اور اپنی طاقت بڑھانا شروع کر دی۔ انھوں نے ریاست مالیرکوٹلہ کے خلاف زور اور قسمت آزمائی کی۔ اس مخالفت کا سلسلہ بہت دن تک جاری رہا۔ کبھی نواب جیتے اور کبھی ہارے۔ مگر اس خلفشار کا خراب اثر ریاست مالیرکوٹلہ پر پڑا۔ موضع چھپکپور کی

حدود میں نواب شیر محمد خاں اور سکھوں کے گورو تیغ بہادر سے لڑائی ہوئی۔ نواب کامیاب ہوئے۔ مگر اُن کے خاندان کے کئی ایک افراد شہید ہو گئے۔ گورو گرفتار ہوئے تو نواب نے ان کو دہلی بھیج دیا۔ یہ جھگڑا سکھوں کی طرف سے محض ریاست سے ہی نہ تھا بلکہ در اصل اورنگ زیب کے خلاف تھی۔ اس لڑائی کے صلہ میں ان کی ریاست میں اور بھی اضافہ ہوا۔ مگر اُن کا وقت آ چکا تھا۔ ۱۷۱۳ء میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کے بیٹے غلام حسین خاں گدی پر بیٹھے۔ دہلی کی مرکزی حکومت تنزل میں تھی۔ اور شاہ عالم بہادر شاہ کے بیٹے جہاں دار شاہ کا زمانہ تھا۔ بادشاہ کو اپنے عیش و طرب سے فرصت نہ تھی۔ سادات بارہہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا تھا۔ اس کو دین و دنیا کی خبر نہ تھی۔ عثمان یار خاں روہیلہ نے ریاست مالیر کوٹلہ پر حملہ کیا۔ مگر اس میں اور غلام حسین میں صلح ہو گئی۔ نواب غلام حسین خاں نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کے مقابلہ میں اپنے بھائی جمال خاں کو ترجیح دی۔ اور ریاست آخر الذکر کے سپرد کر کے خود پانچ گاؤں پر اکتفا کیا۔ یہی نواب جمال خاں حال کے فرماں روایان ریاست کے مورث تھے۔ یہ سکھ گورو تیغ بہادر کے زمانہ اور واقعہ سے سکھ اس ریاست سے خار کھائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور موقعہ کے منتظر تھے۔ چنانچہ راجہ پٹیالہ نے اس ریاست پر حملہ کر دیا۔ اور سنگھڑہ میں لڑائی ہوئی تو راجہ جیتا اور مالیر کوٹلہ کے بہت سے علاقہ پر اس نے قبضہ کر لیا اسی علاقہ میں موضع [illegible] تھا جس کو امر سنگھ راجہ پٹیالہ نے تھوڑے دن کے لئے اپنی راجدھانی بنایا۔ ۱۷۴۷-۴۸ء میں احمد شاہ درانی نے نواب جمال خاں سے سکھوں کے خلاف امداد طلب کی تو نواب جمال خاں نے اپنے بیٹے کے ساتھ سکھوں کے خلاف فوج بھیجی اور سکھ ہار گئے۔ مگر کچھ دن بعد رائے کوٹ کے راجہ سے اور پٹیالہ کے راجہ امر سنگھ سے ان بن ہوئی۔ تو جمال خاں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے مواضعات واپس لینے کی کوشش میں رائے کوٹ کا ساتھ دیا۔ مگر قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ ادھر اتفاق سے [illegible] ہوئی۔ پٹیالہ کو اس لڑائی میں کامیابی ہوئی۔ تو ہر نالہ ریاست مالیر کوٹلہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مگر نواب نے یوں بدلہ لیا۔ کہ پٹیالہ کے مواضعات بھی واڑہ اور رویہ کو دبا لیا۔ اور شطرنج کی یہ چالیں جاری تھیں

جب احمد شاہ درانی کے ہندوستان سے واپس چلے جانے کے بعد مرکزی حکومت دہلی کے کمزور صوبیدار ادینہ بیگ نے دیگر سکھوں سے صلح کر لی۔ تو سکھوں نے پھر نواب موصوف سے بدلہ لیا۔ وہ خود شہید ہوئے۔ اور روپڑ ریاست مالیرکوٹلہ کے قبضہ سے نکل گیا۔ نواب جمال خاں نے پانچ بیٹے چھوڑے جن میں سے سب سے بڑے نواب بھیکن خاں گدی پر بیٹھے۔ ان کے تعلقات سکھوں سے مثل ۳۲ دانتوں کے درمیان زبان کی طرح تھے۔ کبھی اچھے رہے کبھی خراب۔ یہ شطرنج کی چالیں جاری تھیں۔ کہ احمد شاہ درانی نے دوبارہ ہندوستان پر حملہ کیا۔ نواب نے احمد شاہ درانی کا ساتھ دیا۔ اور سرہند میں سکھوں سے لڑ کر اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کا کچھ حصہ واپس لے لیا۔ احمد شاہ درانی نے نواب موصوف کو اپنا سکہ جاری کرنے کی اجازت دی۔ مگر جب احمد شاہ درانی کی پشت پناہی ختم ہوئی اور وہ پانی پت میں مرہٹوں کو ہرا کر پھر افغانستان کو واپس ہوا تو ریاست پٹیالہ کے راجہ نے نواب موصوف سے بدلہ لیا۔ سانہ کے قریب کالا جھاڑ پر لڑائی ہوئی۔ تو نواب ہار گئے۔ اور میدان جنگ سے مالیر کوٹلہ کو واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ایک سکھ نے ان کو شہید کر دیا۔ نواب بھیکن خاں کے دونوں بیٹے نابالغ تھے۔ ان کے ولی سرپرست بھیکن خاں کے بھائی بہادر خاں نواب اور گدی کے مالک بن بیٹھے۔ مگر خزانہ پر نواب بھیکن خاں کی بیوہ بیگم نے قبضہ نہیں ہونے دیا۔ اس خاندان کے آپس کے تعلقات کی کشیدگی سے سکھوں نے فائدہ اٹھا کر پھر ریاست پر حملہ کیا۔ اور موضع جمال پور لڑائی میں نواب بہادر خاں شہید ہو گئے۔ کچھ اور علاقہ ریاست کے قبضہ سے نکل گیا۔ نواب بہادر خاں نے دو بیٹے چھوڑے یعنی ہمت خاں اور دلیر خاں آخر الذکر نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا۔ نواب بہادر خاں کے بعد ان کے بھائی گدی پر بیٹھے۔ ان کو بھی سکھوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور لڑائی کے سلسلے جاری رہے مگر رائے کوٹ کے راجہ نے ان آئے دن کے جھگڑوں قضیوں اور خون خرابہ کو ختم کرنے کے لئے درمیان میں پڑ کر مالیرکوٹلہ اور پٹیالہ میں صلح کرا دی۔ جس کی شرائط کی رو سے بہت سا علاقہ مالیرکوٹلہ کو واپس مل گیا۔

نواب بہادر خاں کے بھائی کے انتقال کے بعد ان کے بھائی اسد اللہ خاں نے

گدی سنبھالی۔ اُن کے اور سکھوں [illegible] اچھے رہے۔ اسد اللہ خاں کے انتقال کے بعد پھر ریاست کی گدی جمال خاں کے خاندان میں لوٹی۔ اور جمال خاں کے پانچویں بیٹے عطاء اللہ خاں ریاست کے مالک اور نواب ہوئے۔ ان کے عہد میں بھی سکھوں سے ان بن رہی۔ اور سکھوں کا ہینڈی مالیر تک پہونچ کر اس پر قریب قریب قابض ہو چلا تھا کہ زخمی ہو جانے کی وجہ سے اُس نے اپنی فوج وہاں سے ہٹالی۔ سنہ ۱۷۸۸ء سے لیکر انگریزوں کے آنے تک ستلج اور دریائے جمنا کے درمیانی علاقہ سکھوں کی تاخت و تاراج میں تھا۔ اور اُن کے اثر تسلط میں یا کیوں کہ مرکزی سلطنت کمزور اور [illegible] تھی۔ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھی۔

جب سنہ ۱۸۰۳ء میں کول میں انگریزی فوج کے جنرل لارڈ لیک نے [illegible] سندھیا کی فوج کو اور سنہ ۱۸۰۵ء مرہٹہ راجہ ہولکر کو اور بھرت پور کے جاٹ راجہ کو شکست دی تو سکھوں کی آنکھیں کھلیں۔ ان موقعوں میں ریاست مالیر کوٹلہ کے نواب عطاء اللہ خاں نے انگریزوں کو مدد دی۔ سنہ ۱۸۰۸ء میں رائے کوٹ کے راجہ کو بے دخل اور اس [illegible] کی ریاستوں میں تقسیم کرنے کے بعد لاہور کے مہاراجہ رنجیت سنگھ [illegible] مگر نواب عطاء اللہ خاں نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ دے کر اس کو [illegible] ساتھ ادا نہ ہوسکنے کی وجہ سے ریاست کے پانچ گاؤں مہاراجہ [illegible] کے قبضہ میں بطور رہن دینے پڑے۔ مگر رنجیت سنگھ نے پیال [illegible] کرنے کے بہانے سے اس علاقہ میں اپنی چوکیاں قائم کیں۔ اور [illegible] اور تحصیلدار مقرر کئے۔ مگر سنہ ۱۸۱۰ء میں انگریز یہاں تک پہونچ گئے۔ [illegible] اختر لونی نے ریاست کی حدود سے سکھوں کو نکالا۔ اور ریاست کو انگریزی [illegible] میں لے لیا۔ گویا پور کے ساتھ گٹھ بندھن نے اپنا رنگ دکھایا۔

سنہ ۱۸۱۰ء میں نواب عطاء اللہ خاں کا انتقال ہوا۔ آپس میں گدی نشینی [illegible] مغلا افغانستان سے آئی ہوئی نسل کے پٹھان اس سے کب باز رہ سکتے تھے۔ ان کا تو روزمرہ کا مشغلہ اور کھیل یہی تھا۔

نواب بھیکن خاں کے بیٹے وزیر خاں کے اس دعوے پر کہ گدی نواب بہادر خاں کی
اولاد میں نہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ انھوں نے بھیکن خاں کے انتقال پر ناجائز طور سے
آخر الذکر کی اولاد کو بے دخل کر دیا تھا۔ انگریزی حکومت کی طرف سے ریاست نواب
وزیر خاں کو دلائی گئی۔ انھوں نے احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔ یہ اور ان کے بیٹے
انگریزی فوج کو مدد دیتے رہے۔ اور انگریزوں کی طرف سے گورکھوں کے خلاف لڑے
سنہ ١٨٢١ء میں نواب وزیر خاں کی زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ اور نواب امیر خاں ان
کے جانشین ہوئے۔ انھوں نے سنہ ١٨٣٩ء میں کابل کی پہلی لڑائی میں اور پھر گورکھوں
کے خلاف دوسری لڑائی میں انگریزوں کو مدد دی۔ جس پر انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی
حکومت نے دو گاؤں ان کو دے کر ریاست میں اضافہ کیا۔ سنہ ١٨٤٦ء میں یہ نواب بھی دنیا سے
چل بسے تو نواب محبوب خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ سنہ ١٨٥٧ء کی شورش میں وہ
انگریزوں کے طرفدار رہے۔ اور نہ معلوم کچھ صلہ پایا یا نہیں۔ مگر اس کے دو سال بعد ہی وہ
انتقال کر گئے۔ ان کے بیٹے سکندر علی خاں گدی پر بیٹھے۔ مگر ان کے تعلقات اپنے
خاندان سے اچھے نہیں رہے۔ اگرچہ انھوں نے اس حالت کے سنبھالنے کی کوشش
کی اور ریاست میں ہی ابراہیم علی خاں ولد دلاور علی خاں کو جو نواب عطاء اللہ خاں کی شاخ
میں تھے سرکار انگریزی کی اجازت سے ولی عہدی کے واسطے نامزد کیا تھا۔ چوں کہ
نواب جلال خاں کی اولاد میں ریاست کی نوابی اور ترکہ کے بابت کشمکش اور تنازعہ تھا۔ اس
لئے انگریزوں نے اس کے تصفیہ کے لئے ایک پنچایت مقرر کی۔ سنہ ١٨٧١ء میں سکندر علی خاں
کا انتقال ہو گیا۔ اور نامزد شدہ ولیعہد ابراہیم علی خاں ریاست کے مالک ہوئے۔ مگر چوں کہ
[illegible] ریاست کا انتظام ایک [illegible] کے سپرد [illegible]
[illegible] سنہ ١٨٩٥ء میں انگریزوں نے آخری [illegible]
[illegible] ریاست [illegible] نواب [illegible] اپنے ریاست میں خود مختاری
[illegible] وہ [illegible]
اس ریاست نے بہت ترقی کی۔ آمدنی میں بھی اضافہ ہوا۔ اور ریاست کے [illegible]

مگر شومیٔ قسمت دیکھئے کہ کچھ دن بعد نواب صاحب کی بیگم صاحبہ اور بڑے بیٹے کے قبل از وقت انتقال کی وجہ سے نواب صاحب موصوف کی صحت اور اُن کے دماغ پر خراب اثر پڑا۔ تو انگریزی حکومت نے خرابیٔ انتظام کی وجہ سے ۱۹۰۳ء تک ریاست کو ایک نگران کار کے انتظام میں رکھا۔ آخری نگران کار سر امیر الدین خاں مرحوم والیٔ ریاست لوہارو تھے۔ ۱۹۰۳ء میں نواب موصوف کے انتقال پر اُن کے بیٹے نواب احمد علی خاں ریاست کے مالک اور جانشین ہوئے۔ راقم الحروف نے موصوف کو دیکھا ہے۔ وہ اپنے کام میں ہوشیار اور خلیق تھے۔ اُن کے زمانہ میں مالیر کوٹلہ کے شروانیوں سے اور دتاؤلی ضلع علی گڑھ کے شروانی خاندان سے رشتہ داری کے تعلقات اس طرح پر قائم ہوئے کہ نواب موصوف کے بھائی صاحبزادہ جعفر علی خاں صاحب کی شادی حاجی یوسف خاں مرحوم رئیس دتاؤلی و بڈھانسی کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔

ممدوح شان و شوکت کے ساتھ علی گڑھ میں بارات لائے۔ نواب سر فیاض علی خاں صاحب لال خانی رئیس پہاسو کی عالیشان کوٹھی پر بارات ٹھہرائی گئی۔ ریاست کا بینڈ باجہ ساتھ تھا۔ اور اسی کے ساتھ نواب ممدوح کے ساتھ رقص و سرود کے طائفے بھی تھے چونکہ یہاں کے شروانیوں میں یہ خلاف شرع اور فضول خرچی کی رسم داؤد خاں صاحب مرحوم رئیس بھیکم پور کے زمانہ سے بند کردی گئی تھی (جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے) اس لئے جانبین میں رد و قدح کے بعد یہ طے پایا کہ نوشہ کی پارٹی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے جائے قیام پر رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرائے۔ مگر دلہن کے مکان پر (نواب اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم کی ڈگی والی کوٹھی پر) یہ جلسے نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ اسی پر عمل درآمد ہوا۔ علی گڑھ کے شائقین نے بارات کے قیام کی جگہ پر بڑے لطف اُٹھائے۔

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (حال مسلم یونیورسٹی) کی طرف سے نواب ممدوح کو ایڈریس پیش کیا گیا۔ اور نواب ممدوح نے کچھ روپیہ کالج کو عطا کیا۔

حاجی یوسف خاں مرحوم رئیس دتاؤلی اس رواج کے خلاف تھے کہ یہاں کے شروانیوں کی شادیاں علی گڑھ اسٹیٹ کے شروانی قبیلہ میں بھی کی جاویں۔ اس لئے اُن کے پوتے

یعنی قراہیم خاں کے لڑکے مراد ابراہیم خاں عرف لاڈلے میاں کی شادی مالیرکوٹلہ میں حاجی صاحب کے داماد صاحبزادہ جعفر علی خاں صاحب کے گھرانے میں ہوئی۔ ایک لڑکی کی شادی ریاست ٹونک میں صاحبزادہ ولی احمد خاں کے ساتھ اور ایک لڑکی کی شادی قائم گنج ضلع فرخ آباد کے ایک ممتاز یوسف زئی خاندان میں یعنی جان عالم خاں کے صاحبزادے فردوس عالم خاں کے ساتھ ہوئی۔

القصہ ریاست مالیرکوٹلہ ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جس کی کل سالانہ آمدنی چھ لاکھ کے قریب ہے۔ عامر مصطفےٰ خاں صاحب ابن حاجی مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم رئیس بورہ گانوں کے صاحبزادہ کامل مصطفےٰ خاں صاحب کی بارات بھی مالیرکوٹلہ گئی تھی۔ کیوں کہ اس زمانہ میں آخرالذکر کے خسر صاحب خواجہ محمد حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا امرتسری مالیرکوٹلہ میں چیف جسٹس کے عہدے پر تعینات تھے۔ اس موقع پر نواب احمد علی خاں صاحب مرحوم نے بھی اہل بارات کو عصرانہ پر اپنی کوٹھی پر مدعو کیا۔ اور بہت خاطر تواضع سے پیش آئے تقسیم ہند کے بعد نواب احمد علی خاں صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور اب ان کے لڑکے نواب افتخار علی خاں صاحب برائے نام گدی پر ہیں۔ کیوں کہ نئے انتظام میں حکومت ہند کے ماتحت یہ ریاست پنجاب کی ریاست ہائے کی یونین میں شامل کر دی گئی ہے۔ اور نواب صاحب کی تنخواہ مقرر کر دی گئی ہے۔

اس خاندان کی ایک شاخ اب تک شیعہ مذہب پر چلی آتی ہے۔ اور ان میں نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب انگریزی حکومت کے آخری دور میں ممتاز گذرے ہیں۔ ایک زمانہ میں اس ریاست میں کتب خانہ اچھا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نواب ابراہیم خاں نے اپنی دماغی حالت کی خرابی کے زمانہ میں بہت سی بیش قیمت اور کمیاب کتابیں جلوا دیں۔ ان میں اس خاندان کے حالات پر بھی کتابیں تھیں۔

شروانی خاندان قصبہ سکندرہ راؤ

مالیرکوٹلہ کے شروانیان کے اس مختصر اور مجمل تذکرہ کے بعد ہم کچھ ذکر شروانیان

سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ کا بھی کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان شروانی حضرات کے کئی تعلقات
رشتہ داری اضلاع علی گڑھ و ایٹہ کے ان شروانیان سے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے
اس قصبہ میں کئی ایک خیل اور قبیلوں کے پٹھان آباد ہیں۔ اور ان سب میں آپس میں شادی
بیاہ ہوتے ہیں جس سے ان کی نسلوں پر یہ اثر پڑا کہ وہ مخلوط ہو گئے ہیں۔ اس قصبہ
کے شروانیوں کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور بابری عہد کے داؤد خاں عرف
راؤ خاں ممتاز شروانی سردار کے بعد ان کے خاندان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ اس
میں تو کوئی شک نہیں کہ عہد اکبری میں یہاں افغان قبیلے آباد تھے جیسا کہ ابو الفضل کی آئین
اکبری سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ان کے خیل معلوم نہیں ہیں۔ مغلیہ کے آخری دور میں بھی
یہاں دو چار شروانی ممتاز تھے۔

جب ۱۸۰۲ء میں نواب وزیر اودھ نے وہ علاقہ جس میں سکندرہ راؤ شامل تھا
انگریزوں کو دے دیا، تو بعد اضعات ولیدی نور خیل اور پورا کا علاقہ یہاں کے نور خاں شروانی
کو مستاجری پر دیا گیا۔ مگر ۱۸۱۰ء میں ان کا دیوالہ نکل گیا۔ ان کے خاندان کا شجرہ اس کتاب
کے آخر میں درج ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ وہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ مسند خاں شروانی
سے تیسری پشت میں تھے۔ یہ شجرہ احمد یار خاں صاحب شروانی کا تیار کیا ہوا ہے جو عدالت کے
پیش کار تھے اور جن کے صاحبزادے احمد اللہ خاں شروانی اب کلکٹری علی گڑھ میں عدالت مال کے
مختار ہیں۔ بااثر اور علی گڑھ کی موجودہ پبلک زندگی میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اس قصبہ کے
پٹھان بھی عیش و عشرت کی زندگی، بے جا مصارف، شادی بیاہ میں فضول خرچی کی رسوم میں
گرفتار تھے اور ہیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت خراب اور زمینداریاں غیروں کے قبضے میں
چلی گئیں۔ ایک زمانہ میں وہ قصبہ میں ممتاز اور حکومت میں بااثر تھے مگر افسوس کہ امتیاز اور
اثر زائل ہو گئے۔

اس قصبہ کے خاندان شروانی میں وکیل اور حکومت کے ممتاز عہدوں پر حضرات
بھی رہے ہیں۔ یہاں کے شروانی خاندان میں ایک صاحب محمد نور خاں نے ڈپٹی کلکٹری
سنبھالی تھی۔ مگر وہ بھی اس دنیا سے جلد رحلت کر گئے۔ مشرف علی خاں صاحب نے ڈپٹی کلکٹری

اور ارشاد علی خاں صاحب ٹائرڈ ہیڈ ماسٹر اس خاندان کی یادگار ہیں۔ مگر اول الذکر نے اس ضلع کے دیگر شیروانیوں کی طرح سے علی گڑھ میں سکونت اختیار کر لی ہے۔

قصبہ سکندرہ راؤ کے شجرہ متذکرہ بالا کے بابتہ ہم کو صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ اس کے عنوان اور تحت کے نوٹوں میں تاریخی غلطیاں ہیں۔ یعنی اول تو لفظ "شیروانی" بجائے شیروانی کے درج ہے۔ شیروانی کی وجہ تسمیہ درج نہیں ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ شیروار علاقہ شیراز سے مورث اعلیٰ آئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ شیروار سے آئے تھے تو شیروانی کیوں کہلائے۔

مورث اعلیٰ سید شاہ حسین کا اس شجرے میں اور نیز راقم الحروف کی اس ناچیز کتاب میں ایک نام مشترک ضرور ہے۔ مگر ان کی اولاد میں سید جمال اور سید کمال کا وجود ہم کو کسی مستند تاریخ کی کتاب میں نہیں ملا۔ اور پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو شمار پشتوں کا اس شجرہ میں درج ہے اس کا حساب تاریخی اصول کے مطابق فی پشت ۳۰ سال کے مطابق کرانے سے اس شجرہ کا لوث صحیح قرار نہیں پاتا۔ پھر یہ شجرہ نو دس پشتوں سے آگے نہیں جاتا۔

مگر جیسا کچھ بھی ہے غنیمت ہے تھوڑے دن کے بعد یہ نام بھی کسی کو یاد نہ رہیں گے۔ اور اسی وجہ سے ہم نے یہاں کے شیروانیوں کا تذکرہ قلمبند کرنے کے لئے اپنا ٹوٹا پھوٹا قلم اٹھایا۔

یہاں کے شیروانی خاندان کے مشرف علی خاں رٹائرڈ انسپکٹر پولیس ایک صاحب کے والد مرحوم سرفراز علی خاں صاحب علی گڑھ میں وکیل تھے اور حضرت شاہ جمال علیہ الرحمۃ کے پاس مدفون ہوئے۔ مشرف علی خاں صاحب اب علی گڑھ میں مقیم ہیں۔ اور علاوہ شہر کی بڑی سکنی جائداد کے بیس ہزار روپیہ کی سکنی جائداد کے مالک ہیں مرفہ الحال ہیں۔ مگر گوشہ نشین ہیں۔ اسکول میں راقم الحروف کے ہم عصر تھے۔

یہاں کے شیروانی خاندان کے متعلق یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں حاجی عبدالشکور خاں صاحب عرف مجھلے میاں شیروانی رئیس بھیکم پور نے سکندرہ راؤ کے احمد نور خاں مرحوم کو خط لکھا کہ وہ اس قصبہ کے شیروانیوں کے حالات مجھلے میاں مرحوم کو لکھیں۔ تو احمد نور خاں ولد محمد نور خاں شیروانی نے جواب دیا کہ ان کے یہاں کی خاندانی یادداشتیں سنہ ۱۸۵۷ء کی شورش

میں تلف ہو گئیں۔ وہ صرف اس قدر بتا سکتے ہیں کہ اس خاندان کے مورث مسند خاں تھے اور اُن کے مورث اعلیٰ سادات میں سے تھے۔ یہ محمد نور خاں وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے جن کا نام اُس شجرہ میں بھی آتا ہے جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔

راقم الحروف کو بھی باوجود کوشش کے متقدمین اور موخرین شروانیان سکندرہ راؤ کی بابتہ اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ مجھلے میاں مرحوم کے خط کا مضمون اور احمد نور خاں مرحوم کا جواب کتاب خانہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ قصبہ سکندر لودی بادشاہ کے عہد میں بسایا گیا۔ جب کہ لودی اور شروانیوں کا زور تھا۔ اس لیے یہاں شروانی خاندان کا پہنچنا تعجبات سے نہیں ہے۔

سطور مندرجہ بالا سے معلوم ہوگا کہ ایک زمانہ میں خاندان شروانی ہندوستان سابق بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ اُس کے بڑے حصہ نے اضلاع علی گڑھ وایٹہ کو پٹھانوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد اپنا مسکن بنایا اور آج تک یہاں موجود ہیں۔ اگرچہ ان کی موجودہ مردم شماری میں تقسیم ملک کی وجہ سے ان اضلاع میں کچھ کمی ہو گئی ہے۔

شروانیان کشمیر، صوبہ سرحدی، پنجاب (پاکستان)

ہم نے ضمناً اوپر ذکر کیا ہے کہ کچھ شروانیان علاقہ چھچھ (راولپنڈی) اور کشمیر اور صوبہ سرحد شمال مغرب (پاکستان) میں آباد ہیں۔ ہم وہاں تک نہ پہونچ سکے۔ اور نہ اُن کے حالات معلوم ہو سکے۔ تقسیم ہند کے بعد اور بھی شروانی خاندان اب صوبہ سرحدی اور پنجاب پاکستان میں جاکر پناہ گزیں ہوئے ہیں۔

ماہ جولائی ۱۹۵۳ء میں محترمی غلام محمد خاں صاحب شروانی بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول سرگام (بولاب) کشمیر کے خطوط سے کشمیر میں بسنے والے شروانیاں کا مختصر سا حال معلوم ہوا ہے۔ اس بارہ میں ہم موصوف کے مشکور ہیں۔ اُن کا پہلا خط حاجی محمد صدیق خاں صاحب شروانی کو موصول ہوا۔ اور دوسرا عنایت نامہ راقم الحروف کو۔ ہم ان دونوں کے

اقتباسات ناظرین شروانی نامہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ روشنی دھندلی سی ہے مگر کچھ تاریکی تو رفع ہوئی۔ انشاء اللہ آئندہ حالت سنبھلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ موصوف ماشاء اللہ پڑھے لکھے اور صاحب ذوق ہیں امید ہے کہ وہ اپنے تاریخی تجسس کو جاری رکھیں گے اور ہمیں مطلع فرما کر ممنون کریں گے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان اطراف کی اس شکستہ حال قوم اور باہر کے شروانیان میں رابطہ محبت اور تعلقات برادرانہ قائم ہوں۔

خط نمبر ۱۔ (بنام مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی) "ہمارے سلسلہ کا حال آپ جاننا چاہتے ہیں۔ میں اس بارے میں دوستوں کو ملحوظ رکھ کر کوئی کارآمد واقفیت بہم پہنچانے سے قاصر ہوں۔ البتہ میرا ذاتی قیاس یہ ہے کہ جب ہندوستان کی پہلی اصلاحی تحریک کے (مولانا) سید محمد اسماعیل شہیدؒ مجاہدین کو لے کر ریاست جموں و کشمیر کے حدود کے اندر داخل ہوئے تو ان دشمنان اور خدا پرستوں میں کوئی مرد غازی شروانی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ جب سید اسماعیل شہیدؒ بالاکوٹ کے مقام پر جہاد میں کام آئے تو مجاہدین کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ قسم قسم کی سختیاں تکالیف اٹھائیں یا جام شہادت پینے پڑے۔ پھر بھی بہت سے مجاہدین کشمیر کے مختلف پہاڑی مقامات میں پناہ اور امان لینے میں کامیاب ہوئے۔ میں نے مظفرآباد (حال کشمیر پاکستانی) میں ۱۹۴۲ء میں (مولانا) سید احمد بریلویؒ اور سید اسمٰعیل شہیدؒ کے خستہ اور گمنام قبرستان کو دیکھا ہے۔ مسلمانوں میں تو مشکل سے پڑھے ہوئے حضرات پانچ فی صدی ہوں گے۔ ہمارے خاندان کے تقریباً تمام افراد قصبہ بارہ مولا میں ہی آباد ہیں۔ اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ہمارے اسلاف ایک پہاڑی مقام سے (جو کہ اوڑی وزارت مظفرآباد میں ہے) تقریباً اسی پچاسی سال پیشتر یہاں آکر مقیم ہوئے۔ خاندان کے افراد مذہبی قسم کے ہیں۔ ذریعہ معاش تجارت رہا ہے اور ہے۔ ذہین اور سمجھدار ہیں۔ [illegible] دکھائی دیتے ہیں پھر بھی اس مادی دور میں درمیانی طبقہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ کچھ نوجوان سری نگر اور پشاور میں بھی عرصہ چند سال سے مقیم ہیں۔ بہرحال یہ ہے سرسری واقفیت۔"

خط نمبر ۲۔ (بنام راقم الحروف) میں نے ایک خط بنام محترم مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی میں ذکر کیا تھا کہ کشمیر میں شروانی خاندان کے اسلاف ہندوستان کی تحریک تجدید امامت کے سلسلہ

میں ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) سے جب کہ حضرت سید صاحبؒ (مولانا اسمٰعیل شہید) کی شہادت ہوئی پہلے پہونچ گئے ہوں گے۔ کیوں کہ مجاہدین میں صوبہ سرحدی کے شیروانی مجاہدین بھی ضرور شامل ہونے بعید از قیاس نہیں۔ سید اسماعیل شہیدؒ کا مزار کشمیر کی سرحد سے زیادہ دور نہیں ہے۔ بالاکوٹ کے مقام پر ہے جو کہ ہری پور ہزارہ کی راہ پر واقع ہے۔ بے شمار مجاہدین نے جو کہ معرکہ جہاد سے واپس ہوئے کشمیر کو اپنا مسکن بنایا۔ انھیں میں سے شیروانی خاندان کے افراد صوبہ کشمیر کی وادی میں تقریباً ایک صدی سے آباد ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات پردہ خاموشی میں ہمیشہ کے لیے خاموش ہیں۔ اس وقت سے لے کر اب تک اس خاندان کو متعدد مشکلوں اور تکلیفوں سے گذرنا پڑا۔ کبھی "شیروانی" کے لفظ کو حذف بھی کیا گیا۔ کبھی گوشہ نشینی پر مجبور کیا گیا۔ لیکن اس خاندان میں عالم دین، متقی اور خود دار بزرگ ہو چکے ہیں۔ کشمیر کی قومی تحریک میں محمد مقبول شیروانی (میرا چچیرا بھائی) ۱۹۴۷ء کی گڑبڑ میں شہید ہوا۔ اس مجاہد کے متعلق گاندھی جی نے اپنی پرارتھنا میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور علی گڑھ کے شیروانیوں کے بارے میں بھی ذکر کیا۔ اس وقت شیروانیوں کی حالت پہلے سے زیادہ تر ذریعہ معاش تجارت ہے۔ راقم کا برادر اصغر غلام حسین شیروانی بی ایس سی اس وقت زیدہ (مردان) صوبہ سرحد میں مقیم ہے۔ دوسرے نونہال زیر تعلیم ہیں (اللھم زد فزد) ہمارے بزرگ عربی فارسی پڑھ چکے ہیں اور فارسی میں ماہر ہیں۔

راقم الحروف اسلم عباس شیروانی کی ناقص رائے میں صوبہ سرحدی اور پنجاب مغربی کے شیروانان اسی وقت اپنے اصلی وطن سے آکر ان علاقوں میں آباد ہوئے جب کہ افغانستان سے باہر نکل کر انھوں نے ان علاقوں کی اور ہندوستان کی آب و ہوا کا تجربہ کیا جو حال اس کتاب کے حصہ اول میں درج کیا گیا ہے۔ آئندہ واللہ اعلم بالصواب۔

تمام شد حصہ دوم شیروانی نامہ بعونہ تعالیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروانی نامہ

(حصّہ سوم شجرے)

خدائے حلّ المشکلات کا شکر ہے کہ ہم اس ناچیز تالیف کے متن کے دشوار گزار (تاہم گونہ ہموار) حصّوں سے بقدر طاقت و ہمت گزر کر اب اس کے تیسرے حصّہ پر آتے ہیں جو اپنی اصطلاح شجرہ یعنی درخت کی طرح شاخ در شاخ ہے۔ بلکہ واقعی جھاڑ دار پُر خار ہے۔

حتیٰ کہ اس کے مادّہ (شجر) سے اور کلمے جو نکلتے ہیں ان میں سے اور کئی کئی اپنے اندر کلفت اور مصیبت ہی کا مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ مثلاً کہواسے سے زخم پہونچانا، آپس میں جھگڑنا وغیرہ وغیرہ۔

مگر حافظ عبد الجلیل خاں نے قلم کی تیشہ زنی نے اپنا کام کر کے ہماری گام زنی کے راستہ کو بہت کچھ صاف کر دیا ہے۔ ہم نے شروع ہی میں (السلسلۃ الشکریہ میاں جی ص ۹)

سب سے پہلے ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اور اس موقع پر بھی اُن کی بنیادی محنت و کاوش کا مکرر دل سے اعتراف کرتے ہیں۔

یہ ظاہر کر دینا بھی ازبس ضروری ہے کہ میدان قرطاس کی کوتاہی اور اس کی وجہ سے لکھائی، چھپائی اور وقت کی کفایت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے شجروں کو بجائے "شجر" کی لہلہاتی شاخوں میں دکھانے کے عبارت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں لکھا ہے اور کہیں کہیں اپنی ذاتی معلومات اور تحقیقات کو بھی دخل دیا ہے۔ تاہم ان کی سو فیصدی صحت کا دعوے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ کم از کم پانچ ۵ فیصدی غلطیوں کا یقینی احتمال ہے۔

تاہم اس کو یوں غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ اگر یہ شجرے اب بھی مرتب نہ ہوتے تو ہماری نسل کے بعد طاقِ نسیاں پر پہنچ کر بالکل نسیاً منسیاً ہو جاتے۔ لہذا ناظرین سے (اور حافظ صاحب موصوف سے) بجائے کسی بدگمانی کے صرف عفو کرم کی درخواست کرتے

آں چہ مقصود من نہ کردم پیدا
عیب آں بر من ست و نے بر تو

نوٹ :- شجروں کے مطالعہ کے وقت ان علامات کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

ف :- فرع
ش : شاخ
( ) : قوسین کے اندر اولاد کا شمارہ
پ : پیدائش
و : وفات

۱۔ بھیکم پور

شاخ اول

مورث جہاں خاں ساکن بھوری شرقی ابن خان جہاں خاں ابن دلاور خاں ابن یحییٰ خاں ابن مصاحب خاں ابن مکارم خاں ابن ابدل خاں عرف عبداللہ خاں ساکن بھوری غربی جو گنگیری میں مزار حضرت مخدوم شنائی سے متصل مدفون ہوئے۔

اولاد جہاں خاں ۔ سرفراز خاں زوجہ خاندان پرویز خاں دھنساری اولاد سرفراز خاں (۱) تاج خاں لاولد (۲) یار خاں پ سنہ ۱۸۰۵ء تقریباً ف سنہ ۱۸۳۰ء بمقام بردوہ زوجہ مدینہ دختر نصیب خاں ہمشیرہ بھورگیا خاں ڈوری ۔ (۳) حفیظہ خاتون زوجہ محمد حیات خاں بھوری (۴) حمیدہ خاتون زوجہ حاجی مراد خاں دتاولی ۔ اولاد یار خاں (۱) حاجی داؤد خاں پ سنہ ۱۸۸۵ء و سنہ ۱۸۶۶ء زوجہ لاڈو بیگم دختر سربلند خاں حسن پور (۲) خان زماں خاں پ سنہ ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء و سنہ ۱۲۷۱ھ زوجہ دختر خواجہ علی خاں سہادر ۔ (۳) حاجی غلام محمد خاں مورث دادوں (دیکھو شجرہ دادوں) (۴) فضل النساء زوجہ رحم علی خاں بوڑہ گاؤں (۵) دختر زوجہ حسن رضا خاں بوڑہ گاؤں (۶) وزیر النساء زوجہ عبدالرحمٰن خاں دتاولی ۔

شاخ اول

اولاد حاجی محمد داؤد خاں (۱) حاجی غلام احمد خاں و سنہ ۱۸۸۲ء زوجہ اول وحید النساء ہمشیرہ محمد علی خاں سہادر ۔ زوجہ دوم ہمشیرہ نور اللہ خاں سہادر ۔ زوجہ سوم کفایت النساء دختر وزیر خاں کنولی (۲) عنایت اللہ خاں و سنہ ۱۸۸۶ء زوجہ حیات بیگم دختر خان زماں خاں بھیکم پور (۳) قمر النساء زوجہ علی رضا خاں بوڑہ گاؤں (۴) دلی النساء زوجہ محمد حسین خاں دتاولی اولاد حاجی غلام احمد خاں ۔ (۱) فرخندہ بیگم زوجہ حاجی عبدالشکور خاں بھیکم پور (۲) حاجی احمد سعید خاں و سنہ ۱۹۲۲ء زوجہ امۃ الہادی دختر فیض احمد خاں دتاولی لاولد (۳) ام سعید فاطمہ زوجہ محمد اسحاق خاں ابن حاجی یوسف خاں دتاولی ۔ (۴) فاطمہ صغریٰ بیگم زوجہ مولوی حاجی یونس خاں دتاولی ۔ (۵) نواب حاجی سر محمد مزمل اللہ خاں پ سنہ ۱۸۶۴ء و سنہ ۱۹۳۸ء زوجہ اول سلطان جہاں بیگم دختر کریم اللہ خاں بوڑہ گاؤں زوجہ ثانیہ صالحہ بیگم دختر بھیکن خاں ڈھولنہ

زوجہ ثالثہ منظور فاطمہ دختر محمد سمیع اللہ خاں بلونہ ۔

اولاد عنایت اللہ خاں ۔ (۱) فخر النساء زوجہ حاجی کریم اللہ خاں بوڑہ گانوں ۔ (۲) صفیہ بیگم زوجہ حاجی مصطفےٰ خاں بوڑہ گانوں ۔ اولاد نواب فضل اللہ خاں ۔ زوجہ اولیٰ سے (۱) احمدی بیگم تخلص نکہت زوجہ عبد المقیت خاں بوڑہ گانوں (۲) زاہدہ خاتون تخلص نزہت شاعرہ شہیرہ صاحبہ دیوان موسومہ "فردوس تخیل" پ سنہ ۱۸۹۴ء و سنہ ۱۹۲۲ء (۳) محمد احمد اللہ خاں پ سنہ ۱۳۱۲ھ و سنہ ۱۹۱۶ء ناکتخدا (۴) طفل شیرخوار فوت ۔

(۵) زوجہ ثانیہ سے داؤد احمد خاں پ سنہ ۱۹۰۴ء جوانا مرگ مدفون بمقام دہرہ دون (۶) زوجہ ثالثہ سے ایک لڑکا عرف مراد میاں بچپن میں فوت ہوا ۔ (۷) محمدی بیگم عرف ننن بولو زوجہ غلام الثقلین عرف افضال میاں بی ایس سی پسر محمد جان خاں دادوں (۸) نواب رحمت اللہ خاں عرف حیات میاں پ سنہ ۱۹۲۹ء زوجہ مرتضائی بیگم دختر مولوی محمد جان خاں دادوں (۸) دختر مجازیہ بیگم بچپن میں فوت ہوئی ۔

اولاد نواب رحمت اللہ خاں دختر تہمینہ نکہت خانم پ سنہ ۱۹۵۱ء

شاخ ۲

اولاد خان زماں خاں ابن باز خاں (۱) حاجی ہدایت اللہ خاں پ سنہ ۱۲۳۵ھ و سنہ ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء زوجہ اشرف بیگم دختر حسن رضا خاں بوڑہ گانوں ۔ (۲) حاجی عبد الشکور خاں عرف مچھلے میاں پ سنہ ۱۸۳۰ء و سنہ ۱۹۰۷ء بمقام جدہ زوجہ فرخندہ بیگم دختر غلام احمد خاں بھیکم پور ۔ (۳) محمد تقی خاں مورث حبیب گنج (دیکھو شجرہ حبیب گنج)

اولاد حاجی ہدایت اللہ خاں ۔ (۱) عائشہ بیگم زوجہ عبد الغفور خاں بھیکم پور (۲) حاجی بیگم زوجہ حاجی یعقوب خاں دتاولی ۔

اولاد حاجی عبد الشکور خاں ۔ (۱) عبد الغفور خاں زوجہ عائشہ بیگم دختر حاجی ہدایت اللہ خاں بھیکم پور (۲) عبد الجبار خاں و سنہ ۱۸۸۶ء زوجہ محمودہ بیگم دختر محمد تقی خاں حبیب گنج لاولد (۳) حاجی عبد الستار خاں و سنہ ۱۸۹۰ء زوجہ امت الرحمن دختر نبی خاں بھیکم پور ۔ (۴) مریم خاتون زوجہ سلیم اللہ خاں بوڑہ گانوں ۔ (۵) خان بہادر مولوی خلیل الرحمن خاں و سنہ ۱۹۴۳ء زوجہ امت الحفیظ

دختر چودھری نوراللہ خاں سہادر لاولد (۶) عبدالجلیل خاں زوجہ قدسیہ بیگم دختر حاجی
کریم اللہ خاں بوڑہ گانوں۔ (۷) آسیہ بیگم زوجہ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں۔ (۸)
فاطمہ بیگم زوجہ محمد شعیب خاں سہادر۔

اولاد عبدالغفور خاں۔ (۱) حاجی محمد صالح خاں و ۱۹۳۲ء زوجہ اول اصفیہ بیگم دختر حاجی
یعقوب خاں دتاولی زوجہ دوئم امت الکبیر دختر ادریس خاں حسن پور۔ (۲) محمد عمر خاں زوجہ صغریٰ بیگم
دختر عبدالستار خاں بھیکم پور۔ (۳) اختری بیگم زوجہ عبدالحلیم خاں بعدہٗ عابد خاں بھیکم پور (۴)
مدینہ خاتون زوجہ ثانی شعیب خاں سہادر۔

اولاد حاجی عبدالستار خاں (۱) حافظ عبدالحلیم خاں ف بہ جوان عمری ۱۹۱۳ء زوجہ اختری بیگم
دختر عبدالغفور خاں بھیکم پور لاولد (۲) القیہ بیگم زوجہ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں۔
(۳) امت القدیر زوجہ حاجی ضمیر الحسن خاں ڈھولنہ (۴) صغریٰ بیگم زوجہ محمد عمر خاں بھیکم پور۔
(۵) عابد خاں و بہ جوان عمری ۱۹۳۲ء زوجہ اختری بیگم بیوہ عبدالحلیم خاں لاولد۔ (۶) نور جہاں
و بہ عمر ۱۰ سال۔

اولاد عبدالجلیل خاں۔ پسر عمر چند ماہ پ و ۱۸۹۳ء۔ اولاد حاجی صالح خاں۔ حامدہ خاتون
و ۱۹۲۰ء نا کتخدا۔ اولاد محمد عمر خاں۔ عبدالصبور خاں عرف آبادمیاں بی۔ اے
زوجہ امت الکبیر بیوہ حاجی صالح خاں۔ اولاد عبدالصبور خاں۔ (۱) ظل الصبور خاں پ
۱۹۳۶ء

ف دوئم

مورث محمد نصیب خاں ابن رشید خاں ابن قالث جہاں خاں مندرجہ
بالا اول زوجہ دختر خان عالم خاں برہرہ۔

اولاد نصیب خاں (۱) بھوگی خاں زوجہ ہمشیرہ منگل خاں طبالپوری (۲) ظریف خاں ف ۱۲۷۳ھ
زوجہ خاندان خاں عالم خاں برہرہ موضع ڈوری میں جا رہے۔ (۳) بی بی مدینہ زوجہ باز خاں بھیکم پور
(۴) دختر زوجہ حاجی حسن علی خاں ٹنڈولی۔ (۵) دختر ہمشیرہ والدہ ولی محمد خاں دہسادی۔
اولاد ظریف خاں۔ رفعت خاں زوجہ دختر حاجی طالع مند خاں ٹنڈولی لاولد۔
اولاد بھوگی خاں۔ (۱) غلام رسول خاں ف ۱۸۶۳ء زوجہ مہر النساء ہمشیرہ ہمت خاں بھاموں

(۲) ظہور احمد خاں ف ۱۸۸۲ء زوجہ اول مستغیث النساء دختر عبد اللہ خاں حسن پور زوجہ دویم مریم دختر سہراب خاں سہاور (۳) نور احمد خاں زوجہ اول امتیاز دختر ابراہیم خان نادلی زوجہ دویم دختر قمر الدین خاں کھجوری (۴) حرمت النساء زوجہ یوسف خاں کنولی۔ (۵) افضل النساء زوجہ الہ وردی خاں کنولی (۶) رحیم النساء زوجہ علی محمد خاں حسن پور اولاد غلام رسول خاں (۱) محمد نبی خاں زوجہ محمدی بیگم دختر خان زماں خاں بھیکم پور (۲) نیاز النساء زوجہ مداری خاں کنولی

(۳) حاجی عبد اللطیف خاں غیر کفو زوجہ سے دخیل حسن پور ف ۱۹۲۵ء۔

اولاد ظہور احمد خاں (۱) عبد العزیز خاں ف ۱۹۰۷ء زوجہ حفیظہ خاتون دختر بخش اللہ خاں کناد ہ دخیل کھجوری۔ (۲) عبد الرشید خاں ف ۱۹۱۹ء زوجہ خاتون دختر حسین علی خاں بریہرہ (۳) محمود خاں ف ۱۹۰۷ء زوجہ اول خاتون دختر عبد الرحیم خاں حمیدہ زوجہ دویم ابرار فاطمہ دختر عبد العزیز خاں بیھاموں (۴) دلہا جا زوجہ علی احمد خاں سہاور (۵) الطاف بیگم زوجہ بخش اللہ خاں ڈھولنہ (۶) امت الرسول زوجہ صدیق خاں حسن پور۔ اولاد نور احمد خاں ممتاز بیگم زوجہ حمید اللہ خاں حسن پور

اولاد محمد نبی خاں۔ (۱) امت الرحمن زوجہ عبد الستار خاں بھیکم پور۔ (۲) و (۳) و (۴) امت الحبیب۔ اقبال بیگم۔ رقیہ بیگم یکے بعد دیگرے زوجہ نواب اسمٰعیل خاں دتاولی (۵) ہدایت النساء زوجہ رضا علی خاں ڈھولنہ (۶) احمدی بیگم زوجہ فرزند علی خاں ڈھولنہ۔

اولاد عبد العزیز خاں۔ عزیز فاطمہ زوجہ عبد الحمید خاں بھیکم پور دخیل کھجوری۔

اولاد عبد الرشید خاں (۱) عبد الحمید خاں زوجہ اول عزیز فاطمہ دختر عبد العزیز خاں بھیکم پور زوجہ دویم غیر کفو (۲) غفران خاں ف ۱۹۳۷ء زوجہ دختر یعقوب خاں بہرام پور (۳) حاجی عمران خاں زوجہ اول سعید فاطمہ دختر فضل الرحمن خاں ڈھولنہ۔ زوجہ دویم خاتون جہاں دختر احمد اللہ خاں ڈھولنہ۔ زوجہ سویم غیر کفو۔ (۴) عبد المجید خاں ف ۱۹۵۱ء زوجہ اشرفی بیگم و مسعودی بیگم یکے بعد دیگرے دختران عنایت احمد خاں کنولی زوجہ سویم دختر عبد الواحد خاں کھاور

(۵) اسما بیگم زوجہ مذکور اللہ خاں ڈنڈرلی۔

اولاد عبد الحمید خاں۔ اعجاز احمد خاں بی اے دخیل پاکستان (۲) حامد رشید خاں (۳) انیس فاطمہ زوجہ حکیم سطیع اللہ خاں ڈنڈولی۔ (۴) ظہور فاطمہ زوجہ حافظ غلام فرید خاں حسن پور

اولاد غفران خاں۔ دختر خلیل پاکستان

اولاد حاجی عمران خاں۔ (۱) ظل الرحمٰن خاں (۲) خالد رشید خاں۔

اولاد عبدالمجید خاں۔ (۱) اظہار احمد خاں (۲) حسن رشید خاں۔ (۳) محمود رشید خاں۔ (۴) احمد رشید خاں (ضروری۔ شجرۂ بھیکم پور سمجھنے کے لیے دیکھو صفحہ ۲۳۴)

۲۔ حبیب گنج

مورث محمد تقی خاں ابن خان زماں خاں مندرجہ بالا بھیکم پور ق۔ ایشں ۲ پ ۱۸۳۳ء و ۱۹۰۵ء زوجہ (۱) ہمشیرہ چودھری نور اللہ خاں سہادر زوجہ (۲) تسلیم النساء دختر غلام مرتضیٰ خاں بلوٹہ

اولاد محمد تقی خاں۔ (۱) نواب صدر یار جنگ ڈاکٹر حاجی حبیب الرحمٰن خاں پ ۱۸۶۶ء از زوجہ دوئم و ۱۹۵۰ء زوجہ (۱) آسیہ بیگم دختر عبدالشکور خاں بھیکم پور زوجہ (۲) النقیہ بیگم دختر عبدالستار خاں بھیکم پور زوجہ (۳) زینب بیگم عرف نفیس دلہن دختر مولوی عبدالغنی خاں قائم گنج فرخ آباد۔ (۲) محمودہ بیگم زوجہ عبدالجبار خاں بھیکم پور۔ (۳) مسعودہ بیگم زوجہ چودھری عزیز اللہ خاں سہادر

اولاد نواب صدر یار جنگ حاجی حبیب الرحمٰن خاں۔ (۱) محبوب الرحمٰن خاں از زوجہ اول ناکتخدا و ۱۹۱۷ء (۲) خان بہادر حاجی عبید الرحمٰن خاں از زوجہ اول پ ۱۳۱۵ھ زوجہ اکرام فاطمہ دختر چودھری محمد شعیب خاں سہادر (۳) مولوی مسعود الرحمٰن خاں از زوجہ دوئم پ ۱۹۰۵ء زوجہ امت السبحان دختر سمیع اللہ خاں بلوٹہ۔ (۴) رضیہ بیگم از زوجہ اول زوجہ چودھری احمد اللہ خاں سہادر (۵) حجازہ فاطمہ از زوجہ اول زوجہ خان بہادر حاجی مولوی محمد مونس خاں دتاولی۔

اولاد خان بہادر حاجی عبید الرحمٰن خاں۔ (۱) ریاض الرحمٰن خاں ایم۔ اے (۲) محب الرحمٰن خاں ایم اے (۳) رضی الرحمٰن خاں عرف سید میاں فوت۔ (۴) ذاکرہ خاتون ناکتخدا انتقام لاہور (۵) فائقہ خاتون۔

۳۔ دادوں

مورث حاجی غلام محمد خاں ابن باز خاں مندرجہ شجرہ بھیکم پور ورق اول و ۱۲۶۲ھ

زوجہ (۱) و (۲) دختران صفدری خاں و تا دلی زوجہ سوم غیر کفو عرب نگر منقطعہ۔

اولاد حاجی غلام محمد خاں مورث (۱) محمد ہادی یار خاں از نکاح سوم پ ۱۸۳۹ء و ۱۸۹۵ء

زوجہ علی النساء دختر امام خاں برلہ (۲) عفت فاطمہ از نکاح سوم زوجہ اول چودھری حمایت علی خاں سہاور عبد قوتی حمایت علی زوجہ دوم غیر کفو۔ (۳) جنت فاطمہ از نکاح سوم زوجہ چودھری ولایت علی خاں سہاور

اولاد محمد ہادی یار خاں۔ (۱) محمد احمد سعید خاں و ۱۹۰۹ء ۱۳۲۷ھ زوجہ امینہ فاطمہ دختر چودھری حمایت علی خاں سہاور (۲) عبد الرؤف خاں و ۱۸۹۷ء زوجہ اول شفقت بیگم دختر عبد الاحد خاں کنول۔ لعبۂ زوجہ دوم سکینہ بیگم دختر فرزند علی خاں ڈہولنہ (۳) امت الغنی زوجہ حاجی محمد اسحاق خاں مائل برلہ

اولاد احمد سعید خاں۔ (۱) نواب ابو بکر خاں و ۱۹۳۵ء زوجہ (۱) احمدی بیگم دختر عبد الرؤف خاں دادوں زوجہ (۲) امت الرب دختر حاجی اسحاق خاں برلہ (۲) حاجی غلام محمد خاں و ۱۹۲۳ء بمقام خیر آباد ضلع سیتاپور زوجہ سکینہ بیگم دختر فرزند علی خاں ڈہولنہ بعد وفات عبد الرؤف خاں

اولاد عبد الرؤف خاں۔ (۱) مولوی حاجی محمد جان خاں از نکاح اول زوجہ (۱) امت النور دختر حاجی اسحاق خاں برلہ زوجہ دوم جیلانی بیگم دختر حاجی غلام محمد خاں دادوں (۲) احمدی بیگم از نکاح اول زوجہ اول نواب ابو بکر خاں دادوں۔

اولاد نواب ابو بکر خاں امت المقتدر عرف پیاری بیگم زوجہ احمد رؤف خاں عرف آبلہ میاں دادوں دخیل پاکستان۔

اولاد حاجی غلام محمد خاں۔ جیلانی بیگم زوجہ مولوی حاجی محمد جان خاں دادوں۔

اولاد مولوی حاجی محمد جان خاں۔ (۱) از نکاح اول احمد رؤف خاں پ ۱۹۱۲ء

زوجہ امت المقتدر دختر نواب ابو بکر خاں دادوں پاکستان (۲) غلام اکرم خاں عرف

پیارے میاں از نکاح اول زوجہ ناجیہ خاتون دختر عبد المقیت خان بڈھ گھانوں پاکستان
(۳) غلام جیلانی خاں عرف اعجاز میاں از نکاح دوئم زوجہ عقیقہ خاتون دختر چودھری احمد اللہ خاں
سہاور۔ (۴) از نکاح دوئم احمد جان خاں عرف فیاض میاں (۵) غلام السبطین خاں
عرف افضال میاں زوجہ عطیہ مہدی بیگم دختر نواب سر محمد عزیز اللہ خان بھیکم پور قلعہ جدید (۶)
از نکاح دوئم غلام الثقلین خاں عرف ناظم میاں زوجہ دختر حامد علی خاں تارین پٹھان شاہجہاں پور
(۷) غلام الحسنین خاں عرف عارف میاں زوجہ دختر محمد عزیز خاں برلہ (۸) از نکاح اول
امۃ الحسیب زوجہ سردار بہادر خاں حسن پور پاکستان (۹) مرتضائی بیگم زوجہ نواب
رحمت اللہ خاں بھیکم پور قلعہ جدید۔ (۱۰) از نکاح دوئم خورشید خانم
اولاد احمد رؤف خاں ۔ (۱) فولاد رؤف خاں (۲) و (۳) دختران کم سن پاکستان۔
اولاد غلام اکرم خاں ۔ (۱) مرتضےٰ علی خاں (۲) اجتبیٰ علی خاں (۳) و (۴) دختران پاکستان
اولاد غلام السبطین خاں دختر کم سن۔
اولاد غلام جیلانی خاں (۱) مصطفےٰ علی خاں (۲) اصطفا علی خاں (۳) خاتون کم سن
اولاد غلام الثقلین خاں۔ دختر کم سن۔
اولاد چودھری حمایت علی خاں سہاور و جنت فاطمہ ہمشیرہ محمد ہادی یار خاں داخیل دادوں۔
(۱) عبد الرشید خاں لاولد (۲) انیس فاطمہ زوجہ احمد سعید خاں دادوں۔
اولاد جنت فاطمہ ہمشیرہ ہادی یار خاں زوجہ چودھری ولایت علی خاں سہاور خاتون زوجہ
عبد الرشید خاں دادوں۔

بی بی جنت فاطمہ نے بعد فوتی شوہر اول حمایت علی خاں کے دوسرا نکاح ایک غیر کفو مولوی
نسب سے کیا اون سے ایک دختر امۃ اللہ پیدا ہوئی۔ امۃ اللہ کا نکاح عمر خاں
پٹھان کے ساتھ ہوا جو اسی قصبہ کے معززین میں سے تھے۔
اولاد عمر خاں زوجہ (۱) حافظ ابو ظفر مرحوم (۲) مولوی الحسن خاں بی۔اے ایل۔ایل بی مرحوم
ایڈوکیٹ علی گڑھ زوجہ نیازی بیگم دختر عبد الاحد خاں کنزلی (۳) دختر قیصر زوجہ سلیمان خاں
سہاور۔

۴ - دتاولی

عمر خاں ابن گھاسی خاں ابن کلسے خاں - ابن بایزید خاں ابن جلال الدین خاں ابن
علاء الدین خاں ابن حسن خاں ابن فیروز خاں ابن صید حسن خاں مورث اعلیٰ دتاولی -
اولاد عمر خاں (۱) شجاعت خاں زوجہ دختر رفعت خاں کنوبی - (۲) دائم خاں نابینا

شاخ اول

اولاد شجاعت خاں (۱) نظام خاں (۲) حاجی مراد خاں پ سنہ ۱۲۱۲ھ
و سنہ ۱۸۳۲ء بعمر ۱۲۰ سال زوجہ حمیدہ خاتون دختر سرفراز خاں بھیکم پور

اولاد نظام خاں - کاظمہ بیگم زوجہ مداری خاں دتاولی -
اولاد حاجی مراد خاں عبدالرحمن خاں و سنہ ۱۸۳۸ء زوجہ وزیر النساء دختر باز خاں بھیکم پور
اولاد عبدالرحمن خاں (۱) محمد حسین خاں پ سنہ ۱۸۱۰ء و سنہ ۱۸۲۹ء زوجہ ولی النساء دختر حاجی داؤد خاں
بھیکم پور لاولد (۲) حاجی فیض احمد خاں پ سنہ ۱۲۴۲ھ و سنہ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء بمقام طائف حجاز زوجہ اول
دختر حسن رضا خاں بوڑہ گاؤں - زوجہ دوم امانت فاطمہ دختر وزیر خاں کنوبی زوجہ سوم عروسہ بیگم شاہی
خاندان افغانستان (مکہ معظمہ میں یہ دو نکاح کئے) (۳) بخشی بیگم زوجہ احمد رضا خاں بوڑہ گاؤں -
اولاد حاجی فیض خاں - (۱) نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں از نکاح دوم پ سنہ ۱۸۵۵ء و سنہ ۱۹۲۲ء
بمقام آگرہ زوجہ اقبال بیگم، رقیہ بیگم، امۃ الحبیب دختران نبی خاں بھیکم پور بیٹے بیٹیاں دیگرے
(۲) حاجی یعقوب خاں از نکاح اول پ سنہ ۱۲۶۳ھ و سنہ ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء زوجہ حاجی بیگم دختر ہدایت خاں
بھیکم پور دخیل کول علی گڑھ (۳) حاجی محمد اسحاق خاں از نکاح دوم زوجہ امۃ السعید دختر غلام محمد خاں
بھیکم پور لاولد - (۴) حاجی محمد یوسف خاں از نکاح دوم پ سنہ ۱۲۶۱ھ و سنہ ۱۳۲۸ھ زوجہ (۱)
امۃ السعید بیوہ محمد اسحاق خاں زوجہ (۲) زہرہ بیگم دختر الہ یار خاں دھولنہ (۵) حاجی مولوی محمد
یونس خاں از نکاح دوم پ سنہ ۱۲۸۲ھ و سنہ ۱۹۳۸ء زوجہ فاطمہ صغرا بیگم دختر غلام احمد خاں بھیکم پور
(۶) حاجی محمد موسےٰ خاں پ سنہ ۱۲۸۹ھ و سنہ ۱۹۴۳ء زوجہ مشرفی بیگم دختر رضا علی خاں دھولنہ
(۷) حاجی محمد عیسیٰ خاں پ سنہ ۱۲۹۱ھ و سنہ ۱۹۴۸ء زوجہ صغرا بیگم دختر عباس علی خاں دھولنہ
(۸) امۃ القیوم از نکاح اول زوجہ محمد عظمت اللہ خاں "مہری" (۹) امۃ الہادی از نکاح

دوم زوجہ احمد سعید خاں بھیکم پور (۱۰) رابعہ بیگم از نکاح دوم ب ۱۹۴۷ء زوجہ چودھری عزیز اللہ خاں
سہاور - (۱۱) نور فاطمہ از نکاح دوم زوجہ حامد علی خاں ڈھولنہ - بعدہ امداد علی خاں ڈھولنہ
(۱۲) مریم بیگم از نکاح سوم زوجہ محمد احمود دہلوی - (۱۳) سائرہ بیگم از نکاح سوم زوجہ اولیٰ
حاجی محمد اسمٰعیل خاں بوتہ بعد طلاق عبدالجمیل خاں کناوہ - (۱۴) میمونہ بیگم از نکاح سوم زوجہ حافظ مصلح الدین خاں
کناوہ ذیل قطب پور کول

اولاد نواب حاجی اسمٰعیل خاں - (۱) محمد زبیر خاں پ ۱۸۸۱ء و ۱۸۹۱ء بمقام اوڑہ
(۲) امت القدوس بیگم زوجہ عامر مصطفےٰ خاں بورڈہ گالوں فوت۔

اولاد حاجی محمد یعقوب خاں - (۱) محمد یحییٰ خاں پ ۱۲۹۵ھ و ۱۸۹۷ء ناکتخدا
(۲) صفیہ بیگم زوجہ حاجی محمد صالح خاں فوت۔

اولاد حاجی یوسف خاں - (۱) محمد ابراہیم خاں پ ۱۳۰۳ھ زوجہ اول انوار خاتون دختر
چودھری عزیز اللہ خاں سہاور زوجہ دوم امت الشافی دختر مسیح اللہ خاں ڈھولنہ ذیل پاکستان
(۲) امت الباقی بیگم زوجہ نواب زادہ جعفر علی خاں ریاست مالیرکوٹلہ پنجاب شرقی (۳) امت الباری
زوجہ صاحبزادہ ولی [illegible] ایم اے ریاست ٹونک - (۴) بدر الدجےٰ بیگم زوجہ قدوس عالم
خاں [illegible] فرخ آباد۔

اولاد مولوی حاجی محمد یونس خاں - (۱) محمد انس خاں پ ۱۸۹۳ء و ۱۹۱۸ء
ناکتخدا (۲) [illegible] حاجی محمد [illegible] خاں پ ۱۸۹۷ء و ۱۹۴۹ء زوجہ محسنہ اعجاز فاطمہ دختر نواب
[illegible] جنگ مولوی حاجی حبیب الرحمٰن خاں حبیب گنج - (۳) محسنہ انیسہ بیگم زوجہ پروفیسر
حاجی [illegible] خاں دہلی - (۴) محسنہ مونسہ بیگم زوجہ حاجی حافظ علی اکبر خاں ایم اے حسن پور

اولاد حاجی موسیٰ خاں (۱) پروفیسر حاجی ہارون خاں پ ۱۸۹۱ء زوجہ محسنہ انیسہ بیگم
دختر مولوی [illegible] یونس خاں (۲) حاجی [illegible] خاں پ ۱۸۹۴ء زوجہ فرحانہ بیگم دختر محمد [illegible]
[illegible] (۳) [illegible] پ [illegible] زوجہ مرزا محمد یحییٰ بیگ لکھنؤ (۴) آمنہ خاتون زوجہ
[illegible] ممتاز الحق لاہور۔

اولاد حاجی [illegible] خاں [illegible] ۱۹۲۹ء زوجہ [illegible] حیدر آباد دکن - (۲) حاجی

حاتم خاں زوجہ محمدی بیگم دختر حاجی صالح خاں حسن پور۔ (۳) حاجی محمد لوط خاں زوجہ غیر کفو ضلع بلند شہر۔ (۴) ذوالکفل خاں (۵) عبدالسلام خاں نا کتخدا فوت۔ (۶) محسن عذرا خاتون زوجہ نجم الزماں خاں حسن پور سب رجسٹرار۔ (۷) سعادہ فاطمہ زوجہ چودھری مشیر احمد خاں عرف عزیز میاں سہاور۔

اولاد فراہیم خاں ۔ (۱) از نکاح اول مراد ابراہیم خاں دخیل پاکستان زوجہ دختر صاحبزادہ جعفر علی خاں مالیر کوٹلہ۔ (۲) رقیہ بیگم از نکاح اول زوجہ نواب اقتدار علی خاں دوجانہ ریاست پنجاب (۳) عبدالرحمن خاں از نکاح دوئم پ ۱۹۳۲ء پاکستان۔

اولاد پروفیسر حاجی ہارون خاں ۔ (۱) محمد مصطفیٰ کمال خاں پ ۱۹۲۴ء زوجہ خدیجہ خاتون دختر عبدالمقیت خاں بوڑھ گانوں۔ (۲) مسعود احمد خاں پ ۱۹۲۶ء زوجہ نفیسہ سلطانہ دختر حاجی مولوی محمد یونس خاں دتاولی۔ (۳) خالدہ بیگم زوجہ ڈاکٹر محمد یحییٰ خاں حسن پور (۴) حامدہ بیگم ایم اے زوجہ مرزا جواد بیگ پسر داحیلہ خاتون ہمشیرہ مرزا یحییٰ بیگ۔

اولاد حاجی شبیث خاں ۔ محمد فیض مراد خاں پ ۱۳۶۳ھ

اولاد آدم خاں۔ دو دختران۔ **اولاد حاجی لوط خاں** ۔ دختر

شاخ دوئم

اولاد دائم خاں ۔ ابن عمر خاں مندرجہ بالا شاخ اول پر بشارت خاں۔

اولاد بشارت خاں ۔ (۱) مصری خاں۔ (۲) سعد اللہ خاں لاولد (۳) مداری خاں زوجہ کاظمہ بیگم دختر نظام خاں دتاولی۔ (۴) حبیبہ بیگم زوجہ عبداللہ خاں حسن پور۔

اولاد مصری خاں (۱) محمد ابراہیم خاں زوجہ ظہور النساء دختر نجیب خاں ... (۲) عبداللہ خاں زوجہ امیر النساء دختر یعقوب خاں کنوبی۔ (۳) و (۴) دختران زوجہ یکے بود ... حاجی عظمت اللہ خاں دادوں۔ **اولاد مداری خاں** ۔ سکینہ بیگم زوجہ رجب علی خاں حسن پور۔

اولاد محمد ابراہیم خاں ۔ (۱) احمد رضا خاں و ۱۸۹۸ء زوجہ اول عنایت بی بی دختر حسن علی خاں بلونہ زوجہ دوئم رونق النساء دختر کالے خاں کمادہ (۲) دختر اعتبار النساء کتخدا فوت۔

اولاد عبداللہ خاں ۔ حاجی احمد حسین خاں س ۱۸۰۹ء جہاز میں بعد حج زوجہ عنایت بیگم دختر یونس خاں کنوبی زوجہ دوئم کفایت النساء دختر ارادت خاں برہرہ۔ (۲) طالب حسین خاں زوجہ عنایت بیگم

دختر یونس خاں کنوبی ۔

اولاد احمد رضا خاں ۔ (۱) اشرف رضا خاں از نکاح اول زوجہ محمود النساء دختر حاجی احمد حسین خاں تادولی ۔ (۲) محمد خاں از نکاح دوئم زوجہ اول زینب بیگم دختر ولی احمد خاں بھیموری زوجہ دوئم صدیقہ دختر کفایت اللہ خاں بکہرسہ (۳) حبیبہ النساء از نکاح اول زوجہ محمد مستجاب اللہ خاں بلوند (۴) رحمت النساء از نکاح اول زوجہ محبط اللہ خاں بلوند (۵) حفیظ النساء از نکاح اول زوجہ مسیح اللہ خاں بلوند ۔ (۶) کلثوم فاطمہ از نکاح اول زوجہ محمد خلیل اللہ خاں بلوند (۷) زینب بی بی از نکاح دوئم زوجہ ارشاد علی خاں دھنساری (۸) خاتون بی بی از نکاح دوئم زوجہ حاجی نور احمد خاں بہیرہ (۹) کاظمہ بیگم از نکاح دوئم زوجہ سلیمان خاں حسن پور

اولاد حاجی احمد حسین خاں ۔ (۱) محمود النساء از نکاح اول زوجہ اشرف رضا خاں تادولی ۔ (۲) خفیف النساء از نکاح دوئم زوجہ محمد اسحاق خاں حسن پور (۳) امۃ الرحمن از نکاح دوئم زوجہ چودھری عظیم اللہ خاں سہادر (۴) امۃ الحی از نکاح دوئم زوجہ اول مسیح اللہ خاں سہادر بعدہ حاجی روح اللہ خاں برادر مسیح اللہ خاں سہادر ۔

اولاد طالب حسین خاں ۔ (۱) حمیدہ النساء زوجہ محمد شریف خاں رکھالہ (۲) وحیدہ النساء زوجہ ارادت علی خاں حسن پور ۔

اولاد اشرف رضا خاں (۱) و (۲) پسر ہادی رضا خاں و دختر فاطمہ بانو فوت شد (۳) تمیز بیگم زوجہ اول حاجی عبدالواحد خاں کنوبی ۔

اولاد محمد خاں ۔ طیبہ خاتون زوجہ شفیع الرحمن خاں پسر شفقت خاں بلوچ تادولی ۔

۵ ۔ بوڑہ گانوں

مورث پیروز خاں ابن فیروز خاں دخیل بوڑہ گانوں ابن الف خاں کناوہ ابن حسن خاں ابن نواب یوسف خاں راجپوت بعدہ کناوہ ۔ پسر پیروز خاں خان جہاں خاں ۔ پسر خان جہاں خاں ۔ حسن علی خاں ۔ پسر حسن علی خاں ۔ نظام خاں و ۱۲۳۲ھ زوجہ بیگم دختر عزت خاں حسن پور ۔ اولاد نظام خاں ۔ (۱) رحم علی خاں و ۱۲۴۹ھ زوجہ فضل النساء

دختر باز خاں بھیکم پور۔ (۲) حسن رضا خاں زوجہ دختر باز خاں بھیکم پور (۳) عصمت خاتون زوجہ فیروز خاں کناوہ دختیل بھیکم پور۔ (۴) حرمت النساء زوجہ حسن علی خاں بلوند۔ (۵) زیب النساء زوجہ تاج خاں کناوہ۔

اولاد رحم علی خاں (۱) محمد علی رضا خاں و ۱۲۶۲ھ زوجہ قمر النساء دختر داؤد خاں بھیکم پور (۲) احمد رضا خاں زوجہ اول بخشی بیگم دختر عبد الرحمن خاں دتاولی زوجہ دوم صفت النساء دختر حرمت خاں کناوہ۔

اولاد علی رضا خاں۔ (۱) محمد رحیم اللہ خاں۔ و ۱۹۰۳ء زوجہ سعید النساء دختر بخت خاں ڈھولنہ۔ (۲) حاجی کریم اللہ خاں و ۱۹۱۳ء زوجہ فخر النساء دختر عنایت اللہ خاں بھیکم پور

اولاد احمد رضا خاں۔ حاجی مصطفیٰ خاں و ۱۹۱۸ء زوجہ صفیہ بیگم دختر عنایت اللہ خاں بھیکم پور۔

اولاد رحیم اللہ خاں۔ (۱) محمد سلیم اللہ خاں زوجہ مریم خاتون دختر عبد الشکور خاں بھیکم پور (۲) خدیجہ بیگم زوجہ عبد اللطیف خاں حسن پور زوجہ دوم اسمٰعیل خاں حسن پور (۳) صالحہ بیگم زوجہ محمد حیات خاں بھوری۔

اولاد حاجی کریم اللہ خاں۔ (۱) حجابی بیگم زوجہ نواب سر حاجی محمد مزمل اللہ خاں بھیکم پور (۲) قدسی بیگم زوجہ عبد الجلیل خاں بھیکم پور۔

اولاد حاجی مصطفیٰ خاں۔ عامر مصطفیٰ خاں پ ۱۸۸۴ء و ۱۹۳۶ء بمقام دہرہ دون زوجہ امۃ القدوس دختر نواب حاجی اسمٰعیل خاں دتاولی۔

اولاد سلیم اللہ خاں۔ (۱) خان بہادر عبد المقیت خاں پ ۱۸۹۶ء زوجہ حجابی بیگم طلعت دختر نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بھیکم پور۔ (۲) ذکیہ بیگم زوجہ مسیح اللہ خاں ڈھولنہ۔

اولاد عامر مصطفیٰ خاں۔ (۱) احمد کامل مصطفیٰ خاں پ ۱۹۰۸ء زوجہ دختر ڈاکٹر محمد یٰسین امرتسری بار ایٹ لا و جج ریاست مالیر کوٹلہ۔ (۲) محمد کامل مصطفیٰ خاں [illegible] میں فوت و مدفون۔

اولاد خان بہادر عبد المقیت خاں۔ (۱) محمد نعیم اللہ خاں عرف نعمت میاں پ ۱۹۲۴ء

(۲) تاجیہ خاتون زوجہ غلام اکرم خاں دادوں (۳) راشدہ خاتون زوجہ احتشام الدین شیلانگ آسام۔ (۴) خدیجہ بیگم زوجہ مصطفیٰ کمال خاں دتاولی ذخیل حیدرآباد دکن۔

اولاد حسن خاں ابن نظام خاں (۱) اشرفی بیگم زوجہ ہدایت اللہ خاں بھیکم پور (۲) صالحہ بیگم زوجہ غازی الدین خاں کھوری (۳) دختر زوجہ حاجی فیض احمد خاں دتاولی (۴) صالح محمد خاں کتخدا نہ شد۔

۶ - بلونہ

میارز خاں ابن مبارک خاں ابن تحفہ خاں۔ ابن عبداللہ خاں ابن محمود خاں ذخیل بلونہ ابن نواب یوسف خاں ساکن راجپو بدگناوہ زوجہ بیرم خاں سہادر۔

اولاد میارز خاں۔ (۱) شاہ محمد خاں (۲) محمد خاں اولاد محمد خاں۔ آزاد خاں ذخیل سہاور۔

اولاد شاہ محمد خاں۔ (۱) اعظم خاں (۲) دلیر خاں (۳) بی بی زینت خاتون زوجہ محمد عظمت اللہ خاں کنولی۔

اولاد اعظم خاں۔ الہ داد خاں۔ اولاد الہ داد خاں۔ دختر سالن بی بی زوجہ عاشور خاں بدلیہ

اولاد دلیر خاں۔ (۱) نصرت خاں لاولد (۲) رشید خاں (زوجہ دختر دلیل خاں کھوری) (۳) مریم عرف مٹھا زوجہ ظفر خاں کمادہ۔ (۴) حبیب النساء زوجہ بساور خاں کنولی۔

اولاد رشید خاں۔ (۱) نجیب خاں ۱۲۳۰ھ زوجہ اول تاج النساء دختر نادر داد خاں کھوری۔ زوجہ دوئم خیر النساء دختر مراد خاں کھیامی (۲) خدا بخش خاں زوجہ صفیا بیگم دختر منگل خاں سرہرہ (۳) بدر النساء زوجہ داود خاں کتخدا۔

| شجرہ اول (نقشہ) | اولاد نجیب خاں۔ (۱) حاجی حسن علی خاں از نکاح اول ۱۲۶۵ھ زوجہ اول حرمت النساء دختر نظام خاں بوڑہ گاؤں زوجہ دوئم پیارن بی بی دھنساری۔

(۲) غلام مرتضیٰ خاں از نکاح اول ۱۸۵۵ء زوجہ معراج بی بی دختر بدر الدین خاں ڈھولنہ۔ (۳) عبدالمجید خاں از نکاح دوئم زوجہ ہدایت النساء سہاور نیز مستفیض النساء دختر اشرف خاں کنولی لاولد (۴) زینب النساء از نکاح اول زوجہ صاحب داد خاں حسن پور۔ (۵) ظہور النساء از نکاح اول زوجہ پنہ تیم خاں دتاولی۔ (۶) شمر النساء از نکاح اول زوجہ نذیر خاں کنولی۔

اولاد حاجی حسن علی خاں ۔ (۱) نوربی بی از نکاح اول وسنہ ۱۹۰۰ء زوجہ احمد یار خاں کنادہ قبیل بھوری (۲) عنایت بی بی زوجہ احمد رضا خاں ذتاولی (۳) ہدایت اللہ خاں پ ۱۸۳۸ء وسنہ ۱۸۸۲ء زوجہ سرور النساء دختر غلام مرتضیٰ خاں بلوند (۴) محمد شریف خاں پ ۱۸۴۳ء وسنہ ۱۸۶۷ء زوجہ ہدایت النساء دختر غلام مرتضیٰ خاں بلوند (۵) حفیظ اللہ خاں پ ۱۸۴۳ء ۔ زوجہ کبیر النساء دختر غلام مرتضیٰ خاں بلوند (۶) نذیر اللہ خاں وسنہ ۱۸۶۶ء زوجہ حجاب بیگم دختر خیراتی خاں بھوری (۷) حبیب اللہ خاں پ ۱۸۴۶ء زوجہ صدیق النساء دختر گرناسی خاں بھوری ۔ (۸) حاجی عبد الکفیل خاں مہاجر مدنی پ ۱۸۵۲ء وسنہ ۱۹۳۹ء بمقام مدینہ منورہ ۔ زوجہ اول رابعہ بیگم دختر حاجی عبدالصمد خاں حسن پور زوجہ دوم ساجدہ بیگم دختر حاجی فضل احمد خاں ولی از بطن سیدہ بیگم لاولد ۔ اولاد ہدایت اللہ خاں ۔ (۱) امانت اللہ خاں پ ۱۸۷۱ء وسنہ ۱۹۰۵ء زوجہ زہرہ بیگم دختر حفیظ اللہ خاں بلوند لاولد (۲) حبیب اللہ خاں وسنہ ۱۹۱۳ء زوجہ رحمت النساء دختر احمد رضا خاں تاولی لاولد (۳) حلیمہ بیگم زوجہ ابو خاں موضع نگلہ سادات (۴) عظمت اللہ خاں زوجہ کنیز فاطمہ دختر مستجاب اللہ خاں بلوند لاولد ۔ اولاد محمد شریف خاں ۔ محمد مستجاب اللہ خاں وسنہ ۱۹۱۶ء زوجہ حبیب النساء دختر احمد رضا خاں تاولی ۔ **اولاد نذیر اللہ خاں** خلیل اللہ خاں وسنہ ۱۹۱۹ء قبیل بھوری زوجہ کلثوم النساء دختر احمد رضا خاں تاولی ۔ **اولاد حبیب اللہ خاں** ۔ انوار فاطمہ زوجہ سمیع اللہ خاں بلوند ۔ اولاد حفیظ اللہ خاں ۔ (۱) زہرہ بیگم زوجہ امانت اللہ خاں بلوند (۲) حاجی شمس الحسن خاں وسنہ ۱۹۰۰ء زوجہ اول لیلیٰ بیگم دختر لطیف اللہ خاں حسن پور زوجہ دوم صفیہ بیگم دختر عبدالرشید خاں کنوبی ۔ **اولاد مستجاب اللہ خاں** (۱) حاجی مولوی محمد مقتدیٰ خاں شہسوانی مہتمم شہسوانی پ ۱۲۹۵ھ زوجہ نجیبہ الکبریٰ دختر سمیع اللہ خاں بلوند (۲) کنیز فاطمہ زوجہ عظمت اللہ خاں بلوند (۳) احمد شریف خاں وسعت عمر سال ۱۸۹۱ء (۴) امت الغنی بیگم زوجہ شکر اللہ خاں بلوند ۔ **اولاد خلیل خاں** اصفیہ بیگم زوجہ صابر علی خاں ایم ۔ اے ۔ ایل ایل بی بلوند **اولاد حاجی شمس الحسن خاں** ۔ نور جہاں بیگم زوجہ حفیظ خاں بلوند ۔

اولاد حاجی مولوی محمد مقتدیٰ خاں ۔ (۱) مشکور الحسن خاں پ ۱۹۱۷ء (۲) منظور الحسن خاں پ ۱۹۱۹ء وسنہ ۱۹۵۱ء (۳) منصور الحسن خاں پ ۱۹۲۲ء (۴) احمد کفیل خاں عرف حاجی میاں پ ۱۹۲۰ء وسنہ ۱۹۲۱ء (۵) حسن مرتضیٰ خاں عرف راحت میاں پ ۱۹۲۶ء (۶) مقبول شریف خاں عرف [illegible] میاں پ ۱۹۲۷ء (۷) مدینہ خاتون پ ۱۹۲۹ء (۸) کبریٰ خاتون پ ۱۹۳۲ء (۹) عاقب نجیب اللہ خاں پ ۱۹۳۴ء

شاخ اول (ب)

اولاد غلام مرتضیٰ خاں مندرجہ بالا شاخ اول الف ۔ (۱) احمد علی خاں وسنہ ۱۹۱۰ء زوجہ [illegible] النساء دختر [illegible] خاں [illegible] (۲) سرور النساء زوجہ ہدایت اللہ خاں بلوند (۳) ہدایت النساء زوجہ محمد شریف خاں بلوند (۴) تسلیم النساء زوجہ محمد تقی خاں حبیب گنج (۵) کبیر النساء زوجہ حفیظ اللہ خاں بلوند (۶) حاجی عظمت اللہ خاں پ ۱۲۵۶ھ وسنہ ۱۸۱۸ء زوجہ نذیر النساء دختر [illegible] (۷) [illegible] علی خاں [illegible]

(۲) تمیز النساء زوجہ اولیٰ نصیر اللہ خاں حسن پور۔ اولاد احمد علی خاں (۱) الٰہی بیگم زوجہ نصیر اللہ خاں حسن پور (۲) کفایت علی خاں
پ ۱۲۷۲ھ و ۱۹۲۳ء زوجہ خاتون جنت دختر منصور اللہ خاں بلونہ (۳) سمیع اللہ خاں زوجہ اولیٰ حفیظ النساء دختر
احمد رضا خاں دتاولی۔ زوجہ دوئم انوار فاطمہ دختر حبیب اللہ خاں بلونہ۔ اولاد کفایت علی خاں۔ (۱) اصغری بیگم
ناکتخدا فوت ۱۹۰۱ء جوان (۲) محمد حنیف خاں زوجہ نور جہاں دختر شمس الحسن خاں بلونہ اولاد حنیف خاں
عزیزہ خاتون زوجہ حلیم اللہ خاں حسن پور۔ اولاد سمیع اللہ خاں۔ (۱) شکر اللہ خاں از نکاح اول زوجہ ولایت النساء دختر
مستجاب اللہ خاں بلونہ (۲) صابر علی خاں ایم اے ایل ایل بی از نکاح اول زوجہ صفیہ بیگم دختر خلیل اللہ خاں بلونہ [illegible]
(۳) ذاکر علی خاں و ۱۹۱۴ء بعمر تقریباً ۲۵ سال (۴) خدیجۃ الکبریٰ از نکاح دوئم زوجہ مولوی حافظ محمد تقی خاں بلونہ
(۵) سلطان فاطمہ از نکاح دوئم زوجہ سمیع الزماں خاں دھولنہ (۶) منظور فاطمہ از نکاح دوئم زوجہ نواب [illegible] بہادر سرور اللہ خاں
(۷) امت السبحان زوجہ محمود الرحمن خاں حبیب گنج۔ (۸) اسلام اللہ خاں از نکاح دوئم زوجہ دختر شبیر احمد خاں
بہادر۔ (۹) انعام اللہ خاں از نکاح دوئم زوجہ دختر چودھری عبدالواحد خاں بہادر (۱۰) کاملہ خاتون از نکاح دوئم
(۱۱) حافظ اکرام اللہ خاں از نکاح دوئم زوجہ دختر حاجی ملا [illegible] خاں برلیہ پاکستان۔ اولاد شکر اللہ خاں۔
(۱) شاکر علی خاں زوجہ [illegible] خاتون [illegible] (۲) [illegible] خاتون زوجہ فصیح اللہ

بہادر (۲) ثوبیہ خاتون زوجہ شاکر علی خاں پاکستان (۳) شوکت الرحمن خاں۔ اولاد اسلام اللہ خاں (۱)
ضیاء احمد خاں پ ۱۹۳۳ء (۲) غیاث احمد خاں (۳) [illegible] میاں (۴) عرف انور میاں۔ اولاد انعام اللہ خاں
[illegible] خاتون (۲) نسیم احمد خاں (۳) [illegible] خاتون اولاد جعفر علی خاں (۱) [illegible] خاتون پ ۱۹۴۰ء (۲) فریدہ خاتون پ ۱۹۴۳ء (۳)
[illegible] خاتون پ ۱۹۴۵ء (۴) حنیف الرحمن پ ۱۹۵۱ء (۵) [illegible] پ ۱۹۵۲ء اولاد شاکر علی خاں (۱) تسلیم فاطمہ (۲) سیف الرحمن اللہ

(۳) دختر عرف ننھی بیگم جوان فوت (۴) امت العزیز زوجہ آفتاب خاں سہاور (۵) [illegible] حسین خاں [illegible] فوت
(۶) مولوی ظفر حسن خاں پ ۱۲۹۸ھ و ۱۹۳۸ء زوجہ اولیٰ امت الحلیم ہمشیرہ حکیم الیاس خاں زوجہ دوئم زاہدہ خاتون بنت
دختر ایوب خاں ابن [illegible] زوجہ سوئم وارثی بیگم دختر ادریس خاں حسن پور (۲) [illegible] زوجہ حکیم الیاس خاں۔
شاخ دوئم | اولاد خدا بخش خاں ابن رشید خاں [illegible] شاخ اول (۱) [illegible] خاں [illegible] زوجہ
خاندان [illegible] (۲) [illegible] حسین خاں لاولد (۳) فضل علی خاں زوجہ [illegible] النساء [illegible] زوجہ [illegible] خاں [illegible]
اولاد فضل علی خاں۔ (۱) اسد علی خاں [illegible] زوجہ [illegible] دختر [illegible] علی خاں [illegible] (۲) [illegible] النساء زوجہ [illegible] خاں [illegible]
(۲) منیر النساء زوجہ امداد علی خاں بلونہ اولاد [illegible] خاں۔ (۱) امداد علی خاں عرف [illegible] خاں بلونہ زوجہ منیر النساء دختر فضل علی خاں
بلونہ

(۳) کریم النسا زوجہ غلام نبی خاں سہاور۔ اولاد امداد علی خاں۔ یونس خاں ولد سنہ ۱۸۹۰ء لاولد (۲) آمنہ بیگم زوجہ امانت اللہ خاں کنادہ (۳) سکینہ بیگم زوجہ صفی اللہ خاں بھاموں۔ اولاد اسعد علی خاں۔ (۱) عبدالشکور خاں کتھے اور ولد سنہ ۱۸۹۷ء (۲) حاجی عبدالرشید خاں زوجہ سعودی بیگم دختر حسین علی خاں بہرہ۔ اولاد حاجی عبدالرشید خاں (۱) تصدق احمد خاں ایم اے پ ش ۲۹ء و سنہ ۱۹۳۵ء زوجہ اسرار فاطمہ دختر احمد سعید خاں بریرہ (۲) نثار احمد خاں بی اے ایل ایل بی سابق منسٹر صوبہ اتر پردیش زوجہ اول دختر عوض خاں بہرام پور زوجہ دوم ہمشیرہ عبدالمجید خواجہ بار ایٹ لا علی گڑھ زوجہ سوم خاندان قمر شاہ خاں بریلی (۳) عائشہ خاتون زوجہ حبیب اللہ خاں کنادہ (۴) فدا احمد خاں زوجہ سلطان جہاں بیگم دختر عبدالحمید خاں کنادہ زوجہ دوم غیر کفو۔ اولاد تصدق احمد خاں۔ خالدہ خانم زوجہ حاجی حبیب الحسن خاں ڈیعوان۔

اولاد نثار احمد خاں۔ مصطفیٰ رشید خاں از نکاح دوم زوجہ دختر خان بہادر رفیع اللہ خاں کلکٹر ریٹائرڈ شاہجہانپور (۲) طلعت جہاں زوجہ غیر خاندان ریٹائرڈ افسر پاکستان۔ اولاد فدا احمد خاں۔ احمد رشید خاں۔

شاخ سوم | مورث علی کا نام دیتہ نہیں ملا۔ ان کی اولاد میں۔ (۱) بخش اللہ خاں (۲) منیجہ النسا (۳) اکبر خاں لاولد (۴) علی محمد خاں (۵) صاحبداد خاں۔ (۶) ولی محمد خاں۔ اولاد صاحبداد خاں۔ (۱) کالے خاں (۲) دختر۔ اولاد علی محمد خاں۔ مسکین خاں زوجہ بنت کالے خاں سرائے بریلہ۔ (۲) منشی خاں زوجہ دختر غلام رسول خاں بریلہ (۳) سراج النسا زوجہ حبیب خاں سرائے بریلہ۔ اولاد ولی محمد خاں۔ (۱) محمد حسین خاں زوجہ دختر اکبر خاں بریلہ ان کی اولاد ہاجرہ بیگم زوجہ شفیع خاں پسر عبدالمجید خاں کنولی۔ (۲) جمیلہ النسا زوجہ غلام محمد خاں سہاور (۳) نذیر النسا زوجہ عبدالمجید خاں کنولی اولاد مسکین خاں۔ ابراہیم خاں، زوجہ احسان فاطمہ دختر منشی خاں۔ اولاد منشی خاں۔ (۱) ابراہیم خاں زوجہ دختر صدیق خاں کنولی (۲) شفیع الرحمٰن خاں زوجہ طیبہ خاتون دختر محمد خاں نادلی (۳) احسان فاطمہ زوجہ ابراہیم خاں مذکور (۴) انعام فاطمہ۔ اولاد ابراہیم خاں۔ (۱) آصف خاں۔ (۲) عارف خاں۔ (۳) دختر زوجہ برکات احمد خاں کنادہ

۷۔ بھاموں

شاخ اول | مورث واحد خاں۔ ابن محمد خاں علی بھاموں بن نواب یوسف خاں، اجمل پور کنادہ۔

اولاد واحد خاں۔ (۱) رستم خاں (۲) محسن علی عرف نجف خاں (۳) نظام خاں (۴) مراد خاں۔ اولاد رستم خاں۔ حسن علی خاں اولاد حسن علی خاں۔ (۱) منگل خاں (۲) پیر زر خاں (۳) دختر۔ اولاد منگل خاں۔ (۱) محمد علی خاں (۲) غلام مرتضیٰ خاں (۳) یوسف خاں لاولد۔ اولاد محمد علی خاں (۱) احمد علی خاں ولد سنہ ۱۹۰۶ء زوجہ امراؤ بیگم لاولد (۲) دختر۔ اولاد غلام مرتضیٰ خاں۔ (۱) گھاسی خاں (۲) غازی الدین خاں ولد سنہ ۱۹۱۱ء۔ اولاد گھاسی خاں (۱) عبدالرحمٰن خاں دختران ۲ لا ثانیہ۔ حسینا زوجہ ... خاں سہاور۔ ٹوٹا زوجہ قطب علی خاں سہاور۔ عشوقی بیگم زوجہ عبدالعزیز خاں بھاموں نیتی بیگم زوجہ عوض خاں بہرام پور۔ قدرت النسا زوجہ حمایت علی خاں سہاور۔ چھوٹی بیگم زوجہ ولی احمد خاں کنولی

بدہ جیون خاں بھوری ۔ اولاد عبدالرحمٰن خاں از زوجہ غیر کفو ہمشیرہ اعظم علی بھاموں (۱)
عزیز الرحمٰن خاں زوجہ غیر کفو (۲) مجیب الرحمٰن خاں زوجہ غیر کفو (۳) فضل الرحمٰن خاں زوجہ غیر کفو
اولاد عزیز الرحمٰن خاں ۔ (۱) انیس الرحمٰن خاں (۲) شفیع الرحمٰن خاں (۳) حبیب الرحمٰن خاں
(۴) عنایت الرحمٰن خاں (۵) دختر ۔ اولاد مجیب الرحمٰن خاں ۔ (۱) محمد الرحمٰن خاں (۲)
احمد الرحمٰن خاں (۳) دختر ۔ اولاد فضل الرحمٰن خاں (۱) افضال احمد ۔ (۲) دختر
اولاد غازی الدین خاں ۔ (۱) محمد خاں و سنہ ۱۹۳۹ء خلیل کنادہ (۲) دختر
اولاد پیروز خاں ابن حسن علی خاں عبداللہ خاں زوجہ حلیم النساء دختر فضل علی خاں بلونہ ۔
اولاد عبداللہ خاں ۔ (۱) صفی اللہ خاں عرف شفیع اللہ خاں و سنہ ۱۹۰۶ء زوجہ سکینہ بیگم دختر امداد علی
خاں بلونہ (۲) ظہور اللہ خاں (۳-۴) دختران صفی النساء زوجہ منیہ خاں کنادہ ۔ ظہور النساء
اولاد صفی اللہ خاں ۔ (۱) پسر لاولد (۲) دختر زوجہ ریاض خاں زوجہ حاجی مسلم خاں ٹنڈولی
اولاد ظہور اللہ خاں ۔ (۱) شفیع اللہ خاں فوت سنہ ۱۹۳۱ء لاولد (۲) توصیف اللہ خاں پ سنہ ۱۹۲۵ء
لاولد (۳) احمد اللہ خاں زوجہ ۔۔۔ (۴) مستفیض اللہ خاں زوجہ ۔۔۔ (۵) شجاعت اللہ خاں
زوجہ کنوپیا ۔ (۶) دختر زوجہ ۔۔۔ خلیل بھاموں (۷) حبیب فاطمہ زوجہ ۔۔۔
۔۔۔ (۸) بی بی فاطمہ زوجہ شکیل احمد خاں دھنساری ۔ اولاد احمد اللہ خاں ۔ عزت اللہ خاں
اولاد استعمار احمد خاں ۔ خلیل بھاموں دختر ۔

شاخ دوئم اولاد محسن خاں عرف نجف خاں ابن داؤد خاں (۱) خداداد خاں
زوجہ شریف النساء دختر محمد منیر خاں ثانی کنادہ لاولد ۔ (۲) ہمت خاں
زوجہ حبیب النساء دختر داؤد خاں کنادہ (۳) مہر النساء زوجہ غلام رسول خاں بیگم پور
اولاد ہمت خاں ۔ (۱) کرامت النساء زوجہ عنایت خاں ۔۔۔ (۲) امانت النساء زوجہ عبد ۔۔۔
دھنساری ۔ (۳) عنایت حسین خاں زوجہ رسولاً دختر ۔۔۔ خاں بھوری ۔
اولاد عنایت حسین خاں ۔ عبدالعزیز خاں د سنہ ۱۹۰۵ء زوجہ اول ۔۔۔ النساء دختر وزیر خاں
کنرپا ۔ زوجہ دوئم حیومی بیگم دختر گھاسی خاں بھاموں
اولاد عبدالعزیز خاں ۔ (۱) اسرار فاطمہ از نکاح اول زوجہ محمود خاں بیگم پور (۲) عبدالواحد خاں

از نکاح اول زوجہ دختر فیض محمد خاں سہاور (۳) عبد الجلیل خاں از نکاح اول وفات ۱۹۴۸ء زوجہ امت الجلیل دختر ولی احمد خاں کنوبی (۴) عبد القدیر خاں از نکاح اول زوجہ دختر فیض محمد خاں سہاور (۵) عبد الکبیر خاں از نکاح اول وفات ۱۹۱۵ء لاولد۔ (۶) عبد الواحد خاں از نکاح دویم زوجہ زبیدہ بیگم دختر محمود خاں بھیکم پور (۷) عبد الباسط خاں از نکاح اول زوجہ زاہدہ بیگم دختر عمر خاں کھجوری۔ اولاد عبد الواحد خاں۔ دختر زوجہ عبد الجبار خاں بھاموں۔

اولاد عبد الجلیل خاں۔ دختر صابرہ بیگم زوجہ افتخار احمد خاں بعدہٗ انتصار احمد خاں کنوبی۔

اولاد عبد القدیر خاں۔ دختر زوجہ انوار احمد خاں بھاموں۔ اولاد عبد الواجد خاں۔ (۱) عبد الماجد خاں مرحوم زوجہ امت الرحمٰن دختر فیض محمد خاں بردلی (۲) مولوی عبد الشاہد خاں زوجہ مہدی بیگم دختر عمران خاں بھیکم پور۔ (۳) محمد زاہد خاں دخیل بہاولپور پاکستان (۴) زاہدہ بیگم زوجہ عبد المجید خاں مرحوم بھیکم پور۔ اولاد عبد الماجد خاں۔ (۱) محمد ساجد خاں (۲) امت السبحان زوجہ شفیع احمد خاں سنہرا دخیل گھنونہ (۳) دختر کم سن۔

اولاد مولوی عبد الشاہد خاں۔ (۱) محمد مجاہد خاں ۶ سال (۲) محمد شاہد خاں ۴ سال (۳) شاہدہ بیگم عمر ایک سال۔

اولاد عبد الباسط خاں۔ (۱) محمد شاکر خاں (۲) عابدہ بیگم زوجہ محمد نجیب خاں عرف اچھن دھساری

شاخ سویم	اولاد نظام خاں ابن واحد خاں مندرجہ بالا۔ خان زماں خاں۔ اولاد خان زماں خاں۔ جیون خاں لاولد۔
شاخ چہارم	اولاد مردان خاں۔ ابن واحد خاں (۱) رحمت خاں (۲) محمد رضا خاں (۳-۴-۵-۶) دختران۔

اولاد رحمت خاں۔ (۱) کرامت النساء زوجہ یوسف خاں بھاموں۔ (۲) جیوت بی بی زوجہ شفیع خاں دھساری (۳) وحید النساء زوجہ عبد اللطیف خاں بسہرہ اولاد محمد رضا خاں۔ (۱) شادی خاں (۲) اسد علی خاں۔ (۳) دختر زوجہ جعفر خاں دھساری (۴) دختر۔

اولاد شادی خاں۔ دختر۔

اولاد اسد علی خاں۔ (۱) صفدر خاں۔ (۲) دختر۔

۸ ۔ کنوبی

شاخ اول | مورث رفعت خاں پ سنہ ۱۶۹۴ء و ۱۷۳۳ء (زمانہ اورنگ زیب عالمگیر) ابن بہروز خاں پ سنہ ۱۶۳۰ء و ۱۷۰۸ء ابن الف خاں ابن محمد حسن خاں ابن نواب یوسف خاں راجپوت لوہ گڑھ کنا دہ ۔ رفعت خاں کی اولاد شیروانیاں رفعت خانی کہلائی ۔ رفعت خاں نے دو نکاح کئے مگر زوجگان اور زوجگان کے مورثان کے نام نہیں معلوم ۔

اولاد رفعت خاں ۔ از نکاح اول (۱) عظمت خاں زوجہ مدینہ بی بی دختر شاہ محمد خاں بلوچنہ (۲) از نکاح دویم عزت خاں مورث حسن پور (دیکھو شجرہ حسن پور) (۳) از نکاح دویم سعادت خاں مورث کنوبی و دھولت ۔ (۴) از نکاح دویم دختر

اولاد عظمت خاں ۔ بہادر خاں و ۱۸۱۰ء مدفونہ مقبرہ کنوبی زوجہ مستجیب النساء دختر دلیل خاں بلوچنہ لاولد سلسلہ منقطع ۔ اولاد سعادت خاں ۔ (جنہوں نے دو نکاح کئے یعنی پہلا بیاہ اول میں دوسرا البالپور میں) (۱) از نکاح اول شمس الدین خاں متوطن کنوبی ۔ (۲) از نکاح دویم قطب الدین خاں داخل ڈھولنہ (دیکھو شجرہ ڈھولنہ) (۳) از نکاح دویم بدر الدین خاں داخل ڈھولنہ (دیکھو شجرہ ڈھولنہ) اولاد شمس الدین خاں ۔ از نکاح اول (۱) یعقوب خاں (۲) الہوردی خاں از نکاح اول زوجہ افضل النساء دختر بھوگی خاں بھیکم پور (۳) از نکاح اول عبد الواحد خاں زوجہ اول ۔ زوجہ دویم شفیع خاں بہرہ (۴) کالے خاں از نکاح دویم (۵) از نکاح دویم خواجہ علی خاں زوجہ موجبولی لاولد (۶) از نکاح دویم سردار خاں زوجہ کسری بیگم

اولاد یعقوب خاں ۔ (۱) امیر النساء زوجہ عبد اللہ خاں دتاولی (۲) حورن زوجہ محمود خاں لنادہ (۳) یونس خاں زوجہ حرمت النساء دختر بھوگی خان بھیکم پور (۴) زبیر خاں زوجہ عمر النساء دختر نجیب خاں بلوچنہ و ۱۸۷۵ء (۵) عبد الاحد خاں و ۱۸۹۸ء زوجہ پیارن دختر شمس الدین خاں منڈولی ۔ اولاد یونس خاں ۔ (۱) حمایت بیگم زوجہ حاجی احمد حسین خاں دتاولی ۔ (۲) عنایت بیگم زوجہ طالب حسین خاں دتاولی ۔ (۳) اسد علی خاں و ۱۸۹۹ء زوجہ مریم فاطمہ دختر عنایت خاں ڈھولنہ ۔ اولاد اسد علی خاں (۱) عمر علی خان زوجہ شفیع النساء دختر مرادی خاں

کنوبی ۔ (۲) قمر علی خاں و ۱۸۹۵ء زوجہ رؤف النساء دختر غلام نبی خاں ٹنڈولی ۔

اولاد قمر علی خاں ۔ (۱) امت الرب زوجہ عبدالواحد خاں کنوبی ۔ (۲) محمد حنیف خاں و ۱۹۳۲ء زوجہ مبین فاطمہ دختر الہ وردی خاں کھیرسہ ۔ (۳) بشیر یا شبیر احمد خاں زوجہ امت الشافی دختر سیف خاں کنارہ ۔ اولاد قمر علی خاں ۔ (۱) امت القیب زوجہ عبدالمعید خاں سہاور (۲) عزیز خاں زوجہ شاہی بیگم دختر الیاس خاں سہاور (۳) جمیل الرحمن خاں ناکتخدا فوت (۴) فضل الرحمن خاں ناکتخدا فوت ۔ اولاد حنیف خاں ۔ (۱) محمد اسعد اللہ خاں زوجہ مدینہ خاتون دختر عبدالوحید خاں شاہجہاں آباد (۲) محمد علی خاں زوجہ فہمیدہ دختر زکریا خاں نوشہ ۔ (۳) احمد علی خاں کم سن (۴) حامد علی خاں کم سن (۵) جینو بیگم زوجہ ننھے خاں نوشہ (۶) حنیف فاطمہ زوجہ سمیع اللہ خاں شاہجہاں آباد

اولاد بشیر احمد خاں یا شبیر احمد خاں ۔ (۱) بنی بیگم زوجہ اشرف حیات خاں کنوبی ۔ (۲) فخری بیگم زوجہ سلیمان خاں کنوبی ۔ (۳) جینو بیگم زوجہ فصاحت اللہ خاں بھاموں (۴) منو بیگم زوجہ عبدالعزیز خاں سہاور ۔ (۵) فصیح اللہ خاں کم سن (۶) غیاث اللہ خاں کم سن (۷) بدو خاں کم سن ۔

اولاد وزیر خاں ۔ (۱) مجمع العانت فاطمہ عرف بھوری و ۱۹۲۱ء زوجہ حاجی نفیس احمد خاں قائدولی (۲) کفایت بیگم زوجہ غلام احمد خاں بھیکم پور (۳) بدر النساء زوجہ ارادت علی خاں حسن پور (۴) رؤف النساء زوجہ عبدالعزیز خاں بھاموں (۵) نواز النساء زوجہ علی احمد خاں کنوبی

اولاد عبدالاحد خاں ۔ (۱) شفقت بیگم زوجہ عبدالرؤف خاں دادوں نکاح ۱۸۸۳ء (۲) حیات بیگم زوجہ فیاض علی خاں ڈھولنہ بیوہ فرزند علی خاں ڈھولنہ ۔ (۳) احمد علی خاں زوجہ نواز النساء دختر وزیر خاں کنوبی لاولد ۔ (۴) ولی احمد خاں و ۱۸۸۳ء زوجہ چھوٹی بیگم دختر گھاسی خاں بھاموں ۔ (۵) عنایت احمد خاں ف ۱۹۱۵ء زوجہ کنیز فاطمہ دختر ارادت علی خاں حسن پور ۔

اولاد ولی احمد خاں ۔ امت الجلیل زوجہ عبدالجلیل خاں بھاموں

اولاد عنایت احمد خاں ۔ (۱) افتخار احمد خاں و ۱۹۲۹ء زوجہ صابرہ بیگم دختر عبدالجلیل خاں بھاموں (۲) اقتدار احمد خاں زوجہ صابرہ بیگم بیوہ افتخار احمد خاں (۳) انتصار احمد خاں زوجہ اختری بیگم دختر ظہور اللہ خاں بھاموں ۔ (۴) مسعودی بیگم زوجہ عبدالمجید خاں بھیکم پور (۵) اشرفی بیگم زوجہ عبدالمجید خاں بھیکم پور بعد انتقال مسعودی بیگم ۔ (۶) محمودی بیگم ناکتخدا فوت ۱۹۲۵ء

اولاد افتخار احمد خاں ۔ (۱) اقبال احمد خاں ناکتخدا فوت ۔

اولاد اقتدار احمد خاں (۱) عنایت اللہ خاں کم سن (۲) اعانت اللہ خاں کم سن

اولاد انتصار احمد خاں ۔ شجاعت احمد خاں کم سن (۲) شفاعت احمد خاں کم سن (۳) فدا احمد خاں کم سن (۴) آمنہ حیات بیگم عرف طاہرہ حیات ۔

اولاد الہ وردی خاں ۔ ابن شمس الدین خاں ۔ (۱) کرامت النساء زوجہ محمد حیات خاں کنوبی ۔ (۲) مداری خاں زوجہ نیاز النساء دختر غلام رسول خاں بھیکم پور ۔ (۳) اشرف خاں زوجہ اول بنیا دختر سہراب خاں سہاور زوجہ دوم شجاعت النساء دختر شجاعت خاں دھضاری ۔

اولاد مداری خاں ۔ شفیع النساء زوجہ عمر علی خاں کنوبی ۔

اولاد اشرف خاں ۔ (۱) مجیب النساء زوجہ الہ یار خاں ۔ دھولنہ (۲) مستقیم النساء زوجہ عبدالمجید خاں بلونہ ۔ (۳) آمنہ بیگم زوجہ امین اللہ خاں کناوہ (۴) محمد سعید خاں زوجہ امیر بیگم عرف چھوٹی ۔ دختر غلام قادر خاں شنڈول (۵) محمد حیات خاں د ۱۸۹۵ء زوجہ ملا بیگم دختر رحیم داد خاں کنوبی ۔ (۶) امین اللہ خاں فوت ۱۹۰۶ء لاولد (۷) عبدالعزیز خاں زوجہ امت الوہاب دختر نجیب خاں کناوہ (۸) عبدالرشید خاں د ۱۹۲۸ء زوجہ شرافت النساء دختر منور خاں دھنساری ذیل عنایتی ۔ اولاد محمد سعید خاں ۔ سلطان احمد خاں زوجہ دختر عبدالوحید خاں سہاور ۔

اولاد سلطان احمد خاں ۔ (۱) آسیہ بیگم زوجہ تدبیر احمد خاں کناوہ (۲) کافیہ بیگم زوجہ حافظ عزیز اللہ خاں کناوہ ۔ (۳) سلیمان خاں زوجہ مغربی بیگم دختر شبیر احمد خاں یا بشیر احمد خاں کنوبی ۔ اولاد سلیمان خاں ۔ (۱) غلام سعید خاں ناکتخدا (۲) عبدالرافع خاں ناکتخدا ۔ (۳) عصمت جہاں ناکتخدا ۔ (۴) نصرت جہاں ناکتخدا ۔ اولاد محمد حیات خاں ۔ (۱) ہاجرہ بیگم زوجہ عثمان خاں حسن پور (۲) حاجی حبیب احمد خاں د ۱۹۲۲ء زوجہ اول مریم بیگم دختر اشرف خاں تلولی زوجہ دوم امت الرب دختر عمر علی خاں کنوبی (۳) محمد صادق خاں زوجہ دختر عنایت خاں کھریسہ اولاد عبدالواحد خاں (۱) نیازی بیگم زوجہ محمد الیاس خاں ایم ۔ اے ڈبل ایڈوکیٹ علی گڑھ ۔ (۲) فاطمہ زوجہ شرکت اللہ خاں کنوبی ۔ (۳) اشرف حیات خاں زوجہ نبی فاطمہ دختر شبیر احمد خاں کنوبی ۔ اولاد اشرف حیات خاں ۔ عزیز فاطمہ کم سن ۔

اولاد محمد صادق خاں ۔ (۱) صفیہ بیگم زوجہ ابراہیم خاں بلونہ (۲) مشرقی بیگم زوجہ عظمت اللہ خاں کھریسہ

(۳) زبیدہ بیگم زوجہ ولی اللہ خان طباپور (۳) اشرف رضا خان زوجہ عبد المنان خان کھیرسہ ۔ (۴) رفیع اللہ خان زوجہ کھیرسہ ۔ اولاد اشرف خان ۔ (۱) نصیبہ بیگم کم سن (۲) منور جہاں کم سن ۔ (۳) حسین بانو کم سن (۴) فریدہ خاتون کم سن ۔ اولاد رفیع اللہ خان ۔ (۱) زبیدہ بیگم کم سن (۲) سعیدہ بیگم کم سن (۳) رفیع الزمان خان کم سن ۔ (۴) رفیع الحیات خان کم سن ۔ اولاد عبد العزیز خان ۔ ظہور فاطمہ زوجہ علیم اللہ خان کناوہ ۔ اولاد عبد الرشید خان ۔ (۱) صفیہ بیگم زوجہ حاجی شمس الحسن خان بلوند (۲) محمد شوکت اللہ خان زوجہ اعجاز فاطمہ دختر عبد الواحد خان کنولی ۔ اولاد شوکت اللہ خان (۱) مختار حسین خان کم سن ۔ (۲) غضنفر اللہ خان کم سن (۳) ام سلمہ زوجہ عبد الحلیم خان مومن نگلہ (۴) رشیدہ خاتون نا کتخدا ۔ اولاد عبد الواحد خان ۔ (۱) منصب دار خان زوجہ عطیۃ النساء دختر کرامت خان بسہرہ لاولد (۲) رحیم داد خان زوجہ الفت بیگم دختر عبد اللہ خان ٹنڈولی ۔ (۳) ننھے خان زوجہ سلیما دختر کالے خان کنولی ۔ اولاد رحیم داد خان ۔ تلا بیگم زوجہ محمد حیات خان کنولی ۔ اولاد ننھے خان ۔ عبد الحمید خان زوجہ زبیر النساء دختر ولی محمد خان بلوند ۔ اولاد عبد الحمید خان ننھے خان زوجہ ہاجرہ بیگم دختر احمد دین خان بلوند ۔

شاخ دوم

اولاد کالے خان ابن شمس الدین خان از نکاح دوم مندرجہ بالا (۱) سلیما زوجہ ننھے خان کنولی ۔ (۲) رضا خان زوجہ چھپرہ ۔

اولاد رضا خان ۔ (۱) رحمت النساء زوجہ ظہور خان کنولی ۔ (۲) عظیما زوجہ ہدایت علی خان کنولی ۔

خواجہ علی خان ابن شمس الدین خان ۔ مندرجہ بالا از نکاح دوم لاولد ۔ اولاد سردار خان ابن شمس الدین خان مندرجہ بالا از نکاح دوم (۱) ہدایت علی خان زوجہ عظیما دختر رضا خان کنولی لاولد ۔ (۲) ظہور خان ۱۸۸۶ء زوجہ رحمت النساء دختر رضا خان کنولی ۔ (۳) نور خان زوجہ کالی دختر رحم علی خان برلہ (۴) مردان خان ۔ (۵) ناہر خان فوت سنہ ۱۸۶ ۔ زوجہ طبال پور ۔

اولاد ظہور خان ۔ (۱) دختر زوجہ کھیرسہ ۔ (۲) پسر فوت کم سن ۔ اولاد نور خان (۱) عبد الغنی خان ۔ (۲) ننھے خان عرف غفور ... زوجہ بلوند لاولد ۔

اولاد مردان خان ۔ لاڈو بیگم زوجہ علی مردان خان کھیرسہ ۔ اولاد ناہر خان (۱) مظفر علی خان فوت سنہ ۱۹۲۰ء زوجہ طبال پور لاولد ۔ (۲) دختر زوجہ وزیر خان چھپرہ ۔

۹ - حسن پور

موضع حسن پور بھی ایک زمانہ میں آبادی اور سرسبزی کے لحاظ سے شروانی دیہات میں چوٹی کا گاؤں تھا۔ وہاں کے حالات سے متعلق حاجی عبدالجمیل خاں صاحب حسن پوری نے ایک مفصل یادداشت مرتب کی اور اس کا نام **"یادگار حسن پور"** رکھا ہے چونکہ ان اوراق کے یعنی **"شروانی نامہ"** میں کافی گنجائش نہ تھی اس لئے حاجی صاحب موصوف کا ارادہ انشاءاللہ اس کو علیحدہ شائع کرنے کا ہے۔ حاجی صاحب موصوف نے یہ یادداشت اپنی نانی صاحبہ مرحومہ سے اور اپنے رشتہ کے دادا اصغر علی خاں صاحب مرحوم اور اپنے تایا اسمٰعیل خاں صاحب مرحوم کے روزنامچوں سے (جو سنہ ۱۸۶۵ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک مسلسل لکھے گئے) تحریر کی ہے۔ یہ بی بی صاحبہ اور دونوں اصحاب بڑے لائق تھے۔ خاندان شروانی کے شجرہ جات جو شروانی نامہ کے ساتھ مرتب ہوئے حاجی عبدالجمیل خاں صاحب نے دیہات شروانی کا گشت لگا کر مرتب کیئے اور اس کام میں ایک حد تک حافظ حاجی علی اکبر خاں صاحب ایم۔ اے حسن پوری ان کے ساتھ رہے۔ حاجی صاحب نے محمد یار خاں صاحب نمبردار چھپرہ سے بھی مدد لی جو بڑے لائق تھے۔ حسن پور سے متصل اور کھیڑہ موسومہ تاسولی کے قریب سنہ ۱۸۶۱ء میں حاجی عبدالصمد خاں اور قطب علی خاں مرحوم نے نیل کی کوٹھی تعمیر کرائی۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں حاجی عبدالصمد خاں مرحوم نے موضع اسماعیل پور اپنے لڑکے اسمٰعیل خاں کے نام سے آباد کیا۔ وہاں بھی کوٹھی نیل اور چاہ پختہ کلاں تعمیر کرائے۔ اور باغ انبہ نصب کرایا۔ حسن پور کی آبادی میں بجانب پورب راستے سے متصل بی بی سکینہ بی بی (عرف چھبن بی بی) زوجہ رجب علی خاں حسن پور دختر مداری خاں تاولی نے ایک مسجد پختہ دو درجوں کی اپنے باپ دادا کی تعمیر کردہ مسجد واقع تاولی کے نمونہ پر تعمیر کرائی۔ یہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ رحمت خاں کنولی کو نواب بنگش فرخ آباد کی طرف سے جو معافی ملی وہ ان کی اولاد ذیل حسن پور کے قبضہ میں آئی۔ حسن پور میں ایک پرانی گڑھی تھی جس میں عبداللہ خاں مرحوم حسن پوری کی اولاد مقیم ہوئی اور اس کی وجہ سے خاندان کی یہ شاخ گڑھی والی کہلائی۔ مسجد سے متصل صاحب داد خاں کی حویلی تعمیر ہوئی اور ان کی اولاد اسی

نسبت سے حویلی الی کہلائی۔ اگرچہ یہ موضع آبادی کے لحاظ سے چھوٹا ہے۔ مگر موجودہ تعلیمی حالت اور یہاں کے بعض افراد کے سرکاری عہدوں پر تعیناتی کی وجہ سے برادری میں ممتاز ہے۔ جیساکہ شروانی نامہ حصہ دویم سے معلوم ہوچکا۔

چوں کہ یہ حالات دیر میں ملنے کی وجہ سے شروانی نامہ حصہ دویم میں درج ہونے سے رہ گئے اس لئے اب ہم نے ان کو یہاں درج کیا ہے۔ یہ حاجی عبدالجمیل خاں صاحب مرحوم کی تحریری یادداشت سے لئے گئے ہیں۔ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے تفصیلات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس موضع کا نام غالباً ان حسن خاں کی یادگار ہے جو نواب یوسف خاں ساکن راجھو (علیحدہ کناوہ) کے بیٹے تھے اور کناوہ میں داخل ہوئے۔

اب حسن پور کا شجرہ ملاحظہ ہو۔

مورث عزت خاں ۔ ابن رفعت خاں ساکن کنوبی ابن بہروز خاں سنہجہ کنوبی ابن الف خاں ابن حسن خاں ابن یوسف خاں ساکن راجھو وکناوہ

اولاد عزت خاں ۔ (۱) سربلند خاں فوت سنہ ۱۸۰۸ء زوجہ صبیح النساء دختر سعادت خاں ڈھولنہ۔ (۲) عبداللہ خاں و سنہ ۱۸۳۵ء زوجہ بیج بیگم دختر بشارت خاں دتاولی۔ (۳) مجو بیگم زوجہ نظام خاں بوڑہ گانوں (۴) ہاجرہ عرف ہجو بیگم زوجہ بدرالدین خاں ڈھولنہ۔

شاخ اول

اولاد سربلند خاں ۔ (۱) صاحب داد خاں پ سنہ ۱۷۷۳ء و سنہ ۱۸۵۸ء زوجہ زیب النساء دختر نجیب خاں بلونہ (۲) علی محمد خاں زوجہ رحیم النساء دختر بھوگی خاں بھیکم پور۔ (۳) اکبر علی خاں و سنہ ۱۸۶۸ء زوجہ محبوب النساء دختر عبداللہ خاں حسن پور (۴) جمعیت خاتون زوجہ قمرالدین خاں بھیکوری (۵) لاڈو بیگم زوجہ حاجی داؤد خاں بھیکم پور (۶) زیب النساء زوجہ طیب خاں کناوہ۔ **اولاد صاحب داد خاں** ۔ (۱) امام النساء پ سنہ ۱۸۰۷ء و سنہ ۱۸۹۲ء زوجہ وارث علی خاں حسن پور (۲) حاجی عبدالصمد خاں پ سنہ ۱۸۰۹ء و سنہ ۱۹۰۴ء زوجہ امراؤ بیگم دختر دوندے خاں ڈھولنہ۔ **اولاد حاجی عبدالصمد خاں** ۔ (۱) عبداللطیف خاں پ سنہ ۱۸۴۱ء و سنہ ۱۸۸۶ء زوجہ خدیجہ بیگم دختر رحیم اللہ خاں بوڑہ گانوں۔ (۲) عبدالمتین خاں پ سنہ ۱۸۴۴ء

وسنہ ۱۸۷۹ء زوجہ عالیشہ بیگم دختر وارث علی خاں حسن پور۔ (۳) اسمٰعیل خاں پ سنہ ۱۸۵۰ء
وسنہ ۱۹۲۲ء زوجہ اول رفیع النساء دختر غازی الدین خاں کھوری زوجہ دوئم بیوہ عبداللطیف خاں
(۴) عبدالجلیل خاں پ سنہ ۱۸۵۶ء وسنہ ۱۹۰۱ء زوجہ حمیرہ بیگم دختر منگل خاں عرف بخش اللہ خاں
کنادہ خیل کھوری۔ (۵) حاجی حافظ زکریا خاں پ سنہ ۱۸۵۹ء وسنہ ۱۹۴۸ء۔ زوجہ زینب خاتون دختر
منگل خاں عرف بخش اللہ خاں کنادہ کھوری۔ (۶) رالو بیگم پ سنہ ۱۸۵۸ء وسنہ ۱۸۷۸ء زوجہ عبدالکفیل خاں
بلوند مہاجر مدینہ طیبہ۔ (۷) امۃ الکریم پ سنہ ۱۸۶۱ء وسنہ ۱۹۲۳ء زوجہ عبدالواحد خاں ڈھولٹ۔

اولاد عبداللطیف خاں۔ (۱) مجتبیٰ خاں۔ (۲) عبدالقدوس خاں ہر دو کم سن فوت (۳)
حافظ محمد شعیب خاں پ سنہ ۱۸۷۵ء وسنہ ۱۹۲۵ء زوجہ امۃ العلیم دختر محمد حیات خاں کھوری لاولد۔

اولاد عبدالمتین خاں۔ (۱) عبدالعلیم خاں پ سنہ ۱۸۷۵ء وسنہ ۱۸۸۶ء (۲) عبدالواسع خاں
پ سنہ ۱۸۷۸ء زوجہ اول اصفیہ بیگم بیوہ زوجہ دوئم محسن بتول فاطمہ ہر دو دختران عبدالجلیل خاں
حسن پور۔ اولاد عبدالواسع خاں۔ (۱) شفیع اللہ خاں عرف آبادمیاں پ سنہ ۱۹۱۵ء
وسنہ ۱۹۴۸ء زوجہ ناصرہ بیگم دختر ہدایت اللہ خاں کنادہ۔ (۲) حافظ غلام فرید خاں پ سنہ ۱۹۱۷ء زوجہ
ظہور فاطمہ دختر عبدالحمید خاں بیگم پور خیل کھوری۔ (۳) حاجی حافظ علی وارث خاں پ سنہ ۱۹۱۹ء
اولاد شفیع اللہ خاں۔ امۃ المتین بیگم فوت کم سن۔ اولاد حافظ غلام فرید خاں غلام
شہید خاں عرف رضاحت میاں پ سنہ ۱۹۴۴ء اولاد عبدالجلیل خاں (۱) اصفیہ بیگم پ سنہ ۱۸۸۲ء
وسنہ ۱۹۰۹ء زوجہ اول عبدالواسع خاں حسن پور۔ (۲) حافظ حاجی عبدالجمیل خاں پ سنہ ۱۸۸۴ء دخیل
دارالانس علی گڑھ زوجہ محسن مرحمت فاطمہ دختر حافظ حاجی زکریا خاں حسن پور (۳) حافظ حاجی مسلم خاں
پ سنہ ۱۸۸۶ء شادی نہیں کی۔ (۴) محسن بتول فاطمہ پ سنہ ۱۸۹۰ء زوجہ دوم عبدالواسع خاں حسن پور۔

اولاد عبدالجمیل خاں۔ (۱) حبیب الرحمن خاں کم سن فوت۔ (۲) ڈاکٹر محمد یحییٰ خاں پ سنہ ۱۹۲۱ء
دخیل دارالانس علی گڑھ زوجہ خالدہ خانم دختر پروفیسر حاجی ہارون خاں دتاولی دخیل حیدرآباد
(دکن) اولاد ڈاکٹر محمد یحییٰ خاں۔ (۱) محمودہ خاتون پ سنہ ۱۹۴۸ء (۲) خالد جمیل خاں
پ سنہ ۱۹۵۰ء (نام تاریخی)

اولاد حاجی حافظ زکریا خاں۔ (۱) جمال فاطمہ (۲) امۃ الحبیب ہر دو ناکتخدا فوت

(۳) حاجی حافظ علی اکبر خاں ایم۔ اے شاعر پ سنہ ۱۸۹۰ء زوجہ حجن مولنہ بیگم دختر مولوی
حاجی یونس خاں ڈنادلی۔ (۴) محمد علی خاں پ سنہ ۱۹۰۴ء زوجہ فرحت جہاں دختر حکیم شبیر احمد خاں
کناوہ ذیل علی گڑھ (۵) حجن رحمت فاطمہ پ سنہ ۱۸۸۵ء زوجہ حاجی عبد الجمیل خاں حسن پور
ذیل علی گڑھ۔ (۶) حجن ام کلثوم پ سنہ ۱۹۰۲ء زوجہ حاجی عبد الماجد خاں ڈھولنہ ذیل علی گڑھ۔

اولاد حاجی حافظ علی اکبر خاں ایم۔ اے۔ (۱) حاجی حافظ علی اکرم خاں تاریخی
نام راحت میاں پ سنہ ۱۹۳۶ء (۲) حاجی حافظ اسلم خاں تاریخی نام فرحت میاں پ سنہ ۱۹۳۹ء

اولاد محمد علی خاں۔ طلعت پروین پ سنہ ۱۹۴۴ء

اولاد علی محمد خاں ابن سربلند خاں مندرجہ بالا۔ (۱) سلامت خاتون زوجہ فرزند علی خاں
ڈھولنہ۔ (۲) وارث علی خاں پ سنہ ۱۸۰۹ء و سنہ ۱۸۹۵ء زوجہ ام النساء دختر صاحب داد خاں
حسن پور۔ اولاد وارث علی خاں۔ (۱) ایوب خاں کم سنی فوت۔ (۲) عائشہ بیگم و سنہ ۱۹۱۹ء
زوجہ عبد المتین خاں حسن پور۔ اولاد اکبر علی خاں ابن سربلند خاں۔ (۱) اللہ رکھی ناکتخدا فوت
(۲) اصغر علی خاں و سنہ ۱۹۰۷ء زوجہ وزیر النساء دختر عنایت خاں ڈھولنہ۔

اولاد اصغر علی خاں۔ (۱) عبد الرحمن خاں ناکتخدا فوت بہ عمر ۲۰ سال۔ (۲) سلطان احمد خاں
پ سنہ ۱۸۸۴ء و سنہ ۱۹۰۶ء ناکتخدا (۳) حافظ عبد العلی خاں و سنہ ۱۹۲۰ء زوجہ [illegible] دختر ننھے خاں
دھنساری ذیل بھاموں۔ (۴) سلیمان خاں و سنہ ۱۹۳۸ء زوجہ کافیہ بیگم دختر احمد رضا خاں ڈنادلی
(۵) عثمان خاں زوجہ ماجدہ بیگم دختر محمد حیات خاں کنوبی۔ (۶) ظہور فاطمہ زوجہ علی احمد خاں
دھنساری۔ (۷) ماجدہ بیگم عرف ننھی بیگم زوجہ احمد سعید خاں بربرہ۔

اولاد حافظ عبد العلی خاں۔ ولی محمد خاں پ سنہ ۱۸۸۷ء و سنہ ۱۹۴۹ء زوجہ اول مقیم فاطمہ
دختر عبد الغفور خاں بھرسولی۔ زوجہ دوئم اسلام فاطمہ دختر فقیر اللہ خاں بھاموں۔

اولاد ولی محمد خاں۔ (۱) حافظ علی محمد خاں پ سنہ ۱۹۳۳ء از نکاح دوئم (۲) قدسیہ بیگم
از نکاح دوئم پ سنہ ۱۹۳۱ء زوجہ جمال احمد خاں دھنساری۔

اولاد سلیمان خاں۔ (۱) علی اصغر خاں پ سنہ ۱۹۲۲ء زوجہ ماجدہ خاتون دختر اشفاق احمد خاں
بربرہ۔ پاکستان۔ (۲) صافیہ بیگم زوجہ بدیع الزماں خاں حسن پور۔ (۳) قدسی بیگم زوجہ

ذاکر علی خاں بہرام پور۔ اولاد علی اصغر خاں۔ دختر عمر ۳ سال پاکستان۔
اولاد عثمان خاں ابن اصغر علی خاں۔ معززی بیگم کم سن فوت۔

شاخ دویم اولاد عبداللہ خاں ابن عزت خاں مندرجہ بالا۔ (۱) حبیب علی خاں د ۱۸۸۷ء بمقام ڈنادلی زوجہ سکینہ بیگم دختر مدار ی خاں ڈنادلی لاولد (۲) قطب علی خاں د ۱۸۶۵ء زوجہ عزیزت النسا دختر بہرام خاں کناوہ (۳) مجیب النسا زوجہ اکبر علی خاں حسن پور۔ (۴) مستجیب النسا زوجہ ظہور احمد خاں بھیکم پور۔

اولاد قطب علی خاں۔ (۱) خوشوقت علی خاں کم سن فوت۔ (۲) حمید اللہ خاں د ۱۸۶۹ء زوجہ ممتاز بیگم دختر نور احمد خاں بھیکم پور لاولد (۳) اختر علی خاں پ ۱۸۳۷ء د ۱۸۹۰ء زوجہ منیر النسا دختر عنایت خاں ڈھولنہ۔ (۴) ارادت علی خاں عرف عبدالعزیز خاں د ۱۹۰۳ء زوجہ اول بدر النسا دختر نذیر خاں کنولی۔ زوجہ دویم وحید النسا دختر طالب حسین خاں ڈنادلی۔
(۵) نصیر اللہ خاں پ ۱۲۵۰ فصلی د ۱۹۲۰ء زوجہ اول تمیز النسا دختر غلام مرتضےٰ خاں بلونہ۔ زوجہ دویم الہی بیگم دختر احمد علی خاں بلونہ۔

اولاد اختر علی خاں۔ (۱-۲) دو پسران کم سن فوت۔ (۳) اسحاق خاں د ۱۹۴۴ء زوجہ تفضیل النسا دختر احمد حسین خاں ڈنادلی۔ اولاد اسحاق خاں۔ (۱) حامد خاں پ ۱۸۸۴ء زوجہ محسن قریشی بیگم دختر ادریس خاں حسن پور۔ (۲) احمد خاں پ ۱۸۸۹ء زوجہ فضل النسا دختر سمیع اللہ خاں ڈھولنہ (خلع شدہ بحکم عدالت) (۳) ادریس خاں پ ۱۹۰۲ء زوجہ حامدہ خاتون دختر عزیز الرحمن خاں سہادر۔ اولاد حامد خاں از زوجہ ظہیر کنو۔ (۱) اسلام نبی خاں پاکستان (۲) دختر زوجہ سہانت پور۔ اولاد احمد خاں منظور احمد خاں پ ۱۹۲۶ء پاکستان۔

اولاد ارادت علی خاں عرف عبدالعزیز خاں۔ (۱) مبین اللہ خاں د ۱۹۲۹ء از نکاح اول زوجہ منی بیگم دختر بخش اللہ خاں کناوہ (۲) صدیق احمد خاں از نکاح اول زوجہ امت الرسول دختر ظہور احمد خاں بھیکم پور۔ (۳) صادق علی خاں از نکاح اول زوجہ چھیتی بیگم دختر کفایت اللہ خاں چھرہ رفعت پور تحصیل چھرہ (۴) حاجی نور اللہ خاں از نکاح اول د ۱۹۰۷ء در جدہ بعدہ حج۔ (۵) صالح خاں از نکاح اول زوجہ اول حسینہ بیگم دختر کفایت اللہ خاں چھرہ زوجہ دویم اولیا بیگم

دختر نصیر اللہ خاں حسن پور ۔ (۶) عبدالودود خاں از نکاح اول د ۱۹۲۴ء زوجہ عائشہ بیگم دختر کفایت اللہ خاں چھترہ ذیل چھترہ ۔ (۷) وحید الزماں خاں از نکاح دوم پ ۱۸۸۵ء زوجہ معیت فاطمہ دختر چودھری حبیب اللہ خاں سہاور ۔ (۸) بدیع الزماں خاں از نکاح دوم پ ۱۸۹۰ء زوجہ صافیہ بیگم دختر سلیمان خاں حسن پور (۹) کنیز فاطمہ از نکاح دوم پ ۱۸۸۶ء زوجہ عنایت احمد خاں کنوبی ۔ (۱۰) انیس فاطمہ از نکاح دوم زوجہ امداد علی خاں کنوبی ۔ (۱۱) اصغری بیگم از نکاح دوم زوجہ حاجی نور العابدین خاں حسن پور (۱۲) ہاشمی بیگم از نکاح دوم زوجہ احمد اللہ خاں عثمانیہ ۔ (۱۳) نیاز فاطمہ از نکاح دوم زوجہ حاجی عبداللہ خاں منڈولی

اولاد مبین اللہ خاں ۔ اعانت اللہ خاں پ ۱۸۸۴ء زوجہ عظیم فاطمہ دختر رحمت اللہ خاں کناوہ ۔ (۲) نثار فاطمہ زوجہ رفیق محمد خاں گھنونہ ۔ (۳) عزیز فاطمہ زوجہ رفیق محمد خاں گھنونہ بعد انتقال نثار فاطمہ ۔ اولاد اعانت اللہ خاں ۔ (۱) رشید الزماں خاں عمر ۱۸ سال (۲) شفیع الزماں خاں عمر ۱۶ سال (۳) ریاضی بیگم ۷ سال ۔ اولاد صدیق احمد خاں طاہرہ بیگم د ۱۹۳۷ء زوجہ عادل خاں چھترہ ۔ صادق علی خاں اور عبدالودود خاں کی اولاد چھترہ رفعت پور میں درج کی گئی ۔

اولاد حاجی صالح خاں ۔ (۱) فخر الزماں خاں سب رجسٹرار از نکاح اول پ ۱۹۰۶ء زوجہ عزیز آغا خاتون دختر حاجی عیسیٰ خاں دتاولی ۔ (۲) فرخ زماں از نکاح اول پ ۱۹۱۳ء زوجہ تصدق بیگم دختر صدیق خاں سہاور ۔ (۳) فرحت زماں خاں از نکاح اول پ ۱۹۱۶ء (۴) محمدی بیگم از نکاح دوم پ ۱۹۲۶ء زوجہ حاتم خاں دتاولی ۔

اولاد فخر الزماں خاں ۔ (۱) خورشید زماں خاں ۹ سال ۔ (۲) فہیم زماں خاں عمر ۵ سال ۔ (۳) فلاح الزماں خاں عمر ۳ سال ۔ (۴) فائق الزماں خاں عمر ۲ سال (۵) فوزیہ بیگم پ ۱۹۳۰ء (۶) فرزانہ بیگم عمر ۶ سال ۔

اولاد فرخ زماں خاں ۔ (۱) فہمیدہ خانم پ ۱۹۴۹ء ۔ (۲) صالحہ خانم پ ۱۹۵۱ء

اولاد وحید الزماں خاں ۔ (۱) حکیم حمید الزماں خاں پ ۱۹۱۱ء زوجہ دختر خلیل خاں برلہ ۔ پاکستان ۔ (۲) سعید الزماں خاں پ ۱۹۱۵ء زوجہ حسینہ بیگم دختر چودھری عبدالواحد خاں

سہادر پاکستان ۔ (۳) حکیم فرید الزماں خاں پ ۱۹۱۷ء ۔ (۴) حافظ اختر زماں خاں پ ۱۹۲۲ء زوجہ معززی بیگم دختر سلیم اللہ خاں سہادر (۵) کریم الزماں خاں پ ۱۹۲۸ء (۶) زاہدہ خاتون پ ۱۹۳۰ء (۷) راشدہ خاتون پ ۱۹۳۳ء

اولاد حکیم حمید الزماں خاں ۔ یمین الاسلام خاں پ ۱۹۴۶ء پاکستان ۔

اولاد سعید الزماں خاں ۔ (۱) سعیدہ خانم پ ۱۹۳۸ء پاکستان (۲) معشوق خانم پ ۱۹۵۲ء پاکستان ۔ (۳) قمر الاسلام خاں پ ۱۹۵۰ء پاکستان ۔

اولاد حافظ اختر زماں خاں ۔ حمیدہ خانم پ ۱۹۵۲ء

اولاد بدیع الزماں خاں ۔ (۱) عابدہ خاتون پ ۱۹۲۹ء زوجہ عقیل احمد خاں دھنیاری پاکستان ۔ ناصرہ خاتون پ ۱۹۳۱ء زوجہ عرف ٹمن پسر طفیل احمد خاں سہادر ۔ (۳) عارفہ خاتون پ ۱۹۳۶ء (۴) رفیع الزماں خاں پ ۱۹۳۳ء ۔

اولاد نصیر اللہ خاں ابن قطب علی خاں ۔ (۱) از نکاح اول محمد ادریس خاں پ ۱۹۳۱ء زوجہ اول عباسی بیگم دختر محمد حیات خاں بھوری ۔ زوجہ دوئم امت القدیر دختر سبکتگین خاں ڈھولنہ ۔ (۲) حاجی نور العابدین خاں از نکاح دوئم پ ۱۸۹۰ء زوجہ اصغری بیگم دختر ارادت علی خاں حسن پور ۔ (۳) از نکاح دوئم ولیہ بیگم پ ۱۸۷۷ء زوجہ حاجی شمس الحسن خاں بلونہ (۴) اولیا بیگم از نکاح دوئم پ ۱۸۸۳ء زوجہ عبد الغفار خاں بھوری بعدہٗ حاجی صالح خاں حسن پور

اولاد محمد ادریس خاں ۔ از نکاح اول محبن قریشی بیگم پ ۱۸۹۲ء زوجہ حامد خاں حسن پور (۲) فاروقی بیگم از نکاح اول پ ۱۸۹۴ء زوجہ اول مولوی ظفر حسن خاں بلونہ ۔ بعدہٗ اطیع اللہ خاں سہادر بعد انتقال مولوی ظفر حسن خاں ۔ (۳) حاجی نصرت اللہ خاں بی ۔ اے تحصیلدار چرکھاری ضلع ہمیر پور از نکاح دوئم پ ۱۹۰۲ء زوجہ آمنہ خاتون دختر حاجی نور العابدین خاں حسن پور ۔ (۴) نصیب اللہ خاں عرف اچھن میاں از نکاح دوئم پ ۱۹۰۵ء زوجہ رقیہ بیگم دختر ایوب خاں مونڈ لکلہ (۵) امت الکبیر بیگم زوجہ حاجی صالح خاں بھیکم پور بعدہٗ عبد الصبور خاں بھیکم پور ۔ (۶) سردار بہادر خاں بی ۔ اے پ ۱۹۱۰ء زوجہ امت الصبور دختر حاجی محمد جان خاں دادوں پاکستان ۔ اولاد حاجی نصرت اللہ خاں تحصیلدار ۔ امت النصیر بیگم

پ ۱۹۴۷ء ۔ اولاد نصیب اللہ خاں ۔ (۱) خولہ خاتون پ ۱۹۳۹ء (۲) رحمت خاتون پ ۱۹۴۰ء (۳) سعید النساء پ ۱۹۴۶ء ۔

اولاد سردار بہادر خاں بی اے (علیگ) سنٹرل ایکسائز انسپکٹر حال متعینہ لائل پور پاکستان ۔ (۱) وجیہہ بیگم پ ۱۹۴۲ء (۲) امۃ الصبوح عمر ۶ سال (۳) سلیمان ادریس خاں عمر ۳ سال ہر سہ دخیل پاکستان ۔ اولاد حاجی نور العابدین خاں ۔ (۱) نسیم اللہ خاں زوجہ عزیزہ خاتون دختر حنیف خاں بلونہ (۲) حاجی فصیح اللہ خاں زوجہ ناصرہ خاتون دختر شکر اللہ خاں بلونہ (۳) آمنہ خاتون و ۱۹۴۸ء زوجہ حاجی نصرت اللہ خاں حسن پور

اولاد نسیم اللہ خاں ۔ (۱) حنیفہ خاتون پ ۱۹۴۴ء (۲) شمس العابدین پ ۱۹۴۶ء (۳) انیسہ خاتون پ ۱۹۴۸ء ۔ اولاد حاجی فصیح اللہ خاں ۔ (۱) صبیرہ خاتون پ ۱۹۴۵ء (۲) نور النصیر خاں پ ۱۹۴۸ء ۔ (۳) قطب النصیر خاں پ ۱۹۵۱ء ۔

۱۰۔ موضع ڈھولنہ

مورث اعلیٰ سعادت خاں ابن رفعت خاں ساکن کنوبی کے دو بیٹے یعنی قطب الدین خاں و بدر الدین خاں ڈھولنہ میں آکر رہے ۔ اور انہیں سے یہاں کا سلسلۂ نسب چلتا ہے ۔ صحیح سن نہیں معلوم مگر وہ یہاں اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر یا انیسویں ۱۹ صدی عیسوی کے اوائل میں آئے ۔ کیوں کہ بدر الدین خاں ۱۸۲۷ء میں شہید کئے گئے جیسا کہ اس کتاب کے حصۂ دوم میں درج ہے ۔

شاخ اول قطب الدین خاں از نکاح دوم زوجہ صبیح بیگم دختر خیر اندیش خاں بھلوری ۔ اولاد قطب الدین خاں ۔ (۱) عنایت خاں زوجہ مستجیب النساء دختر مردان خاں بھاسوں ۔ (۲) دختر پیارن تا کتخدا فوت ۱۲۸۶ف ۔

اولاد عنایت خاں ۔ (۱) الہ یار خاں و ۱۸۸۸ء زوجہ مجید النساء دختر اشرف خاں کنوبی ۔ (۲) حاجی مسکین خاں و ۱۸۲۰ء زوجہ مقبول فاطمہ دختر غازی الدین خاں بھوری ۔ (۳) حبیب النساء زوجہ بخش اللہ خاں ڈھولنہ ۔ (۴) مریم فاطمہ زوجہ اسد علی خاں کنوبی ۔ (۵) وزیر النساء زوجہ اصغر علی خاں حسن پور

(۶) منیر النساء زوجہ اختر علی خاں حسن پور (۷) لاڈو بیگم ناکتخدا فوت۔

اولاد الہ یار خاں۔ (۱) حافظ رفعت خاں زوجہ اول عروس فاطمہ دختر حاجی مغفور اللہ خاں بلوچ زوجہ دوئم بخشی بیگم دختر مغفور اللہ خاں سہاور (۲) زہرہ خاتون د ۱۹۳۶ء زوجہ حاجی یوسف خاں زادل بڈ بانسی۔ (۳) عبد الرزاق خاں ناکتخدا فوت۔ (۴) رحمت الٰہی ناکتخدا فوت۔ اولاد حافظ رفعت خاں۔ (۱) از نکاح اول احمد اللہ خاں د ۱۹۲۹ء زوجہ کنیز فاطمہ دختر فضل الرحمٰن خاں ڈھولنہ۔ اولاد احمد اللہ خاں۔ (۱) انشاء اللہ خاں (۲) خاتون جہاں زوجہ دوئم عمران خاں بھیکم پور۔ (۳) سلطان جہاں زوجہ خلیل احمد خاں غیر کفو اگرہ سبب حج۔

اولاد حاجی بھیکن خاں۔ (۱) مسیح اللہ خاں د ۱۹۱۵ء زوجہ زکیہ بیگم دختر سلیم اللہ خاں بورہ گاؤں۔ (۲) حاجی ضمیر الحسن خاں د ۱۹۲۱ء زوجہ اول ظہور فاطمہ دختر عظمت اللہ خاں کھوری زوجہ دوئم حجن امت القدیر بیگم دختر عبد الستار خاں بھیکم پور (۳) حجن نور فاطمہ زوجہ چودھری عبد الحمید خاں سہاور۔ (۴) حجن امت القدیر بیگم زوجہ ادریس خاں حسن پور (۵) صالحہ بیگم زوجہ دوئم نواب بہادر حاجی سرمزمل اللہ خاں بھیکم پور۔ (۶) احمد شفیع خاں ناکتخدا فوت ۱۸۸۴ء۔ (۷) محمد ابراہیم خاں ناکتخدا فوت تاریخ ۱۳۱۰ھ (۸) عالیہ خاتون ناکتخدا فوت

اولاد مسیح اللہ خاں۔ (۱) مسیح الزماں خاں زوجہ اول سلطان فاطمہ دختر عزیز خاں بلوچ زوجہ دوئم زینت النساء دختر مصلح الدین خاں عنایتی۔ (۲) فضل النساء عرف پیاری بیگم زوجہ اول احمد خاں حسن پور (فسخ بحکم عدالت) (۳) امت الشافی زوجہ فرحان ابراہیم خاں بڈ بانسی (۴) صابرہ بیگم زوجہ عبد الواحد خاں سہاور۔ اولاد حاجی ضمیر الحسن خاں۔ حاجی حبیب الحسن خاں پ ۱۹۱۳ء زوجہ خالدہ خانم دختر تصدق احمد خاں بیرسٹر بلوچ

شاخ دوئم

عبد اللطیف خاں شہید ۱۸۲۷ء ابن سہاور خاں ابن رفعت خاں متوفی زوجہ ماجدہ بیگم دختر عزت خاں حسن پور

اولاد عبد اللطیف خاں۔ (۱) دوست خاں د ۱۸۳۸ء زوجہ مشرف النساء دختر سہراب خاں سہاور۔ (۲) رحمت خاں زوجہ بی بی بتاتا دختر سہراب خاں سہاور۔ (۳) معراج فاطمہ زوجہ غلام مرتضٰے خاں بلوچ۔ اولاد دوست خاں محب اللہ خاں عرف ننگل خاں د ۱۸۸۶ء

زوجہ اول رجب النساء دختر عنایت خاں ڈھولنہ۔ زوجہ دوئم الطاف بیگم دختر ظہور احمد خاں بھیکم پور (٢) حجن امراؤ بیگم زوجہ حاجی عبد الصمد خاں حسن پور (٣) بی بی نواز النساء زوجہ احمد علی خاں بلونہ۔ اولاد بخش اللہ خاں عرف منگل خاں (١) از نکاح اول عباس علی خاں زوجہ امۃ العزیز دختر رضا علی خاں ڈھولنہ۔ (٢) از نکاح اول عبد الواجد خاں زوجہ امۃ القیوم دختر حاجی عبد الصمد خاں حسن پور (٣) فضل الرحمٰن خاں پیدائش ١٨٦٣ء وفات ١٩٣٣ء از نکاح دوئم زوجہ امۃ الہادی سہاور۔ اولاد عباس علی خاں۔ (١) عبد القیوم خاں شادی نہیں کی۔ (٢) حجن صغریٰ بیگم زوجہ حاجی عیسیٰ خاں دتاولی۔ (٣) فردوسی بیگم زوجہ حبیب اللہ خاں موہن لگانہ۔ (٤) فیاضی بیگم زوجہ حکیم ارشد اللہ خاں عنایتی۔ (٥) [illegible] بیگم زوجہ جلیل احمد خاں کناوہ دھنی علی گڑھ۔ اولاد عبد الواجد خاں۔ حاجی عبد الماجد خاں پیدائش ١٨٩٠ء زوجہ ام کلثوم دختر حاجی زکریا خاں حسن پور۔ اولاد عبد الماجد خاں۔ (١) دختر ام ہانی (٢) دختر ام سلمہ۔ (٣) بدر الدجیٰ خاں ہے نا کتخدا فوت۔ اولاد فضل الرحمٰن خاں (١) کنیز فاطمہ زوجہ احمد اللہ خاں ڈھولنہ۔ (٢) سعیدہ خاتون زوجہ اول [illegible] خاں بھیکم پور۔

اولاد رحمت خاں۔ ابن بدر الدین خاں (١) فرزند علی خاں پیدائش ١٢٣٥ھ وفات ١٨٨٦ء زوجہ اول سلامت خاتون دختر علی محمد خاں حسن پور زوجہ دوئم حیات بیگم دختر عبد الاحد خاں کنج پل بعد وفات فیاض خاں زوجہ اول۔ (٢) رضا علی خاں [illegible] زوجہ [illegible] النساء دختر نبی خاں بھیکم پور۔ (٣) حاجی فیاض خاں وفات ١٨٦٣ء زوجہ اول احمدی بیگم دختر نبی خاں بھیکم پور زوجہ دوئم حیات بیگم دختر عبد الاحد خاں کنج پل۔ (٤) [illegible] النساء زوجہ رحیم اللہ خاں پورہ گمانول (٥) امانت فاطمہ وفات ١٨٠٩ء زوجہ ہدایت اللہ خاں عرف منگل خاں کناوہ [illegible] بھوجپوری۔

اولاد فرزند علی خاں۔ (١) از نکاح دوئم [illegible] علی خاں وفات ١٩٤٣ء زوجہ اول [illegible] فاطمہ دختر ارادت علی خاں حسن پور۔ زوجہ دوئم نور فاطمہ [illegible] علی خاں ڈھولنہ دختر فیض احمد خاں دتاولی۔ (٢) [illegible] بیگم زوجہ اول [illegible] زوجہ دوئم حاجی غلام محمد خاں دتاولی بعد وفات [illegible]

اولاد امداد علی خاں از نکاح اول [illegible] اولاد رضا علی خاں۔ (١) حاجی حامد علی خاں

وسنہ ۱۹۰۹ء زوجہ محبت نور فاطمہ دختر حاجی فیض احمد خاں وتاولی (۲) امت العزیز بیگم زوجہ عباس علی خاں ڈھولنہ (۳) محسن شرفی بیگم زوجہ حاجی موسے خاں وتاولی ۔

اولاد حاجی حامد علی خاں ۔ (۱) محمود علی خاں پ سنہ ۱۹۰ زوجہ اول آمنہ خاتون دختر حاجی موسے خاں وتاولی ۔ زوجہ دویم حامدہ خاتون دختر عبدالودود خاں چھپرہ رفعت پور (۲) محسن محمدی بیگم زوجہ اول منظور احمد خاں بربہرہ زوجہ دویم سعید احمد خاں کنادہ قطب پور ۔ بربہرہ زوجہ سویم بعد طلاق ... غیر کفو ضلع میرٹھ ۔ (۳) احمدی بیگم زوجہ محمود علی خاں ابن مقصود علی خاں غیر کفو رئیس سہارنپور ۔

اولاد محمود علی خاں ۔ (۱) از نکاح دویم مشہود علی خاں پ سنہ ۱۹۳۳ء (۲) از نکاح دویم مجاہدہ بیگم ۔ اولاد حاجی فیاض خاں ۔ ابن رحمت خاں شفیق علی خاں ناکتخدا فوت ۔

۱۱ — بربہرہ

مورث اعلیٰ عالم خاں جن کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا ۔

اولاد عالم خاں ۔ (۱) دختر زوجہ شائستہ خاں جھیکم پور (۲) شاہ محمد خاں (۳) دختر زوجہ نصیب خاں جھیکم پور ۔ اولاد شاہ محمد خاں ۔ (۱) حسن خاں (۲) دختر زوجہ کالے خاں بھوری ۔ اولاد حسن خاں ۔ (۱) منگل خاں (۲) شفیع خاں ۔

اولاد منگل خاں ۔ (۱) مصری بی بی زوجہ خدا بخش خاں پلہنہ (۲) شہزادی بیگم زوجہ ہمت خاں سہاور (۳) حسن علی خاں زوجہ دختر شفیع خاں بربہرہ ۔

شاخ اول

اولاد حسن علی خاں ۔ (۱) الفت خاں لاولد ۔ (۲) ارادت خاں وسنہ ۱۸۹۶ء ۔ اولاد ارادت خاں ۔ (۱) جیون بی بی زوجہ اسد علی خاں بلونہ (۲) سعید النساء زوجہ خورشید علی خاں کنادہ (۳) حسین علی خاں (۴) کفایت النساء زوجہ احمد حسین خاں وتاولی ۔ (۵) عبداللطیف خاں زوجہ وحیدالنساء دختر رحمت خاں بھاموں ۔ (۶) عنایت النساء زوجہ محمد سعید خاں سہاور (۷) کفایت اللہ خاں زوجہ رجب النساء دختر خادم حسین خاں سہاور ۔ (۸) مقبول فاطمہ زوجہ ممتاز علی خاں

کناده دخیل بہرہ۔ **اولاد حسین علی خاں** ۔ (۱) احمدی بیگم زوجہ عبدالجلیل خاں کناده علی گڑھ۔ (۲) مسعودی بیگم زوجہ حاجی عبدالرشید خاں بلوٹہ (۳) خاتون زوجہ عبدالرشید خاں بھیکم پور۔ (۴) احمد سعید خاں ت ۱۹۳۳ء زوجہ اول مسرور فاطمہ دختر کفایت اللہ خاں بہرہ نکاح ۱۸۷۵ء زوجہ دویم ماجدہ بیگم دختر اصغر علی خاں حسن پور۔

اولاد احمد سعید خاں ۔ (۱) از نکاح اول اسرار فاطمہ زوجہ تصدق احمد خاں بیرسٹر بلوٹہ (۲) مظہر احمد خاں از نکاح دویم پ ۱۹۰۰ء و ۱۹۳۳ء زوجہ محمدی بیگم دختر حاجی حامد علی خاں ڈھولنہ۔ لاولد (۳) اظہار فاطمہ از نکاح دویم زوجہ سعید احمد خاں کناده قطب پور بہرہ

اولاد حاجی سعید احمد خاں دخیل بہرہ ۔ (۱) حبیب احمد خاں نا کتخدا فوت (۲) لیپر وف دلّد پ ۱۹۰۹ء

اولاد عبداللطیف خاں ۔ امت القیوم زوجہ عبدالرزاق خاں بہرہ۔

اولاد کفایت اللہ خاں ۔ مسرور فاطمہ زوجہ احمد سعید خاں بہرہ۔

اولاد ممتاز علی خاں کناده دخیل بہرہ (۱) امت الودود زوجہ نیاز احمد خاں سہادر (۲) عبدالرزاق خاں زوجہ امت القیوم دختر عبداللطیف خاں بہرہ۔ (۳) عبدالخلاق خاں زوجہ اول امت القدوس دختر محمد سعید خاں سہادر۔ زوجہ دویم امت المعبود دختر رفیع اللہ خاں بہرہ۔ **اولاد عبدالرزاق خاں** ۔ (۱) ایوب خاں زوجہ اول سبحان فاطمہ دختر نیاز احمد خاں سہادر زوجہ دویم شمسی بیگم دختر انوار احمد خاں دھامول۔ (۲) اکرام فاطمہ زوجہ شفیع اللہ خاں عنایتی۔ (۳) انعام فاطمہ زوجہ فیاض خاں سہادر دخیل قطب پور۔

اولاد ایوب خاں ۔ از نکاح دویم دختر عمر ۲ سال۔ **اولاد عبدالخلاق خاں** ۔ (۱) اشفاق احمد خاں از نکاح اول زوجہ ساجدہ بیگم دختر ارشاد علی خاں دھنساری پاکستان (۲) از نکاح اول مرمل فاطمہ زوجہ اسرائیل خاں سہادر۔ (۳) از نکاح دویم طاہر خاں زوجہ فخر زمانی بیگم دختر ارشاد علی خاں دھنساری پاکستان۔ (۴) اسلام احمد خاں از نکاح دویم زوجہ عبیدہ بیگم دختر لطافت اللہ خاں گھونہ پاکستان۔ (۵) عاقل خاں از نکاح دویم زوجہ نذیر فاطمہ دختر کامل خاں بہرہ۔ (۶) عافیہ بیگم از نکاح دویم زوجہ عبدالملک خاں کناده (۷) شافیہ بیگم از نکاح دویم زوجہ نور الہدیٰ خاں کھر سولی۔

اولاد اشفاق خاں ۔ (۱) ابرار احمد خاں ۔ پاکستان ۔ (۲) افضال احمد خاں پاکستان ۔ (۳) ماجدہ بیگم زوجہ علی مظفر خاں حسن پور پاکستان (۴) صفدر جہاں بیگم زوجہ ضیاء الرحمن خاں بہیرہ ۔ اولاد طاہر خاں ۔ (۱) طٰہٰ خاں پاکستان (۲) طٰہٰ حسین خاں پاکستان ۔ (۳) طارق خاں پاکستان ۔ (۴) طالب خاں پاکستان ۔ (۵) شاہ زمانی بیگم زوجہ کفایت نبی خاں عباسی پاکستان ۔ (۶) صبیحہ بیگم (۷) صابرہ بیگم (۸) عصمت خانم ہر سہ دختران کم سن پاکستان اولاد اسلام احمد خاں ۔ (۱) ہلال احمد خاں ۔ (۲) اجلال احمد خاں (۳) تسلیم خانم ۔ (۴) بشرا خانم ۔ ہر چہار پاکستان ۔

اولاد عاقل خاں ۔ (۱) عزیز احمد خاں (۲) سہیل احمد خاں ۔ (۳) رضیہ سلطانہ ہر سہ پاکستان ۔

شاخ دوئم

اولاد شفیع خاں ابن حسن خاں مندرجہ بالا ۔ (۱) دختر زوجہ عبداللہ خاں ٹنڈولی (۲) دختر زوجہ عبدالواحد خاں کنزولی ۔ (۳) جیرا بی بی زوجہ رحمت خاں بھاموں (۴) رحمت خاں ، زوجہ ہمشیرہ خادم حسین خاں سہاور (۵) کرامت خاں زوجہ ہمشیرہ خادم حسین خاں سہاور ۔ (۶) دختر زوجہ حسن علی خاں بہیرہ ۔

اولاد رحمت خاں ۔ (۱) کریم اللہ خاں زوجہ حمیدہ دختر خادم حسین خاں سہاور (۲) مرتضٰی خاں زوجہ رحیماً دختر کرامت خاں بہیرہ ۔ (۳) مصطفٰے خاں زوجہ دختر امام خاں گگھونہ ۔

اولاد کریم اللہ خاں ۔ (۱) دختر زوجہ عبدالوحید خاں بہیرہ ۔ (۲) دختر زوجہ عبدالحمید خاں سہاور ۔ (۳) محمد خاں ۔ اولاد محمد خاں ۔ غلام احمد خاں زوجہ اول حبیب فاطمہ دختر ظہور احمد خاں بہیرہ زوجہ دوئم مشرفی بیگم دختر طاہر خاں دھنساری ۔

اولاد غلام احمد خاں ۔ (۱) خولہ خانم ناکتخدا فوت ۔ (۲و۳) پسران ناکتخدا فوت ۔

اولاد مرتضٰے خاں ۔ نیازا زوجہ ارادت خاں دھنساری ۔

اولاد مصطفٰے خاں ابن رحمت خاں ۔ (۱) عبدالاحد خاں زوجہ حلیم النسا دختر غلام نبی خاں گگھونہ (۲) عبدالصمد خاں دختر شاہ دل خاں دھنساری ۔ (۳) عبدالوحید خاں بہیرہ سنہ ۱۹۰۶ء زوجہ ہمشیرہ محمد خاں بہیرہ (۴) رفیع اللہ خاں زوجہ رفیع النسا دختر غلام نبی خاں گگھونہ ۔

اولاد عبدالاحد خاں ۔ (۱) علیم اللہ خاں عرف کلو خاں زوجہ احسان فاطمہ دختر عزیز احمد خاں بربہرہ ۔ **اولاد علیم اللہ خاں** ۔ انیس احمد خاں زوجہ دختر زاہد خاں سہاور
اولاد عبدالصمد خاں ۔ (۱) کامل خاں زوجہ دختر شاہ دل خاں بھاول (۲) عزیز احمد خاں زوجہ عالیہ بیگم دختر رفیع اللہ خاں ۔ بربہرہ (۳) حاجی نور احمد خاں زوجہ اول ہمشیرہ ارشاد علی خاں موبصنا رکبی ۔ زوجہ دوئم خاتون بیگم دختر احمد رضا خاں دتاولی ۔ (۴) رابعہ بیگم زوجہ ظہور احمد خاں بربہرہ ۔ **اولاد کامل خاں** ۔ (۱) شاکر خاں زوجہ دختر عبداللہ خاں سہاور پاکستان (۲) معزز بی بیگم زوجہ شفیع احمد خاں دھنساری ۔ (۳) نذیرہ بیگم زوجہ عاقل خاں بربہرہ ۔
اولاد شاکر خاں ۔ (۱) سعید انور خاں کم سن پاکستان ۔ (۲) رشید انور خاں کم سن پاکستان ۔ **اولاد عزیز احمد خاں** ۔ (۱) ابرار احمد خاں زوجہ دختر غازی خاں برلہ پاکستان (۲) احسان فاطمہ زوجہ علیم اللہ خاں بربہرہ (۳) فرقان بیگم زوجہ برلہ ۔
اولاد ابرار احمد خاں ۔ (۱) وحید الزماں خاں (۲) سعید الزماں خاں (۲) دختر ہر سہ نا کتخدا پاکستان ۔ **اولاد حاجی نور احمد خاں** ۔ (۱) حبیب الرحمن خاں زوجہ امت الحبیب بیگم دختر ارشاد علی خاں دھنساری ۔ (۲) منظور احمد خاں لاولد ۔ (۳) شفیع الرحمن خاں زوجہ فیاضی بیگم دختر فیض احمد خاں سہاور دخیل قصبہ لہرپا پاکستان (۴) احمد زماں خاں لاولد فوت (۵) ضیاء الرحمن خاں زوجہ سلطان جہاں دختر اشفاق احمد خاں بربہرہ ۔
اولاد حبیب الرحمن خاں ۔ (۱) اختر زماں خاں کم سن (۲) مغیث احمد خاں کم سن ہر دو پاکستان ۔ (۳) شاہدہ بیگم زوجہ حسن احمد خاں گنونہ ۔
اولاد شفیع الرحمن خاں ۔ (۱) سعید الرحمن خاں ۔ (۲) حفیظ الرحمن خاں ہر دو کم سن پاکستان ۔ **اولاد ضیاء الرحمن خاں** ۔ (۱) غیاث الرحمن خاں (۲) ریاض الرحمن خاں ہر دو کم سن ۔ **اولاد عبدالوحید خاں** ۔ (۱) ظہور احمد خاں زوجہ رابعہ بیگم دختر عبدالصمد خاں بربہرہ لاولد ۔ (۲) عبدالہادی خاں زوجہ امت الجمیل ہمشیرہ مشکور احمد خاں دھنساری
اولاد عبدالہادی خاں ۔ خدیجۃ الکبریٰ زوجہ اشفاق احمد خاں بھاول دخیل کمادہ ۔
اولاد رفیع اللہ خاں ۔ (۱) صابر علی خاں زوجہ امت السلام دختر عبدالحفیظ خاں برلہ ۔

(۲) عائشہ بیگم زوجہ عزیز احمد خاں بڑہرہ (۳) امۃ الصبور زوجہ عبدالخلاق خاں بڑہرہ۔

اولاد کرامت خاں ابن شیخ خاں ۔ (۱) قمر النساء زوجہ منصب دار خاں کنزلی ۔ (۲) رخیا زوجہ مزاج خاں بڑہرہ (۳) دختر زوجہ حافظ احمد خاں سہادر ۔ (۴) مجتبیٰ زوجہ حافظ نور خاں برلہ۔

۱۲ - بھموری بزرگ

شروانیان علی گڑھ ایٹہ کی تاریخ کے لحاظ سے یہ موضع برادری میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ شروانیان بہادر پور رتھوی سے نکل کر سب سے پہلے یہاں آباد ہوئے۔ اس موضع کے شروانیاں کی چند شاخیں ہوئیں یعنی بھیکم پور ۔ حبیب گنج ۔ دادوں۔ منڈولی یہ سب سے اول جاٹوں پھر گوشائیوں اور پھر مرہٹوں کی زد میں رہا۔ بھموری ۔ بھیکم پور منڈولی کے موتان بزم و رزم میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ جب شروانیوں کو ان کی جائدادیں واپس ملیں تو بھموری بھی شریک رہا۔

بالآخر بھموری کی زمینداری کا ایک بڑا حصہ بھیکم پور کے خاندان میں پہونچا۔ کتاب ہذا کے حصہ اول و دوئم میں بار بار اس کا ذکر آیا ہے۔ اب ہم اس کا شجرہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

شجرہ ۔ مورث اعلیٰ عبداللہ خاں عرف ابدل خاں جو شاہ جہاں بادشاہ کے ہم عصر بتائے جاتے ہیں اور جنہوں نے شاہی ملازمت چھوڑ کر گنگیری ضلع علی گڑھ میں حضرت مخدوم ثنائی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر سکونت اختیار کی اور وہیں مدفون ہوئے بھموری مغربی میں رہتے تھے (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے) ان کے بیٹے مکارم خاں اور ان کے بیٹے صاحب خاں ہوئے۔ صاحب خاں کے بیٹے مجتبیٰ خاں اور اختر اللہ کے بیٹے قطب خاں ہوئے۔ قطب خاں کے دو بیٹے تھے یعنی (۱) خان جہاں خاں اور (۲) گھاسی خاں۔

گھاسی خاں کی اولاد بھموری میں رہی (۱) خان جہاں خاں کی اولاد بھیکم پور حبیب گنج

دادول۔ بھوری۔ ٹنڈولی میں پھیلی۔

اولاد خان جہاں خاں ۔ (۱) جہاں خاں مورث بھیکم پور۔ (۲) رشید خاں مورث بھیکم پور۔ (۳) دلیل خاں مورث بھوری۔ (۴) شاہ دل خاں عرف شادل خاں مورث بھوری۔ (۵) اصالت خاں مورث ٹنڈولی۔ اب ہم یہاں صرف بھوری کی شاخ کو لیتے ہیں۔

شاخ اول

اولاد دلیل خاں ۔ (۱) خیر اندیش خاں زوجہ ہمشیرہ نظام خاں سلگواں جہاں اب کوئی شیروانی خاندان نہیں ہے (۲) دختر زوجہ رشید خاں بلونہ۔ **اولاد خیر اندیش خاں** ۔ (۱) زکریا خاں زوجہ دختر صاحب داد خاں ٹنڈولی۔ (۲) کالے خاں زوجہ دختر شاہ محمد خاں بربرہ۔ (۳) صبیح بیگم زوجہ قطب الدین خاں ڈھولنہ۔ **اولاد زکریا خاں** ۔ (۱) مصاحب خاں و ۱۸۶۴ء زوجہ دختر طالع مند خاں ٹنڈولی۔ (۲) یحییٰ خاں۔ **اولاد مصاحب خاں** ۔ (۱) خیراتی خاں زوجہ لاڈو بیگم دختر شمس الدین خاں ٹنڈولی۔ **اولاد خیراتی خاں** ۔ حجاب بیگم زوجہ شیراز خاں بلونہ

اولاد یحییٰ خاں ۔ (۱) نیاز آ زوجہ چھوٹے خاں ٹنڈولی۔ (۲) رسولاً زوجہ بنا بیت حسن خاں بھاموں۔ **اولاد کالے خاں** ۔ (۱) غازی الدین خاں و ۱۸۸۱ء زوجہ اول صالحہ بیگم دختر حسن رضا خاں لوڑہ گالوک۔ زوجہ دوئم سلیم النساء دختر رحم علی خاں کناده (۲) گھاسی خاں و ۱۹۰۰ء بعمر ۔۔ اسال زوجہ نواز آ دختر حسن علی خاں ٹنڈولی (یہ بڑے نسّاب تھے)

(۳) جیون بی بی زوجہ نجو خاں سہادر (۴) مجیبا زوجہ محمد یار خاں بھوری۔

اولاد غازی الدین خاں ۔ از نکاح اول (۱) رفیع النساء زوجہ اسماعیل خاں حسن پور (۲) از نکاح اول مقبول فاطمہ زوجہ بھیکن خاں ڈھولنہ۔ (۳) جمال فاطمہ زوجہ چودھری نور اللہ خاں سہادر۔ (۴) حاجی عظمت اللہ خاں از نکاح اول و ۱۲۹۶ھ زوجہ امۃ القیوم دختر حاجی فیض احمد خاں ونادلی۔ (۵) از نکاح دوئم حافظ عبد اللطیف خاں پ ۱۲۷۵ھ و ۱۹۳۸ء۔ شادی نہیں کی۔ (۶) از نکاح دوئم عبد الرحمٰن خاں زوجہ امۃ الحفیظ دختر غلام نبی خاں ٹنڈولی۔ (۷) از نکاح دوئم مولوی عبد الغنی خاں و ۱۹۱۲ء تا تہجد اجران عمر

(۸) مقصود النساء از نکاح دوئم زوجہ قدرت اللہ خاں کنادہ ۔ (۹) قلیمہ بیگم از نکاح دوئم زوجہ چودھری بشیر احمد خاں سہادر **اولاد حاجی عظمت اللہ خاں** ۔ ظہور فاطمہ زوجہ حاجی ضمیر الحسن خاں ڈھولنہ ۔ **اولاد عبدالرحمٰن خاں** ۔ (۱) عبدالمنان خاں ناکتخدا فوت (۲) عبدالحنان خاں ناکتخدا فوت ۔ (۳) دختر زوجہ جمیل احمد خاں دھضاری ۔

اولاد گھاسی خاں ولد کالے خاں ۔ (۱) صدیق النساء زوجہ حبیب اللہ خاں باونہ (۲) عزیز النساء زوجہ مظہر علی خاں عرف مجو خاں سہادر (۳) سراج النساء زوجہ محمد شریف خاں سکھانہ ۔ **اولاد شادل خاں** ۔ پسر جان جہاں خاں ۔ قادر داد خاں زوجہ نصیب خاں کنادہ

اولاد قادر داد خاں ۔ (۱) قطب الدین خاں زوجہ مجو بسولی (۲)

شاخ دوم

قمر الدین خاں زوجہ جمیعت خاتون دختر سمر [illegible] خاں حسن پور ۔ (۳) بی بی لبو زوجہ احمد خاں سہادر (۴) تاج النساء زوجہ نجیب خاں بلونہ (۵) بی بی جدو زوجہ منور خاں سہادر **اولاد قطب الدین خاں** ۔ عیوض خاں زوجہ امام النساء دختر تاج خاں کنادہ جنیل پور ۔ گھانون ۔ **اولاد عیوض خاں** ۔ (۱) بیبا زوجہ غلام [illegible] خاں سہادر (۲) علیا زوجہ سخاوت علی خاں سہادر [illegible] ۔ **اولاد سخاوت علی خاں** [illegible] ۔ (۱) شفقت نبی خاں زوجہ سکینہ بیگم دختر [illegible] خاں کنادہ ۔ (۲) ولی احمد خاں (۳) علی احمد خاں زوجہ امۃ الحبیب دختر [illegible] خاں سہادر ۔ **اولاد ولی احمد خاں** ۔ اصفیہ بیگم زوجہ محمد خاں [illegible]

اولاد علی احمد خاں ۔ شفیق احمد خاں زوجہ [illegible] النساء دختر وارث علی خاں [illegible] ۔

اولاد شفیق احمد خاں ۔ [illegible] احمد خاں زوجہ [illegible] بیگم دختر [illegible] اللہ خاں کنادہ ۔

اولاد قمر الدین خاں ابن قادر داد خاں ۔ (۱) دختر زوجہ [illegible] خاں [illegible] (۲) محمد یار خاں [illegible] زوجہ اول [illegible] دختر کالے خاں [illegible] زوجہ دوئم [illegible] اللہ [illegible] خاں کنوئی ۔ زوجہ سوئم حکیم [illegible] دختر عبدالرحمٰن خاں [illegible] ۔ **اولاد محمد یار خاں** ۔ (۱) محمد حیات خاں زوجہ [illegible] بیگم دختر [illegible] اللہ خاں [illegible] ۔ (۲) [illegible] النساء زوجہ حاجی منصور [illegible] خاں بلونہ ۔

اولاد محمد حیات خاں ۔ (۱) [illegible] بیگم زوجہ محمد [illegible] پور ۔ (۲) امۃ [illegible] بیگم زوجہ حافظ محمد شعیب خاں حسن پور ۔ (۳) [illegible] ۱۹۲۳ء زوجہ [illegible] بیگم دختر نصیب اللہ خاں حسن پور ۔

اولاد عبدالغفار خاں ۔ احمد مختار خاں پ ۱۹۰۷ء کم سن فوت ۔

شاخ سوم | اولاد گھاسی خاں ابن قطب خاں مندرجہ بالا (۱) دختر زوجہ صاحب داد خاں ٹنڈولی (۲) جمال خاں زوجہ ہمشیرہ سعادت خاں برلہ ۔ **اولاد جمال خاں** ۔ (۱) دختر زوجہ خادم حسین خاں سہادر (۲) قائم خاں زوجہ دختر احمد خاں کنادہ ۔ (۳) حفیظ ے خاں زوجہ وحید النساء دختر حسن خاں برلہ ۔

اولاد قائم خاں ۔ (۱) نور بی بی زوجہ محمد علی خاں بجاموں ۔ (۲) دختر زوجہ حکمت علی خاں سہادر ۔ (۳) دختر زوجہ صاحب داد خاں سہادر ۔ (۴) دختر زوجہ گھاسی خاں بجاموں ۔ (۵) خداوند خاں زوجہ اول دختر حفیظ ے خاں کھبوری زوجہ دوئم امراؤ بی بی دختر محمد حسین خاں کنادہ

اولاد خداوند خاں ۔ (۱) محفوظ النساء زوجہ ہدایت اللہ خاں غنایتی ۔ (۲) دختر زوجہ احسان اللہ خاں سہادر ۔ **اولاد حفیظ ے خاں ابن جمال خاں** ۔ (۱) ہدایت علی خاں زوجہ جنت فاطمہ دختر عنایت خاں برلہ ۔ (۲) دختر زوجہ خداوند خاں کھبوری ۔ **اولاد ہدایت علی خاں** ۔ (۱) محمد عمر خاں زوجہ خاتون برلہ ۔ (۲) قمر الزماں خاں زوجہ عائشہ بیگم دختر عبدالرؤف خاں چھرہ ۔

اولاد محمد عمر خاں ۔ (۱) محمد طاہر خاں ۔ (۲) احمد جان خاں (۳) محمد جان خاں (۴) زاہدہ بیگم زوجہ عبدالباسط خاں بجاموں ۔ **اولاد قمر الزماں خاں** ۔ (۱) بنی الزماں خاں (۲) نور الزماں خاں ۔

شاخ چہارم | اولاد محمد حیات خاں ابن مراد خاں کنادہ وخیل کھبوری زوجہ خورشید خاتون دختر سرفراز خاں بیگم پور ۔ (۱) محمد طیب خاں زوجہ زینت خاتون دختر سربلند خاں حسن پور ۔ (۲) فیروز خاں ۱۲۷۵ھ زوجہ عصمت خاتون دختر نظام خاں بوڑہ گانوں ۔ (۳) اکبر خاں زوجہ بخشی النساء ہمشیرہ سہراب خاں سہادر لادلہ ۔ (۴) زہرہ بیگم زوجہ پیروز خاں بجاموں ۔ (۵) بنت بیگم زوجہ محسن خاں بجاموں ۔

اولاد طیب خاں ۔ (۱) خدا یار خاں ۱۲۹۸ھ زوجہ اول امت اللہ دختر فیروز خاں کھبوری ۔ زوجہ دوئم سراج النساء ہمشیرہ حسن رضا خاں کنادہ ۔ (۲) کرامت فاطمہ زوجہ عبداللہ خاں بجاموں ۔ **اولاد فیروز خاں** ۔ (۱) احمد یار خاں ۱۲۹۶ھ زوجہ نور بی بی دختر حسن علی خاں بلوسہ

(۲) ہدایت اللہ خاں عرف ننگل خاں عرف بخش اللہ خاں و ۱۹۰۹ء زوجہ جمن امانت فاطمہ دختر نعمت خاں ڈھولنہ۔ (۳) امت اللہ زوجہ خدایار خاں کھوری۔

اولاد احمد یار خاں۔ زبیدہ بیگم زوجہ چودھری عضد اللہ خاں سہاور

اولاد ہدایت اللہ خاں۔ عرف ننگل خاں (۱) حمیرا بیگم زوجہ عبد الجلیل خاں حسن پور (۲) حفیظہ خاتون زوجہ عبد العزیز خاں بھیکم پور دخیل کھوری۔ (۳) زینب خاتون زوجہ حافظ زکریا خاں حسن پور۔ **اولاد عبد العزیز خاں** دخیل کھوری۔ عزیز فاطمہ زوجہ عبد الحمید خاں بھیکم پور دخیل کھوری۔

اولاد عبد الحمید خاں۔ (۱) انیس فاطمہ زوجہ حکیم مطیع اللہ خاں ٹنڈولی پاکستان (۲) ظہور فاطمہ زوجہ حافظ غلام فرید خاں حسن پور۔ (۳) اعجاز احمد خاں بی۔ اے پاکستان (۴) رشید احمد خاں۔

شاخ پنجم | اولاد ... خاں جن کے باپ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ (۱) مردان خاں۔ (۲) جنگ باز خاں زوجہ بیلہ (۳) بچو خاں۔

اولاد مردان خاں۔ (۱) عبد الغفور خاں (۲) عبد القدیر خاں لاولد۔

اولاد عبد الغفور خاں۔ منفصل ... دخیل سہاور۔ **اولاد جنگ باز خاں۔** (۱) عبد الکفیل خاں عرف جگھن خاں (۲) کالے خاں لاولد۔ (۳) فردوس بیگم زوجہ عبد الغنی خاں طبال پور (۴) امت اللہ زوجہ عبد الرحمٰن خاں طبال پور۔ **اولاد عبد الکفیل خاں۔** (۱) طفیل احمد خاں زوجہ دختر رحمت اللہ خاں سہاور پاکستان۔ (۲) سہیل احمد خاں۔ (۳) ارسطو بیگم زوجہ شمس الرحمٰن خاں ابن عبد الرحمٰن خاں طبال پور۔ **اولاد بچو خاں۔** (۱) عظیم خاں۔ (۲) عظمت اللہ خاں لاولد۔ **اولاد عظیم خاں۔** (۱) پیاری بیگم زوجہ سہیل احمد خاں کھوری (۲) احمد خاں۔ (۳) نعمت خاں۔ (۴) لاڈلی بیگم ہمسر ... ۔

۱۳ - کناوہ

کنولی کی طرح سے موضع کناوہ بھی کئی شروانی خاندانوں کے مورثوں کا مسکن رہا ہے۔ صدی عیسوی کے وسط میں گہوارہ تھا۔ مورث اعلیٰ نواب یوسف خاں سے تھے (جو عہد شاہجہانی میں

راجبوں میں آکر رہے۔ اور کچھ عرصہ اپنے خاندان کے بعض افراد سے کسی وجہ سے وہاں کی سکونت ترک کرکے کناوہ میں آ بسے جہاں ان کا مزار ہے۔ یوسف خاں نے چار بیٹے چھوڑے یعنی (۱) نصرت خاں عہد شاہجہانی کے زمیندار گمران کا سلسلہ آگے نہیں بڑھا۔ (۲) محمد حسین خاں۔ (۳) محمد خاں (۳) محمود خاں نبران (۳) و (۴) کوجاموں وباوٹہ کے رشتہ داتیاں کا سلسلہ چلا۔ (۲) محسن خاں کے دو بیٹے ہوئے۔ یعنی (۱) الف خاں اور (۲) اللہ داد خاں۔ الف خاں کی اولاد میں بڑے بیٹے مبریز خاں اور الف خاں کے بھائی اللہ داد خاں سے کناوہ کا سلسلہ چلا۔

الف خاں کے دوسرے اور تیسرے بیٹوں سے کنوبی، بوڑہ گانوں کا اور کنوبی سے حسن پور ڈھولنہ کے سلسلے چلے۔ اب ہم کناوہ کو لیتے ہیں۔

اولاد مبریز خاں۔ (۱) مہابت خاں۔ (۲) شجاعت خاں۔ (۳) فاضل خاں (۴) عصمت خاں۔

شاخ اول

اولاد مہابت خاں۔ (۱) علو خاں۔ (۲) عبداللہ خاں۔

اولاد علو خاں۔ (۱) بہرام خاں زوجہ اول۔ زوجہ دوئم ہمشیرہ منو خاں غنایتی۔ (۲) یحییٰ خاں زوجہ غیر کفو۔ **اولاد بہرام خاں۔** (۱) عزت النسا زوجہ قطب علی خاں حسن پور۔ (۲) دختر زوجہ یوسف خاں کناوہ۔ (۳) بی بی زوجہ محمد علی خاں بیدہ۔ سرائے۔ (۴) دختر حاجی بخش اللہ خاں دخیل کناوہ۔ (۵) کالے خاں زوجہ اول چاند بی بی دختر نصرت خاں کناوہ۔ زوجہ دوئم عنایت النسا دختر منو خاں غنایتی (۶) علاجی خاں زوجہ طیال پور۔ (۷) بہادر خاں زوجہ جماعت النسا دختر شادی خاں بلوچ دخیل سہاور (۸) دختر

اولاد کالے خاں۔ (۱) شکر النسا زوجہ شجاعت خاں غنایتی۔ (۲) رونق النسا زوجہ احمد رضا خاں دتاولی۔ (۳) حمایت علی خاں زوجہ قدرت النسا دختر گوہر خاں بھاموں۔ (۴) محمد سعید خاں زوجہ اول رنبیگا دختر ولی داد خاں سہاور۔ زوجہ دوئم آفلیما دختر نینگل خاں سہاور۔ (۵) غلام قادر خاں عرف بدھو خاں زوجہ جیون بیگم دختر عبدالواحد خاں پیرورہ

اولاد حمایت علی خاں ۔ فرحت اللہ خاں زوجہ اول انعام فاطمہ دختر سعید خاں کناوہ
زوجہ دوم دختر امانت اللہ خاں از زوجہ غیر کفو ۔ **اولاد فرحت اللہ خاں** ۔ دختر راحت فاطمہ
اولاد محمد زاہد خاں ۔ (۱) چینی بیگم (۲) سعید احمد خاں ۔ **اولاد محمد عمر خاں** ۔ (۱) عزیز احمد
خاں ۔ (۲) حسینی فاطمہ (۳) سعیدہ فاطمہ (۴) دختر کم سن ۔

اولاد محمد سعید خاں ۔ (۱) زاہد خاں زوجہ دختر امداد علی خاں سہاور ۔ (۲) محمد عمر خاں
زوجہ امینی بیگم دختر رفیق محمد خاں گھنونہ (۳) عبدالواحد خاں ۔ زوجہ ننھو دختر عبدالغفار خاں
سہاور لاولد (۴) انعام فاطمہ زوجہ فرحت اللہ خاں کناوہ ۔ (۵) امت المشتاق زوجہ
شبیر احمد خاں گھنونہ ۔ **اولاد غلام قادر خاں** ۔ عبدالمجید خاں زوجہ رقیہ دختر
علی مردان خاں پرورہ لاولد ۔ **اولاد غلام نبی خاں** (۱) کنیز فاطمہ زوجہ ولی محمد خاں سہاور
(۲) صغرا زوجہ حاجی بچھے خاں بی اے بلہ (۳) منیر خاں وسلہ ۱۹۱ء زوجہ شفیع النساء
دختر عبداللہ خاں مہاموں ۔ (۴) رفعت خاں زوجہ زینب دختر لقی خاں سہاور ۔ (۵)
رحمت اللہ خاں زوجہ حسینی فاطمہ دختر حاجی رحیم اللہ خاں کناوہ ۔

اولاد منیر خاں ۔ (۱) حکیم شبیر احمد خاں ۔ دخیل علی گڑھ ۔ زوجہ غنیمت فاطمہ دختر خیراتی خاں
کناوہ دخیل قطب پور ۔ (۲) حبیب خاں زوجہ اقبال فاطمہ دختر رفعت خاں کناوہ ۔ (۳)
اسینہ بیگم زوجہ لطافت اللہ خاں گھنونہ ۔

اولاد حکیم شبیر احمد خاں ۔ (۱) عزیز احمد خاں بی ۔ اے زوجہ شافیہ بیگم دختر معظم خاں
پرورہ الیکٹریکل انجینیئر (۲) جمیل احمد خاں بی ۔ اے پاکستان ۔ (۳) فرحت جہاں
زوجہ محمد علی خاں حسن پور ۔ **اولاد عزیز احمد خاں** ۔ شمشاد احمد خاں کم سن (۲) پروین فاطمہ
کم سن ۔ **اولاد محمد شریف خاں** ۔ (۱) عبدالمعبود خاں زوجہ مصطفی بیگم دختر لطافت اللہ خاں
گھنونہ (۲) محمد ہاشم خاں ۔ (۳) کوثر جہاں زوجہ شفیق احمد خاں بکھرسولی (۴) نصرت جہاں (۵)
رفعت جہاں ۔ (۶) کوثر جہاں ۔ **اولاد رفعت خاں** ۔ (۱) اقبال فاطمہ زوجہ محمد شریف خاں
کناوہ (۲) اسرار فاطمہ زوجہ عبداللہ خاں کناوہ پاکستان ۔

اولاد رحمت اللہ خاں ۔ (۱) حسینی فاطمہ زوجہ رفیع اللہ خاں سرائے لبورہ عبدالجبار خاں پرلہ

(۳) عظیم فاطمہ زوجہ اعانت اللہ خاں حسن پور ۔ (۳) محبوب فاطمہ زوجہ ادریس خاں دھساری
(۴) نذیر احمد خاں ولد ۱۹۳۹ء زوجہ اصغری بیگم دختر عبدالرؤف خاں چھپرہ زوجہ دوئم دختر
سلطان خاں کتوپی دخیل شد فوت لاولد (۵) عباد اللہ خاں زوجہ اسرار فاطمہ دختر رفعت خاں
کناوہ پاکستان ۔ **اولاد عباد اللہ خاں** ۔ فاروق احمد خاں ۔
اولاد تحسین خاں ۔ ابن علو خاں ۔ (۱) ظالعو خاں (۲) دختر ۔ **اولاد طالعو خاں** (۱) عبداللہ خاں
(۲) صاحب خاں ۔ **اولاد عبداللہ خاں ابن مہابت خاں** ۔ داؤد خاں زوجہ بدر النساء
دختر رشید خاں بادشہ ۔ **اولاد داؤد خاں** ۔ (۱) سعید النساء زوجہ دلاور خاں کناوہ (۲)
رحیب النساء زوجہ ہمت خاں بھامول ۔ (۳) رحم علی خاں (۴) رحمت خاں
زوجہ نجیب النساء دختر خدا بخش خاں بلونہ ۔ **اولاد رحم علی خاں** (۱) ولایت النساء زوجہ شرف خاں
کناوہ ۔ (۲) علیم النساء زوجہ غازی الدین خاں کھجوری ۔ (۳) دختر ۔
اولاد رحمت خاں ۔ (۱) سلامت خاتون زوجہ محمد حسین خاں کناوہ (۲) اشرف خاں
زوجہ ولایت بیگم دختر کناوہ ۔ (۳) عنایت خاں ولد ۱۹۰۱ء زوجہ کرامت النساء دختر ہمت خاں
بھامول ۔ (۴) قمر علی خاں زوجہ مقصودا دختر ولی محمد خاں بادشہ ۔ زوجہ دوئم دختر چھپرہ
اولاد اشرف خاں ۔ (۱) قدرت اللہ خاں شہید ۔ زوجہ مقصودا دختر غازی الدین خاں
کھجوری ۔ (۲) حبیب فاطمہ زوجہ حمایت خاں عنایتی ۔ **اولاد عنایت خاں** ۔ (۱) عثمان خاں
زوجہ ابرار فاطمہ دختر شفاعت خاں عنایتی ۔ (۲) نور فاطمہ زوجہ حسن رضا خاں کناوہ (۳)
منیر فاطمہ زوجہ عیوض خاں بہرام پور ۔ **اولاد قمر علی خاں** ۔ (۱) اکرام اللہ خاں زوجہ (۱)
انوار فاطمہ دختر عبدالستار خاں کناوہ زوجہ دوئم اکرام فاطمہ دختر سعید خاں کناوہ (۲) اسرار فاطمہ
زوجہ صدیق خاں سیملور ۔ **اولاد اکرام اللہ خاں** ۔ از نکاح اول پیاری بیگم زوجہ ظفر احمد خاں
بہرام پور ۔ **اولاد بہادر خاں** ۔ ابن بہرام خاں ابن علو خاں ۔ دختر نیازی بیگم زوجہ
حاجی بخش اللہ خاں بلونہ دخیل کناوہ ۔ **اولاد حاجی بخش اللہ خاں** ۔ ننھی بیگم زوجہ
حبیب اللہ خاں حسن پور ۔

شاخ دوم

اولاد شجاعت خان ابن ثمر سرخان ۔ (۱) آزاد خان (۲) اعظم خان ۔ اولاد آزاد خان ۔ افضل خان

اولاد افضل خان ۔ تاج خان ذیل بوڑہ گاؤں زوجہ زینب النساء دختر نظام خان بوڑہ گاؤں ۔

اولاد تاج خان ۔ (۱) امام النساء زوجہ عوض خان چھوری ۔ (۲) نسیم النساء زوجہ غفور اللہ خان یا محمد علی خان سہاور ۔ (۳) رحیم النساء زوجہ نصرت خان کناوہ ۔

اولاد اعظم خان ۔ (۱) سہراب خان ۔ (۲) نصیب خان ۔

اولاد سہراب خان ۔ (۱) لطیف خان لاولد ۔ (۲) منور خان ۔

اولاد منور خان ۔ (۱) مجیداً زوجہ نور محمد خان الٹا ۔ (۲) حسینا زوجہ تفضل حسین خان کناوہ (۳) رجب علی خان زوجہ مریم بیگم دختر اکبر خان طبال پور (۴) مداری خان (۵) کریم اللہ خان عرف سکھن خان زوجہ (۶) محمد رضا خان زوجہ (۷) احمد رضا خان لاولد ۔ اولاد رجب علی خان ۔ (۱) رفیقاً زوجہ عبد الشکور خان بہرام پور ۔ (۲) عبد الستار خان زوجہ حافظہ بیگم دختر فیض محمد خان سہاور (۳) ماسٹر عبد الغفار خان وفات ۱۹۱۹ء استاد شروانی اسکول چھپرہ ۔ زوجہ عائشہ بیگم دختر فیض محمد خان سہاور ۔ اولاد مداری خان ۔ (۱) عزیزاً زوجہ مراد علی خان کناوہ (۲) نوازاً زوجہ وارث علی خان سراسے برلہ ۔ (۳) حاجی رحیم اللہ خان زوجہ بنی بیگم دختر صاحب داد خان برلہ (۴) حبیب اللہ خان زوجہ حفیظاً دختر غوث علی خان کناوہ ۔

اولاد عبد الستار خان ابن رجب علی خان ۔ (۱) عبد الجبار خان زوجہ اقرار فاطمہ دختر عبد الواحد خان بھجوئی ۔ (۲) عبد المنان خان زوجہ ذکیہ بیگم دختر عبد الحمید خان طبال پور ۔ (۳) کنیز فاطمہ زوجہ عزیز محمد خان سیہرا (۴) انوار فاطمہ زوجہ اکرام اللہ خان کناوہ ۔

اولاد عبد الجبار خان ۔ (۱) محمد احمد خان ۔ (۲) حامد خان ۔ (۳) شمس الاسلام خان (۴) مشرفی بیگم (۵) دختر ۔ اولاد محمد احمد خان ۔ شمیم احمد خان ۔

اولاد عبد المنان خان ۔ (۱) دختر (۲) اسلام احمد خان ۔

اولاد حاجی رحیم اللہ خان ۔ (۱) سمیع اللہ خان زوجہ زہرا دختر وارث علی خان سراسے برلہ لاولد

(۲) سمیع اللہ خاں زوجہ احسان فاطمہ دختر حبیب اللہ خاں کناوہ (۳) عزیز اللہ خاں زوجہ
کافیہ بیگم دختر سلطان خاں کنوبی ڈھنڈولی لاولد (۴) حبیب اللہ خاں زوجہ مشرفی بیگم
دختر حبیب اللہ خاں کناوہ (۵) مبین فاطمہ زوجہ رحمت اللہ خاں کناوہ (۶) عباسی بیگم
زوجہ الیاس خاں پرورہ - (۷) کنیز فاطمہ زوجہ عبدالستار خاں پرورہ - (۸) صغرا بیگم زوجہ
محمد خاں برہرہ - **اولاد حبیب اللہ خاں** - (۱) حبیب احمد خاں (۲) لیب (۳)
حبیب فاطمہ (۴) حامدہ بیگم - **اولاد حبیب اللہ خاں** برادر حاجی رحیم اللہ خاں (۱)
احسان فاطمہ زوجہ سمیع اللہ خاں کناوہ - (۲) مشرفی بیگم زوجہ حبیب اللہ خاں کناوہ
اولاد کریم اللہ خاں ابن منور خاں (۱) علیم اللہ خاں زوجہ کھیر (۲) صابر خاں
دخیل طبال پور - (۳) سعید خاں دخیل طبال پور -
اولاد محمد رضا خاں ابن منور خاں - (۱) عظمت اللہ خاں دخیل طبال پور - (۲) عبدالحمید خاں
دخیل طبال پور - زوجہ دختر نبو خاں کھجوری - **اولاد عبدالحمید خاں** - دختر -
اولاد نصیب خاں پسر اعظم خاں ابن شجاعت خاں - (۱) دختر زوجہ قادر داد خاں کھجوری -
(۲) احمد خاں زوجہ **اولاد احمد خاں** - (۱) دختر زوجہ قاسم خاں کھجوری - (۲)
محمد حسین خاں زوجہ سعادت خاتون دختر رحمت خاں کناوہ -
اولاد محمد حسین خاں - (۱) امداد بی بی زوجہ خداوند خاں کھجوری (۲) امانت اللہ خاں زوجہ
آمنہ بیگم دختر امداد علی خاں بادنہ (۳) تفضل حسین خاں زوجہ حبیبا دختر منور خاں کناوہ - (۴)
کالے خاں زوجہ نابیہ فاطمہ دختر منور خاں عنایتی - **اولاد امانت اللہ خاں** امت الہادی
زوجہ عبدالوحید خاں کناوہ **اولاد تفضل حسین خاں** - (۱) نصیر احمد خاں زوجہ کنیز فاطمہ
دختر حفیظ محمد خاں سہنادر - (۲) عباس خاں ناکتخدا فوت - (۳) شبیر احمد خاں شادی
نہیں کی - **اولاد نصیر احمد خاں** - (۱) ظفر احمد خاں (۲) دختر زوجہ ابرار خاں برام پور
(۳) دختر منورزی بیگم - (۴) دختر شفیقی بیگم - **اولاد ظفر احمد خاں** - دختر -
اولاد کالے خاں - (۱) عبدالرشید خاں فوجی زوجہ مبین فاطمہ دختر شفاعت اللہ خاں
عنایتی لاولد - (۲) عبدالوحید خاں عرف چھجو عنایتی - زوجہ امت الہادی دختر امانت اللہ خاں

کناوہ ۔ (۳) حدیث فاطمہ زوجہ رفیق اللہ خاں عنایتی ۔ **اولاد عبدالوحید خاں** (۱) برکات احمد
خاں عرف ننھے میاں زوجہ دختر ابراہیم خاں بلونہ ۔ (۲) سلطان جہاں زوجہ اول فدا احمد
خاں بلونہ بعدہٗ گھنو ۔ ۔ **اولاد برکات احمد خاں** ۔ (۱) پسر (۲) دختر۔

شاخ سوم

اولاد فاضل خاں ابن عمر خاں (۱) گھاسی خاں لاولد
(۲) مراد خاں (۳) صلابت خاں لاولد

اولاد مراد خاں ۔ (۱) محمد حیات خاں دخیل کھوری زوجہ دختر سرفراز خاں بھیکم پور (دیکھو
شجرہ کھوری) (۲) قائم خاں زوجہ مریم دختر دلیل خاں بلونہ ۔ (۳) دائم خاں لاولد (۴)
امانت خاں لاولد ۔ **اولاد قائم خاں** ۔ (۱) عمر خاں ثانی زوجہ دختر ہمت خاں باونہ دخیل
سہاور ۔ (۲) محمود خاں زوجہ حور اُ دختر یعقوب خاں کنڈیلی ۔ (۳) یوسف خاں زوجہ بیٹا
بی بی دختر بیرام خاں کناوہ ۔ (۴) دلاور خاں زوجہ سعیدہ دختر داؤد خاں کناوہ (۵) امام خاں زوجہ
اولاد عمر خاں ثانی ۔ (۱) شریف النساء زوجہ فدا حسن خاں بھاؤل ۔ (۲)
خوش وقت علی خاں زوجہ سعیدہ دختر ارادت خاں بربرہ دخیل قطب پور (دیکھو شجرہ قطب پور)
(۳) نور خاں زوجہ (۴) قطب علی خاں زوجہ
اولاد نور خاں ۔ (۱) ناصر خاں (۲) طفیل محمد خاں ۔ (۳) خیراتی خاں دخیل قطب پور
(دیکھو شجرہ قطب پور) **اولاد قطب علی خاں** ۔ (۱) دختر زوجہ (۲)
حفیظ اللہ خاں زوجہ (۳) کالے خاں زوجہ (۴) ممتاز علی خاں
زوجہ مقبول فاطمہ زوجہ دختر ارادت علی خاں بربرہ دخیل بربرہ ۔
اولاد محمود خاں ۔ (۱) منیر النساء زوجہ علی مردان خاں سہاور (۲) الف خاں زوجہ
ہمشیرہ عنایت خاں طیال پور (۳) غوث علی خاں زوجہ برکت النساء دختر امام خاں کناوہ
اولاد الف خاں ۔ (۱) ننھے خاں زوجہ بیٹا بھتیجی عنایت خاں سہاور ۔ (۲) کریما
زوجہ دلاور خاں سہاور ۔ **اولاد ننھے خاں** ۔ (۱) حافظ عبدالسلام خاں استاد
شیروانی اسکول چھپرہ ۔ زوجہ اول دختر اسماعیل خاں بھرسولی ۔ زوجہ دوم دختر نور اللہ خاں
ہرام پور ۔ زوجہ سوم دختر عبدالسمیع خاں بھرسولی ۔ (۲) عزیز الرحمٰن خاں (۳) سائرہ بیگم

زوجہ حافظ عبدالطیف خاں بھرسولی ۔ **اولاد حافظ عبدالسلام خاں** ۔ (۱) ابوالہاشم خاں
(۲) ابوالقاسم خاں ۔ **اولاد ابوالہاشم خاں** ۔ مقصود ہاشم خاں کمسن ۔
اولاد عزیزالرحمٰن خاں ۔ پیرنا کتخدا فوت ۔ **اولاد غوث علی خاں** ۔ (۱) ولی محمد خاں
عرف بڈھن خاں زوجہ مطلوب فاطمہ دختر غلام نبی خاں سہاور (۲) حمیدا زوجہ امداد علی خاں
سہاور (۳) حفیظا زوجہ حبیب اللہ خاں کناوہ ۔ **اولاد ولی محمد خاں** ۔ عبدالرحمٰن خاں
دخیل سہاور ۔ **اولاد یوسف خاں** ۔ ابن حاتم خاں ۔ (۱) رحمت خاں زوجہ رحیما دختر
تاج خاں کناوہ دخیل بوڑہ گانوں ۔ (۲) سرمست خاں (۳) رحیم داد خاں زوجہ
لاولد (۴) نوری بی ۔ زوجہ خوشحال خاں بھیکم پور ۔
اولاد رحمت خاں ۔ (۱) سرفراز خاں ۔ زوجہ ممتازی بیگم دختر بہادر خاں کناوہ
(۲) مراد علی خاں زوجہ عزیزا دختر مداری خاں ۔ (۳) منیرالنسا زوجہ نجف خاں کناوہ
(۴) سکینہ بیگم زوجہ شفاعت نبی خاں ٹھبوری ۔
اولاد سرمست خاں ۔ (۱) نجف خاں زوجہ منیرالنسا دختر رحمت خاں کناوہ (۲)
امین اللہ خاں زوجہ آمنہ بیگم دختر اشرف خاں کنوبی ۔ **اولاد نجف خاں** ۔ (۱) حاجی احسان اللہ
خاں زوجہ آبادی دختر مراد علی خاں کناوہ ۔ (۲) عاشق اللہ خاں زوجہ دختر عبدالشکور خاں
بہرام پور ۔ لاولد (۳) امۃ الوہاب زوجہ عزیز خاں کنوبی ۔
اولاد حاجی احسان اللہ خاں ۔ جیلانی بیگم زوجہ جمیل الرحمٰن خاں سرائے برلہ
دخیل کناوہ ۔ **اولاد امین اللہ خاں** ۔ (۱) علیم اللہ خاں زوجہ ظہور فاطمہ دختر عزیز خاں
کنوبی لاولد (۲) ظہور اللہ خاں حمایت اللہ خاں عنایتی (۳) دختر زوجہ بدر الہدیٰ خاں
دھنساری ۔ (۴) دختر ۔ **اولاد ظہور اللہ خاں** ۔ (۱) امان اللہ خاں
(۲) کرامت اللہ خاں (۳) شاہ زمانی بیگم
(۴) راحت زمانی بیگم **اولاد امان اللہ خاں** ۔ (۱) خالد امین خاں (۲) دختر ۔
اولاد کرامت اللہ خاں ۔ دختر ۔

شاخ چہارم | اولاد ہمت خاں ابن عزیز خاں اول ۔ ثابت خاں ۔

اولاد ثابت خاں ۔ (۱) نعمت خاں (۲) عشرت خاں لاولد ۔
اولاد نصرت خاں ۔ (۱) چاند بی بی زوجہ کالے خاں ولد بہرام خاں ۔ (۲) دختر زوجہ سعادت خاں ٹنڈولی ۔ (۳) رفعت خاں ۔ اولاد رفعت خاں ۔ (۱) دختر زوجہ نوازش علی خاں دھنساری ۔ (۲) کفایت اللہ خاں و سنہ ۱۸[illegible]ء زوجہ کریم النساء گھنونہ ۔

اولاد کفایت اللہ خاں ۔ (۱) ہدایت اللہ خاں زوجہ اول ہمشیرہ ارشاد علی خاں دھنساری زوجہ دوم علایہ خانم دختر حاجی عبدالرشید خاں باونہ و سنہ ۱۹۴۸ء ۔ اولاد ہدایت اللہ خاں ۔ از نکاح زوجہ دوم (۱) شاکرہ بیگم زوجہ حاجی غلام مجتبےٰ خاں برلہ ۔ (۲) فاخرہ بیگم زوجہ شفیع اللہ خاں حسن پور (۳) ناصرہ بیگم زوجہ جمیل اللہ خاں سے ارپورا اسپیکر حکومت غیر کفو ۔ (۴) کفایت کریم خاں عرف ازمیاں (۵) ہدایت کریم خاں عرف ننھوں میاں ۔

۱۴ - عنابی

مورث اعلیٰ کا نام معلوم نہ ہوسکا ۔ یہاں دو بھائی تھے عزت خاں اور ننھو خاں ان کی اولاد حسب ذیل ہے ۔

اولاد عزت خاں ۔ (۱) زینب النساء زوجہ منور خاں عنابی ۔ (۲) معراج النساء (۳) بدر النساء (ان کی اولاد ذکور میں کوئی نہ تھا) اولاد ننھو خاں ۔ منو خاں زوجہ زینب النساء دختر عزت خاں ۔ اولاد منو خاں (۱) عنایت اللہ خاں زوجہ نفیسی بیگم دختر خواجہ علی خاں دھنساری زوجہ دوم ... (۲) سعادت اللہ خاں زوجہ شکور النساء دختر کالے خاں کناوہ و سنہ ۱۹۱۷ء (۳) عنایت اللہ خاں و سنہ ۱۹۳۸ء زوجہ حبیبہ فاطمہ دختر اشرف خاں کناوہ ۔ (۴) ہدایت اللہ خاں زوجہ محفوظ النساء دختر خداوند خاں گلوٹھی ۔ (۵) کفایت اللہ خاں عرف نمبر خاں زوجہ قمر النساء دختر عبدالکریم خاں چھبرہ ۔ (۶) عنایت النساء زوجہ کالے خاں کناوہ ۔ (۷) شرافت النساء زوجہ عبدالرشید خاں کنولی ۔

اولاد عنایت اللہ خاں ۔ (۱) رفیق اللہ خاں و سنہ ۱۹۱۳ء بمقام کوٹ بلندی زوجہ سعادت خاں دختر کالے خاں کناوہ ۔ (۲) شفیق اللہ خاں زوجہ اول صبور النساء دختر جیون خاں ...

زوجہ دوئم اکرام فاطمہ دختر عبدالرزاق خاں بربہرہ (۳) دختر کم سن فوت۔
اولاد شفیق اللہ خاں ۔ (۱) خاتون جنت زوجہ حکیم ارشد اللہ خاں عنایتی دخیل علی گڑھ
(۲) مشوق اللہ خاں زوجہ طیبہ خاتون دختر منعم خاں برلہ پاکستان۔
اولاد معشوق اللہ خاں ۔ (۱) تقدیر اللہ خاں ۔ (۲) تقصد اللہ خاں (۳) سودہ بی بی۔
اولاد شفاعت اللہ خاں ۔ (۱) عثمان بیگم زوجہ مصلح الدین خاں عنایتی ۔ (۲) ابرار فاطمہ
زوجہ عثمان خاں کناوہ ۔ (۳) مبین فاطمہ زوجہ عبدالرشید خاں کناوہ (۴) شمس الضحےٰ خاں
زوجہ کافیہ بیگم دختر یعقوب خاں سہاور ۔ **اولاد شمس الضحےٰ خاں** ۔ (۱) شفاعت احمد خاں
زوجہ راحت زمانی دختر ظہور اللہ خاں کناوہ (۲) عنایت احمد خاں زوجہ ناصرہ سلطان دختر عباد اللہ خاں
ٹنڈولی دخیل سہاور (۳) ریاض احمد خاں زوجہ حبیب خاتون دختر حکیم ارشد اللہ خاں (۴) اعجاز احمد خاں
اولاد شفاعت احمد خاں ۔ (۱) راشدہ خاتون (۲) عذرا خانم۔
اولاد حمایت اللہ خاں ۔ (۱) عائشہ بیگم زوجہ ظہور اللہ خاں کناوہ (۲) زبیدہ بیگم زوجہ
بدر الہدیٰ خاں دھنای (۳) احمد اللہ خاں زوجہ ہاشمی بیگم دختر ارادت علی خاں حسن پور ۔ (۴) حکیم
ارشد اللہ خاں زوجہ اول خاتون جنت دختر شفیق اللہ خاں عنایتی ۔ زوجہ دوئم فیاضی بیگم
دختر عباس خاں ڈھولنہ ۔ **اولاد حکیم ارشد اللہ خاں** ۔ (۱) وجاہت اللہ خاں (۲)
حبیب خاتون زوجہ ریاض احمد خاں عنایتی ۔ **اولاد ہدایت اللہ خاں** ۔ (۱) مصلح الدین
خاں زوجہ عثمان بیگم دختر شفاعت اللہ خاں عنایتی ۔ (۲) محمد شریف خاں فوت جوان عمر
(۳) دختر ۔ **اولاد مصلح الدین خاں** ۔ زینب النسا زوجہ مسیح الزماں خاں ڈھولنہ
اولاد بشیر خاں ۔ (۱) ابراہیم خاں زوجہ امت الودود دختر عبدالنبی خاں سہراے (۲) مظفر خاں
دسا ۱۹۲۱ء زوجہ خدیجہ بیگم ۔ (۳) اصغری بیگم زوجہ محمد خاں برلہ ۔ **اولاد مظفر خاں** کفایت نبی خاں
زوجہ شاہجہانی بیگم ۔ **اولاد کفایت نبی خاں** (۱) شفاعت نبی خاں (۲) طٰہٰ احمد خاں۔
نوٹ :۔ عنایت اللہ خاں کی کئی اولادیں ایک غیر کفو بی بی سے ہوئیں ۔ ان کے متعلق ہائی کورٹ
تک مقدمہ بازی رہی جس کا ذکر متروک کیا جاتا ہے ۔ صرف اس مختصر ذکر کے جو اخلاقاً ضروری ہے کہ
ایک کلیم اللہ خاں دخیل اٹیہ بڑے باخدا اور پاک باطن ہوئے۔

۱۵۔ گھنونہ

مورث اعلیٰ محمد کرم خاں تھے جو بھرسولی میں رہتے تھے خاندانی روایات کے مطابق ان کے بیٹے محمد اکرم خاں نے موضع گھنونہ حاصل کیا۔ اور وہاں جا کر بسے۔ اُن کے بیٹے شجاعت خاں ہوئے۔

اولاد شجاعت خاں ۔ (۱) حضور خاں ۔ (۲) عاشور خاں ۔ (۳) چنوں خاں (۴) رسول خاں لاولد ۔ (۵) حسن خاں لاولد ۔ **اولاد حضور خاں** ۔ (۱) بلور خاں لاولد (۲) بدھو خاں ۔ (۳) محمود خاں ۔ لاولد ۔ **اولاد بدھو خاں** ۔ (۱) یوسف خاں (۲) اکبر خاں لاولد (۳) منور خاں ۔ **اولاد یوسف خاں** ۔ ارادت خاں ۔

اولاد ارادت خاں ۔ سمیع اللہ خاں لاولد ۔ **اولاد منور خاں** ۔ اشرف خاں لاولد ۔ حضور خاں ، عاشور خاں کا سلسلہ منقطع ہو گیا ۔

اولاد چنوں خاں ابن شجاعت خاں ۔ (۱) الو خاں لاولد (۲) دولت خاں (۳) محمود خاں ۔ (۴) فیض اللہ خاں ۔ **اولاد دولت خاں** ۔ منیر خاں لاولد ۔

اولاد محمود خاں ۔ منصور خاں لاولد ۔ **اولاد فیض اللہ خاں** ۔ حاجی امام خاں ۔

اولاد حاجی امام خاں ۔ (۱) یعقوب خاں زوجیہ رضیا دختر اصالت خاں پرورہ (۲) خواجہ علی خاں (۳) غلام نبی خاں ۔ زوجیہ کمال دختر اصالت خاں پرورہ (۴) شہباز خاں (۵) نجف خاں زوجیہ وزیر النسا دختر اصالت خاں پرورہ **اولاد یعقوب خاں** ۔ کرامت اللہ خاں ۔

اولاد کرامت اللہ خاں ۔ (۱) عبدالکافی خاں ۔ (۲) عبدالباقی خاں لاولد

اولاد عبدالکافی خاں ۔ قدسی بیگم زوجہ امان الرحمٰن خاں پسر عزیز الرحمٰن خاں پرورہ دخیل کا سنگھ ۔ **اولاد امان الرحمٰن خاں** ۔ دو پسر ایک دختر

اولاد خواجہ علی خاں ۔ (۱) مولاداد خاں ۔ (۲) نادر داد خاں ۔ (۳) الہ داد خاں ۔

اولاد مولاداد خاں ۔ (۱) رازق داد خاں ۔ (۲) حبیب احمد خاں لاولد ۔

اولاد رازق داد خاں ۔ (۱) مشکر اللہ خاں لاولد ۔ (۲) حاجی حسین احمد خاں (۳) محمد صدیق خاں

(۴) سلطان خاں ۔ اولاد حاجی احمد حسین خاں ۔ (۱) حسن احمد خاں (۲) شاکر خاں
اولاد صدیق خاں ۔ (۱) نور العابدین خاں ۔ (۲) زین العابدین خاں ۔ زوجہ زاہدہ خاتون
دختر الیاس خاں گھونہ ۔ اولاد نور العابدین خاں تصدیق احمد خاں
اولاد زین العابدین خاں (۱) صدیق العابدین خاں ۔ (۲) دختر کمسن ۔
اولاد سلطان خاں ۔ ابوبکر خاں ۔ اولاد ابوبکر خاں ۔ (۱) محمد حسن خاں (۲) ابو ظفر خاں
اولاد قادر داد خاں ۔ (۱) رفیق محمد خاں زوجہ عزیز فاطمہ دختر حسین اللہ خاں حسین پور ۔ بعدہ
نثار فاطمہ دختر حسین اللہ خاں حسین پور ۔ (۲) الیاس خاں ۔ اولاد محمد رفیق خاں ۔ (۱) عزیزی بیگم
(۲) امین فاطمہ ۔ (۳) شمس فاطمہ اولاد الیاس خاں ۔ زاہدہ خاتون زوجہ زین العابدین خاں
گھونہ ۔ اولاد اللہ داد خاں ۔ نور اللہ خاں دختر یوسف خاں پروہ ۔
اولاد نور اللہ خاں ۔ (۱) لطافت اللہ خاں (۲) رضوان اللہ خاں ۔ (۳) عباد اللہ خاں ۔
اولاد لطافت اللہ خاں ۔ حشمت اللہ خاں ۔ اولاد عباد اللہ خاں حفاظت اللہ خاں
اولاد حفاظت اللہ خاں ۔ نصرت اللہ خاں ۔
اولاد غلام نبی خاں ابن حاجی امام خاں ۔ عثمان خاں زوجہ امت الغنی دختر دوست محمد خاں
پروہ ۔ اولاد عثمان خاں ۔ آسیہ خاتم زوجہ محمد احمد خاں گھونہ
اولاد شہباز خاں ۔ ابن امام خاں (۱) محمد شریف خاں (۲) شیراز خاں ۔
اولاد محمد شریف خاں ۔ محمد احمد خاں زوجہ آسیہ خاتم دختر عثمان خاں گھونہ ۔
اولاد شیراز خاں ۔ وراثت فاطمہ زوجہ عزیز الرحمن خاں پروہ ۔ اولاد یوسف خاں ابن امام خاں
(۱) کریم داد خاں (۲) رحیم داد خاں ۔ اولاد کریم داد خاں ۔ نور فاطمہ ۔
اولاد رحیم داد خاں ۔ عبد المتین خاں زوجہ امت الرب دختر دوست محمد خاں پروہ
اولاد عبد المتین خاں ۔ عبد الرحمن خاں ۔

۱۶ ۔ دھساری

اس موضع کا سلسلہ اور مکمل شجرہ نہیں مل سکا ۔ اس موضع نے جاٹ گردی اور گوشائیوں

اور مرہٹوں کے زمانہ میں بہت عزل ونصب دیکھا اور چونکہ حقیرہ رفوت پور سے ملحق ہے جہاں جاٹوں نے قلعہ بنایا اس لئے ہروقت ان کی زد میں تھا۔ یہ حالات ہم اوپر شیروانی نامہ حصہ اول میں عرض کر چکے ہیں۔ جو نام معلوم ہو سکے وہ ذیل میں درج ہیں۔ اس شجرہ کے شاخ ہائے اول، دوم، سوم کی بابت معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے مشترک مورث اعلیٰ کون تھے۔ اور ان کی آپس میں کیا رشتہ داری تھی۔ اس شجرہ میں پرویز خاں کا نام نہیں ہے جن کے خاندان میں سرفراز خاں مورث بھیکم پور کی شادی ہوئی۔

شاخ اول

اس کے مورث ثابت خاں تھے۔ ان کی اولاد حسب ذیل ہوئی (۱) شجاعت خاں۔ (۲) صلابت خاں۔ (۳) قائم خاں۔

اولاد شجاعت خاں ۔ دختر۔ **اولاد صلابت خاں** ۔ (۱-۴) دختران (۵) کالے خاں

اولاد کالے خاں ۔ (۱) محمود خاں زوجہ ممتاز دختر رضا خاں بھاموں۔ (۲) ولی احمد خاں و ۱۹۱۶ء زوجہ الٰہی بیگم۔ (۳) علی احمد خاں و ۱۹۱۱ء زوجہ ظہور فاطمہ دختر اصغر علی خاں حسن پور (۴) سراج احمد خاں زوجہ منی بیگم کھمبوری۔ (۵) نبی احمد خاں زوجہ حبیب فاطمہ دختر اسد علی خاں بھاموں

اولاد ولی احمد خاں ۔ (۱) بدر الہدیٰ خاں زوجہ زبیدہ بیگم دختر حمایت خاں عنایتی۔ (۲) ادریس خاں زوجہ محبوب فاطمہ دختر رحمت اللہ خاں کناوہ۔ (۳) محمد طاہر خاں زوجہ نجیب فاطمہ دختر احمد حسین خاں رضائی۔ (۴) کلثوم بیگم زوجہ شفیع الرحمٰن خاں سہاور۔

اولاد بدر الہدیٰ خاں ۔ (۱) خالدہ بیگم زوجہ عابد خاں ابراہیم پور (۲) محمودہ بیگم زوجہ راحت اللہ خاں کناوہ (۳) دختر رضیہ بیگم۔ **اولاد ادریس خاں** ۔ دختر۔ **اولاد طاہر خاں** ۔ (۱) محمد طیب خاں زوجہ دختر عبد الباسط خاں بھاموں۔ (۲) اطہر خاں۔ (۳) طاہرہ خاتون زوجہ دختر شریف خاں (۴) مشرف جہاں زوجہ غلام احمد خاں بہیرہ۔ اولاد طیب خاں ۔ دو پسران۔

اولاد علی احمد خاں ۔ جمیل احمد خاں زوجہ شاہدہ بیگم دختر قدرت اللہ خاں کناوہ۔

اولاد جمیل احمد خاں ۔ (۱) شکیل احمد خاں و ۱۹۴۳ء زوجہ نجمی فاطمہ دختر ظہور اللہ خاں بھاموں۔ (۲) عقیل احمد خاں زوجہ دختر بدیع الزماں خاں حسن پور۔ (۴) جمال احمد خاں زوجہ قدسی فاطمہ دختر ولی محمد خاں حسن پور۔ (۴) کمال احمد خاں زوجہ بیوہ شکیل احمد خاں (۵) دختر ناظمہ

اولاد جمال احمد خاں - دختر شباہت فاطمہ - اولاد سراج احمد خاں - (۱) نثار احمد خاں زوجہ بنو بیگم دختر ہدایت علی خاں بردلی - (۲) نور الہدے خاں زوجہ پیرزادہ -

اولاد نثار احمد خاں - افتخار احمد خاں زوجہ دختر ظہور احمد خاں بردلی -

اولاد نبی احمد خاں - وصی احمد خاں زوجہ معزز فاطمہ دختر کامل خاں بربہرہ -

اولاد وصی احمد خاں - (۱) نبی مصطفےٰ خاں کمسن (۲ و ۳) دختران کمسن -

اولاد قایم خاں - خواجہ علی خاں - اولاد خواجہ علی خاں - (۱) جھنڈے خاں - (۲) ننھے خاں - ذخیل بھاموں - (۳) جھنڈی بیگم - اولاد جھنڈے خاں - دختر ہاجرہ جن کی لڑکی مریم، کامل خاں بربہرہ کو بیاہی گئیں - اولاد ننھے خاں - فقیر اللہ خاں متوطن بھاموں -

اولاد فقیر اللہ خاں - انوار احمد خاں -

شاخ دویم

اولاد شادی خاں مورث شاخ دویم (۱) نوازش علی خاں وفات ۱۹۰۷ء لاولد - (۲) مظہر علی خاں عرف مجو خاں (۳) وارث علی خاں لاولد

اولاد مظہر علی خاں - (۱) بتول فاطمہ زوجہ حاجی نور احمد خاں بربہرہ - (۲) ارشاد علی خاں وفات ۱۹۲۱ء زوجہ نمبر ۱ گھونہ - زوجہ نمبر ۲ زینب فاطمہ دختر احمد رضا خاں وتادلی -

اولاد ارشاد علی خاں - (۱) مدثر اللہ خاں زوجہ دختر عبدالحیٔ خاں بھوری (۲) اکرام اللہ خاں زوجہ دختر شریف خاں کنیاوہ - (۳) امۃ المغفت زوجہ مجیب الرحمٰن خاں بربہرہ (۴) انیسہ بیگم زوجہ عباد اللہ خاں گھونہ - (۵) ساجدہ بیگم زوجہ اشفاق احمد خاں بربہرہ (۶) فرخ زمانی بیگم زوجہ محمد طاہر خاں بربہرہ

اولاد مدثر اللہ خاں (۱) مکرم خاں (۲) اکرام خاں - (۳) دختر

اولاد اکرام اللہ خاں - (۱) معظم خاں - (۲) احتشام خاں ہر دو کمسن -

شاخ سوم

اولاد احمد حسین خاں - (۱) شکور خاں - (۲) مذکور احمد خاں (۳) دختر محبوب فاطمہ زوجہ طاہر خاں دھنساری (۴) دختر زوجہ عبدالہادی خاں بربہرہ - احمد حسین خاں کے مورثان کے نام معلوم نہیں ہو سکے -

۱۷ - سدولی

بھیکم پور، حبیب گنج، دادوں، بھموری کے مورث اعلیٰ ابدل خاں عرف عبداللہ خاں

کے بیٹے مکارم خاں اُن کے بیٹے فصاحت خاں۔ ان کے بیٹے یحییٰ خاں اُن کے بیٹے قطب خاں۔ اُن کے بیٹے خان جہاں خاں اور گھاسی خاں۔ ان خان جہاں خاں کے بیٹے اصالت خاں سے ٹنڈولی کا سلسلہ چلتا ہے۔ اصالت خاں سب سے پہلے ٹنڈولی میں آکر بسے۔ یہاں کے شروانی رزم و بزم میں بھیکم پور بھیوری کے شریک رہے۔

اولاد اصالت خاں۔ صاحب داد خاں زوجہ دختر گھاسی خاں بھیوری۔

اولاد صاحب داد خاں۔ (۱) عصمت فاطمہ زوجہ صلابت خاں دھنساری۔ (۲) دختر زوجہ زکریا خاں بھیوری۔ (۳) دختر زوجہ دانش خاں سہاور دخیل ٹنڈولی۔ (۴) دختر زوجہ نظام خاں بہالون۔ (۵) حاجی حسن علی خاں۔ زوجہ دختر نصیب خاں بھیکم پور۔ (۶) عبداللہ خاں زوجہ دختر شفیع خاں بیرہ۔ (۷) سعادت خاں زوجہ اول از خاندان چاند خاں ڈوری زوجہ دوئم ہمشیرہ رفعت خاں کنادہ۔ (۸) حاجی طالب خاں۔ زوجہ ہمشیرہ امام خاں گھنوتہ۔

اولاد دانش خاں دخیل ٹنڈولی۔ (۱) غلام نبی خاں زوجہ کبیر النساء دختر سرمست خاں کنادہ (۲) چھوٹے خاں زوجہ نیاز ادختر یحییٰ خاں بھیوری۔ (۳) سبکتگین خاں زوجہ ہمشیرہ کالے خاں دھنساری (۴) علاقہ دادر خاں زوجہ ہمشیرہ کالے خاں دھنساری۔

اولاد غلام نبی خاں۔ (۱) رؤف النساء زوجہ قمر علی خاں کنوبی۔ (۲) نذیر اللہ خاں زوجہ اول منور اللہ خاں سہاور زوجہ دوئم دختر عبدالرشید خاں بھیکم پور۔ (۳) ہاجرہ بیگم زوجہ حبیب اللہ خاں سہاور۔ (۴) حلیمہ بیگم زوجہ حامد علی خاں سہاور۔ اولاد نذیر اللہ خاں۔ (۱) ضیاء اللہ خاں از نکاح اول زوجہ دختر حامد علی خاں سہاور (۲) دختر زبیدہ خاتون زوجہ چودھری توصیف اللہ خاں سپرنٹنڈنٹ پولیس آگرہ۔ حکیم سلیم اللہ خاں۔ (۳) زوجہ دختر عبدالمجید خاں بھیکم پوری۔ (۴) پاکستان (۵) دختر

اولاد سبکتگین خاں۔ ابن دانش خاں۔ (۱) کمال فاطمہ زوجہ احمد علی خاں بہادرپور۔ (۲) جمال فاطمہ زوجہ احمد رضا خاں سہاور۔ (۳) محمد شرافت خاں زوجہ سراج النساء دختر گھاسی خاں بھیوری زوجہ نمبر ۲ حمید النساء دختر طالب حسین خاں دخیل رکوالی۔ اولاد محمد شرافت خاں۔ (۱) ابو سعید خاں از نکاح اول زوجہ حلیمہ بیگم دختر حبیب اللہ خاں بیوہ دخیل مدن پور (دیکھو شجرہ مدن پور) (۲) ناجرہ بیگم زوجہ عزیز الرحمٰن خاں انسپکٹر ایکسائز اٹالی خاں سہاور (۳) دختر زوجہ عبداللہ خاں انسپکٹر احمد خاں سہاور

اولاد غلام قادر خاں ۔ (۱) امیر بیگم زوجہ سعید خاں کنڈیا ۔ (۲) سکینہ بیگم زوجہ ولی احمد خاں سہاور ۔

اولاد امیر بیگم و سعید خاں ۔ سلطان خاں دخیل ٹنڈولی زوجہ دختر عبدالوحید خاں سہاور ۔

اولاد حاجی حسن علی خاں ابن صاحب داد خاں ۔ (۱) دختر زوجہ خان زماں خاں بجامون (۲) نوازش بی بی زوجہ گھاسی خاں کھجوری (۳) قطبا بی بی زوجہ شمس الدین خاں ٹنڈولی (۴) شمرا زوجہ غوث محمد خاں سہاور ۔

اولاد عبداللہ خاں ابن صاحب داد خاں ۔ (۱) نبی خاں زوجہ اول دمصاری زوجہ دوم رضیا خاں بجامون ۔ (۲) رفعت بیگم زوجہ رحیم داد خاں کنڈیا ۔

اولاد نبی خاں ۔ (۱) امت الحفیظ زوجہ عبدالرحمن خاں کھجوری (۲) احمد نبی خاں زوجہ دختر ولی احمد خاں سہاور (۳) حاجی اسلم خاں د ۱۹۵۱ء بمقام [illegible] زوجہ ریاض فاطمہ دختر صفی اللہ خاں بجامون لاولد ۔

اولاد احمد نبی خاں ۔ (۱) حاجی عبداللہ خاں زوجہ اول شافیہ بیگم دختر نذیر احمد خاں سہاور زوجہ دوم نیاز فاطمہ دختر ارادت علی خاں حسن پور لاولد (۲) عباس خاں فوت جوان عمر (۳) دختر

اولاد سعادت خاں ابن صاحب داد خاں ۔ دختر زوجہ کالے خاں دمصاری ۔

اولاد حاجی عبدالصمد خاں ابن صاحب داد خاں ۔ (۱) شمس الدین خاں زوجہ قطبا دختر حسن علی خاں ٹنڈولی ۔ (۲) دختر زوجہ رحمت خاں حکیم پور ۔ (۳) دختر زوجہ مصاحب خاں کھجوری ۔

اولاد شمس الدین خاں دختر پیارن زوجہ عبدالاحد خاں کنڈیا ۔ (۲) دختر لاڈو بی بی زوجہ [illegible] (۳) دختر امراؤ بیگم زوجہ جیون خاں لعبدہ احمد علی خاں بجامون

اولاد عباد اللہ خاں عرف شالو خاں بن مذکور اللہ خاں (۱) دختر [illegible] زوجہ عنایت احمد خاں پسر مولوی شمس الضحیٰ خاں عنایتی (۲) ذکیہ النساء عرف صادقہ سلطان زوجہ محمد منصور الحسن خاں دخیل پاکستان

اولاد حکیم مطیع اللہ خاں دخیل پاکستان (۱) ذاکر الرحمن خاں حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی (۲) پسر عرف بدر میاں [illegible] (۳) دختر

۱۸۔ چھرہ رفعت پور

چھرہ کی وجہ تسمیہ تو ہم نے اوپر درج کر دی ہے ۔ مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نام کے ساتھ رفعت پور کب شامل ہوا ۔ چھرہ کے اس شجرے میں رفعت خاں کوئی

نہیں ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ سدن خاں مورث اعلیٰ سے قبل کوئی رنوت خاں یہاں ہوں۔ پشتوں کے حساب سے یہاں کے پٹھان بھی لودی سوری زمانہ میں آئے ہونگے جیساکہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہاں کے پٹھانوں کا نکاس خاندانی روایت کے مطابق محمد بیگ خاں سے ہے۔ جن کا تعلق پرورہ۔ دتاولی برلہ وغیرہ سے تھا۔ اور جن کا آنا عہد سکندر لودی میں بتایا جاتا ہے۔ جاٹ سورج مل کے زمانے میں ان کے خسر کے لڑکوں نے سب سے پہلے یہاں ہی قلعہ بنایا جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

شجرہ مورث سدن خاں۔ ان کے بیٹے مجاہد خاں ہوئے۔

اولاد مجاہد خاں ۔ (۱) مسند علی خاں (۲) سلطان خاں لاولد (۳) نتھے خاں۔ **اولاد مسند علی خاں** ۔ فاضل خاں۔ ان کے بیٹے افضل خاں ہوئے **اولاد افضل خاں** ۔ (۱) بنے خاں۔ (۲) سیسے خاں لاولد **اولاد نتھے خاں** ۔ لال خاں ان کے بیٹے رسول خاں (جن کی زوجہ پیارن دختر سرمست خاں) چھترہ تھیں۔

شاخ اول

اولاد رسول خاں ۔ (۱) بہادر خاں زوجہ ماھن بی بی ہمشیرہ عنایت خاں دھنساری۔ لاولد۔ (۲) شاہ دل خاں زوجہ تتولا دختر بھیکن خاں چھترہ (۳) خیر النساء زوجہ کلو خاں بھرسولی (۴) ماہ النساء زوجہ عبداللہ خاں بھرسولی

اولاد شاہ دل خاں ۔ (۱) عزت خاں زوجہ رحیم النساء دختر اللہ وردی خاں چھترہ (۲) مریم زوجہ قادر خاں سرائے۔ (۳) حبیب النساء زوجہ عبدالرحیم خاں۔ (۴) حافظ عبداللہ خاں زوجہ سلیم النساء دختر محمد خاں سرائے۔ **اولاد عزت خاں** ۔ (۱) عنایت النساء ناکتخدا فوت۔ (۲) محمد یار خاں زوجہ عبدالمجید النساء دختر عبدالرحمن خاں چھترہ زوجہ دوم حکیم النساء دختر بصری خاں چھترہ۔ (۳) عمر النساء زوجہ لطیف اللہ خاں چھترہ (۴) سعیدہ زوجہ [illegible] خاں چھترہ۔

اولاد محمد یار خاں ۔ امت الہادی [illegible] (۱) حاجی عبدالمجید خاں برلہ ڈخیل چھترہ۔

اولاد عبدالمجید خاں ۔ دخیل چھترہ۔ (۱) محمد مطہر خاں زوجہ دختر صادق علی خاں حسن پور دخیل چھترہ (۲) عبداللہ [illegible] خاں از نکاح دوم۔ $\frac{(۳)}{(۴)}$ دو دختران از نکاح دوم (۵) پسر از نکاح سوئم۔

اولاد مطہر خاں ۔ شاہنیہ بیگم زوجہ عزیز احمد خاں بی۔ اے۔ پسر حکیم شبیر احمد خاں کنڈہ ڈخیل علی گڑھ۔

اولاد عزیز احمد خاں ۔ (۱) شمشاد احمد خاں ۵ سال (۲) پروین خانم دو سال ۔

اولاد حافظ عبداللہ خاں ۔ (۱) ہدایت النساء زوجہ عبدالصمد خاں سرائے ۔ (۲) دختر زوجہ احمد سعید خاں سرائے ۔ (۳) بھینتی بیگم زوجہ عبداللطیف خاں سرائے ۔

شاخ دوم

مورث ۔ سربت خاں ابن محمود خاں ۔ ابن مصری خاں ابن عمر خاں ابن مداری خاں ابن مجاہد خاں مندرجہ بالا ۔

اولاد سربت خاں ۔ (۱) پیاری زوجہ رسول خاں چھپرہ (۲) سبکین خاں زوجہ منگو دختر افضل خاں برلہ (۳) دختر [illegible] والدہ سعادت خاں بھیوساولی ۔

اولاد سبکین خاں ۔ (۱) جان خاں زوجہ ہمشیر زادی حسن خاں برلہ (۲) بی بی فتولا زوجہ شاہ دل خاں (۳) الہ دی خاں زوجہ امیر النساء دختر عبداللہ خاں گھنونہ (۴) صبیح بیگم زوجہ عبداللہ خاں سرائے (۵) حنیفاً زوجہ محمد خاں سرائے ۔ (۶) قائم خاں زوجہ دختر نعیم خاں برلہ ۔

اولاد جہاں خاں ۔ (۱) بخشا زوجہ حافظ مداری خاں سرائے ۔ (۲) نورجہاں زوجہ حاجی ہدایت اللہ خاں چھپرہ (۳) غلامی خاں زوجہ دختر حسن خاں برلہ ۔ (۴) جمال خاں زوجہ فتولا دختر حسن خاں برلہ ۔ (۵) فضل علی خاں زوجہ ع[illegible] دختر داؤد خاں الوا ۔ زوجہ ۲ زینب دختر علی مردان خاں چھپرہ ۔ **اولاد غلامی خاں** ۔ (۱) چھیدن زوجہ سعید خاں برلہ (۲) وزیر خاں زوجہ دختر ناہر خاں کنونی ۔ **اولاد وزیر خاں** ۔ عبدالرؤف خاں زوجہ دختر علی مردان خاں کھیرسہ (۲) صغیرا زوجہ عبداللطیف خاں پیرورہ (۳) رؤفا زوجہ اسد علی خاں بھرسولی ۔ (۴) حفیظا زوجہ عظمت اللہ خاں طیال پور ۔ **اولاد عبدالرؤف خاں** ۔ (۱) عباسی بیگم زوجہ حافظ عبداللطیف خاں بھرسولی ۔ (۲) عائشہ بیگم زوجہ قمر الزماں خاں (۳) اصغری بیگم زوجہ نذیر احمد خاں کناوہ ۔ (۴) ابوبکر خاں زوجہ دختر غفور اللہ خاں کھیرسہ ۔ (۵) مولوی ابوظفر خاں پاکستان ۔

اولاد جمال خاں ۔ (۱) نبی خاں زوجہ غیر کفو اترولی ۔ (۲) دختر جان زوجہ الو خاں لبیدہ حنیفو خاں برلہ ۔ (۳) کمان تا کتخدا نوت (۴) غفورا ۔

اولاد فضل علی خاں ۔ ابن جہان خاں (۱) ادریس خاں زوجہ آمنہ دختر نوازش علی خاں برلہ لاولد (۲) رقیہ بیگم زوجہ عبدالستار خاں چھپرہ ۔ (۳) رابعہ بیگم زوجہ مصطفےٰ خاں برلہ ۔

(۴) قریشہ بیگم عبدالقہار خاں برلہ۔ **اولاد الہ وردی خاں** ۔ ابن بھکن خاں (۱) دختر رحیم النساء زوجہ
عزت خاں چھیرہ ۔ (۲) کریم النساء زوجہ حسن خاں چھیرہ ۔ (۳) مصری خاں زوجہ حلیم النساء دختر قایم خاں چھیرہ ۔
(۴) عبدالرحمٰن خاں زوجہ منیر النساء دختر محمد خاں سرائے ۔ (۵) سلیمان خاں زوجہ لطیف النساء دختر قایم خاں
(۶) حاجی ہدایت اللہ خاں وفات ۱۳۸۳ھ زوجہ بی بی نور جہاں دختر جہان خاں چھیرہ ۔ (۷) عبدالکریم خاں زوجہ معراج النساء
دختر قایم خاں چھیرہ ۔ **اولاد مصری خاں** ۔ (۱) جنت النساء زوجہ عبدالحمید خاں برلہ (۲) عصمت النساء زوجہ
سیف اللہ خاں برلہ ۔ (۳) حکیم النساء زوجہ [illegible] چھوری ۔ (۴) محمد علی خاں زوجہ کلثوم النساء دختر عبدالرحیم خاں
چھیرہ ۔ **اولاد عبدالرحمٰن خاں** ۔ (۱) حمید النساء زوجہ محمد یار خاں چھیرہ ۔ (۲) وحید النساء ناکتخدا فوت (۳)
(۴) (۵) اسیران عبدالحفیظ خاں ۔ عبدالمجید خاں ۔ عبدالحی خاں بہ سن ناکتخدا فوت ۔ **اولاد سلیمان خاں** ۔ آغا النساء
زوجہ اسحاق خاں ابن کفایت اللہ خاں چھیرہ بیوہ سوم عبدالمجید خاں برلہ ۔ **اولاد عبدالکریم خاں** ۔ (۱) محمود خاں
زوجہ [illegible] دختر عبدالرحیم خاں چھیرہ زوجہ دوم دختر نور محمد خاں ٹونا ۔ (۲) عبدالستار خاں زوجہ تقیہ دختر فضل علی
خاں چھیرہ (۳) عبدالحکیم خاں زوجہ دختر علی محمد خاں برلہ (۴) قمر النساء زوجہ یعقوب خاں چھیرہ بعدہٗ تمیز خاں عنایتی
(۵) [illegible] خاں برلہ ۔

اولاد قایم خاں ۔ ابن بھکن خاں (۱) حلیم النساء زوجہ مصری خاں چھیرہ (۲) معراج النساء زوجہ عبدالکریم خاں
(۳) لطیف النساء زوجہ سلیمان خاں چھیرہ (۴) حسن خاں زوجہ کریم النساء دختر الہ وردی خاں چھیرہ (۵) علی مردان
زوجہ حلیم النساء دختر جیون خاں برلہ (۶) عنایت اللہ خاں زوجہ ثمرا دختر عزت خاں چھیرہ (۷) کفایت اللہ خاں
زوجہ عمر النساء دختر عزت خاں چھیرہ ۔ (۸) عبدالرحیم خاں زوجہ حبیب النساء دختر شاہ دل خاں چھیرہ ۔
اولاد حسن خاں ۔ (۱) عبداللطیف خاں ناکتخدا فوت ۔ (۲) فاطمہ زوجہ عبدالحمید خاں برلہ ۔
اولاد علی مردان خاں ۔ (۱) زینب زوجہ فضل علی خاں چھیرہ ۔ (۲) قطب النساء زوجہ نوازش علی خاں
(حاجی پہلوان) برلہ ۔ (۳) مشرف النساء زوجہ قاری طاہر خاں برلہ (۴) سکینہ زوجہ قطب الدین
اولاد عنایت اللہ خاں ۔ (۱) نعمت اللہ خاں (۲) دختر ہر دو ناکتخدا فوت ۔
اولاد کفایت اللہ خاں ۔ (۱) عبدالغفار خاں ناکتخدا فوت (۲) اسحاق خاں زوجہ
(۳) حسینی بیگم زوجہ صادق علی خاں حسن پور ضلع چھپرہ (۴) صفیہ بیگم زوجہ حاجی صاحب
حسن پور ۔ (۵) عائشہ بیگم زوجہ عبدالودود خاں حسن پور ضلع چھپرہ ۔

اولاد صادق علی خاں - ذیل چھپرہ (۱) عامل خاں ب ۱۸۹۳ء و ۱۹۵۲ء زوجہ طاہرہ بیگم دختر صدیق خاں حسن پور - (۲) عباس خاں زوجہ غیر کفو - (۳) زبیر خاں زوجہ غیر کفو پٹھان خورجہ (۴) عزیز خاں زوجہ عابدہ بیگم دختر عبدالودود خاں چھپرہ - (۵) قدرت الاحسان زوجہ مطیع خاں چھپرہ (۶) زبیدہ بیگم زوجہ عبدالمجید خاں چھپرہ - **اولاد عبدالودود خاں** - ذیل چھپرہ (۱) عون خاں زوجہ دختر اسرائیل خاں سہاور پاکستان - (۲) ستیش خاں زوجہ دختر یوسف خاں کھڑیولی (۳) کیف خاں پاکستان (۴) حامدہ بیگم زوجہ محمود علی خاں ڈھولنہ - (۵) عابدہ بیگم زوجہ عزیز خاں چھپرہ - **اولاد عبدالرحیم خاں** - ابن قائم خاں (۱) عثمان خاں - (۲) اسمٰعیل خاں ہر دو نا کتخدا فوت (۳) یعقوب خاں زوجہ قمر النساء دختر عبدالکریم خاں چھپرہ لاولد (۴) عبدالرشید خاں زوجہ حمیدا دختر عبدالحمید خاں برلہ (۳) کلثوم النساء زوجہ محمد علی خاں چھپرہ (۴) ننھی بیگم زوجہ محمود خاں چھپرہ (۵) خاتون زوجہ محمود خاں بھیکن پور - **اولاد عبدالرشید خاں** - (۱) رفیع اللہ خاں زوجہ دختر عبدالرزاق خاں برلہ - (۲) سمیع اللہ خاں (۳) عابد خاں ہر دو نا کتخدا فوت -

اولاد ہادی یار خاں - جن کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا - اُن کی زوجہ نور فاطمہ دختر جیون خاں سہراسے تھیں - نفیس الدین خاں زوجہ دختر نواز علی خاں سہراسے - مصلح الدین خاں کا بیٹا معین الدین حال پاکستان میں ہے - معین الدین خاں کی شادی دختر خلیل خاں برلہ کے ساتھ ہوئی اور ان کا ایک بیٹا حسام الدین اور ایک بیٹی ہے -

۱۹ - برلہ

اولاد منگو خاں - ابن الف خاں - جرنیل فتح علی خاں کے نام کے مواضعات الف پور - منگو پور زمینداران برلہ و سہراسے کے قبضہ میں رہے)

(۱) یحییٰ خاں - (۲) نعمت خاں - (۳) بہادر خاں - (۴) مداری خاں -

شاخ اول

اولاد یحییٰ خاں - (۱) حسیب خاں - (۲) فضل خاں -

اولاد فضل خاں - (۱) امیر خاں لاولد (۲) جہان خاں

اولاد جہان خاں - (۱) خواجہ علی خاں زوجہ دختر ... خاں قطب پور (۲) عمر خاں زوجہ

ہمشیرہ خان زمان خاں ـ طبال پور ـ (٣) حبیب النسا زوجہ جیون خاں برلہ ـ

اولاد خواجہ علی خاں ـ (١) سہراب خاں عرف پیرجی ـ زوجہ دختر داؤد خاں الوا (٢) قطب الدین خاں زوجہ سہاور ـ (٣) مولوی حاجی شمس الدین خاں زوجہ ملا گھنونہ زوجہ ملا ٢ پرورہ (٤) بشیر النسا زوجہ حاجی خاں سراسے ـ (راقم الحروف کی دادی) (٥) سراج النسا زوجہ محمد حسین خاں برلہ ـ

اولاد سہراب خاں ـ (١) حیات بیگم زوجہ ولی محمد خاں پرورہ (٢) امیر بیگم زوجہ عبد الجلیل خاں برلہ (٣) نوازش علی خاں عرف حاجی خاں پہلوان زوجہ قطب النسا دختر علی مردان خاں چھپرہ (٤) حافظ غازی خاں زوجہ امت النساء دختر عبد الکریم خاں بیچھرہ ـ

اولاد نوازش علی خاں ـ (١) مصطفےٰ خاں زوجہ رابعہ بیگم دختر تفضل علی خاں چھپرہ (٢) عبد الجبار خاں زوجہ جنت فاطمہ دختر رحمت اللہ خاں کنادہ بعد انتقال زوج اول رفیع اللہ خاں سراسے (٣) آمنہ زوجہ ادریس خاں چھپرہ ـ (٤) عبد القہار خاں زوجہ قریشہ دختر تفضل علی خاں چھپرہ (٥) امت الباقی زوجہ عثمان خاں سراسے ـ **اولاد مصطفےٰ خاں** ـ کیف خاں کمسن فوت ـ

اولاد عبد الجبار خاں ـ (١) بدیع الرحمٰن خاں (٢) سلیم الرحمٰن خاں (٣) عنایت الرحمٰن خاں (٤) اعجاز الرحمٰن خاں (٥) رشیدہ خاتون زوجہ مرتضےٰ خاں برلہ ـ

اولاد عبد القہار خاں ـ (١) شعیب خاں زوجہ مدیبہ خاتون دختر رفیع اللہ خاں سراسے ـ (٢) مرتضےٰ خاں زوجہ رشیدہ خاتون دختر عبد الجبار خاں برلہ ـ (٣) ششاد خاں زوجہ امراؤ فاطمہ دختر رفیع اللہ خاں کھجوری ـ (٤) ابو طالب خاں زوجہ دختر رفیع اللہ خاں کھجوری ـ (٥) رحیانہ خاتون زوجہ عبد الاحد خاں برلہ ـ (٦) عابدہ خاتون زوجہ شفیع اللہ خاں سراسے (٧) حجازی بیگم زوجہ حافظ خلیل خاں برلہ بعدہ سلیم الرحمٰن خاں برلہ ـ

اولاد حافظ غازی خاں ـ (١) ذکریا خاں زوجہ قربان بیگم دختر عزیز الرحمٰن خاں پدہیرہ لاولد (٢) حافظ خلیل خاں زوجہ ملا بیوہ ذکریا خاں زوجہ ملا ٢ حجازی بیگم دختر عبد القہار خاں برلہ ـ

اولاد قطب الدین خاں ـ (١) عبد الجلیل خاں زوجہ اول امیر بیگم دختر سہراب خاں برلہ زوجہ دوم دختر رحیم داد خاں پرورہ علی النساء (٢) مقبول فاطمہ زوجہ سرفراز خاں طبال پور دخیل سراسے ـ (٣) عبد الکریم خاں زوجہ ولی النساء دختر رحیم داد خاں پرورہ ـ **اولاد عبد الجلیل خاں** ـ (١) منعم خاں

زوجہ نور فاطمہ دختر عبدالکریم خاں برلہ (۲) دختر امت الہادی زوجہ عبدالصمد خاں پیرورہ (۳)
صالحہ بیگم زوجہ حاجی امیر احمد خاں سرائے۔ اولاد عبدالکریم خاں۔ نور فاطمہ زوجہ
منعم خاں برلہ۔ اولاد منعم خاں۔ دختر زوجہ مشوق اللہ خاں پاکستان۔
اولاد مولوی حاجی شمس الدین خاں ۔ (۱) حاجی مولوی عبدالرحمن خاں زوجہ محمودہ دختر
رحیم اللہ خاں سرائے۔ (۲) امت الہادی زوجہ نصیر اللہ خاں طبال پور برادر ایوب خاں طبال پور
بیدہ عبدالصمد خاں قطب پور (۳) ابوبکر خاں زوجہ [illegible] بیگم دختر حنیف خاں قطب پور زوجہ عبد
دختر عبدالصمد خاں برلہ پاکستان (۴) امت الواثق زوجہ عبدالصمد خاں قطب پور [illegible]
اولاد مولوی حاجی عبدالرحمن خاں ۔ (۱) عبدالاحد خاں زوجہ [illegible] دختر عبدالقادر خاں
(۲) عبدالوہاب خاں لاولد (۳) عبدالمحمود خاں زوجہ [illegible] شاہجہاں آباد۔
(۴) ابوالکلام خاں (۵) امت العزیز زوجہ [illegible] خاں برلہ۔ اولاد ابوبکر خاں۔ (۱) عبدالقدوس خاں
(۲) شمس الضحیٰ خاں۔ (۳) امت الرحمٰن زوجہ [illegible] خاں [illegible] (۴) صوفیہ بیگم پاکستان۔
اولاد عمر خاں ابن جمال خاں ۔ (۱) عبدالرزاق خاں زوجہ [illegible] بیگم دختر [illegible] خاں قطب پور
(۲) اللہ بخشی زوجہ فقیر اللہ خاں پیرورہ (۳) معصومہ زوجہ [illegible] خاں سرائے۔
اولاد عبدالرزاق خاں ۔ (۱) حاجی عبدالسلام خاں زوجہ [illegible] دختر [illegible] خاں سرائے
وکیل سرائے لاولد۔ (۲) ایوب خاں زوجہ [illegible] (۳) صالح خاں زوجہ عبد
امت العزیز دختر حنیف خاں قطب پور زوجہ عبد [illegible] بیگم دختر عبدالصمد خاں پیرورہ۔ (۴) حکیم
نور احمد خاں زوجہ حنظلہ بیگم دختر عبدالمالک خاں سرائے۔ (۵) امت الرحمٰن زوجہ حبیب اللہ خاں
چھپرہ ابدہ زبیر خاں چھپرہ۔ (۶) اکرام فاطمہ زوجہ [illegible]
اولاد صالح خاں ۔ (۱) مجیری بیگم زوجہ [illegible] (۲) قمر صالح خاں [illegible]
نوٹ (۳) (۴) دختران محمدی بیگم۔ [illegible]
اولاد افضل خاں ابن [illegible] خاں ۔ (۱) دختر [illegible] خاں برلہ (۲) دختر زوجہ
سبکتگین خاں چھپرہ۔ (۳) منگل خاں۔
اولاد منگل خاں ۔ (۱) صاحب خاں [illegible]

شاخ دوم

اولاد نعمت خاں ۔ ابن منگو خاں ۔ (۱) خان جہاں خاں ۔
اولاد خان جہاں خاں ۔ (۱) شاہ دل خاں عرف شادل خاں
(۲) ایدل خاں ۔ **اولاد شاہ دل خاں** ۔ (۱) عزت خاں زوجہ ہمشیرہ داؤد خاں الوٹ ۔ (۲)
اعظم خاں زوجہ مریم دختر ذوالفقار خاں برلہ **اولاد عزت خاں** ۔ (۱) علی مردان خاں زوجہ
دختر حسن خاں برلہ ۔ (۲) علی محمد خاں زوجہ دختر فضل علی خاں چھپرہ (۳) اللہ یار خاں زوجہ حلیم النساء
دختر مداری خاں سراسے ۔ (۴) دختر زوجہ چھوٹے خاں طیال پور ۔
اولاد علی مردان خاں ۔ (۱) عبدالحفیظ خاں زوجہ اول محمدی بیگم دختر ظہور اللہ خاں برلہ زوجہ
دوم کنیز فاطمہ دختر حافظ نور خاں برلہ (۲) حافظ عبداللطیف خاں زوجہ عاشورا دختر حافظ
نور خاں برلہ (۳) کنان زوجہ شمس الدین خاں کھیرسہ (۴) سجیبا زوجہ وارث علی خاں
قطب پور ۔ **اولاد عبدالحفیظ خاں** ۔ (۱) عبدالقدیر خاں زوجہ امت الحبیب دختر عبداللطیف
خاں برلہ ۔ (۲) حافظ عبدالکبیر خاں زوجہ ملک دختر حاجی عبدالواسع خاں برلہ (۳) اصفیہ بیگم
زوجہ خلیل خاں برلہ (۴) امت القدیر زوجہ صابر خاں برہرہ ۔
اولاد عبدالقدیر خاں ۔ (۱) عزیز الرحمن خاں زوجہ اول ریاض فاطمہ دختر عبدالماجد خاں برلہ ۔
زوجہ دوم ننو بیگم دختر مسیح الزماں خاں سراسے پاکستان ۔ (۲) امت الحلیم زوجہ عبدالواحد
خاں برلہ (۴) نظر فاطمہ زوجہ شعیب خاں برلہ ۔ **اولاد عزیز الرحمن خاں** ۔ (۱) محبوب الرحمن خاں
(۲) (۳) دختران **اولاد عبدالکبیر خاں** ۔ (۱) ابوالقاسم خاں پاکستان (۲)
ابوالهاشم خاں پاکستان ۔ **اولاد عبداللطیف خاں** ۔ (۱) حافظ عبدالواحد خاں
زوجہ دختر وارث علی خاں قطب پور ۔ (۲) امت الحبیب زوجہ عبدالقدیر خاں برلہ
(۳) عبدالماجد خاں زوجہ امت [illegible] عبدالستار خاں برلہ مقیم درگاہ شریف بہرائچ فوت مدفون بمقام بہرائچ
اولاد عبدالواحد خاں ۔ (۱) ابوالہاشم خاں زوجہ امت الحلیم دختر عبدالقدیر خاں برلہ
پاکستان ۔ (۲) [illegible] بیگم زوجہ عثمان خاں سراسے ۔ (۳) دختر زوجہ عبدالصمد خاں برلہ
(۴) دختر زوجہ صابر خاں برلہ (۵) [illegible] بیگم زوجہ عمر خاں سراسے
اولاد عبدالماجد خاں ۔ (۱) نعیم الرحمن خاں الکتفا نوٹ جبرال عمر سینہ (۲) شمیم الرحمن خاں

(۳) رفیق احمد خاں عرف کشور ۔ (۴) ریاض فاطمہ زوجہ عزیز الرحمٰن خاں برلہ (۵) عمران فاطمہ
زوجہ نوح اللہ خاں برلہ ۔
اولاد ناصر خاں ابن شاہ دل خاں (۱) ظہور اللہ خاں زوجہ دختر حسن خاں برلہ (۲)
حافظ نور خاں زوجہ محبوب النساء دختر کرامت خاں برہرہ ۔ (۳) شاہ محمد خاں زوجہ کفایت النساء
دختر عنایت خاں برلہ ۔ (۴) شکور النساء زوجہ حاجی سرفراز خاں سراسے (۵) [illegible]
زوجہ ہادی یار خاں دادوں ۔ اولاد ظہور اللہ خاں ۔ مہدی بیگم زوجہ عبد الحفیظ خاں برلہ
اولاد حافظ نور خاں ۔ (۱) بدیع الزماں خاں زوجہ مغفور النساء دختر حاجی سرفراز خاں
سراسے لاولد (۲) عبد الستار خاں زوجہ حنیفہ دختر شاہ محمد خاں برلہ (۳) حاجی عبد الواسع
خاں زوجہ منیر فاطمہ دختر شاہ محمد خاں برلہ (۴) کلثوما زوجہ ہدایت اللہ خاں سراسے ۔
(۵) عاشورا زوجہ عبد اللطیف خاں برلہ ۔ (۶) کنیز فاطمہ زوجہ عبد الحفیظ خاں برلہ
اولاد عبد الستار خاں ۔ (۱) مریم بیگم زوجہ عبد الملک خاں سراسے (۲) امت الجلیل
زوجہ عبد الماجد خاں برلہ ۔ اولاد حاجی عبد الواسع خاں ۔ (۱) عزیز خاں زوجہ اول امت الحبیب
دختر حاجی اسحاق خاں برلہ زوجہ دوم امت المتین دختر حاجی اسحاق خاں برلہ ۔ (۲) محمد شعیب خاں
زوجہ نیر فاطمہ دختر عبد القدیر خاں برلہ فوت (۳) اویس خاں زوجہ نورجہاں بیگم دختر حاجی عباس خاں
سراسے ۔ (۴) مغیث احمد خاں زوجہ غیر کفو بیلی بھیت ۔ پاکستان مشرقی ۔ (۵) انوار فاطمہ زوجہ
حاجی غلام مجتبےٰ خاں برلہ ۔ (۶) اعجازی بیگم زوجہ حبیب الرحمٰن خاں سراسے (۷) حامدہ زوجہ
عبد الجلیل خاں برلہ ۔ اولاد عزیز خاں ۔ (۱) رفعت فاطمہ عرف طلعت خانم زوجہ غلام کبریا خاں برلہ
(۲) نصرت فاطمہ عرف نکہت خانم زوجہ عارف میاں دادوں ۔ (۳) دختر کم سن فوت (۴)
مشکات محمد خاں کم سن (۵) دختر کم سن بشریٰ ہمایوں اولاد شعیب خاں ۔ (۱) عیاض احمد خاں
ناکتخدا فوت (۲) محاذ احمد خاں ۔ (۳) عفیفہ بیگم زوجہ فصیح الزماں خاں سراسے ۔ (۴) فرحت لڑکی
کم سن ۔ اولاد محمد اویس خاں ۔ (۱) انور عباس عرف چمن بانو ایم ۔ ایس سی (۲)
خالد عباس خاں (۳) ساجدہ صابرہ خاں (۴) منور جہاں (۵-۶-۷) دو لڑکیاں ایک دختر کم سن فوت
اولاد شاہ محمد خاں ۔ (۱) حاجی محمد اسحاق خاں نائب زوجہ امت الغنی دختر

ہادی یار خاں دادوں (۲) حنیفہ زوجہ عبدالستار خاں برلہ (۳) تمیز فاطمہ زوجہ حاجی عبدالواسع خاں
برلہ۔ (۴) جمن امت الرقیب زوجہ حاجی محمد عباس خاں سراسے۔ (۵) امت المجیب زوجہ
عبدالجلیل خاں برلہ۔ **اولاد حاجی محمد اسحاق خاں**۔ (۱) حاجی غلام مجتبےٰ خاں زوجہ اول
دختر حاجی عبدالواسع خاں برلہ زوجہ دوم شاکرہ خاتون دختر ہدایت اللہ خاں کمادہ (۲) امت التبریز
زوجہ اول حاجی مولوی محمد جان خاں دادوں (۳) دختر امت الحسیب زوجہ محمد عزیز خاں برلہ۔ (۳)
امت الرب زوجہ نواب ابوبکر خاں دادوں (۴) امت المبین زوجہ دوم عزیز خاں برلہ۔
اولاد حاجی غلام مجتبےٰ خاں۔ (۱) غلام کبریا خاں عرف معصوم میاں زوجہ طلعت خانم دختر
عزیز خاں برلہ پاکستان (۲) امت المنعم زوجہ یاسین خاں سراسے پاکستان۔ (۳)
رابعہ بیگم زوجہ حافظ اکرام اللہ خاں بلوئہ پاکستان۔ (۴) غلام سرور خاں عرف نظام میاں (۵)
غلام رافع خاں عرف جمال میاں۔ **اولاد علی محمد خاں**۔ (۱) سلیمان خاں زوجہ مریم دختر
سرفراز خاں طیال پور خیل سراسے۔ (۲) لطیف النسا زوجہ عبدالشکور خاں سراسے۔
(۳) صفیہ بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں پرورہ (۴) امت اللہ بیگم زوجہ عبدالحلیم خاں جھیرہ۔
اولاد سلیمان خاں۔ (۱) عبدالصمد خاں زوجہ ننھی بیگم دختر فیض محمد خاں برولی۔ (۲)
شاہ زماں خاں زوجہ یونس فاطمہ دختر خلیل خاں پرورہ (۳) امت الرحمٰن زوجہ مسیح الزماں خاں
سراسے۔ (۴) امت الحیٰ زوجہ اعانت اللہ خاں سراسے۔ (۵) آبادی بیگم زوجہ طیال پور
اولاد عبدالصمد خاں۔ (۱) و (۲) عزیز احمد خاں شمیم احمد خاں پاکستان
(۳) دختر **اولاد الہ یار خاں ابن عزت خاں**۔ (۱) عبدالقیوم خاں زوجہ صغرا بیگم دختر
وارث علی خاں قطب پور۔ (۲) مقصود النسا زوجہ چودھری رفیق اللہ خاں برلہ۔
اولاد عبدالقیوم خاں۔ (۱) محمد خاں زوجہ فاطمہ بیگم دختر عبدالواحد خاں برلہ زوجہ دوئم
یسین فاطمہ دختر حکیم مسیح الزماں خاں پرورہ (۲) امت اللہ زوجہ مسلم خاں برلہ۔
اولاد محمد خاں۔ دو پسران دو دختران کم سن آجکل مقیم قصبہ جلالی۔
اولاد ایدل خاں ابن خان جہاں خاں ابن محمد خاں۔ (۱) الو خاں زوجہ طیال پور
(۲) مٹھو خاں۔ **اولاد الو خاں**۔ تمیز النسا زوجہ غلام رسول خاں برلہ۔

اولاد بلّو خاں ۔ (۱) رحمت خاں زوجہ طیال پور لاولد (۲) فضل علی خاں زوجہ دختر پہاڑ خاں گکھر سے لاولد (۳) دختر زوجہ طیال پور ۔

شاخ سوئم

اولاد بہادر خاں ابن منگو خاں ۔ (۱) صلابت خاں (۲) غلامی خاں ۔

اولاد صلابت خاں ۔ (۱) شمشیر خاں ۔ (۲) صاحب خاں ۔

غلامی خاں ۔ شمشیر خاں ۔ صاحب خاں کے سلسلہ کا پتہ نہیں لگا ۔ غالباً یہ تینوں لاولد تھے یا برلہ میں ان کی اولاد میں کوئی باقی نہ رہا ۔

شاخ چہارم

اولاد مداری خاں ابن منگو خاں ۔ گھاسی خاں ۔

اولاد گھاسی خاں ۔ منگل خاں ۔

اولاد منگل خاں ۔ (۱) سردار خاں ۔ (۲) طاہر خاں لاولد ۔ **اولاد سردار خاں** (۱) ذوالفقار خاں زوجہ سہاور (۲) پیردل خاں (۳) جمعیت خاں (نام مشکوک) (۴) عاشور خاں

اولاد ذوالفقار خاں ۔ (۱) مریم زوجہ امام خاں برلہ (۲) حیات النساء زوجہ منگل خاں سرائے

اولاد پیردل خاں ۔ (۱) نعیم خاں (۲) طاہر خاں لاولد ۔ **اولاد نعیم خاں** ۔ جیون خاں زوجہ حبیب النساء دختر خان جمال خاں برلہ ۔ **اولاد جیون خاں** ۔ (۱) محمد حسین خاں زوجہ سراگجا دختر خواجہ علی خاں برلہ (۲) اوسو خاں زوجہ دختر جمال خاں چھپرہ لاولد (۳) فیضو خاں زوجہ بیوہ اوسو خاں لاولد (۴) سیف اللہ خاں زوجہ ہمشیرہ محمد علی خاں چھپرہ لاولد ۔ (۵) حبیب النساء زوجہ علی مردان خاں چھپرہ (۶) منظور النساء زوجہ کالے خاں سہاور

اولاد محمد حسین خاں ۔ حاجی حافظ قاری طاہر خاں لاولد ۔ سلسلہ پیردل خاں ختم ۔

اولاد جمعیت خاں ۔ نظام خاں ۔ **اولاد نظام خاں** ۔ رحم علی خاں زوجہ دختر سعادت خاں برلہ ۔ **اولاد رحم علی خاں** ۔ (۱) جگا بی بی زوجہ رحم اللہ خاں سرائے (۲) کبال فاطمہ زوجہ نور خاں ۔ **اولاد عاشور خاں** ۔ (۱) سید حسن خاں ۔ (۲) حسن خاں (۳) دختر زوجہ لامعلوم **اولاد سید حسن خاں** ۔ طالب خاں زوجہ دختر جمال خاں چھپرہ ۔ **اولاد طالب خاں** ۔ سعادت خاں ۔

اولاد سعادت خاں ۔ اکبر خاں زوجہ ہمشیرہ حاجی بیچلے خاں سسرا سے ۔ (۲) چھوٹے خاں زوجہ دختر یاد اللہ خاں بھرسولی ۔ (۳) غلام رسول خاں زوجہ تمیزاً دختر الوفا خاں برلہ ۔ (۴) رجب علی خاں (۵) ہمت خاں (۴ و ۵) نا کتخدا فوت ۔ (۶) (۷) (۸) تین دختران جو بھرسولی برلہ میں بیاہی گئیں ۔ **اولاد اکبر خاں** ۔ زینب زوجہ احمد حسین خاں باونہ ۔

اولاد غلام رسول خاں ۔ (۱) یعقوب خاں زوجہ دختر احمد سعید خاں بہیرہ (۲) ربیدہ زوجہ سعید خاں مرہسکے (۳) امت اللہ زوجہ سنبے خاں باونہ **اولاد یعقوب خاں** ۔ (۱) یوسف خاں زوجہ خانم ہلمہ دختر سنبے خاں باونہ (۲) یونس خاں ۔ **اولاد یوسف خاں** ۔ دو پسر ایک دختر ۔

اولاد حسن خاں ۔ ابن سردار خاں ۔ (۱) عنایت خاں (۲ لغایۃ ۶) پانچ دختران **اولاد عنایت خاں** ۔ (۱) عبد الحمید خاں زوجہ اول جنت النسا چھیرہ زوجہ دوئم فاطمہ چھیرہ (۲) محمد سعید خاں زوجہ دختر غلام خاں چھیرہ ۔ (۳) کفایت النسا زوجہ شاہ محمد خاں برلہ ۔ (۴) جنت النسا زوجہ ہدایت علی خاں کجھوری ۔

اولاد عبد الحمید خاں ۔ (۱) عبد الصمد خاں زوجہ دختر محمد علی خاں چھیرہ دخیل چھیرہ ۔ (۲) عبد الجمیل خاں زوجہ عدا امت المجیب دختر شاہ محمد خاں برلہ عدا۲ حامدہ دختر حاجی عبد الواسع خاں برلہ (۳) حامد خاں زوجہ اول دختر ابراہیم خاں سہاور زوجہ دوئم دختر محمد خاں برلہ (۴) حمیدہ زوجہ عبد الرشید خاں چھیرہ ۔ (۵) زہرا بیگم زوجہ عبد المتین خاں برلہ ۔

اولاد عبد الجمیل خاں ۔ (۱) نوح اللہ خاں زوجہ عمران فاطمہ دختر عبد الماجد خاں برلہ ۔ (۲) حکیم سمیع اللہ خاں پاکستان ۔ (۳) ہدایت النسا زوجہ یاسین خاں سراسے ۔

اولاد نوح اللہ خاں ۔ دو دختران ۔ **اولاد حامد خاں** ۔ (۱) زاہد خاں زوجہ اول دختر محمد خاں برلہ زوجہ دوئم دختر مختار خاں سراسے پاکستان ۔ (۲) شاہد خاں (۳) زید الحسن خاں ۔ (۴ لغایۃ ۷) چار دختران ۔ **اولاد محمد سعید خاں** ۔ (۱) مولوی حاجی عبد الله خاں دخیل چھیرہ ۔ (دیکھو شجرہ چھیرہ) (۲) عبد الحئی خاں زوجہ زہرہ دختر عبد الحمید خاں برلہ ۔ (۳) محمد خاں زوجہ دختر تمیز خاں عنایتی (۴) خلیل خاں زوجہ اصفیہ دختر عبد الحفیظ خاں برلہ پاکستان (۵) حبیب خاں زوجہ دختر عبد الصمد خاں چھیرہ پاکستان ۔

اولاد عبدالمتین خاں ۔ (۱) نورالعابدین خاں زوجہ دختر حاجی عبدالمجید خاں چھپرہ (۲) زین العابدین خاں زوجہ دختر حاجی عبدالمجید خاں چھپرہ ذیل چھپرہ ۔ (۳) پسر (۴) دختر ۔

اولاد نورالعابدین خاں ۔ (۱) نورالعارفین خاں (۲) شمس العارفین خاں (۳ و ۴) دختران ۔ **اولاد محمد خاں** ۔ (۱) سعیدالحسن خاں عرف جمن زوجہ دختر یامین خاں سرائے پاکستان ۔ (۲) دختر (۳) دختر ۔ **اولاد خلیل خاں** ۔ (۱) حکیم یونس خاں پاکستان (۲) دختر زوجہ معین الدین خاں سرائے (۳) دختر زوجہ حکیم حمیدالزماں خاں حسن پور ۔

اولاد حبیب خاں ۔ (۱) عبیدالرحمن خاں ۔ (۲) فصیح الرحمن خاں ۔ (۳) صبیح الرحمن خاں (۴) دختر (۵) دختر پاکستان ۔

شاخ پنجم برلہ میں ایک خاندان بی بی کرامت النسا کا تھا جن کی زمینداری اچھی خاصی تھی ۔ ان کے شوہر اور مورثوں کے نام معلوم نہ ہو سکے ۔ اُن کی لڑکی کی شادی عنبر کفو پٹھانان سکندرہ راؤ میں ہوئی ۔ اور اُن کے بیٹے چودھری رفیق اللہ خاں ہوئے ۔ جو جوان عمری میں چند روز عیش کر کے فوت ہو گئے ۔ چودھری رفیق اللہ خاں کے بیٹے محمد مسلم خاں ہیں جن کی شادی عبدالقیوم خاں برلہ کی دختر کے ساتھ ہوئی ۔ چودھری رفیق اللہ خاں اور مسلم خاں کے زمانہ منسوخی زمینداری سے بہت قبل زمینداری ختم ہو گئی ۔

چودھری رفیق اللہ خاں کی شادی مقصود النساء دختر اللہ یار خاں برلہ کے ساتھ ہوا ۔ چودھری رفیق اللہ خاں کے انتقال کے بعد مقصود النساء نے دوسرا نکاح مصطفےٰ خاں برلہ کے ساتھ کر لیا ۔ چودھری رفیق اللہ خاں کی تین بہنیں تھیں ۔ ایک کی شادی طبال پور میں ہوئی ۔ اور ان کے بیٹے محمد خاں پولیس میں ملازمت کی حالت میں لاپتہ ہو گئے ۔ دوسری بہن کی شادی نواکے شروانی پٹھان خاندان میں حاجی خاں (عرف سیتلے حاجی خاں) کے ساتھ ہوئی ۔ تیسری کی شادی عمر خاں بھوری کے ساتھ ہوئی ۔ یہ خاندان شروانیوں میں گھل مل گیا ۔ سیتلے حاجی خاں کے چار بیٹے ہوئے یعنی (۱) شفیق اللہ خاں (۲) صالح خاں (۳) حامد خاں (۴) شمس الرحمن خاں ۔ شفیق اللہ خاں کی زوجہ دختر عبدالستار خاں چھپرہ کی تھیں ۔ دوسری زوجہ طبال پور کی ہیں ۔ شفیق اللہ خاں معہ خاندان پاکستان میں ہیں ۔

ان کے تین بیٹے ہیں یعنی عتیق اللہ خاں ۔ قمر الغنی خاں اور ایک جسکا نام نہیں معلوم ۔ صالح خاں اپنے لڑکے احمد نبی خاں کے ساتھ بھاموں میں رہتے ہیں ۔ جہاں حمدی خاں کی شادی ہوئی ۔ صابر خاں مع اپنے خاندان کے بدلہ میں ۔ شمس الرحمٰن خاں کی شادی طبال پور میں ہوئی اور اب وہ پاکستان میں ہیں ۔

۲۰ ۔ سرائے

یہ موضع برلہ کا مزرعہ ہے مگر آبادی دونوں جگہ کی متصل اور ایک دوسرے کے قریب ہے جیسا کہ نام سے معلوم ہوتا ہے ۔ اسلامی عہد میں کبھی بسایا گیا ۔ مگر یہاں ہندو عہد کی کوئی پرانی آبادی تھی ۔ کیوں کہ راقم الحروف نے موسم برسات میں راستہ درمیانی سے مٹی بہہ جانے کے بعد پرانے زمانے کی بہت بڑی پختہ اینٹیں دیکھی ہیں ۔ یہاں ایک شکستہ مندر گوسائیوں کا تھا ۔ اور اب تک وہ گوسائیں خاندان آباد رہے ہے ۔ اس کی آبادی سے قریب جانب شمال مغرب گنج شہیداں ہے ۔ جہاں کئی ایک شہدا کے مزار ہیں ۔ یہ نہیں معلوم کس زمانے کے ہیں ۔ اس سے آگے او موضع مدالپور کے قریب ایک پرانا کھیڑا ہے جہاں پرانی آبادی کے نشانات ہیں ۔ اس کی تاریخ پر پردہ پڑا ہوا ہے ۔ اور جب تک کہ یہ کھودا نہ جائے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جا سکتی ۔ یہ بحث کہ برلہ اور سرائے کے پٹھان یک جدی ہیں یا علیحدہ علیحدہ او پر درج کی گئی ہے ۔ اور دکھایا گیا ہے کہ ان دونوں کے مورث ایک قول کے مطابق صفات خاں تھے اور اسی بات پر دونوں مواضعات میں سنہ ۱۸۲۰ء کے لگ بھگ مقدمہ بازی رہی ۔ اور زمینداری متعلقہ دونوں مواضعات میں تقسیم ہوئی ۔

واللہ اعلم بالصواب !

شجرہ ۔ مورث اعلیٰ سرائے کا نام صفات خاں کے بعد معلوم نہیں ہو سکا ۔ ان کی اولاد میں محمد شریف خاں اور نصرت خاں ہوئے ۔

شاخ اول

اولاد محمد شریف خاں ۔ (۱) شہباز خاں (۲) دختر

اولاد شہباز خاں ۔ (۱) جیون خاں ۔ (۲) قطب النسا

زوجہ کالے خاں سرا ہے۔ **اولاد جیون خاں** ۔ (۱) عبدالشکور خاں زوجہ لطیف النساء دختر علی محمد خاں برلہ ۔ زوجہ ثانی غیر کفو رامپور ریاست ۔ (۲) سعید خاں زوجہ اولین حاجی نجیبے خاں دخیل سرائے زوجہ دویم دختر غلام رسول خاں برلہ ۔ (۳) حافظ عبدالعزیز خاں زوجہ غیر کفو کیرے (۴) نور فاطمہ زوجہ ہادی یار خاں چھترہ ۔ **اولاد عبدالشکور خاں** ۔ (۱) بیتر فاطمہ زوجہ حاجی حافظ فقیر اللہ خاں سرائے (۲) عبدالغفور خاں زوجہ دختر عبدالحکیم خاں چھترہ پاکستان (۳) سمیع الزماں خاں زوجہ دختر سلیمان خاں برلہ پاکستان ۔ (۴) محمد زماں خاں دخیل بھوپال ۔ (۵) از نکاح دویم دختر زوجہ غلام محمد خاں قائم گنج پاکستان ۔ (۲) کلیم الرحمٰن خاں بی ۔ اے پاکستان زوجہ غیر کفو بجے پور ۔

اولاد عبدالغفور خاں ۔ (۱) قمر الزماں خاں پاکستان ۔ (۲) دختر زوجہ حافظ حفیظ اللہ خاں سرائے ۔ **اولاد سمیع الزماں خاں** ۔ (۱) وضیع الزماں خاں زوجہ دختر شعیب خاں برلہ ۔ (۲) دختر زوجہ عزیز الرحمٰن خاں برلہ (۳) دختر ۔

اولاد محمد زماں خاں ۔ (۱) پسر (۲) و (۳) دختران **اولاد محمد سعید خاں** ۔ (۱) مولوی مسیح اللہ خاں زوجہ دختر ننھے خاں باورنہ ۔ (۲) سمیع اللہ خاں زوجہ دختر یوسف خاں سرائے ۔ (۳) انیسہ خاتون زوجہ مولوی خلیل احمد خاں عرف پیارے میاں قطب پور علی گڑھ دخیل پاکستان ۔ **اولاد مولوی مسیح اللہ خاں** ۔ دو پسران دو دختران کم سن ۔ **اولاد سمیع اللہ خاں** ۔ (۱) رضی اللہ خاں کم سن دو دختران کم سن ۔ **اولاد حافظ عبدالعزیز خاں** ۔ ایک پسر ایک دختر دخیل علی گڑھ ۔

نور فاطمہ دختر جیون خاں کے بیٹے مصلح الدین خاں چھترہ کی شادی امت القدیر دختر نوازش علی خاں سرائے کے ساتھ ہوئی ۔ اُن کا بیٹا معین الدین خاں ہے جس کی شادی دختر خلیل خاں برلہ کے ساتھ ہوئی ۔ معین الدین خاں کی والدہ اور اُن کا خاندان (زوجہ ۔ ایک بیٹا حسام الدین خاں ایک بیٹی اب پاکستان مغربی میں جا بسے)

شاخ دویم

اولاد نصرت خاں ۔ (۱) شہراب خاں (۲) محراب خاں (۳) عبداللہ خاں زوجہ صبیح بیگم دختر مصطفیٰ خاں چھترہ ۔

(۴) محمد خاں زوجہ حنیفاً دختر بھیکن خاں چھرہ۔ (۵) جھبو خاں لاولد۔ زوجہ پھوپی احمد حسین خاں
باونہ۔ **اولاد شہراب خاں** ۔ (۱) گل خاں پ سنہ ۱۸۰۰ء زوجہ حیات النساء دختر ذوالفقار خاں
برلہ۔ **اولاد گل خاں** ۔ (۱) حاجی سرفراز خاں مصنف شروانی نامہ کے نانا زوجہ شکور النساء
دختر امام خاں برلہ۔ (۲) حاجی خاں زوجہ شبیر النساء دختر خواجہ علی خاں برلہ مصنف شروانی نامہ کے
دادا۔ (۳) جمعیت خاں زوجہ عـ۱ اسعصوباً دختر عمر خاں برلہ زوجہ دویم سراجاً ہمشیرہ بھیکن خاں بلونہ۔
(۴) ہدایت اللہ خاں زوجہ عـ۱ کلثوباً دختر حافظ نور خاں برلہ زوجہ عـ۲ دختر کالے خاں سراسے۔
اولاد حاجی سرفراز خاں ۔ (۱) سرور فاطمہ زوجہ حافظ عبدالحی خاں سراسے راقم الحروف
کی والدہ (۲) مغفور النساء زوجہ بدیع الزماں خاں برلہ (۳) عبدالملک خاں زوجہ مریم دختر عبدالستار خاں
برلہ۔ **اولاد عبدالملک خاں** ۔ (۱) حبیب الرحمٰن زوجہ اعجازی بیگم دختر حاجی عبدالواسع خاں
برلہ (۲) شفیع الرحمٰن خاں زوجہ دختر محمد خاں برلہ۔ (۳) بشریٰ بیگم کم سن فوت (۴) حفیظہ بیگم
زوجہ حکیم نور احمد خاں برلہ دخیل جلالی۔ (۵) اختری بیگم زوجہ یامین خاں سراسے۔
اولاد حبیب الرحمٰن خاں ۔ (۱) فاروق احمد خاں پاکستان (۲) شہیر احمد خاں فوت
ناکتخدا جوان ۔ (۳) شبیب نصرت خاں (۴) بسیر احمد خاں۔ (۵) ملکوتی بیگم
زوجہ غیر کفو پاکستان **اولاد شفیع الرحمٰن خاں** ۔ (۱) مسعود الرحمٰن خاں کم سن۔
(۲ - ۳ - ۴) دختران کم سن۔ **اولاد حاجی خاں** ۔ (۱) حافظ عبدالحی خاں زوجہ سرور فاطمہ
دختر حاجی سرفراز خاں سراسے۔ (۲) عبدالغنی خاں زوجہ عـ۱ فاطمہ دختر وارث علی خاں چھرہ
زوجہ عـ۲ نور فاطمہ دختر عبدالصمد خاں سراسے۔
اولاد حافظ عبدالحی خاں ۔ (۱) پسر فوت ناکتخدا (۲) دختر کم سن۔ (۳) حاجی محمد عباس خاں
مصنف شروانی نامہ (۴) زبیدہ بیگم زوجہ یامین خاں سراسے۔ (۵) والدہ حاجی الیاس حسن خاں
زوجہ امۃ القدیر بیوہ صلاح الدین خاں چھرہ لاولد۔ **اولاد حاجی محمد عباس** (۱) نورجہاں بیگم زوجہ
محمد اویس خاں برلہ (۲) دختر کم سن فوت (۳) عنایت احمد خاں کم سن فوت۔
اولاد عبدالغنی خاں ۔ (۱) یامین خاں زوجہ زبیدہ بیگم دختر حافظ عبدالحی خاں سراسے
زوجہ دویم اختری بیگم دختر عبدالملک خاں سراسے۔ (۲) عثمان خاں زوجہ [illegible] بیگم دختر

عبدالواحد خاں برلہ زوجہ ۲ دختر نوازش علی خاں برلہ پاکستان (۳) امت الودود زوجہ فراہیم خاں عنایتی پاکستان۔ **اولاد یامین خاں** ۔ (۱) یاسین خاں زوجہ اول ہدایت النساء دختر عبدالجلیل خاں برلہ۔ زوجہ دوم دختر حاجی غلام مجتبےٰ خاں برلہ پاکستان۔ (۲) حافظ شمس العارفین خاں پاکستان زوجہ دختر عثمان خاں سرائے۔ (۳) ولایت خاں (۴) دختر اشوی زوجہ بسیر محمد خاں برلہ پاکستان **اولاد شمس العارفین خاں** ۔ سراج العارفین کم سن فوت **اولاد عثمان خاں** ۔ (۱) لقمان خاں زوجہ دختر عبدالقہار خاں برلہ۔ (۲) دختر زوجہ حافظ شمس العارفین خاں سرائے۔ (۳) دختر صفدر زوجہ زاہد خاں برلہ (۴) دختر کشور پاکستان۔ **اولاد یاسین خاں** ۔ (۱) دختر زبدۃ الرحمٰن (۲) ناصر عباس خاں (۳) منصور عباس خاں پاکستان **اولاد جمعیت خاں** ۔ ابن گل خاں عرف موٹے میاں از نکاح اول (۱) وفاتی خاں زوجہ رحمت النساء دختر ہدایت اللہ خاں سرائے (۲) از نکاح دوم عبدالجبار خاں زوجہ فخر النساء دختر ہدایت اللہ خاں سرائے (۳) دختر ناکتخدا فوت **اولاد وفاتی خاں** ۔ (۱) فضل الرحمٰن خاں ناکتخدا فوت (۲) محبن امت المغنی زوجہ حاجی عبدالسلام خاں برلہ دخیل سرائے۔ (۳) عبدالمنان خاں زوجہ امانت فاطمہ دختر عبدالجبار خاں۔ (۴) امت السمیع زوجہ مجیب الرحمٰن خاں سرائے۔

اولاد عبدالمنان خاں ۔ (۱) اخلاص احمد خاں زوجہ دختر [illegible] اللہ خاں گھونہ۔ (۲) عفیفہ خاتون زوجہ سمیع اللہ خاں سرائے۔ (۳) نہرا احمد خاں (۴) سعیدہ خاتون زوجہ نعیم انوار [illegible] خاں [illegible] قطب پور۔ علی گڑھ۔ **اولاد اخلاص احمد خاں** ۔ پسر کم سن فوت۔ **اولاد سعیدہ خاتون** ۔ (۱) پسر کم سن۔ (۲) دختر کم سن۔ **اولاد عبدالجبار خاں** ۔ (۱) مجیب الرحمٰن خاں زوجہ امت السمیع دختر وفاتی خاں سرائے۔ (۲) امانت فاطمہ زوجہ عبدالمنان خاں سرائے **اولاد ہدایت اللہ خاں** ۔ ابن گل خاں ۔ (۱) از نکاح اول رحمت النساء زوجہ وفاتی خاں سرائے (۲) از نکاح اول فخر النساء زوجہ عبدالجبار خاں سرائے۔ (۳) از نکاح دوم حشمت اللہ خاں زوجہ کنیز فاطمہ دختر عبدالرزاق خاں سرائے فوت جوان العمر لاولد۔

(۴) عظمت اللہ خاں فوت ناکتخدا۔ (۵) محیط اللہ خاں زوجہ بیوہ حشمت اللہ خاں (۶) امت العتیق زوجہ امانت اللہ خاں سرائے۔

اولاد محیط اللہ خاں ۔ (۱) مطیع اللہ خاں زوجہ عفیفہ خاتون دختر عبدالمنان خاں (۲) اطیع اللہ خاں زوجہ محمدی بیگم دختر امانت اللہ خاں سرائے۔ **اولاد مطیع اللہ خاں** دختر۔ **اولاد اطیع اللہ خاں** ۔ پسر کم سن۔

شاخ سوم

اولاد محراب خاں ابن نصرت خاں ۔ (۱) کالے خاں زوجہ قطب النساء دختر شہباز خاں سرائے۔ (۲) دختر عرف بڑی بوا۔ **اولاد کالے خاں** ۔ وارث علی خاں ۔ زوجہ نوازا دختر مداری خاں کناوہ۔ (۲) نوازش علی خاں زوجہ کبیر النساء دختر علی رضا خاں سرائے۔ (۳) دختر زوجہ ہدایت اللہ خاں سرائے۔ (۴) دختر زوجہ بھکین خاں باونہ۔

اولاد وارث علی خاں (۱) حلیم النساء زوجہ خلیل خاں پردہ دھنیل سرائے۔ (۲) قلیم النساء زوجہ شفیق اللہ خاں بھوری۔ (۳) ایوب خاں ناکتخدا فوت۔ (۴) زہرہ زوجہ سمیع اللہ خاں کناوہ

اولاد خلیل خاں دھنیل سرائے حاجی ضیاء الرحمن خاں۔

اولاد ضیاء الرحمن خاں ۔ پسران ۳ و دختران چار۔ **اولاد نوازش علی خاں** ۔ (۱) امانت اللہ خاں زوجہ امت العتیق دختر ہدایت اللہ خاں سرائے۔ (۲) اعانت اللہ خاں زوجہ امت الحیٔ دختر سلیمان خاں برلہ۔ (۳) نعمت اللہ خاں ناکتخدا فوت۔ (۴) امت القدیر زوجہ مصلح الدین خاں چھبرہ لبدۂ مولوی حاجی الیاس خاں سرائے۔ **اولاد امانت اللہ خاں** ۔ محمدی بیگم زوجہ اطیع اللہ خاں سرائے۔ **اولاد اعانت اللہ خاں** ۔ (۱) امین الرحمن خاں (۲) فرید الرحمن خاں۔ (۳) دختر۔ **اولاد امین الرحمن خاں** ۔ دو پسران۔

اولاد فرید الرحمن خاں ۔ دو دختران۔

شاخ چہارم

اولاد محمد خاں ابن نصرت خاں ۔ (۱) قادر خاں زوجہ مریم دختر شاہ دل خاں چھبرہ لاولد۔ (۲) علی رضا خاں زوجہ دختر رجب علی خاں کھیرسہ۔ (۳) خدایار خاں زوجہ بی النساء دختر مداری خاں سرائے

(۴) منیر النساء زوجہ عبدالرحمٰن خاں چھپرہ (۵) سلیم النساء زوجہ حافظ عبداللہ خاں چھپرہ۔
اولاد علی رضا خاں ۔ (۱) عبدالصمد خاں زوجہ ہدایت النساء دختر عبداللہ خاں چھپرہ۔
(۲) احمد سعید خاں زوجہ دختر عبداللہ خاں چھپرہ ۔ (۳) عبدالرزاق خاں زوجہ نظیر النساء دختر
خدایار خاں سراے ۔ (۴) عبداللطیف خاں زوجہ دختر عبداللہ خاں چھپرہ ۔ (۵) کبیر النساء
زوجہ نوازش علی خاں سراے ۔ **اولاد عبدالصمد خاں** ۔ (۱) یوسف خاں زوجہ
ہدایت النساء دختر حبیب اللہ خاں پردرہ ۔ (۲) نور فاطمہ زوجہ عبدالحق خاں سراے ۔
اولاد یوسف خاں ۔ (۱) محمد عمر خاں زوجہ   برلہ (۲) دختر زوجہ
پردرہ ۔ (۳) دختر زوجہ سمیع اللہ خاں سراے ۔
اولاد محمد عمر خاں ۔ (۱) دختر (۲) پسر فوت کم سن ۲ دختران کم سن
اولاد احمد سعید خاں ۔ خلیل خاں عرف کلن خاں لاولد ۔ **اولاد عبدالرزاق خاں** کنیز فاطمہ
زوجہ حشمت اللہ خاں بیوہ محیط اللہ خاں سراے ۔

شاخ پنجم

اولاد عبداللہ خاں ابن نصرت خاں ۔ حافظ مداری خاں
زوجہ دختر جہاں خاں چھپرہ ۔
اولاد مداری خاں ۔ (۱) کریم اللہ خاں زوجہ دختر حضور محمد خاں طبال پور لاولد ۔ (۲) رحیم اللہ خاں
زوجہ چھگانی بی دختر رحیم علی خاں برلہ ۔ (۳) نبی النساء زوجہ خدایار خاں سراے ۔ (۴) علی النساء
زوجہ اللہ یار خاں برلہ ۔ **اولاد رحیم اللہ خاں** ۔ (۱) حمیداً زوجہ محمد خاں کھیرسہ (۲)
رفیع اللہ خاں زوجہ جنت خاتون دختر رحمت اللہ خاں کناوہ ۔ (۳) رفیق النساء زوجہ قطب الدین خاں
کھیرسہ ۔ (۴) صدیق النساء زوجہ حبیب الرحمٰن خاں پردرہ ۔ (۵) محمودا عرف رکھوٗنی بی زوجہ
حاجی عبدالرحمٰن خاں برلہ ۔ **اولاد رفیع اللہ خاں** ۔ (۱) شفیع اللہ خاں زوجہ عابدہ خاتون
دختر عبدالقہار خاں برلہ ۔ (۲) دختر مدینہ خاتون
اولاد شفیع اللہ خاں ۔ (۱) فصیح اللہ خاں ۔ (۲) پسر (۳) پسر کم سن فوت ۔
(۴ ـ ۵ ـ ۶) دختران ۔

شاخ ششم

اولاد حاجی یحییٰ خاں ۔ جمیل سراے زوجہ دختر بدرالدین خاں

کھیرسہ (۱) دختر زوجہ سعید خاں سرائے (۲) حافظ حاجی فقیر اللہ خاں زوجہ انیۃ فاطمہ دختر عبدالشکور خاں سرائے - **اولاد حاجی** حافظ فقیر اللہ خاں (۱) حافظ حفیظ اللہ خاں زوجہ دختر عبدالغفور خاں سرائے -

اولاد حاجی حفیظ اللہ خاں (۱) دختر زوجہ کھیرسہ (۲) پسر - (۳) دختر -

۲۲ - پردرہ

ہم نے اوپر دکھایا ہے کہ اس موضع کے شروانی پٹھان کئی ایک مواضعات میں جا کر آباد ہوئے - یہاں کا سلسلہ اور مکمل شجرہ ہم کو نہیں مل سکا - جو نام معلوم ہوسکے ذیل میں درج ہیں - اس شجرہ میں کچھ لا معلوم نام درج نہیں ہیں اس سے سہنرہ اور قطب پور کے شجرہ پر روشنی پڑتی ہے -

شاخ اول

مورث سعادت خاں ابن الہ دین خاں (الہ دین خاں کے والد کا نام معلوم نہ ہوسکا)

اولاد سعادت خاں - (۱) بادل خاں زوجہ دختر ہمت خاں بہرام پور - (۲) شکور النسا زوجہ شادل خاں گھونہ (۳) رحیم داد خاں (۴) کاسے خاں زوجہ دختر ہمت خاں بہرام پور

اولاد بادل خاں - (۱) دختر زوجہ پاسو خاں گھونہ خیل پردرہ - (۲) احمدی بیگم زوجہ عبدالمجید خاں بردلی - (۳) حبیب اللہ خاں زوجہ دختر کاسے خاں پردرہ - (۴) دختر زوجہ حبیب اللہ خاں - (۵) دختر زوجہ قطب علی خاں گھونہ (۶) دختر زوجہ عنایت خاں بردلی -

اولاد پاسو خاں - کلن خاں ناکتخدا فوت جوان العمر - **اولاد حبیب اللہ خاں** - (۱) دختر اعجازی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں - (۲) ہدایت النسا زوجہ یوسف خاں سرائے -

اولاد رحیم داد خاں - (۱) عبداللطیف خاں زوجہ صغیرا دختر نذیر خاں چھچرہ (۲) علی النسا زوجہ عبدالعلیم خاں لبدہٗ عبدالجلیل خاں برلہ (۳) ولی النسا زوجہ عبدالکریم خاں برلہ

اولاد عبداللطیف خاں - عبدالصمد خاں زوجہ دختر عبدالجلیل خاں برلہ -

اولاد عبدالصمد خاں - (۱) دختر - (۲) محمد خاں -

اولاد کالے خاں ۔ (۱) عبدالجلیل خاں زوجہ محمدی بیگم دختر فدایار خاں سراسے لاولد (۲) علی احمد خاں زوجہ عنایت خاں بیروں لاولد ۔ (۳) دختر زوجہ حبیب اللہ خاں پریرہ ۔

شاخ دوم مورث نصرت خاں جو سعادت خاں مندرجہ بالا شاخ اول کے دادا کے بھائی تھے ۔ **اولاد نصرت خاں** ۔ مصطفےٰ خاں زوجہ الٹوا د بہرام پور ۔ **اولاد مصطفےٰ خاں** ۔ شاہ دل خاں زوجہ ہمشیرہ خواجہ علی خاں بھر سولی ۔

اولاد شاہ دل خاں ۔ (۱) دختر زوجہ زین العابدین خاں بریرہ (۲) عبدالواحد خاں (۳) دختر زوجہ امام خاں برلہ ۔ **اولاد عبدالواحد خاں** ۔ (۱) علی مردان خاں زوجہ نیازی دختر علی رضا خاں طیال پور ۔ (۲) حسن رضا خاں زوجہ دختر محمد خاں بھر سولی ۔ (۳) جیون بی بی زوجہ غلام قادر خاں کناوہ ۔ (۴) احمد رضا خاں زوجہ سراج النسا دختر محمد خاں بھر سولی ۔

اولاد علی مردان خاں ۔ (۱) کلثوم زوجہ حفیظ خاں کناوہ ۔ (۲) ادریس خاں زوجہ خاتون دختر چھوٹے خاں طیال پور ۔ (۳) رقیہ زوجہ عبدالحفیظ خاں کناوہ ۔

اولاد حسن رضا خاں ۔ (۱) حبیب الرحمٰن خاں زوجہ دختر رحیم اللہ خاں سراسے ۔ (۲) عبدالرحمٰن خاں ۔ (۳) فضل الرحمٰن خاں ۔ (۴) حبیب فاطمہ ۔ **اولاد حبیب الرحمٰن خاں** (۱) امان فاطمہ زوجہ یونس خاں بھر سولی ۔ (۲) نیاز فاطمہ زوجہ حاجی ضیاء الرحمٰن خاں پریرہ ضلع سراسے

اولاد احمد رضا خاں ۔ (۱) خلیل خاں زوجہ حلیمہ دختر وارث علی خاں سراسے ۔ (۲) الیاس خاں زوجہ عباسی دختر رحیم اللہ خاں کناوہ ۔ (۳) عبدالجبار خاں زوجہ نذیرا دختر عبدالغفور خاں بھر سولی ۔ (۴) عبدالستار خاں زوجہ نجم اللہ خاں کناوہ ۔

اولاد خلیل خاں ۔ (۱) حاجی ضیاء الرحمٰن خاں زوجہ نیاز فاطمہ دختر حبیب الرحمٰن خاں پریرہ ۔ (۲) جمیل الرحمٰن خاں (۳) عرف ننھے خاں (۴) دختر زوجہ نوراللہ خاں دھنساری (۵) دختر ۔ **اولاد الیاس خاں** ۔ اسلام احمد خاں ۔ **اولاد عبدالستار خاں** ۔ (۱) ابراہیم خاں ۔ (۲) فراہیم خاں ۔

شاخ سوم **اولاد اصالت خاں مورث** (۱) وزیر النسا زوجہ نجف خاں گھونہ ۔ (۲) کمان بی بی زوجہ غلام نبی خاں گھونہ (۳) رضیا زوجہ

یعقوب خاں گھونہ (۴) صاحب النسا زوجہ علی رضا خاں پرورہ (۵) مرتضےٰ خاں زوجہ دختر بدھو خاں پرورہ دخیل سنہرہ ۔ (۶) خیر النسا زوجہ مداری خاں پرورہ ۔ (۷) یوسف خاں

اولاد مرتضےٰ خاں ۔ (۱) صدیقاً زوجہ عبدالعزیز خاں عرف شیراتی خاں پرورہ (۲) دوست محمد خاں زوجہ دختر ہدایت اللہ خاں سہادرہ دخیل سنہرا ۔

اولاد دوست محمد خاں ۔ (۱) امۃ الرب زوجہ عبدالمتین خاں گھونہ (۲) امۃ الرحمٰن زوجہ عبداللطیف خاں سہادرہ (۳) امۃ الغنی زوجہ عثمان خاں گھونہ (۴) عزیز محمد خاں زوجہ دختر عبدالستار خاں کناوہ دخیل سنہرا ۔ **اولاد یوسف خاں** ۔ (۱) دختر زوجہ کریم داد خاں گھونہ (۲) دختر زوجہ نور اللہ خاں گھونہ (۳) فقیر اللہ خاں زوجہ اللہ بخشی دختر عمر خاں برلہ

اولاد فقیر اللہ خاں ۔ (۱) عزیز الرحمٰن خاں زوجہ اول درانشت فاطمہ دختر شیراز خاں گھونہ زوجہ دوم طاہرہ بیگم دختر حنیف خاں قطب پور ۔ (۲) عبدالغفار خاں زوجہ ۱ دختر نور اللہ خاں گھونہ زوجہ ۲ اکرام فاطمہ دختر عبدالرزاق خاں برلہ لاولد ۔ **اولاد عزیز الرحمٰن خاں** ۔ از نکاح اول (۱) امان الرحمٰن خاں زوجہ دختر عبدالباقی خاں گھونہ دخیل گھونہ ساکن سنگھ ۔ (۲) محفوظ الرحمٰن خاں زوجہ منور فاطمہ دختر عبدالمتین خاں گھونہ دخیل گھونہ (۳) عنایت الرحمٰن خاں ۔ (۴) از نکاح دوم نبی الرحمٰن خاں ۔

شاخ چہارم

نام مورث نامعلوم ۔ ان کے چار بیٹے ہوئے ۔ (۱) اختیار خاں (۲) مختار خاں ۔ (۳) دیندار خاں ۔ (۴) بخش اللہ خاں ۔

اولاد اختیار خاں ۔ (۱) لیاقت خاں دخیل قطب پور ۔ (۲) قایم خاں زوجہ ہمشیرہ شادل خاں دھنساری ۔ **اولاد قایم خاں** ۔ (۱) جیون بی بی زوجہ اللہ وردی خاں قطب پور ۔ (۲) چھٹا بی بی زوجہ محمد خاں قطب پور (۳) مداری خاں زوجہ اصالت خاں پرورہ ۔

اولاد مداری خاں ۔ (۱) ولی محمد خاں زوجہ دختر سہراب خاں برلہ لاولد (۲) عبدالعزیز خاں عرف شیراتی خاں زوجہ ۱ صدیقاً دختر مرتضےٰ خاں پرورہ سنہرا ۔ زوجہ ۲ دختر کالے خاں کھیسہ ۔ **اولاد عبدالعزیز خاں** ۔ (۱) رقیہ زوجہ صالح خاں برلہ ۔ (۲) نجیب فاطمہ زوجہ عبدالکفیل خاں چھرہ ۔ (۳) شمیم فاطمہ زوجہ پسر اعظم خاں کھجوری ۔ (۴) محمود خاں

زوجہ دختر محمود خاں جھیرہ ۔ (۵) حکیم سمیع الزماں خاں دختر محمود خاں جھیرہ ۔
اولاد حکیم سمیع الزماں خاں ۔ (۱) پسر اولاد **بخش اللہ خاں** ۔ (۱) عزیز اللہ خاں زوجہ دختر مداری خاں بہرام پور ۔ (۲) عبد اللہ خاں زوجہ ہمشیرہ احمد خاں سہاور ۔
اولاد عزیز اللہ خاں ۔ (۱) ہدایت اللہ خاں ۔ (۲) کفایت اللہ خاں زوجہ ۱ دختر علی محمد خاں برلہ زوجہ ۲ دختر بخش اللہ خاں ۔ (۳) عبد الحمید خاں زوجہ کھموری ۔
اولاد کفایت اللہ خاں ۔ (۱) لطافت اللہ خاں زوجہ کنیز فاطمہ بردلی (۲) عنایت اللہ خاں
اولاد عبد الحمید خاں ۔ عبد النعیم خاں زوجہ مجو خاں کھموری ۔ **اولاد عبد اللہ خاں** ۔ (۱) حضور النسا یا وحید النسا زوجہ عنایت خاں طیال پور ۔

شاخ پنجم مورث کا نام نہیں معلوم ان کے دو بیٹے ہوئے ۔ (۱) جمال خاں (۲) کمال خاں ۔ **اولاد جمال خاں** ۔ (۱) علی محمد خاں زوجہ غیر کفو ۔ (۲) دلاور خاں زوجہ غیر کفو ۔ (۳) حبیب خاں نا کتخدا فوت ۔
اولاد علی محمد خاں ۔ (۱) رجب علی خاں (۲) فضل علی خاں ۔ (۳) ننھے خاں ۔ (۴) جمیل خاں لاولد (۵) مجید خاں لاولد ۔ **اولاد فضل علی خاں** ۔ (۱) حمید خاں ۔ (۲) حنیف خاں ۔ **اولاد حمید خاں** ۔ (۱) حبیب خاں ۔ (۲) حفیظ خاں ۔ (۳) جمیل خاں (۴) وحید خاں ۔ **اولاد حنیف خاں** ۔ شفیق خاں ۔ **اولاد دلاور خاں** ۔ (۱) حضور محمد خاں ۔ (۲) عوض خاں ۔ (۳) جعفر خاں ۔ **اولاد حضور محمد خاں** ۔ (۱) نور خاں (۲) ظہور خاں ۔ **اولاد نور خاں** ۔ دختر

نوٹ ۔ یہاں عنایت خاں حضور پیوان رہتے تھے جو سروانی برادری میں ہر دلعزیز تھے ہم کی چولوں کا دعوے سے رفت فاتح لڑتے تھے ۔ مگر افسوس ہے کہ ہم ان کے شجرہ پر روشنی نہیں ڈال سکے ان کے مرثال کے نام نہیں معلوم ہو سکے وہ دتاولی میں بھی سکونت رکھتے تھے ۔

۳۳ ۔ قطب پور

قطب پور میں جو کالی ندی کے کنارے آباد ہے خدا تعالے نے کچھ ایسی قوت جاذبہ

رکھی ہے کہ باہر سے کئی ایک شروانی خاندان یہاں آکر آباد ہوئے اور یہاں زمینداری
اور کھیتکاری کاشت حاصل کی۔ مکانات تعمیر کرائے۔ رؤسا بے دتاولی نے نیل سازی
کی کوٹھی تعمیر کرائی۔ مگر اب یہ موضع شروانی پٹھانوں سے قریب قریب خالی ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ یہاں کے پٹھانوں کی شاخیں جداگانہ ہیں۔ اگرچہ آپس میں شادی بیاہ ہوتے
رہے۔ جو نام معلوم ہو سکے وہ ذیل میں درج ہیں۔

شاخ اول | مورث یاسین خاں ابن اعتبار خاں جو پروہ سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ اولاد یاسین خاں۔ (۱) الہ وردی خاں
(۲) محمد خاں لاولد۔ (۳) خان زماں خاں لاولد۔ (۴) ہمت خاں (۵) دختر (۶) دختر۔

اولاد الہ وردی خاں۔ (۱) جہان علی خاں (۲) قطب علی خاں (۳) حنیف خاں (۴)
اسماعیل خاں۔ (۵) فرخندہ بیگم زوجہ رحیم داد خاں پیرزادہ۔ (۶) دختر زوجہ وارث علی خاں قطب پور

اولاد جہان علی خاں۔ (۱) احمد رضا خاں (۲) عبدالعلیم خاں۔ (۳) عبدالقدیر خاں
لاولد۔ **اولاد احمد رضا خاں۔** (۱) رفیع اللہ خاں زوجہ دختر اسماعیل خاں بیرام پوری
(۲) ننھی بیگم زوجہ نور اللہ خاں برولی۔ **اولاد عبدالعلیم خاں۔** ننھے خاں۔

اولاد قطب علی خاں۔ (۱) عبدالحلیم خاں۔ (۲) عبدالحق خاں۔ (۳) فاروق خاں (۴)
دختر زوجہ بھاموں۔ **اولاد عبدالحلیم خاں۔** (۱) شفیق خاں (۲-۳-۴) پسران۔

اولاد عبدالحق خاں۔ دو پسران۔ اولاد فاروق خاں۔ پسر۔

اولاد حنیف خاں۔ (۱) نیاز احمد خاں زوجہ دختر امانت اللہ خاں سسباور (۲) امت العزیز
زوجہ صالح خاں برلہ۔ (۳) طاہرہ بیگم زوجہ عزیز الرحمٰن خاں پروہ۔

اولاد اسماعیل خاں۔ ننھے خاں۔ اولاد ننھے خاں۔ پسر۔

اولاد ہمت خاں۔ (۱) فاطمہ بیگم زوجہ عبدالرزاق خاں برلہ۔ (۲) کنیز فاطمہ زوجہ حنیف خاں
قطب پور۔

شاخ دوئم | اولاد وارث علی خاں جو ... سے یہاں آکر آباد ہوئے۔
(۱) امت اللہ زوجہ عبدالغنی خاں سسرا ... راقم الحروف کی چچی

(۲) خاتون زوجہ حافظ عبدالواحد خاں برلہ ۔ (۳) ننھی بیگم زوجہ عبدالقیوم خاں برلہ (۴) عبدالصمد خاں

اولاد عبدالصمد خاں ۔ جو سہاور کو واپس چلے گئے ۔ عبدالوارث خاں عبدالصمد خاں کی شادی امت الہادی دختر مولوی شمس الدین خاں اور بعدہٗ ان کی دوسری دختر امت الخالق کے ساتھ ہوئی ۔ وارث علی خاں کو یہاں ہر جائداد اُن کے پھوپھا خان زمان خاں سے ملی ۔ جو لاولد اور ایک ثلث قطب پور کے مالک تھے ۔

شاخ سوم | **اولاد دستگیر خاں** ۔ جو بھوری سے آکر یہاں آباد ہوئے
(۱) حاجی عبدالرشید خاں (۲) ماسٹر عبدالعلیم خاں دخیل کھیڑہ (۳) سلیم خاں (۴) عبدالمجید خاں ۔

اولاد حاجی عبدالرشید خاں ۔ دختر [illegible] ۔ **اولاد عبدالعلیم خاں** دخیل کھیڑہ ۔ (۱) ماشاء اللہ خاں ۔ (۲) انشاء اللہ خاں ۔ **اولاد سلیم خاں** ۔ حبیب خاں دخیل بھوری

اولاد عبدالمجید خاں ۔ شفیع الرحمن خاں دخیل بھوری ۔

شاخ چہارم | **اولاد شوکت علی خاں** ۔ [illegible] کنادہ
شوکت علی خاں کنادہ سے قطب پور [illegible] ۔

(۱) عبدالجلیل خاں زوجہ احمدی بیگم دختر سمیت علی خاں بہرہ جو قطب پور سے علی گڑھ میں [illegible] ۔ (۲) شفیع النساء زوجہ ابراہیم خاں دخیل قطب پور ۔ (۳) حاجی عبدالجلیل خاں زوجہ شاہدہ بیگم دختر حاجی فیض احمد خاں شادی عبدالجلیل خاں قطب پور سے علی گڑھ [illegible] ۔ (۴) ذکیہ بیگم زوجہ خیراتی خاں کنادہ دخیل قطب پور ۔ (۵) منیرہ بیگم زوجہ حاجی عبدالعزیز خاں [illegible] ۔

اولاد عبدالجلیل خاں ۔ حافظ صبیح الدین [illegible] زوجہ [illegible] بیگم [illegible] شادی زوجہ بنت النساء بیگم دختر حاجی عبدالجلیل خاں [illegible] ۔

اولاد حافظ صبیح الدین خاں ۔ (۱) [illegible] خاں [illegible] زوجہ [illegible] دختر عبد [illegible] خاں زوجہ بنت [illegible] دختر سعید خاں [illegible] بہرہ [illegible] (۳) حاجی سعید احمد [illegible] دخیل بہرہ زوجہ [illegible] فاطمہ دختر احمد سعید خاں بہرہ زوجہ [illegible] بیگم زوجہ بنت مظہر احمد خاں بہرہ [illegible] ۔ **اولاد حاجی عبدالجلیل خاں** (۱) [illegible] بیگم زوجہ [illegible]

(۲) دختر زوجہ خوشنود جلیل احمد خاں ۔ (۳) خلیل احمد خاں زوجہ بلقیس بیگم دختر خلیل علی گرڈھ دختر عباس علی خاں ڈھولنہ۔ **اولاد خلیل احمد خاں** ۔ (۱) پر جبیں سلطانہ بیگم (۲) آصف سلطانہ بیگم۔ اولاد حاجی **جلیل احمد خاں** ۔ (۱) پسر (۲) دختر پاکستان۔

اولاد حاجی سعید احمد خاں۔ (۱) پسر نا کتخدا فوت ۔ (۲) پسر عرف "للہ"

اولاد خیراتی خاں ۔ ابن نور خاں کنارہ خیل قطب پور ۔ (۱) نور محمد خاں زوجہ مسعودہ بیگم دختر عبد الصمد خاں ۔۔ خیل تھیرہ پاکستان ۔ (۲) اولیس خاں ۔ (۳) دختر زوجہ شفیع الرحمٰن خاں ۔۔۔ (۴) دختر بیگم زوجہ یونس خاں تھیرہ ۔ (۵) اولاد ۔۔ بیگم زوجہ یونس خاں تھیرہ۔

اولاد نور محمد خاں ۔ پسر پاکستان۔

۔۔۔ ۔۔۔ خیر محمد خاں ۔۔ دختر زاد اولاد ۔۔ سے اکہ قطب پور میں ہے۔

اولاد نفیس احمد خاں ۔ نیاضی بیگم زوجہ شفیع الرحمٰن خاں بر ہرہ۔

۲۴ - بہرام پور

اولاد مبین خاں ۔ (نام صاف نہیں ہے) ابن شہباز خاں ابن سیدہ علی خاں ابن ملک معظم خاں مورث اعلیٰ ۔ (۱) خدا بخش خاں ۔ (۲) یوسف خاں ۔

اولاد خدا بخش خاں ۔ (۱) ہادی خاں (۲) بہادر خاں ۔ (۳) خواجہ علی خاں۔

شاخ اول | (۴) ہمت خاں ۔ (۱) و (۲) و (۳) کے بابت معلوم نہ ہو سکا کہ آیا سلسلہ منقطع ہو گیا یا اولاد کے کیا نام تھے ۔)

اولاد ہمت خاں ۔ (۱) محمد خاں ۔ (۲) ارادت خاں (۳) دختر (۴) حسن رضا خاں (۵) علی رضا خاں ۔ **اولاد محمد خاں** ۔ محمد شریف خاں ۔

اولاد محمد شریف خاں ۔ رجب علی خاں ۔ **اولاد رجب علی خاں** ۔ (۱) فیاض خاں (۲) ابراہیم خاں ۔ (۳) حافظ اسمٰعیل خاں پاکستان ۔ **اولاد ارادت خاں** ۔ (۱) سعد اللہ خاں (۲) ہدایت اللہ خاں ۔ (۳) انشاء اللہ خاں ۔ (۴) کالے خاں ۔

اولاد حسن رضا خاں ۔ دو دختران ۔ **اولاد علی رضا خاں** ۔ ایک دختر۔

اولاد ... خاں۔ (۱) پسر (نام صاف نہیں ہے) لاولد

شاخ دوم (۲) رفیق اللہ خاں۔ **اولاد رفیق اللہ خاں۔** (۱) داؤد خاں۔ (۲) رحیم بی بی زوجہ ... خاں مقیم عنایتی۔ **اولاد داؤد خاں۔** (۱) بخش اللہ خاں (۲) علی محمد خاں۔ (۳ و ۴) دختران۔ **اولاد بخش اللہ خاں۔** (۱) شکور اللہ خاں (۲) غفور اللہ خاں لاولد (۳) ظہور اللہ خاں (۴) نور اللہ خاں۔ **اولاد شکور اللہ خاں۔** (۱) مذکور اللہ خاں (۲) احمد اللہ خاں لاولد۔ اولاد مذکور اللہ خاں۔ تین پسران تین دختران۔

اولاد ظہور اللہ خاں۔ (۱) حکیم محمد صالح خاں دخیل علی گڑھ۔ (۲ و ۳) دختران۔

اولاد نور اللہ خاں۔ (۱) محمد یوسف خاں (۲) صابر خاں (۳) ذاکر خاں (۴) عابد خاں۔ (۵ و ۶) دختران۔ **اولاد عابد خاں۔** محفوظ احمد خاں۔

اولاد علی محمد خاں۔ (۱) محمد ... خاں ... (یا کوئی دوسرا موضع) (۲) عزیز فاطمہ۔ (۳) امینہ فاطمہ (۴) حبیب فاطمہ (۵) بشیر فاطمہ۔

نوٹ۔ یہاں ظہور اللہ خاں اور نور اللہ خاں کی وجہ سے ایک زمانہ میں بڑی رونق تھی۔ ظہور اللہ خاں کو طب میں دخل تھا۔ اور لوگوں کو تعویذ وغیرہ دیتے تھے۔ نور اللہ خاں قرب و جوار میں گھوڑوں کی تجارت اور گھوڑوں کی نسل کشی میں مشہور تھے۔ مگر اب یہ حالت ہو کر ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

۲۵- کھیسر

اس موضع کا مکمل شجرہ نہیں معلوم ہو سکا۔ نہ مورث اعلیٰ کا نام اور نہ ان کی اولاد کے پورے نام اور نہ ان کے باہمی رشتے معلوم ہو سکے۔ جو نام معلوم ہو سکے وہ ذیل میں اس خیال سے درج کئے جاتے ہیں کہ تھوڑے دن میں یہ بھی لا پتہ ہو جائیں گے۔

(۱) بادل خاں (۲) شاہ دل خاں (۳) ... (۴) ... (۵) بخش اللہ خاں زوجہ دختر داؤد خاں اٹوا (۶) ... خاں ... خاں۔

اولاد شاہ دل خاں۔ (۱) عیوض خاں ... (۲) اکبر خاں

اولاد عیوض خاں ۔ (۱) حضور محمد خاں زوجہ دختر کالے خاں کھیرے۔ (۲) احمد رضا خاں زوجہ دختر صاحب داد خاں ذیل چھپرہ۔ **اولاد حضور محمد خاں** ۔ (۱) شیراز خاں زوجہ دختر علی مردان خاں کھیرے ۔ **اولاد احمد رضا خاں** ۔ (۱) محمد خاں زوجہ سیدآ دختر رحم اللہ خاں سراسے ۔ (۲) عبدالستار خاں زوجہ دختر ہادی یار خاں ذیل شاہ جہاں آباد۔ (۳) عبدالرشید خاں زوجہ دختر علی مردان خاں کھیرے ۔ **اولاد اکبر خاں** ۔ (۱) قطب علی خاں زوجہ بہادر ۔ (۲) افضل خاں زوجہ دختر عیوض خاں کھیرے ۔ (۳) رجب علی خاں ۔

اولاد قطب علی خاں ۔ دو پسر نام لامعلوم ۔ ایک دختر۔ **اولاد افضل خاں** ۔ (۱) محمد شریف خاں ۔ (۲) پسر ۔ (۳) دختر زوجہ محمود خاں کھیرے ۔ (۳) دختر زوجہ تراب خاں شاہجہاں آباد ۔ (۴) دختر زوجہ بہرام پور ۔ (۵) دختر زوجہ احمد یار خاں چھپرہ ۔

اولاد بخشش اللہ خاں ۔ (۱) بدرالدین خاں زوجہ دختر اکبر خاں کھیرے ۔

اولاد بدرالدین خاں ۔ (۱) شمس الدین خاں زوجہ دختر علی مردان خاں برلہ (۲) کمال بی بی زوجہ حاجی بیکے خاں سراسے ۔ (۳) دختر زوجہ علی رضا خاں کھیرے ۔ (۴) قطب الدین خاں زوجہ دختر چاند خاں کھیرے ۔ بیوہ دختر رحیم اللہ خاں سراسے ۔ (۵) احمد سعید خاں ۔

اولاد شمس الدین خاں ۔ (۱) عبدالحکیم خاں (۲) پسر ۔

اولاد قطب الدین خاں ۔ (۱) نصیر اللہ خاں زوجہ دختر محمد خاں کھیرے ۔ (۲) حکیم اللہ خاں زوجہ دختر قطب علی خاں کھیرے ۔ **اولاد ننھے خاں** ۔ (۱) علی رضا خاں زوجہ دختر بخشش اللہ خاں کھیرے ۔ (۲) حجت خاں زوجہ دختر بخشش اللہ خاں کھیرے ۔ (۳) ظہور اللہ خاں ناکتخدا فوت ۔ **اولاد کالے خاں** ۔ (۱) ارادت خاں (۲) ہدایت خاں (۳) کفایت اللہ خاں (۴) لہراسپ خاں (۵) محمود خاں ۔ **اولاد حجت خاں** ۔ (۱) غفور اللہ خاں دختر وزیر محمد خاں کھیرے (۲) نور اللہ خاں زوجہ کھیرے ۔ (۳) دختر زوجہ وزیر محمد خاں عرف بھیو خاں کھیرے ۔

ماسٹر عبدالحکیم خاں کھیروی سے بیان کیا اپنی سسرال میں آباد ہوئے ۔ ان کے لڑکے نثار اللہ خاں ۔ الفت اللہ خاں ہیں ۔

علی مردان خاں پیال ۔ کھیرے آور د اور خوشحال پٹھانوں میں تھے ۔

۳۶۔ قصبہ سہاور ضلع ایٹہ

جیسا کہ ہم نے اوپر کتاب کے حصہ دوم کے آخر میں عرض کیا ہے سہاور کے پٹھانوں کا مندرجہ ذیل شجرہ اس لحاظ سے نامکمل ہے کہ اس میں اولاد اناث اور ذود گان کے بہت سے نام چھوٹ گئے ہیں۔ یہ شجرہ اس بڑے شجرہ سے نقل کیا گیا جو چودھری عبدالقیوم خاں صاحب سے ملا۔ چودھری عبدالواحد خاں اور دیگر حضرات سے بھی مدد لی گئی۔ اگر اس میں کچھ نادانستہ فروگذاشتیں ہوں تو ناظرین معاف کریں۔ چونکہ اس شجرے کے مندرجہ مورث اعلیٰ کے بعد ماشاءاللہ یہاں کے پٹھان خاندان میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کے بعض خاندان باوجود یک جدی ہونے کے ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ اور زمانہ موجودہ کے اصحاب کو اپنے پردادا کے نام تک یاد نہیں۔ ان کے تفصیلی حالات تو کیا۔ بہرحال یہی غنیمت ہے کہ اتنے نام اس ناچیز کتاب کے ذریعہ محفوظ ہو جائیں گے۔ آئندہ کا علم عالم الغیب والشہادۃ کو ہے۔

ہم نے اس شجرہ میں یہ ترتیب رکھی ہے کہ مورث کے بعد آخر تک ایک ایک شاخ کے نام لے لئے ہیں۔ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ معمولی طرز میں لکھنے میں بہت طوالت تھی۔

شاخ فیروز خاں
خاندان چودھری نوراللہ خاں

مورث اعلیٰ ملک مغیث خاں تھے ان کے دو بیٹے ہوئے (۱) فیروز خاں اور (۲) مصطفےٰ خاں۔ فیروز خاں کی اولاد بہت پھیلی پھولی۔

اولاد فیروز خاں ۔ (۱) بخشن خاں۔ (۲) جوہر خاں (۳) رحمن خاں لاولد (۴) علی خاں (۵) گدائی خاں (۶) مسکین خاں۔

اولاد بخشن خاں ۔ فرید خاں۔ **اولاد فرید خاں** ۔ جھجو خاں۔ **اولاد جھجو خاں** (۱) بشارت خاں۔ (۲) کمال خاں لاولد۔ (۳) نصرت خاں۔ **اولاد بشارت خاں** ۔ بیجا خاں لاولد۔ **اولاد نصرت خاں** ۔ (۱) عمر خاں لاولد۔ (۲) علیم اللہ خاں (۳) ہادی خاں۔

اولاد علیم اللہ خاں ۔ (۱) بخشی خاں لاولد۔ (۲) خواجہ علی خاں (۳) امام خاں زوجہ دختر

قادر داد خاں کھوری۔ **اولاد خواجہ علی خاں** ۔ (۱) محمد علی خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ حلیمہ خاتون دختر امام خاں سہاور (۲) علی محمد خاں زوجہ دختر نصیب خاں کناوہ ۔ (۳) دختر زوجہ خاں زماں خاں بھیکم پور۔ **اولاد محمد علی خاں** ۔ (۱) چودھری نور اللہ خاں و ۱۹۱۱ء زوجہ جمال فاطمہ دختر غازی الدین خاں کھوری۔ (۲) ظہور اللہ خاں زوجہ دختر علی محمد خاں سہاور (۳) دختر زوجہ اول محمد تقی خاں حبیب گنج ۔ (۴) دختر زوجہ [illegible]

اولاد نور اللہ خاں ۔ (۱) عزیز اللہ خاں زوجہ اول محمودہ بیگم [illegible] تقی خاں حبیب گنج زوجہ دوم رابعہ بیگم دختر حاجی فیض احمد خاں دتاولی ۔ (۲) امۃ الحفیظ بیگم زوجہ [illegible] بہادر خلیل الرحمن خاں بھیکم پور ۔ (۳) عبد الحمید خاں و ۱۳۶۸ھ زوجہ [illegible] نور فاطمہ دختر حاجی [illegible] خاں دھولپہ لاولد ۔ (۴) محمد شعیب خاں زوجہ اول فاطمہ بیگم دختر حاجی عبد الرشید خاں بھیکم پور ۔ زوجہ دوم مدینہ خاتون دختر عبد الغفور خاں بھیکم پور ۔ **اولاد عزیز اللہ خاں** ۔ (۱) از نکاح اول احمد اللہ خاں بی اے زوجہ رضیہ بیگم دختر نواب صدر یار جنگ حاجی حبیب الرحمن خاں حبیب گنج ۔ (۲) از نکاح دوم انوار اللہ خاں عرف اقبال میاں زوجہ انعام فاطمہ دختر محمد شعیب خاں سہاور لاولد ۔ (۳) انوار خاتون زوجہ [illegible] خاں دتاولی [illegible] ۔ **اولاد احمد اللہ خاں** ۔ (۱) ممتاز علی خاں عرف احمد میاں بی اے زوجہ [illegible] چوہان خاندان سہسوان ۔ (۲) محمد اللہ خاں عرف [illegible] میاں (۳) [illegible] خاتون زوجہ غلام جیلانی خاں عرف اعجاز میاں بی اے دادوں ۔ (۴) دختر ۔ **اولاد محمد شعیب خاں** ۔ (۱) اکرام فاطمہ زوجہ [illegible] بہادر حاجی عبید الرحمن خاں حبیب گنج (۲) انعام فاطمہ زوجہ اقبال میاں سہاور ۔ **اولاد ممتاز علی خاں** عرف احمد میاں [illegible] اللہ خاں ۔ **اولاد ظہور اللہ خاں** ۔ [illegible] خاتون زوجہ کفایت علی خاں سہاور ۔

اولاد امام خاں ابن عظیم اللہ خاں ۔ حلیمہ خاتون زوجہ محمد علی خاں سہاور جن کے بطن سے نور اللہ خاں ظہور اللہ خاں [illegible] ۔ **اولاد علی محمد خاں** ۔ (۱) [illegible] خواجہ [illegible] خاں (۲) کلثوم النساء زوجہ ظہور اللہ خاں سہاور (۳) غفور اللہ خاں زوجہ [illegible] بیگم اشتیاق [illegible] خاں کھوری ۔

شاخ فیروز خاں
خاندان عظیم اللہ خاں

اولاد غفور اللہ خاں ۔ (۱) عظیم اللہ خاں زوجہ امۃ [illegible] [illegible] خاں دتاولی (۲) مجتبیٰ خاں و ۱۳۴۱ھ زوجہ [illegible]

دختر منیر احمد خاں سہاور (۳) باشار اللہ خاں ۔ زوجہ دختر منیر احمد خاں سہاور (۴)
بخشی بیگم زوجہ حافظ رحمت خاں ڈھولنہ ۔

اولاد عظیم اللہ خاں ۔ (۱) عمر دراز خاں زوجہ دختر شفیع الرحمٰن خاں عرف شفیع اللہ خاں سہاور (۲) انیسہ بیگم زوجہ سبط علی خاں سہاور ۔ (۳) فہمیدہ بیگم زوجہ اول سبط علی خاں بعدہٗ زوجہ دوئم عبدالواحد خاں سہاور ۔ **اولاد مجتبیٰ خاں** ۔ (۱) عابدہ خاتون زوجہ عبدالحلیم خاں مومن نگلہ ۔ (۲) منزی بیگم زوجہ انیس الرحمٰن خاں سہاور (۳) غلام مصطفیٰ خاں زوجہ دختر عبداللہ خاں ٹنڈولی ۔ (۴) باسط اللہ خاں پاکستان ۔

اولاد باشار اللہ خاں ۔ قدسیہ خاتون زوجہ حکیم الیاسین خاں سہاور ۔

اولاد غلام مصطفیٰ خاں ۔ پسر ۔ **اولاد ہادی داد خاں ابن نصرت خاں** ۔ (۱) غلام علی خاں ۔ (۲) منو خاں زوجہ جیادو بی بی کھجوری ۔ (۳) انور خاں (۴) دلکش خاں دخیل ٹنڈولی (۵) کالے خاں زوجہ عقیدہ النساء دختر جیون خاں بیرلہ ۔ (۶) قطب الدین خاں ۔

اولاد غلام علی خاں ۔ (۱) سہراب خاں (۲) ناصر علی خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ عالیہ جیون بی بی دختر کالے خاں کھجوری ۔ (۳) نصیب خاں (۴) بخشی النساء زوجہ اکبر خاں بن حیات خاں کھجوری ۔ **اولاد سہراب خاں** ۔ (۱) علی مردان خاں زوجہ منیر النساء دختر محمود خاں لناوہ (۲) دقاقی خاں زوجہ دختر محمد علی خاں سہاور ۔ (۳) علی حسین خاں (۴) نبیا زوجہ اشرف خاں کنونی ۔ (۵) مریم زوجہ ظہور احمد خاں بھیکم پور ۔ (۶) مشرف النساء زوجہ دوندے خاں ڈھولنہ (۷) بلاقا بی بی زوجہ رحمت خاں ڈھولنہ ۔ **اولاد علی مردان خاں** ۔ (۱) علی احمد خاں زوجہ واجدہ دختر ظہور احمد خاں بھیکم پور (۲) ولی احمد خاں زوجہ سکینہ بیگم دختر غلام قادر خاں ٹنڈولی

اولاد علی احمد خاں ۔ (۱) منیر احمد خاں زوجہ اقلیمہ بیگم دختر غازی الدین خاں کھجوری ۔ (۲) حامدہ الہادی زوجہ فضل الرحمٰن خاں ڈھولنہ ۔

شاخ فیروز خاں خاندان منیر احمد خاں

اولاد منیر احمد خاں ۔ (۱) رعنایہ خاتون زوجہ مجتبیٰ خاں سہاور (۲) دختر زوجہ باشار اللہ خاں سہاور (۳) شبیر احمد خاں زوجہ عابدہ بیگم دختر ایوب خاں مومن نگلہ ۔

اولاد شبیر احمد خاں ۔ (۱) مشیر احمد خاں زوجہ سعاد فاطمہ دختر حاجی عیسیٰ خاں دتاولی ۔ (۲) ضمیر احمد خاں ۔ (۳) دختر زوجہ جعفر علی خاں بلونہ کھبوری ۔ (۴) دختر زوجہ اسلام اللہ خاں بلونہ ۔ **اولاد ولی احمد خاں** ۔ (۱) ارشاد احمد خاں (۲) شفیع احمد خاں (۳) نذیر احمد خاں ۔ (۴) دختر زوجہ نبی احمد خاں ٹنڈولی ۔ **اولاد شفیع احمد خاں** ۔ (۱) عزیز احمد خاں (۲) حبیب احمد خاں ۔ **اولاد عزیز احمد خاں** ۔ (۱) نسیم احمد خاں (۲) حسین احمد خاں ۔ (۳) شبیہ احمد خاں (۴) فرید احمد خاں (۵) سعید احمد خاں

اولاد نذیر احمد خاں ۔ (۱) منظور احمد خاں (۲) شافیہ بیگم زوجہ عبد اللہ خاں ٹنڈولی ۔

خاندان ناصر علی خاں

اولاد ناصر علی خاں ابن غلام علی خاں ابن ہادی داد خاں منظہر علی خاں عرف نجو خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ عزیز النساء دختر گدا حسین خاں کھبوری ۔ **اولاد نصیب خاں** ابن غلام علی خاں ۔ (۱) غوث محمد خاں زوجہ دختر حاجی حسن علی خاں ٹنڈولی ۔ (۲) قمر علی خاں ۔

شاخ فیروز خاں
خاندان غوث محمد خاں
حمایت علی خاں
کفایت علی خاں وغیرہ

اولاد غوث محمد خاں ۔ (۱) ولایت علی خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ جنت فاطمہ ہمشیرہ ہادی یار خاں دادوں ۔ (۲) حمایت علی خاں شہید ۱۸۵۷ء زوجہ عفت فاطمہ ہمشیرہ ہادی یار خاں دادوں (۳) کفایت علی خاں و ۱۸۹۵ء زوجہ محبوبہ خاتون دختر ظہور اللہ خاں سہاور ۔ **اولاد ولایت علی خاں** ۔ خاتون زوجہ عبد الرشید خاں سہاور دخیل دادوں ۔ **اولاد حمایت علی خاں** ۔ عبد الرشید خاں دخیل دادوں زوجہ خاتون دختر حمایت علی خاں سہاور ۔ **اولاد کفایت علی خاں** ۔ (۱) عزیز الرحمٰن خاں زوجہ ماجدہ بیگم دختر محمد شریف خاں رکہالہ ۔ (۲) عبد المعید خاں زوجہ امت الرقیب دختر قمر علی خاں گیتونیا (۳) سلیمان خاں زوجہ قیصر جہاں ہمشیرہ محمد انس خاں رحیم خلیل علی گڑھ (۴) سید علی خاں و ۱۹۳۲ء زوجہ انیسہ بیگم بیوہ نصیحہ بیگم دختر عظیم اللہ خاں سہاور (۵) عبد الواحد خاں زوجہ اول صابرہ بیگم دختر مسیح اللہ خاں ڈھولنہ ۔ زوجہ دوم نصیحہ بیگم دختر عظیم اللہ خاں سہاور ۔

اولاد عزیز الرحمٰن خاں ۔ (۱) مجیب الرحمٰن خاں (۲) ڈاکٹر جمیل الرحمٰن خاں زوجہ دختر
حبیب اللہ خاں سہاور ۔ (۳) مولوی حمید الرحمٰن خاں (۴) حبیب الرحمٰن خاں (۵)
حامد الرحمٰن خاں ۔ (۶) سعید الرحمٰن خاں

اولاد ڈاکٹر جمیل الرحمٰن خاں ۔ محبوب الرحمٰن خاں ۔ **اولاد عبد المجید خاں** (۱)
معروف الرحمٰن خاں (۲) عارف الرحمٰن خاں (۳) انیس الرحمٰن خاں ۔

اولاد عارف الرحمٰن خاں ۔ (۱) محمود عارف خاں (۲) انیس عارف خاں ۔

اولاد سبط علی خاں ۔ آمنہ خاتون زوجہ حافظ علی خاں سہاور ۔

اولاد عبد الواجد خاں ۔ (۱) حافظ علی خاں زوجہ آمنہ خاتون دختر سبط علی خاں
(۲) اصغر علی خاں وفات ۱۹۵۲ء (۳) محفوظ علی خاں فوت جوان ۱۹۵۳ء (۴) عبد الاحد خاں
(۵) ناصر علی خاں (۶) مظہر علی خاں (۷) اکبر علی خاں (۸) عبد العلی خاں (۹) دختر زوجہ سعید الزماں خاں
حسن پور پاکستان ۔ **اولاد منور خاں ابن ہادی داد خاں ابن نصرت خاں**
(۱) شاہ محمد خاں ۔ (۲) نور خاں ۔ **اولاد شاہ محمد خاں** ۔ (۱) اعظم خاں (۲) امجد علی خاں
زوجہ نذیر النساء دختر غلام مرتضےٰ خاں باؤنہ ۔ **اولاد اعظم علی خاں** ۔ (۱) یعقوب خاں (۲)
یونس خاں ۔ (۳) اکرام اللہ خاں ۔ **اولاد یعقوب خاں** ۔ (۱) نعمت خاں ۔ (۲) دختر زوجہ
شمس الضحےٰ خاں ... **اولاد نعمت خاں** ... عطاء اللہ خاں ۔ (۲) رفعت اللہ خاں

شاخ فیروز خاں **خاندان حکیم الیاس خاں** **سمیع اللہ خاں**	**اولاد امجد علی خاں** (۱) اتفاق خاں زوجہ حامدہ العزیز دختر حاجی مغفور اللہ خاں باؤنہ (۲) حکیم الیاس خاں زوجہ بتول فاطمہ دختر حاجی مغفور اللہ خاں باؤنہ (۳) امۃ العلیم زوجہ مولوی ظفر حسن خاں باؤنہ ۔ **اولاد حکیم الیاس خاں** ۔ (۱) حکیم الیاسین خاں زوجہ قدسیہ خاتون

دختر احسان اللہ خاں سہاور (۲) آل یاسین خاں فوت جوان عمر ۱۹۲۷ء ۔ بے دو از زوجہ خاندانی
(۳) ابو العاص خاں (۴) اخلاص خاں (۵) دختر زوجہ ... از زوجہ غیر کفو ساکنہ بٹیالی ۔
اولاد نور خاں مغفور اللہ خاں ۔ **اولاد مغفور اللہ خاں** ۔ (۱) علیم اللہ خاں (۲) سمیع اللہ خاں (۳) دختر زوجہ ذکاء اللہ خاں
دختیل نشد شدا ۔

اولاد سمیع اللہ خاں ۔ صنعت اللہ خاں ۔ **اولاد صنعت اللہ خاں** ۔ (۱) ضیاء اللہ خاں (۲) رضاء اللہ خاں ۔ (۳) ثناء اللہ خاں ۔ **اولاد انور خاں** ۔ ابن ہادی داد خاں ۔ احمد خاں جنکا سلسلہ منقطع ہوگیا ۔

شاخ فیروز خاں
خاندان دانش خاں

اولاد دانش خاں ۔ ابن ہادی داد خاں ۔ (دانش خاں کبھی سہاور میں رہے کبھی ٹنڈولی میں ۔ ان کی اولاد دونوں جگہ تقسیم ہوئی ۔) دانش خاں کی زوجہ اصالت خاں ٹنڈولی کی بیٹی تھیں ۔ (۱) حفیظ محمد خاں ۔ (۲) فیض محمد خاں ۔ (۳) غلام رسول خاں ۔ (۴) غلام محمد خاں ۔ (۵) غلام قادر خاں ۔ (۶) غلام نبی خاں زوجہ دختر عوض خاں ٹنڈولی ۔ (۷) سبکین خاں ذخیل ٹنڈولی ۔ **اولاد حفیظ محمد خاں** ۔ (۱) حافظ عبدالرحمٰن خاں ۔ (۲) عبدالباقی خاں ۔ (۳) عبداللہ خاں زوجہ دختر شیر [illegible] خاں رکھالہ (۴) دختر کنیز فاطمہ زوجہ نصیر اللہ خاں کناوہ ۔ **اولاد عبدالباقی خاں** ۔ عبدالہادی خاں ۔ **اولاد عبداللہ خاں** ۔ (۱) امان اللہ خاں ۔ (۲) رضوان اللہ خاں ۔ (۳) عرفان اللہ خاں (۴) دختر زوجہ شاکر خاں برہرہ ۔ **اولاد فیض محمد خاں** ۔ (۱) فیض احمد خاں ذخیل قطب پور (۲) صدیق احمد خاں زوجہ اسرار فاطمہ دختر قمر علی خاں کناوہ

اولاد فیض احمد خاں ۔ دختر زوجہ شفیع الرحمٰن خاں برہرہ ۔

اولاد صدیق احمد خاں ۔ (۱) تصدیق احمد خاں ۔ (۲) تفویض احمد خاں (۳) دختر زوجہ فرخ زماں خاں حسن پور ۔ **اولاد غلام نبی خاں** ۔ مذکور اللہ خاں ذخیل ٹنڈولی ۔

خاندان مذکور اللہ خاں
شریف خاں
ایوب خاں

(مذکور اللہ خاں کی اولاد کے لیے دیکھو شجرہ ٹنڈولی) (۲) مطلوب فاطمہ زوجہ ولی محمد خاں ۔

اولاد سبکین خاں ذخیل ٹنڈولی محمد شریف خاں جو ٹنڈولی سے رکھالہ میں چلے گئے ۔ اور اُن کے بیٹے ایوب خاں وہاں سے موہن نگلہ میں جا بسے ۔ ہادی داد خاں کے پسران کالے خاں ۔ قطب الدین خاں کا سلسلہ نسل غالباً منقطع ہوگیا ۔ یا ہم کو معلوم نہ ہوسکا ۔

اولاد داؤد خاں پسر چہارم نصرت خاں ابن پیچھو خاں ۔ (۱) سرور خاں (۲) الف خاں

اولاد الف خاں ۔ (۱) ہمت خاں ۔ (۲) شجاعت خاں ۔

اولاد ہمت خاں ۔ (۱) مردان خاں لاولد ۔ (۲) شجاعت خاں زوجہ علیا دختر عیوض خاں کھوری ۔ (۳) دلاور خاں زوجہ کریا کناوہ ۔

اولاد سخاوت خاں ۔ (۱) صفدر خاں ۔ (۲) علی احمد خاں ۔

اولاد صفدر خاں ۔ شفیق خاں ۔ **اولاد علی احمد خاں** ۔ عبدالحیٔ خاں ۔

اولاد دلاور خاں ۔ (۱) ولی محمد خاں زوجہ کلثوما دختر علائی خاں کناوہ ۔ (۲) نور خاں ۔ (۳) محمد رضا خاں ۔ (۴) احمد رضا خاں زوجہ دختر بھیکن خاں مشتاولی ۔

خاندان نورہو خاں

اولاد علی خاں پسر فیروز خاں ابن ملک منیث خاں ۔ (۱) مصاحب خاں ۔ (۲) حسین خاں ۔ (۳) نورہو خاں ۔

اولاد مصاحب خاں ۔ رسول خاں ۔ **اولاد رسول خاں** ۔ مکھن خاں ۔

اولاد مکھن خاں ۔ مظفر خاں ۔

خاندان بلند خاں اول چوک والے

اولاد مظفر خاں ۔ بلند خاں اول (جن کے نام سے محلہ چوک بلند خاں ہے)

اولاد بلند خاں اول ۔ عظیم اللہ خاں ۔

اولاد عظیم اللہ خاں ۔ (۱) قطب علی خاں زوجہ ہمشیرہ عبدالرحمٰن خاں بھاول (۲) وارث علی خاں ۔ **اولاد قطب علی خاں** ۔ طفیل احمد خاں زوجہ دختر لقی خاں سپادہ

اولاد طفیل احمد خاں ۔ (۱) کفیل احمد خاں ۔ (۲) جمیل احمد خاں ۔ (۳) علی اوسط خاں

اولاد کفیل احمد خاں ۔ (۱) رحمت کمال خاں ۔ (۲) فضیل احمد خاں ۔ (۳) عقیل احمد خاں

اولاد وارث علی خاں ۔ دخل قطب پور عبدالصمد خاں جو پھر سہاورہ واپس آ گئے ۔ (دیکھو شجرہ قطب پور) **اولاد عبدالصمد خاں** ۔ عبدالوارث خاں ۔

اولاد عبدالوارث خاں ۔ (۱) عبدالباسط خاں ۔ (۲) فرید احمد خاں ۔

اولاد حسین خاں ابن علی خاں ابن فیروز خاں ۔ خضر خاں ۔

اولاد خضر خاں ۔ پسر اسم نامعلوم ۔ اولاد پسر خضر خاں ۔ (۱) اللہ داد خاں ۔
اولاد اللہ داد خاں ۔ عالم شیر خاں ۔ (۲) طالعور خاں ۔ اولاد عالم شیر خاں ۔ (۱)
خیراتی خاں ۔ (۲) پسر اسم نامعلوم لاولد ۔ اولاد خیراتی خاں ۔ ننھے خاں ۔
اولاد ننھے خاں ۔ (۱) عبدالغفار خاں (۲) عبدالجبار خاں ۔
اولاد نود ہو خاں ابن علی خاں ابن فیروز خاں ۔ شیر خاں ۔ اولاد شیر خاں (۱)
حاجب خاں ۔ (۲) شادی خاں ۔ اولاد حاجب خاں ۔ جہادم خاں ۔
اولاد جہادم خاں ۔ رحمت خاں ۔ اولاد شادی خاں ۔ بہجو خاں ۔
اولاد بہجو خاں ۔ (۱) محمد زماں خاں ۔ (۲) شیر زماں خاں ۔ (۳) عیوض خاں
(۴) تاج خاں ۔ اولاد محمد زماں خاں ۔ علی رضا خاں ۔ اولاد علی رضا خاں (۱)
امداد علی خاں زوجہ حمیدا دختر غوث علی خاں کنادہ ۔ اولاد امداد علی خاں ۔ (۱) انعام اللہ خاں
(۲) دختر زوجہ زاہد خاں کنادہ اولاد انعام اللہ خاں ۔ (۱) امداد احمد خاں ۔ (۲) سلامت اللہ
خاں ۔ (۳) نعیم اللہ خاں ۔ اولاد نعیم اللہ خاں ۔ انعام کبریا خاں ۔
اولاد تاج خاں ۔ (۱) اکبر خاں ۔ (۲) مرتضٰے خاں ۔ اولاد اکبر خاں (۱) ولایت علی خاں
(۲) سبحان علی خاں ۔ اولاد مرتضٰے خاں ۔ (۱) غلام نبی خاں ۔ (۲) فضل نبی خاں (۳)
دختر زوجہ علی احمد خاں بھوری ۔
اولاد جوہر خاں پسر فیروز خاں ۔ گداسی خاں ۔ روشن خاں پسر فیروز خان لاولد

شاخ فیروز خان
خاندان گدائی خان

اولاد گدائی خاں پسر فیروز خاں (۱) جاناں خاں (۲) سبحان خاں
اولاد جان خاں ۔ علی شیر خاں ۔ اولاد علی شیر خاں ۔ (۱)
جمشید خاں ۔ (۲) ننھے خاں ۔ اولاد جمشید خاں شمشیر خاں
اولاد شمشیر خاں ۔ (۱) علم شیر خاں لاولد (۲) فضل شیر خاں ۔ (۳) کرم شیر خاں (۴)
رحیم شیر خاں ۔ اولاد فضل شیر خاں ۔ محمد شیر خاں ۔ اولاد محمد شیر خاں ۔
نور محمد خاں ۔ اولاد کرم شیر خاں ۔ محمد علی خاں ۔ اولاد رحیم شیر خاں ۔ دل شیر خاں
عرف ستو خاں ۔ اولاد دل شیر خاں ۔ (۱) محبوب اللہ خاں لاولد ۔ (۲) حبیب اللہ خاں ۔

شاخ فیروز خاں
خاندان حبیب اللہ خاں

اولاد حبیب اللہ خاں ۔ حبیب اللہ خاں زوجہ ہاجرہ بیگم دختر غلام نبی خاں ساکن ٹنڈولی ۔ **اولاد حبیب اللہ خاں** (۱) رحمت اللہ خاں زوجہ فاروقی بیگم دختر محمود خاں بھیکم پور ۔ (۲) اطیع اللہ خاں زوجہ اول دختر امیر اکبر خاں سماور زوجہ دوم فاروقی بیگم بیوہ مولوی ظفر حسن خاں بلونہ ۔ (۳) توصیف اللہ خاں زوجہ دختر مذکور اللہ خاں ٹنڈولی ۔ (۴) حکیم حشمت اللہ خاں زوجہ دختر حامد علی خاں سماور ۔ (۵) حکیم سعادت اللہ خاں زوجہ دختر شفیع الرحمٰن خاں سماور (۶) دختر زوجہ ڈاکٹر جمیل الرحمٰن خاں ۔ (۷) حفیظ فاطمہ زوجہ وحید الزماں خاں حسن پور ۔ **اولاد رحمت اللہ خاں** ۔ دختر ۔ زوجہ طفیل احمد خاں بھیوری ۔ **اولاد اطیع اللہ خاں** ۔ از نکاح دوئم سلطانی بیگم بی ایس سی کلاس

اولاد توصیف اللہ خاں ۔ (۱) تعریف اللہ خاں (۲) و (۳) پسران و چہار دختران ۔

اولاد حکیم حشمت اللہ خاں ۔ (۱) وجاہت اللہ خاں ۔ (۲) صبغت اللہ خاں (۳) احمد حبیب خاں (۴) احتشام اللہ خاں ۔ **اولاد حکیم سعادت اللہ خاں** ۔ (۱) سعید الظفر خاں (۲) حمید الظفر خاں ۔ **اولاد ننھے خاں** پسر دوئم علی شیر خاں ۔ سردار خاں ۔

اولاد سردار خاں ۔ (۱) امیر خاں لاولد ۔ (۲) وزیر خاں ۔ **اولاد وزیر خاں** ۔ (۱) نور خاں ۔ (۲) ظہور خاں ۔ (۳) غفور خاں زوجہ دختر سرمست خاں کناوہ ۔

اولاد نور خاں ۔ (۱) یعقوب خاں (۲) جہان علی خاں ۔ **اولاد ظہور خاں** ۔ (۱) احمد علی خاں ۔ (۲) امداد علی خاں ۔ **اولاد غفور خاں** ۔ (۱) جلیل خاں ۔ (۲) جمیل خاں ۔

خاندان گدائی خاں
محمد خاں
حافظ احمد خاں

اولاد سبحان خاں ابن گدائی خاں ابن فیروز خاں ۔ (۱) حسن خاں ۔ (۲) دوندے خاں ۔

اولاد حسن خاں ۔ کالے خاں **اولاد دوندے خاں** ۔ سعادت خاں ۔ **اولاد سعادت خاں** ۔ (۱) ارادت خاں ۔ (۲) اکبر خاں ۔ **اولاد اکبر خاں** ۔ (۱) محمد خاں ۔ (۲) حافظ احمد خاں زوجہ دختر کرامت خاں بہرہ ۔ **اولاد محمد خاں** ۔ (۱) محمد سعید خاں زوجہ دختر ارادت خاں بہرہ (۲) لطفی خاں

(۳) تقی خاں۔ **اولاد محمد سعید خاں** ۔ (۱) ایوب خاں (۲) عبد القیوم خاں ۔ (۳)
دختر امت القدوس زوجہ عبد الخلاق خاں برہرہ ۔ **اولاد ایوب خاں** ۔ صغیر احمد خاں ۔
اولاد عبد القیوم خاں ۔ (۱) احمد رشید خاں پاکستان ۔ (۲) احمد عبد اللہ خاں ۔
(۳) محمد احمد خاں ۔ **اولاد تقی خاں** ۔ (۱) الیاس خاں ۔ (۲) دختر زوجہ طفیل احمد خاں
سہاور ۔ **اولاد الیاس خاں** ۔ (۱) ابو العاص خاں ۔ (۲) ابو العیاس خاں ۔
اولاد ابو العیاس خاں ۔ ابو الغیاث خاں ۔ **اولاد تقی خاں** ۔ دختر زینب زوجہ رفعت خاں
کناوہ ۔ **اولاد حافظ احمد خاں** ۔ (۱) ادریس خاں ۔ (۲) حامد علی خاں زوجہ حلیمہ بیگم
دختر غلام نبی خاں ٹنڈولی ۔ (۳) دختر ۔ **اولاد ادریس خاں** ۔ (۱) حافظ مقبول احمد خاں
(۲) سمیع الرحمٰن خاں ۔ **اولاد حافظ مقبول احمد خاں** ۔ (۱) ممدوح احمد خاں (۲)
مظاہر احمد خاں ۔ (۳) اعجاز احمد خاں ۔
اولاد سمیع الرحمٰن خاں ۔ (۱) شمیم احمد خاں ۔ (۲) نسیم احمد خاں ۔
اولاد حامد علی خاں (۱) محمود علی خاں زوجہ دختر نور اللہ خاں ٹنڈولی ۔ (۲) دختر زوجہ عبید اللہ خاں
ٹنڈولی ۔ (۳) دختر زوجہ حکیم حشمت اللہ خاں سہاور ۔ **اولاد محمود علی خاں** (۱) ذکی احمد
خاں ۔ (۲) طارق احمد خاں ۔ (۳) ضیا احمد خاں ۔ (۴) دختر ۔
اولاد سبکتگین خاں ابن فیروز خاں ۔ (۱) رشید خاں ۔ (۲) تاج خاں ۔
اولاد رشید خاں ۔ (۱) رضا خاں ۔ (۲) عظمت خاں ۔ **اولاد تاج خاں** خلیل خاں
اولاد خلیل خاں ۔ عاشور خاں ۔ **اولاد عاشور خاں** ۔ (۱) روشن خاں لاولد ۔ (۲)
دلیل خاں ۔ **اولاد دلیل خاں** ۔ (۱) عبد اللہ خاں لاولد ۔ (۲) عبد الرحمٰن خاں لاولد (۳)
محب اللہ خاں ۔ **اولاد محب اللہ خاں** ۔ (۱) عطاء اللہ خاں ۔ (۲) سلیم اللہ خاں تیتر لوسی
(۳) احسان اللہ خاں لاولد زوجہ دختر مدازی خاں کھوری ۔ **اولاد عطاء اللہ خاں** ۔ (۱) مطیع اللہ خاں
(۲) وسیع اللہ خاں ۔ **اولاد سلیم اللہ خاں** ۔ ولی اللہ خاں ۔
اولاد عظمت خاں ابن رشید خاں ۔ (۱) خدا یار خاں ۔ (۲) اکبر خاں (۳)
بشارت خاں ۔ **اولاد اکبر خاں** ۔ جیون خاں ۔

شاخ مصطفیٰ خاں ابن ملک مغیث خاں

اولاد مصطفیٰ خاں ابن ملک مغیث خاں مورث اعلیٰ
(۱) شادی خاں۔ (۲) یوسف خاں۔ (۳) جمشید خاں۔

اولاد جمشید خاں۔ (۱) حاتم خاں لاولد۔ (۲) مصاحب خاں (۳) محمود خاں۔ (۴) مراد خاں۔ (۵) داماد خاں۔ اولاد مصاحب خاں۔ رسول خاں۔

اولاد رسول خاں۔ (۱) سرفراز خاں۔ (۲) شفیع خاں۔ اولاد سرفراز خاں۔ ننھے خاں

اولاد ننھے خاں۔ نظام خاں۔ اولاد نظام خاں۔ حکمت علی خاں زوجہ دختر قائم خاں کھوری۔ اولاد شفیع خاں۔ باز خاں۔ اولاد باز خاں۔ خیر اندیش خاں۔

اولاد خیر اندیش خاں۔ بلند خاں ثانی۔

خاندان بلند خاں ثانی خادم حسین خاں ابراہیم خاں وغیرہ

اولاد بلند خاں ثانی۔ (۱) خادم حسین خاں زوجہ اول دختر جمال خاں کھوری۔ زوجہ دوم بھاولن۔ (۲) دختر زوجہ رحمت خاں بسہرہ۔ (۳) دختر زوجہ کرامت خاں بسہرہ۔

اولاد خادم حسین خاں۔ از نکاح اول (۱) محمد سعید خاں (۲) اسماعیل خاں زوجہ [illegible] بیگم دختر سرمست خاں کناوہ۔ (۳) ابراہیم خاں زوجہ شفیع النساء دختر خوش وقت علی خاں کناوہ۔ (۴) عثمان خاں ناکتخدا فوت (۵) از نکاح دوم سمیع اللہ خاں حاجی روح النساء زوجہ دختر احمد [illegible] از ان اولی بیوہ سمیع اللہ خاں (۶) یوسف خاں۔ (۷) حمیدہ زوجہ کریم اللہ خاں بسہرہ (۸) دختر زوجہ احمد حسین خاں دھساری۔ (۹) رجب النساء زوجہ کفایت اللہ خاں بسہرہ۔

اولاد محمد سعید خاں۔ (۱) عبد الحمید خاں زوجہ دختر کریم اللہ خاں بسہرہ لاولد۔ (۲) عبد القدیر خاں لاولد۔ (۳) نذیر احمد خاں۔ (۴) حاجی عبد العزیز خاں زوجہ منیرہ بیگم دختر خوش وقت علی خاں کناوہ (۵) نیاز احمد خاں زوجہ امت الودود دختر ممتاز علی خاں بسہرہ (۶) دختر امت القدوس۔

اولاد اسماعیل خاں۔ (۱) حاجی اسرائیل خاں۔ (۲) عبد العلیم خاں لاولد۔

اولاد ابراہیم خاں۔ (۱) شفیع الرحمٰن خاں عرف شفیع اللہ خاں زوجہ دختر حاجی نیاز علی خاں قطب پور۔ (۲) حبیب الرحمٰن خاں زوجہ اول دختر سمیع اللہ خاں بسہاور۔ زوجہ دوم دختر لطافت اللہ خاں گھونہ۔ (۳) مبین فاطمہ زوجہ حاجی اسرائیل خاں بسہاور۔ (۴) نبی فاطمہ

زوجہ حامد خاں برلہ۔ **اولاد یوسف خاں**۔ مسیح اللہ خاں۔
اولاد حاجی عبدالعزیز خاں۔ صالحہ بیگم زوجہ حافظ مقبول احمد سہاور
اولاد حاجی اسرائیل خاں۔ (۱) اسرار احمد خاں ایم۔اے پاکستان (۲) پسر
(۳) دختر، زوجۂ اول ابطیع اللہ خاں سہاور (۴) دختر، زوجہ ابوالعاص خاں سہاور (۵)
دختر زوجہ عون خاں چھپرہ۔ (۶) دختر۔ **اولاد مسیح اللہ خاں**۔ (۱) اقبال فاطمہ زوجہ
حبیب الرحمٰن خاں سہاور۔ (۲) انوار فاطمہ زوجہ عبداللہ خاں سہاور
اولاد شفیع الرحمٰن خاں ابن ابراہیم خاں۔ (۱) حکیم انوار احمد خاں زوجہ سعیدہ
خاتون دختر عبدالمنان خاں سہراسے۔ (۲) ابراہیم احمد خاں زوجہ دختر مسلم خاں
بھوری۔ (۳) عبیدہ خانم زوجہ حکیم سعادت اللہ خاں سہاور۔ (۴) حمیدہ خانم زوجہ عمر دراز خاں
عرف ممن سہاور۔ **اولاد حکیم انوار احمد خاں**۔ (۱) خالد انور خاں۔ (۲)
دختر نجیبہ انور۔ **اولاد حبیب الرحمٰن خاں**۔ (۱) محبوب الرحمٰن خاں۔ (۲ و ۳)
پسران۔ (۴ و ۵) دختران
اولاد نیاز احمد خاں۔ (۱) افتخار احمد خاں زوجہ دختر محمد خاں کناده۔ (۲) سبحان فاطمہ
زوجہ ایوب خاں بربہرہ۔ **اولاد احمد نذیر خاں**۔ احمد نبی خاں ناکتخدا فوت۔
اولاد محمود خاں ابن جمشیر خاں ابن مصطفےٰ خاں۔ مجیب خاں۔
اولاد مجیب خاں۔ بھجو خاں۔ **اولاد بھجو خاں**۔ خیر اللہ خاں۔
اولاد مراد خاں ابن جمشیر خاں۔ واصل خاں۔ **اولاد واصل خاں**۔ فتح خاں
اولاد فتح خاں۔ داد خاں۔ **اولاد داد خاں**۔ نصیب خاں۔
اولاد داماد خاں۔ ابن جمشیر خاں۔ (۱) بیرم خاں (۲) دختر (۳) اعظم خاں۔

خاندان بیرم خاں

اولاد بیرم خاں۔ (۱) امیت خاں (۲) موسم خاں
(۳) رنجیت خاں۔ (۴) دختر زوجہ دلیل خاں بلونہ (۵) حسن علی خاں
(۶) زبردست خاں۔ **اولاد موسم خاں**۔ (۱) صلابت خاں۔ (۲) قمرالدین خاں
(۳) محی الدین خاں۔ **اولاد قمرالدین خاں**۔ خدابخش خاں۔

اولاد محی الدین خاں ۔ نصرت خاں ۔ اولاد زبردست خاں ابن بیرم خاں (۱) کالے خاں ۔ (۲) علی داد خاں ۔ اولاد علی داد خاں ۔ (۱) کیو خاں (۲) بدھو خاں
اولاد اعظم خاں ابن داداخاں ابن جمشید خاں ۔ (۱) شجاعت خاں ۔ (۲) حشمت خاں (۳) سبحان خاں ۔

خاندان افضل خاں | اولاد افضل خاں جن کے صرف دو کے نام معلوم ہو سکے (۱) فضل حسین خاں ۔ (۲) غوث محمد خاں ۔

اولاد فضل حسین خاں ۔ (۱) محمد حیات خاں لاولد (۲) ہدایت اللہ خاں ۔
اولاد ہدایت اللہ خاں ۔ (۱) یعقوب خاں کماندہ ۔ (۲) ادریس خاں ۔ (۳) عبدالرشید خاں
اولاد یعقوب خاں ۔ (۱) محمد علی خاں ۔ (۲) احمد علی خاں ۔ (۳) ارشاد احمد خاں (۴) شوکت اللہ خاں ۔ (۵) شاہد خاں ۔ اولاد ادریس خاں ۔ دختر زوجہ پسر احمد رضا خاں شاہ جہاں آباد ۔ اولاد غوث محمد خاں ۔ غلام قادر خاں لاولد ۔

خاندان آزاد خاں بلونہ دخیل سہاور | اولاد آزاد خاں دخیل سہاور ۔ (۱) ہمت خاں زوجہ شاہزادی بیگم دختر منگل خاں بہیرہ ۔ (۲) شادی خاں زوجہ خیر النساء سہاور ۔ اولاد ہمت خاں ۔ دختر زوجہ

مسرتیر خاں ۔ اولاد شادی خاں ۔ (۱) جماعت النساء (۲) خالق داد خاں لاولد (۳) صاحب داد خاں زوجہ دختر قایم خاں کھمبوہ ۔ (۴) ہدایت علی خاں ۔
اولاد صاحب داد خاں ۔ (۱) دختر نواز زوجہ سہاور ۔ (۲) کالے خاں ۔ (۳) احسان اللہ خاں ۔ اولاد ہدایت علی خاں ۔ (۱) دختر امتیاز النساء زوجہ منگل خاں سہاور ۔ (۲) دختر عزیز النساء زوجہ عزیز محمد خاں سہاور ۔ (۳) رفیق النساء زوجہ محمد سعید خاں کناوہ ۔

نمبر (۱) عبدالوحید خاں کے شجرہ کا پتہ ہم کو نہیں لگ سکا ۔ ان کی تین لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک منڈولی اور دو کلنوں میں بیاہی گئیں ۔ ہدایت اللہ خاں ۔ عبداللطیف خاں اور

ولیداد خاں بھی یہاں کے پٹھانوں میں ہیں مگر ان کے شجرے ہم کو معلوم نہ ہو سکے۔

شجرہ موہن نگلہ متصل سہاور

محمد شریف خاں ابن سبکتگین خاں ابن دانش خاں سہاور سے تنداولی میں آکر بسے محمد شریف خاں کی زوجہ عـ۱ سراج النساء دختر گھاسی خاں ابن کالے خاں کھیوری تھیں اور زوجہ عـ۲ حمیدا دختر طالب حسین خاں تنداولی ہیں۔ ان کی ایک بیٹی ہاجرہ بیگم تھیں جو عزیز الرحمٰن خاں سہاور کو بیاہی گئیں۔ شریف خاں رکھالہ میں چلے آئے۔

اولاد شریف خاں ۔ محمد ایوب خاں۔ زوجہ حلیمہ بیگم دختر ہدایت اللہ خاں بلوچ ایوب خاں رکھالہ سے موہن نگلہ میں آکر بسے۔ اور ۱۹۴۳ء میں فوت ہوئے۔ ایوب خاں کی خالہ عزیز النساء زوجہ مظہر علی خاں شہید نے ان کو پرورش کیا۔ اور موہن نگلہ ان کو دیدیا اس وجہ سے وہ یہاں آئے۔

اولاد ایوب خاں ۔ (۱) عبید اللہ خاں۔ زوجہ قدسی بیگم دختر عباس علی خاں ڈھولنہ۔ (۲) عبد الحلیم خاں زوجہ عـ۱ عبیدہ خاتون دختر مجتبیٰ خاں سہاور زوجہ عـ۲ ام سلمیٰ دختر شوکت اللہ خاں کنولی۔ (۳) دختر عابدہ خاتون زوجہ شبیر احمد خاں سہاور (۴) رقیہ بیگم زوجہ نصیب اللہ خاں حسن پور (۵) زاہدہ خاتون زوجہ مولوی ظفر حسن خاں (۶ و ۷) پسران عبد المقیت خاں۔ عبد العلی خاں ناکتخدا فوت۔

اولاد عبید اللہ خاں ۔ دختر عقیلہ بیگم۔ **اولاد عبد الحلیم خاں** ۔ پسر کمسن

۲۷ قصبہ سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ

جیسا کہ [illegible] اوپر دکھایا ہے اس قصبہ میں بھی شروانیاں پٹھان آباد ہیں۔ اگرچہ ان کا تعلق [illegible] خاں کے خاندان یا ضلع علی گڑھ اور ایٹہ کے دیگر شروانی خاندانوں سے نہیں نہ دیگر شروانیان سے یہاں کے شروانی پٹھانوں کے شادی بیاہ کے تعلقات ہیں۔ یہاں کے شروانی پٹھان اس بات کے پابند نہیں رہے کہ صرف شروانیوں میں شادی

بیاہ ہوں۔ ذیل کا شجرہ اس مطبوعہ شجرہ سے لیا گیا ہے جو ۱۹۳۳ء میں منشی احمد یار خاں خلف عبد الرؤف خاں شروانی پنشنر پیشکار عدالت نے شائع کیا۔ یہ مکمل نہیں ہے اس میں اولاد اناث یا زوجگان کے نام درج نہیں ہیں۔ اور کچھ نام چھوٹے ہوئے ہیں۔ یہاں بہت کم شروانی رہ گئے ہیں۔ بہرحال اس خیال سے یہ شجرہ پیش کیا جاتا ہے کہ کم از کم اتنے نام تو ذریعہ کتاب محفوظ ہو جائیں۔ ہم کو سرفراز خاں مرحوم وکیل علی گڑھ کے (جن کے صاحبزادے مشرف علی خاں ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس علی گڑھ ہیں اور جو سکندرہ راؤ کے رہنے والے تھے) شجرہ کا پتہ نہیں لگا۔ یہاں دوسرے ضلعوں کے پٹھان بھی بستے ہیں۔

مورث اعلیٰ مسند خاں

شجرہ شاخ اول

اولاد مسند خاں۔ (۱) سلیم خاں۔ (۲) ذھن خاں (۳) قاسم خاں۔ **اولاد سلیم خاں**۔ شادی خاں۔

اولاد شادی خاں۔ (۱) رحیم خاں (۲) فتح علی خاں۔ (۳) ابراہیم خاں (۴) اسد خاں۔ **اولاد رحیم خاں**۔ (۱) بشارت خاں۔ (۲) کالے خاں۔

اولاد فتح علی خاں۔ قائم خاں۔ **اولاد قائم خاں**۔ نظیر محمد خاں۔

اولاد ابراہیم خاں۔ (۱) راجپیر خاں۔ (۲) احمد علی خاں۔ (۳) بخش اللہ خاں (۴) بندہ علی خاں **اولاد راجپیر خاں**۔ (۱) محمد وسیع خاں (۲) محمد شفیع خاں۔

اولاد احمد علی خاں۔ (۱) محمود علی خاں۔ (۲) مہدی علی خاں۔

اولاد محمود علی خاں۔ (۱) معشوق علی خاں۔ (۲) محبوب علی خاں۔

اولاد مہدی علی خاں۔ حامد علی خاں۔ **اولاد حامد علی خاں**۔ (۱) شاہد علی خاں (۲) شفاعت علی خاں۔ **اولاد بخش اللہ خاں**۔ (۱) عزیز محمد خاں۔ (۲) امداد علی خاں۔ **اولاد عزیز محمد خاں**۔ انوار احمد خاں۔

اولاد امداد علی خاں۔ محمد سمیع خاں۔ **اولاد اسد خاں**۔ عنایت خاں

شاخ دویم

اولاد ذھن خاں ابن مسند خاں۔ (۱) خیر اندیش خاں

(۲) رفعت خاں ۔ **اولاد خیر اندیش خاں** ۔ (۱) شمشیر خاں ۔ (۲) سردار خاں
اولاد شمشیر خاں ۔ ارادت خاں ۔ **اولاد ارادت خاں** ۔ وزیر محمد خاں ۔
اولاد وزیر محمد خاں ۔ (۱) نصیر محمد خاں ۔ (۲) حیات محمد خاں ۔ (۳) عبدالعزیز خاں ۔
اولاد عبدالعزیز خاں ۔ شریف علی خاں ۔ **اولاد سردار خاں** ۔ (۱) نامر جنگ خاں
(۲) صاحب جنگ خاں ۔ **اولاد صاحب جنگ خاں** ۔ شوکت جنگ خاں ۔
اولاد شوکت جنگ خاں ۔ فتح جنگ خاں ۔
اولاد رفعت خاں ۔ (۱) خوشی خاں ۔ (۲) قایم خاں ۔ (۳) دلیر خاں ۔
اولاد قایم خاں ۔ (۱) ذوالفقار خاں ۔ (۲) دلاور خاں ۔ **اولاد ذوالفقار خاں** ۔
(۱) محمد خاں ۔ (۲) ولی داد خاں ۔ **اولاد دلاور خاں** ۔ محبوب خاں ۔
اولاد محبوب خاں ۔ (۱) حبیب داد خاں ۔ (۲) محمد علی خاں ۔ (۳) یعقوب خاں ۔
اولاد حبیب داد خاں ۔ (۱) اسماعیل خاں ۔ (۲) علیم داد خاں ۔ (۳)
نبی داد خاں ۔ **اولاد اسماعیل خاں** ۔ جمیل خاں ۔
اولاد محمد علی خاں ۔ (۱) وحید خاں ۔ (۲) شہامت خاں ۔
اولاد شہامت خاں ۔ (۱) رشید علی خاں ۔ **اولاد رشید علی خاں** ۔ شمشاد علی خاں
اولاد یعقوب خاں ۔ (۱) عبدالحمید خاں ۔ (۲) ایوب خاں ۔
اولاد ایوب خاں ۔ غلام قادر خاں ۔ **اولاد دلیر خاں ابن رفعت خاں** ۔ (۱) عبدالرؤف خاں
(۲) نصرت شیر افگن خاں ۔ **اولاد عبدالرؤف خاں** ۔ (۱) احمد یار خاں مصنف شجرہ
(۲) محمد یار خاں ۔ **اولاد احمد یار خاں** ۔ (۱) امانت اللہ خاں ۔ (۲) حمید اللہ خاں ۔ (۳)
عبید اللہ خاں ۔ (۴) احمد اللہ خاں مختار عدالت کلکٹری علی گڑھ ۔

شاخ سوم **اولاد قاسم خاں ابن مسند خاں** ۔ (۱)
شہباز خاں (۲) منور خاں ۔ (۳) خضر خاں ۔ (۴) میاں خاں
اولاد شہباز خاں ۔ (۱) خدایار خاں ۔ (۲) امراؤ خاں ۔ **اولاد خدایار خاں** ۔ (۱)
شفیع محمد خاں ۔ (۲) احمد یار خاں ۔ **اولاد امراؤ خاں** ۔ (۱) کاظم علی خاں ۔ (۲) صادق علی خاں

اولاد صادق علی خاں ۔ (۱) قاسم علی خاں ۔ (۲) احمد حسین خاں ۔ (۳) عنایت حسین خاں۔ **اولاد احمد حسین خاں** ۔ (۱) فرزند علی خاں ۔ (۲) ارشاد علی خاں ہیڈ ماسٹر ۔ (۳) حسین علی خاں ۔ (۴) فیاض علی خاں ۔ (۵) محمود علی خاں۔

اولاد عنایت حسین خاں ۔ (۱) اصغر علی خاں ۔ (۲) امداد علی خاں ۔

اولاد منور خاں ۔ محمد نور خاں ۔ (جن کا ذکر ہم نے شروانی نامہ کے حصہ دوئم میں کیا ہے ۔ اور جن کے پاس کچھ رسالہ تاریخ شروانیان سکندرہ راؤ کا تھا)

اولاد محمد نور خاں ۔ (۱) نور الحسن خاں ۔ (۲) احمد نور خاں ۔ (۳) غوث محمد خاں ۔

اولاد احمد نور خاں ۔ (۱) صمد نور خاں نمبردار ۔ (۲) صالح محمد خاں ۔

اولاد صمد نور خاں ۔ فضل الرحمٰن خاں۔ **اولاد صالح محمد خاں** ۔ (۱) مسعود احمد خاں (۲) محمود احمد خاں۔ **اولاد غوث محمد خاں** ۔ عنایت محمد خاں۔

(نوٹ :۔ صمد نور خاں راقم الحروف کے ملاقاتی اور کرم فرما تھے)

یہ شجرہ داؤد خاں عرف راؤ خاں شروانی تک جن کا ذکر شروانی نامہ حصہ اول میں یہ سلسلہ بابر شاہ و سکندر لودی ہنیں پہونچتا ۔

تتمہ شجرہ بھیکم پور

(جو بھیکم پور کے بڑے شجرہ کے آخر میں درج کرنے سے رہ گیا اب ملاحظہ طلب صفحہ ۳۳۹)

شائستہ خاں ابن جہاں خاں ابن خان جہاں خاں ۔ شائستہ خاں کے بھائی سرفراز خاں تھے جو بڑے شجرہ میں درج ہیں ۔ **اولاد شائستہ خاں** ۔ (۱) دختر زوجہ بہرام پور (۲) دختر زوجہ بہرام پور ۔ (۳) جسبو خاں زوجہ دختر انوار خاں بیرولی ۔

اولاد جہبو خاں ۔ (۱) دختر زوجہ نور خاں سہاور ۔ (۲) دختر ناکتخدا فوت ۔ (۳) خوش حال خاں زوجہ نور بی بی دختر یوسف علی خاں کنادہ لاولد ۔

آخری گزارش

اب کہ یہ واقعی ناچیز تالیف بفضلِ خدا بظاہر "تمت بالخیر" ہوتی ہے شاید ہم کہہ سکتے ہیں کہ ؎

شکر کہ جمازہ بمنزل رسید
زورقِ امید بساحل رسید

لیکن جاننے والے جانتے ہیں، اُن سے زیادہ یقین کے ساتھ (بلا شائبۂ انکسار) ہم خود جانتے ہیں (اور سب سے بہتر خدا جانتا ہے) کہ وہ "ساحلِ مراد" اور "منزلِ مقصود" ہے وہ نہ صرف "ہنوز دلی دور" بلکہ مفقود ہے ؎

کس ندانست کہ منزل گہِ مقصود کجا ست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

مگر اس میں بھی شک نہیں کہ جو اور جتنا ہو گیا وہ احساسِ ناشکری سے جدا ہے کیوں کہ وہ بھی محض فضلِ خدا ہے۔ اور اس (نظر بحالات بظاہر موہوم) امید پر کہ ؎

بارہ در خاکِ منی تخمِ سعی افشاندہ ایم
بو کہ بعد از ما شود ایں تخم نخلِ باردار

شاید ہمارے بعد ؎

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

اور اس "تخم" سے "نخل" نکالے اور اس کی "آبیاری" کر کے اسے واقعی "باردار" بنائے بلکہ قادرِ مطلق کے فضل و کرم سے کیا بعید ہے کہ قابلِ لحاظ آبادیوں کے حالات اور لائقِ ذکر افراد کے سوانح و ملفوظات جداجدا

لکھ جائیں جیسے کہ ہم سے (تقریباً پون صدی) پہلے سنہ ۱۳۰۶ھ میں سمیع اللہ خاں بلوندی مرحوم نے نہ صرف تخم ریزی کی بلکہ اچھا خاصا پودا لگایا جس کے بارے سے ہم نے لطف کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔ ہم اُن کے لئے دل سے دعا اور ناظرین سے آمین کی استدعا کرتے ہیں۔

علی ہذا نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی ہمت آفریں اور حوصلہ افزا تحریک یاد آتی ہے تو خدا جانے دل پر کیا گزر جاتی ہے ؂

اے ہم نفسانِ محفلِ ما
رفتید، ولے نہ از دلِ ما

اسمٰعیل خاں صاحب حسن پوری اور مولوی ظفر حسن خاں بلوندی مرحومین بھی ہمارے شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں کہ ان کی قیمتی یادداشتوں سے بھی ہم نے بذریعہ حاجی عبد الجمیل خاں حسن پوری کافی استفادہ کیا۔

اور اپنے رفیق کار مولوی حاجی محمد مقتدی خاں شروانی کا یکے از ہزار شکریہ ادا کرنے میں بے اختیار ہیں۔ کیوں کہ خود ہم ایک طرف مبتلائے ضعف پیری و امراض و افکار دوسری طرف تصنیف و تالیف کے بعد کے مراحل کے میدان ناپیدا کنار اور بحر ذخار کے ناتجربہ کار۔ اگر خشکی کے خضر اور تری کے الیاس نہ بنتے تو جانے اس جانِ حزیں پر کیا بنتی ؂

اجرش دہد خدا سے کہ کردہ است یاوری
با آں کسے کہ ناصر و یاور نداشتہ

کسی اور سے ہرگز اس کی امید نہ تھی۔ اور طباعت کے ازکار تا کوہ مراحل طے کرنا خداوند کارساز بے نیاز نے انھی کو مقدر فرمایا تھا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔ آمین ثم آمین۔

ناظرین تمکین سے ہماری التجا ہے کہ وہ ان اوراق کو محض "اساطیر الاولین" (اگلوں کے قصّے کہانیاں) کے طور پر نہ دیکھیں اور "لہم قلوب لا یفقھون بہا" (ان کے دل ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں) کے مصداق نہ بنیں۔ بلکہ یقین جانیں کہ "لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب" (ان کے قصوں

میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت و نصیحت ہے) اگر بہت تفصیل و تطویل کے ساتھ نہیں تو کم از کم "عاقلاں را اشارہ کافی" کے طور پر ان اوراق پریشاں میں ہمیں اپنے بزرگانِ سلف اور پیش روانِ خلف کے ایسے "اسوات حسنات" (اچھے نمونے) ضرور ملیں گے جن کی پیروی کر کے ہم نسل اُن کے سرد و گرم ہمت و نرم زمانہ کا مردانہ وار مقابلہ کر کے توکل بخدا ثابت المرام ہو سکیں گے۔

علی الخصوص ہمیں اپنی نو خیز (اور ان سے بھی بعد میں آنے والی) نسلوں سے اُمید ہے کہ وہ موجودہ حوادث زمانہ کو رو بہ راہ کرنے کی سعی کریں گے۔ والاتمام من اللہ۔

اب رہی یہ بات کہ سعی کی شکل کیا ہو۔ یہ ہر خاندان اور ہر فرد کی ذاتی صواب دید پر منحصر ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ سب کے سب حالات یکساں نہیں ہیں۔ لہذا کوئی یکساں مشورہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ ہم صرف اصولاً یہ بتاسکتے ہیں کہ سب کو فکرِ معاش کرنی چاہیئے ہر کام (حتیٰ کہ ہل چلانا اور گھاس کھودنا تک بھی حتی الامکان) خود اپنے ہاتھ سے کیا جائے۔ اور اسے عار نہ سمجھا جائے۔ شرافت اور امانت اور دیانت کے ساتھ جو کام سامنے آئے اسے "ہمت مرداں مدد خدا" پر اعتقاد رکھ کر بے تامل اختیار کیا جائے۔ کیوں کہ یہ اصول تو صدیوں پہلے کا ہے کہ ؎

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف
مگر اسبابِ بزرگی ہمہ آمادہ کنی

اور آج تو یہ حالِ پر ملال ہے کہ ؎

اب نہ خالی رہی وہ خانوں کی
کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی

اور جہاں شرکت اور امداد باہمی سے (مگر انتہائی ایمان داری کے ساتھ) کام چلتا نظر آئے وہاں ہرگز ہرگز اس سے بھی گریز نہ ہونا چاہیئے۔ اور جن ہوشمند و دور اندیش والدین اور سعادت مند و مآل اندیش فرزندوں کی مثالیں نظر آئیں انہوں نے تعلیم و تعلم کی بنیاد کسی حرفہ اور پیشہ کے سد ابہار گلزار پر رکھی اور بے پناہ سیل روزگار سے گویہ محفوظ ہو لیں

رہے) اُن سے کبھی سر سری نہ گزرنا چاہیے۔ بلکہ ان مبارک مثالوں سے کماحقہٗ عملی سبق لینا چاہیے۔ "فہل من مدکر" ۔

یارب ایں آرزوے من چہ خوش ست
تو بدیں آرزو مرا برسال

اب آخر میں اس بے مایہ ہیچ میرز تالیف کی نسبت یہ ہے کہ حتی الامکان تحقیق و تدقیق اور قابل وثوق منشوروں پر کام کیا گیا ہے۔ تاہم بتقاضاے بشریت اگر کوئی سہو و خطا نظر آئے تو عفو و کرم کو کام فرمایا جائے۔ ہمارا اور مشیران موصوف کا باہم یہ حال رہا ہے کہ

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش | او باصلاح راندہ خامۂ خویش
دیدہ ہر نکتہ را رقم برقم | رنج بر خود نہاد و منت ہم
شمع من یافتہ ضیا از وے | مس من گشتہ کیمیا از وے
ہرچہ او گفت، من نہادم گوش | برکشیدم مگس ز شربت نوش
وآں چہ بنمود من بجستم پے | عیب آں بر من ست نے بر وے
گر بماند ز دستِ ناقص جائے
بے خسے نیست ہیچ دریائے

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ سید المرسلین وآلہ و صحبہ الطیبین الطاہرین۔ برحمتک یا ارحم الرحمین۔

راقم آثم
عبّاس شروانی

چمنستان، علی گڑھ:
ذوالحجۃ الحرام ۱۳۷۲ھ
ستمبر ۱۹۵۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پڑھنا ضرور ہے یہ پسِ گوئی نام کی
خونِ جگر سے لکھی ہے اک چیز کام کی

[illegible]

عباس خاں مؤلف کتاب ہذا (شروانی نامہ) اور میرے سن و سال کے فرق کا حال ناظرین کو میرے اور اُن کے احوال مندرجہ متن سے معلوم ہوگا۔

علی گڑھ آنے سے پہلے ہم دونوں باہم متعارف یا روشناس اور نام آشنا بھی نہ تھے۔ کالج کی تعلیم کے زمانہ میں ہم دونوں ڈے اسکالر تھے۔ اور دونوں کی جائے سکونت میں بُعد المشرقین تھا۔ وہ شمال (ڈگی والی کوٹھی حال عثمان) میں تھے۔ اور میں جنوب (چھتاری کمپونڈ رسل گنج) میں۔ کلاس میں بھی وہ مجھ سے پھسڈی (جونیر) تھے جب اُن کی تعلیم میں بہار آئی تو میری خزاں ہو چلی تھی۔ لہذا اس دور میں میرا اُن کا صرف اتنا معاملہ رہا کہ

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتشِ ما تیز می کنی

جب ۱۹۰۴ء میں وہ زندگی کی دہلیز پر آئے تو میں اس میں داخل ہو چکا تھا۔ اور اب بُعد المشرقین تھا۔ میں مغربی پنجاب میں اور وہ اب کے اتر پردیش یعنی

مشرقی ہندوستان میں۔

میں ۱۹۰۹ء میں علی گڑھ آکر قطب بن گیا اور وہ ابدال وار چار دانگ صوبہ میں مانند پرکار "دوار" رہے۔ لہذا اس عہد میں کبھی ہم دونوں کو باہم چار چھ دن کی بھی یکجائی کا کبھی موقع نہ ملا۔ البتہ سروس ہی کے دنوں میں جب انھوں نے مجھ سے اپنی قابلِ مطالعہ کتاب "حیاتِ مسعودی" (مسلم یونیورسٹی پریس ۱۹۳۵ء) چھپوالی تو ملاقاتوں کا سلسلہ کچھ بڑھ گیا۔

اس کے بعد پھر ایک لمبا طفرہ ہوا یہاں تک کہ وہ ریٹائر ہوئے، حاجی ہوئے علی گڑھ باشی ہوئے۔ اور ؎

سیاہی زمو رفت از رو نرفت

کا مصداق ہوئے۔

اور چونکہ خلاقِ مطلق نے میرے عناصر اربعہ کی ترکیب میں کم آمیزی کا ایک پانچواں عنصر بقدر معتد بہ رکھ دیا ہے اس لئے باوجود گویا مستقل یکجائی کے رونمائی کی نوبت شاذ ونادر ہی ہوتی تھی۔ اور اب بھی یہ حال تھا ؎

رہ گئی اُن سے ملاقات ہے گاہے گاہے
محفلِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے

مگر جب برسوں کی سفر وحضر کی جسمانی تگاپو اور روحانی رواروی کے بعد انھوں نے **شروانی نامہ** مرتب کر لیا، تو میں انھیں پھر یاد آیا۔ کیوں کہ ؎

تجھ سے رونق نہیں ہے گھر کے لئے
رکھ لیا ہے نظر گزر کے لئے

اور انھوں نے "چیار" کے لئے عرش سے دو "بے گاریں" اتاریں: (۱) مضمون کی نظرثانی اور (۲) چھپائی کی نگرانی۔ اور چوں کہ اُن کی عادت یہ ہے کہ معدہ پیٹ بھر کے

ضعیف ہے۔ کانوں سے تقریباً بے بہرہ ہیں۔ بینائی آنکھیں دکھانے لگی ہے
گٹھیا نے الگ ہاتھ پاؤں نکال رکھے ہیں۔ اور عام کمزوری زوروں پر ہے۔
ادھر میری یہ حالت ہے کہ ستر اور اسی کی ٹھیک درمیانی منزل میں چل رہا ہوں۔
دو ادویش کی معذوری بحمد اللہ تکلیف کی حد تک تو نہیں مگر تکلف کے درجہ میں ضرور
ہے۔ مگر چونکہ لکھنے پڑھنے اور علمی و ادبی خدمت کا ذوق موروثی اور سے

باشیر اندرون شد و با جاں بدر شود

ہے، میں نے اسے بخوشی تمام منظور کر لیا ہے

چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی کا آنا جانا
عادت ہے اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

جہاں تک مضمون کی نظر ثانی کا تعلق ہے یہ کام اس وقت بھی جب کہ اب سے
چند ہی سال پہلے ہمارا خاندان بھرا پُرا تھا) صرف نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن
خاں کے کرنے کا تھا۔ مگر اب کہ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا ہے، عباس خاں کی نظر
مجھ پر پڑی (بلکہ اڑی) تو بلا مبالغہ گویا یہ حال ہوا سے

چو رو اندر غروب آورد خورشید   ز ہر سیارہ لاف ملکیت جاوید
چو شد سیارہ اندر ابر نایاب   چراغ دشت گردد کرم شب تاب

مگر یہاں آفتاب کا "غروب ہو جانا اور ماہتاب کا "نایاب" ہو جانا تو مسلم ہے، مگر میرا
اس صانع مطلق کی صنعت کاملہ کے اس روشن نمونہ "کرم شب تاب" (جگنو یا پٹ بیجنے)
کا مثیل ہونا نہایت ہی مشتبہ بلکہ بلا دلیل ناقابل تسلیم ہے۔ رہی چھپائی کی نگرانی تو
میں اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ عباس خاں کی جان کا ہی سفیدی و سیاہی میں آگئی ہے۔
"مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" سے

زمانہ دگرگوں نہ آئین نہاد   شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد

عباس خاں نے مجھ سے «پیش لفظ» کی بھی اصرار کے ساتھ فرمائش فرمائی تھی۔ اور میں نے بھی ہامی بھرلی تھی۔ مگر پھر میں نے اپنے لیے اسے مناسب نہ سمجھا۔ اور پہلے تو میں نے اپنے چہرہ کی مکھی اڑا کر اپنے عزیز پیر فقیر حاجی ہارون خاں کے چہرہ پر بٹھانی چاہی۔ مگر انھوں نے ایک بار عذر کیا تو میں نے بجائے انھیں مجبور کرنے کے (جبکہ مجھے ان کی سعادت ولیاقت سے امید تھی کہ وہ ضرور مجبور ہو جاتے) میں نے اپنے (اور ان کے طبقہ سے ایک درجہ نیچے کے عزیز مولوی ریاض الرحمن خاں شروانی ایم اے (استاذ عربی مسلم یونیورسٹی) کو دو مصلحتوں سے تاکا۔ اول یہ کہ وہ نواب صدر یار جنگ کے پوتے ہیں۔ لہذا "اگر پدر نتواند پسر تمام کند"، دوسرے میں نے جو یہ چاہا کہ موجودہ نسل کو اصلاح حال اور فکر مآل کے ضروری (و قابل توجہ) مشورے دیے جائیں وہ ہم عصری اور ہم عمری کے لحاظ سے "دلدار سے میاں" (مولوی ریاض الرحمن خاں) ہی خوب دے سکتے تھے۔ اور وہ عباس خاں یا ہارون خاں یا میری زبان سے ہرگز زیادہ موزوں نہ ہوتے۔ کیوں کہ ہم تینوں ہیں سے کسی کو "فرشتے" کے بجائے اگر ہم سے یہ پوچھا جانے لگتا کہ ؎

تو بجائے پدر چہ کردی خیر؟
کہ ہماں چشم داری از پسرت!

تو اگرچہ ہم ہر چند کہتے کہ ؎

روزگارم بشد بنادانی
من نکردم شما حذر بکنید

لیکن ہماری "صدا" غالباً "بصحرا" ہی رہتی اور ہماری مثال ان میاں جی صاحب کی سی ہوتی جو بوجہ لکنت چوں کہ حرف کاف (ک) کا تلفظ "ٹاف" کرتے تھے، لہذا سارے شاگرد باوجود استاد کی انتہائی کوشش و کاوش کے "ٹاف ٹاف" ہی کرتے تھے

تاہم عباس خاں کی خوشی کے لئے میں نے آخر میں کچھ لکھ دیا ہے۔ اور اس ژولیدہ نگاری کا عنوان اُس کے محلّ و توع کے لحاظ سے "پس گوئی" رکھ دیا ہے۔ اور خدا کا شکر ہے (اور ناظرین خود ملاحظہ فرمائیں گے) کہ اس "پس گوئی" میں غیبت یا چغلی کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔ بلکہ کتاب اور اس کے مضمون کے لحاظ سے میں نے بھی چند خیالات پریشان پیش کر دئے ہیں ؎

دیدم گلِ تازہ چند دستہ | بر گنبدے از گیاہ بستہ
گفتم چہ بود گیاہ ناچیز | تا در صفِ گل نشیند او نیز
بگریست گیاہ و گفت خاموش | صحبت نکند کرم فراموش
گر نیست جمال و رنگ و بویم
آخر نہ گیاہِ باغِ اویم

بہر حال خدا مُصلح السبال اور مقلّب الاحوال ہے۔ کتاب کے

تین حصے ہیں پہلے حصے میں مبادی کے بعد ہند (براہِ سندھ) پر محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے حملہ (۹۲ھ / ۷۱۱ء) سے لے کر (جب کہ پٹھان ہندوستان میں آئے) اُن کی (گویا شروانیانِ سلف کی) شروع اُنیسویں صدی (۱۸۰۳ء) تک عہد بعہد تاریخ ہے۔ دوسرے حصے میں اس سن (زمانہ بازخاں شروانی مورثِ خاندان بھیکم پور) سے (گویا شروانیانِ حال کا) احوال ہے۔ تیسرے حصے میں مختلف خاندانوں کے جدا جدا اور مفصّل شجرے ہیں۔ اور یہی گویا کتاب کا لبِّ لباب ہے۔

کتاب شروع کرنے سے پہلے ہی اس کی "فہرست ماخذ" کے دیکھنے سے عباس خاں کی دردسری کا تو شاید کچھ اندازہ ہو جائے گا جو انھوں نے ان اوراق کی ترتیب میں اُٹھائی۔ مگر اُس پامردی کا تصوّر ہرگز و زنہار نہیں ہو سکتا جو اس مواد کے فراہم

کرنے کے لئے انھوں نے ہزار ہا میل کا سفر طے کرنے میں اٹھائی ۔ اور تری زرسہ

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

پہلوں کی کاوش

مگر عباس خاں سے بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ بے شک مرمر اور موتی اور رخام کی فلک فرسا اور نظر فریب عمارتیں اپنے معماروں کی اعلیٰ اور محیر العقول کاریگری کو ظاہر کرتی ہیں۔ مگر دیدۂ عبرت و بصیرت ان سنگ و خشت دیندوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتی جو ان عمارتوں کو اپنی چھاتیوں پر لادے ہوتے ہیں اور جن کے بغیر وہ عمارتیں فرش خاک سے عرش افلاک تک نہیں پہونچ سکتی تھیں۔

جیسا کہ شجرانی نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہوگا، خاندان کے شجروں کے مرتب کرنے اور نسبتوں کے سلسلے ملانے کا خیال کئی پشت اوپر سے چلا آتا ہے لیکن سب سے زیادہ مرتب شکل میں اسے سمیع اللہ خاں بلونزی مرحوم نے پیش کیا۔ اور اس کی شان نزول یہ ہوئی کہ چار صاحبوں نے خاندان کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصہ کی تالیف و ترتیب کا ذمہ لیا۔

۱ ۔ بھیکم پور، دادوں، کھوری وغیرہ مولوی حبیب الرحمٰن خاں

۲ ۔ دتاولی، برلہ، سراسے وغیرہ مولوی حاجی یونس خاں

۳ ۔ سہاور، چودھری عبدالحمید خاں

۴ ۔ بلونہ، کنولی، حسن پور وغیرہ سمیع اللہ خاں

مگر سوا مؤخر الذکر کے کسی سے اپنا اپنا کام انجام نہ پایا۔ انھوں نے اپنے بزرگوں (مثلاً عبدالمجید خاں جو نجیب خاں کے بیٹے اور رشید خاں کے پوتے اور سمیع اللہ خاں کی نسل کے دادا نانا اور بڑے نسّاب تھے نیز اپنی پھوپھی [illegible] اور اپنے بعض

ہم عمروں سے (مثلاً حاجی عبدالرشید خاں والدؒ شروانی برادرز جنھوں نے کچھ سلسلے اپنے دادا افضل علی خاں سے لکھے تھے) مدد لے کر ایک خاصہ رسالہ مرتب کیا جو ۱۳۰۶ھ میں (اب سے تقریباً پینسٹھ ۶۵ سال پہلے) تمام ہوا ۔ میری عمر اُس وقت تقریباً دس سال کی تھی ۔ اور اس کام کے لئے بلونہ کی بڑی کچہری کے بالاخانے پر جمع ہونا اور مذاکرات اور پُرانے کاغذات کی مدد سے یادداشت مرتب کیا جانا میرے لئے کل کی سی بات ہے ۔

سمیع اللہ خاں کے اس مسودہ کی ایک نقل شمس الحسن خاں نے کی اور نقل در نقل میں نے بھی لی مگر ہم دونوں کی نقلیں تلف ہوگئیں ۔ سمیع اللہ خاں کے قلم کی نقل حبیب گنج کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے ۔ اور عباس خاں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے ۔

شجروں کی موجودہ شکل حافظ حاجی عبدالجلیل خاں حسن پوری اور مولوی ظفر حسن خاں بلونوی کی کاوش و کاہش کا نتیجہ ہے جس کا ذکر متن میں جا بجا ہے ۔

اس ماضی سے دور اور مستقبل سے نفور دور میں

نسب کا معلوم کرنا اور یاد رکھنا درکنار ، عموماً اس کا ذکر اذکار بھی بے کار اور ناگوار ہوتا ہے ۔ چنانچہ حال میں ایک دن میں عباس خاں سے مل کر لوٹ رہا تھا کہ اُن کی کوٹھی کے قریب ہی ایک پُرانے ایم ایس سی پروفیسر دوست ملے ہیں شروانی نامہ کے متعلق انھیں پہلے سے علم تھا ۔ میری اس سے دلچسپی کا حال معلوم کر کے ناک بھوں چڑھانے لگے ۔ میں نے عرض کیا آپ کا خیال درست ہے نہ تاریخ ہیچ ہے ۔ اصل فن سائنس ہے جو ایٹم بم اور ہائڈروجن بم بنا سکتی اور لاکھوں انسانوں کو پل مارتے فنا کر سکتی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ " کلُّ حزبٍ بما لدیھم فرحون " ۔

و للناس فی ما یعشقون مذاہب

اگرچہ نسب نویسی اور نسب دانی کا اہتمام کسی نہ کسی پیمانہ پر دنیا کے مختلف ملکوں اور

قوموں میں بہت قدیم سے رہا ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑوں، اونٹوں (اور اب بیلوں اور بھیڑ بکریوں اور مرغی مرغوں) تک کے نسب نامے مرتب ہوتے ہیں۔ مگر (جہاں تک میں سمجھا ہوں) انسانی نسب دانی میں عرب سب پر فائق تھے۔ رسول اللہ صلعم افضل ترین نساب تھے۔ نسب دانی کا استحباب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے۔ قرآن کریم نے ذاتوں گوتوں کی تقسیم اور رشتوں ناتوں کے پیوند کے مصالح بیان فرمائے ہیں۔

نسب کی صحت و درستی خداوند تعالیٰ کی بڑی نعمت و موہبت ہوتی ہے۔ ذو نسب ہونا من جملہ دلائل نبوت کے ہے۔ اس کے تمام صاحب نصیب برگزیدہ بندے صاحب نسب ہوئے اور ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے آبا کی اصلاب طاہرہ اور اپنی امہات کے ارحام طیبہ کا (بلا فخر) بارہا ذکر فرمایا۔

البتہ نسب پر بے جا فخر کی سخت ممانعت اور اس کے ارتکاب پر سخت ترو عید ہے۔ اور اس کو اعتدال پر رکھنے کے لئے قرآن کریم کے بحر ذخار ناپیدا کنار کا صرف ایک قطرہ "تقویٰ" کافی و بس کافی ہے۔ "اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم" کیوں کہ "اذا نفخ فی الصّور فلا انساب بینھم"۔

میں اس موقع پر اس بحث کو پھیلانا مناسب نہیں سمجھتا۔ غالباً یہ معلوم کرنا بھی دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہمارے خاندان میں اپنے نام کے ساتھ

"شروانی" اول کس نے استعمال کیا۔ اور پھر اس کا رواج کس طرح پڑا اور بڑھا۔ حتیٰ کہ اب سے

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ عشق بتاں گئی

سب سے پہلے محمد حبیب الرحمٰن خاں (لبعدہٗ مولوی، نواب صدر یار جنگ، حاجی) نے

اسے اپنے نام کے ساتھ ضم کیا اور وہ اپنے اُس مضمون میں جو فاتح اعظم شہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر (۸۸۸ھ – ۹۳۷ھ) پر انھوں نے فرخندہ بنیاد حیدر آباد کے اپنے زمانہ کے لاثانی اور متین رسالہ حسن میں سنہ ۱۸۹۰ء میں (اب سے ارسٹھ سال پہلے) لکھا اور اس پر ایک اشرفی انعام پایا تھا جو رسالے کے چیدہ مضامین پر دیا جاتا تھا۔ اُس کے بعد اپنی نادرہ روزگار تصنیف علمائے سلف کے ساتھ بھی لکھا جو ۱۳۱۲ھ (اب سے اٹھاون سال پہلے) وجود میں آئی۔ مگر جہاں تک میرے قیاس کو دخل ہے انھوں نے اس کا اہتمام کبھی نہیں کیا۔ جو میں نے اپنے ان محترم بزرگ کی تقلید میں کیا۔ اور چونکہ میرا تعلق اس صدی کے شروع (سنہ ۱۹۰۲ء) ہی سے اخبار نویسی کے ساتھ ہو گیا تھا، اس لئے مجھے اس کے چلانے اور پھیلانے کا زیادہ موقع ملا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت میں اس نسبت سے اس سے زیادہ واقف نہ تھا کہ "پدرم سلطان بود" اور بعض وقت اسے نبھانے میں مجھے بڑی دقت اور مصیبت پیش آجاتی تھی جس کا حل میں نے یہ نکال رکھا تھا کہ ہر قیاس آرائی کے ساتھ ہم رائی کرتا۔ کوئی پوچھتا کہ "آپ خاقانی شروانی (متوفی سنہ ۵۸۲ھ) کے سلسلہ میں ہیں"؟ تو میں کہتا "جی ہاں"۔ کوئی سوال کرتا کہ "آپ کے اجداد شروان سے آئے تھے"؟ تو میں جواب دیتا "اور کہاں سے"؟ ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

ہاں مقام شکر ہے کہ مجھ سے ایسے سوال نہیں ہوتے تھے جیسے بقول خود عباس خاں کے اُن سے ہوئے کہ:

"کیا شروانی شروینا د کے بانی میاں لے تھے"؟ یا "کیا شروانی شتر پالی کرتے تھے"؟ (شروانی نامہ صفحہ ۸ س ۲۰۔۱۹) سچ ہے ؎

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سب سے زیادہ اطلاع اس کے متعلق مجھے مرزا محمود طرزی سے بہم پہونچی جو کابل کے باشندہ اور امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم کے زمانہ کے خارج البلد تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کی سیاحتِ ہند کے بعد (لغفو لتقیہ) سنہ ۱۹۰۵ئہ میں شام سے کابل جاتے ہوئے لاہور میں مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار کے مہمان ہوئے۔ مولوی صاحب نے اپنی طرف سے مجھے ان کی مدارات پر مقرر کر دیا اور ساتھ ہی یہ خدمت بھی سپرد کر دی کہ مرزا صاحب پیسہ اخبار کے لئے ترکی زبان کے چھوٹے چھوٹے رسالوں کا ترجمہ فارسی میں بولتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہ رسالے بعد میں فارسی سے اردو میں ترجمہ ہو کر پیسہ اخبار کے مطبع خادم التعلیم میں چھپے۔

مرزا محمود ترقی کر کے کابل (سلطنتِ افغانستان) کے وزیر معارف (تعلیمات) اور وزیر اعظم ہوئے۔ ان سے حسنی سنائی اور اب عباس خاں کے شروانی نام میں بڑی بڑھائی الاعین ملی نے باہم بہت کچھ ملتی جلتی پائیں۔

سنہ ۱۹۱۰ئہ میں جب تصدق احمد خاں ولایت گئے۔ اور سنہ ۱۹۱۲ئہ میں بیرسٹر ہو کر آئے تو وہ صرف "مسٹر شروانی" تھے۔ اور جب خلافت کی آندھی میں پڑے تو (بمقابلہ پہلے کے صرف تقابی کے اب) آل انڈیا مسٹر شروانی تھے۔ اور جب اُن کے دونوں برادرانِ عزیز (مسٹر نثار احمد خاں شروانی سلمہ اور مسٹر ندا احمد خاں شروانی مرحوم) اُن کے پس رو ہوئے اور یہ حال ہوا کہ ؎

گو گرد راہ ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

تو یہ تینوں بھائی ہندگیر "شروانی برادرز" تھے۔

اس موقع پر یہ معلوم کرنا یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ "برادرز" کے دوسرے اس سے پہلے بن چکے تھے۔ (۱) خلافت کی تحریک سے پہلے پٹنہ کے دو نامور بیرسٹر بھائی

مسٹر سید علی امام اور مسٹر سید حسن امام "امام برادرز" تھے۔ پھر خلافت کے زمانہ میں دو علیگ بھائی مسٹر شوکت علی اور مسٹر محمد علی "علی برادرز" ہوئے۔

میں نے اوپر جو مصرعہ لکھا ہے وہ اکبر مرحوم کے اُس زمانہ کے زبان زدِ عام و خاص شعر کا دوسرا مصرعہ ہے۔ پورا شعر یوں ہے ؎

بُدھو میاں "بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو گردِ راہ ہیں، مگر آندھی کے ساتھ ہیں

اس شعر کے خاص و عام نے جو باریک اور تاریک پہلو لئے (اور اتفاق سے ایک واقعی "بُدھو میاں" بزرگ نے رونما ہو کر جو اثر لیا) وہ اکبر کی غالب کے ساتھ ہم نوائی کے باوصف نمٹنا پڑتا۔ غالب ؎

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات ۔۔۔ مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ ۔۔۔ سودا نہیں، جنوں نہیں، وحشت نہیں مجھے

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ شنیدنی ہے۔ اسی زمانہ میں ایک بار چودھری احمد اللہ خاں صاحب کی دعوت پر میر ولایت حسین صاحب، مولوی طفیل احمد صاحب اور میں مدرسہ کے معائنہ کے لئے سباور گئے۔ ایک صحبت میں ایک چودھری خلافتی بھی تشریف فرما تھے۔ اتفاقاً کچھ سیاسی باتیں چھڑیں تو میر صاحب اور چودھری صاحب "شروانی صاحب" کی سیاسی داخلی بیان کرنے لگے، مگر دونوں کی بیان کردہ رایوں میں سفید سیاہ سے بھی زیادہ فرق تھا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ لی کہ ؎

تو گوئی کہ خرو سالانِ شاطر بجنگ
فتادند باہم بمنقار و چنگ

اُدھر چودھری احمد اللہ خاں دونوں بغلیں جھانکنے لگے تو یہ راز فاش ہوا کہ "ہمارے شروانی صاحب" سے میر صاحب کی مراد مولوی حبیب الرحمٰن تھے (جو اس وقت

تک" نواب صدریار جنگ "نہ ہوئے تھے) اور ان صاحب کے "ہمارے شروانی صاحب" مسٹر تصدق احمد خاں تھے (جن کا اصل نام اب اس کی کمی استعمال کے سبب سے بہت سوں کو معلوم ہی نہ تھا۔ اور شاید بہت سوں کو اب یاد نہ رہا تھا)۔ اور اب میں ؎

دل کو ردوں و یا جگر کو میر
میری دونوں سے آشنائی تھی

اور پروفیسر حاجی ہارون خاں شروانی نے اسے ہمالیہ کی چوٹی سے اتار کر اور بحر ہند کے ساحلوں سے گزار کر چار دانگ عالم میں بکھیر اتب سے نہ صرف ہندوستان کی بلکہ یورپ اور امریکہ تک کی دنیا گل زار بنی اور بڑے بڑے خوش نما اور خوشبو گل کھلے۔ سلمہُ اللہ و جزاہُ اللہ۔ (اس دعا پر میں آمین بھی نہ کہنے پایا تھا کہ یہ خبر پڑھی کہ عزیز اور اب خدا کے فضل سے شروانیوں کا جتنا پھیلاؤ ہے وہ "شروانی نامہ" سے معلوم ہوگا۔ کتنوں کے حالات شروانی نامہ کی ترتیب کے دوران میں (بلکہ چھپائی کی بھی تقریباً آخری منزل پر) معلوم ہوئے۔ اور کتنے اور کہاں کہاں کے نام اس کی تکمیل کے بعد علم میں آئے جن کو شامل کرنا افسوس کے ساتھ ممکن نہ ہو سکا۔ اور "شروانی" پر ماشاء اللہ بجا ناز ہونا اس سے ثابت ہے کہ علی گڑھ ڈسٹرکٹ گزیٹیر" بر لے والوں کو بجائے شروانی کے "دُرّانی" بتاتا ہے (شروانی نامہ ص ۱۳۸ اسطر) تو حاجی عباس خاں جی ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

عباس خاں نے شروانی نامہ کی "تالیف و تکمیل" میں جو خون جگر کیا ہے وہ لائق صد شکر و صد ہزار آفریں ہے۔ اِن اجری اِلا علی اللہ۔

مگر اب اس سے

استفادہ کرنا ان نوخیز شروانی نونہالوں کا کام ہے جن کے علم و عمل کے لئے

دراصل یہ ہے۔ کیوں کہ عباس خاں اور اُن کے ساتھیوں کے بعد تک انھی کو بظاہر
جینا ہے۔ لہٰذا کشاکش زمانہ کے پیدا کئے ہوئے چاک گریباں کو سینا ہے۔

قرآن کریم کا واحد مقصد نزول پند و موعظت اور اس کے ذریعہ سے بندوں
کی دنیوی و اُخروی صلاح و فلاح ہے۔

قرآن بلحاظ مضامین بظاہر تین برابر کے حصوں میں منقسم ہے: (۱) توحید (۲) قصص
(۳) احکام۔ مگر ان سب کا مقصد اصلی اور مرکز ثقل وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا۔
قرآن نے قصوں کے ذریعہ سے ایسے دور رس نتیجے نکالے ہیں کہ ان لوگوں کی ناقص
فہمیں ان کا احاطہ کر ہی نہیں سکتیں۔ ہر ملک اور ہر زبان میں اخلاق کی جتنی بہترین کتابیں
اب تک ہیں وہ سب قصوں کے پیرایہ میں ہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ کون ان
سے ہدایت پاتا ہے اور کون ضلالت میں جاتا ہے۔ "یضل بہ کثیرا و یہدی بہ کثیرا"۔

اسی طرح ادبی تاریخ اور محض تقلیدی پیمانہ پر "شروانی نامہ" ہے۔ جسے "قصے" بنانے میں
مجھے کچھ تامل نہیں ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسے کون کس روشنی میں دیکھتا ہے۔ میں
نے اسے اس روشنی میں دیکھا ہے کہ "دُر مع الدہر کیف ما دار" ؎

سدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چلتی
چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

ہمارے اسلاف اب سے تقریباً بارہ سو سال پہلے ہندوستان میں آئے
اور زمانہ کے ساتھ ساتھ چل کر دولت بدولت جو ترقیاں کیں وہ عباس خاں کی بدولت ان
اوراق سے معلوم ہوں گی۔ وہ خدا کی اس عادت اور سنت کے مطابق (جو اس کی اپنے
سب بندوں کے ساتھ یکساں ہے) برابر اُلٹے پلٹے کھاتے رہے۔
"تلک الایام نداولہا بین الناس"۔ یہاں تک کہ خود ہم نے اپنے اسلاف کو (جو
اپنی نوبت میں اپنے اسلاف کے اخلاف تھے) اُس مرتبہ پر دیکھا جس پر دیکھا۔

اور جب ہم ان کو دیکھ رہے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ (اور ان کے بعد خود ہم) کبھی پست تر درجہ میں نہیں آئیں گے ۔ "یحسب ان مالہ اخلدہ" (انسان گمان کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا) ۔ اور آج وہ حال ہے کہ اس کا بیان میں آنا محال ہے ۔ اور یہ ایسا یکایک اور اچانک ہوا کہ ہمیں سنبھلنے کی بالکل مہلت نہ ملی ۔ اور اب ششدر و حیران ہیں ۔

لیکن یہ بھی مشیات الٰہیہ ہیں ۔ ایسے (اور ان سے بھی بڑے بڑے) انقلاب کبھی تدریجاً آتے ہیں اور کبھی پل مارتے ایسی تیزی سے پہونچ جاتے ہیں کہ سنبھلنا کیسا دائیں بائیں دیکھنے اور سوچنے کی بھی مہلت نہیں دیتے ۔

دنیا کی تاریخ کے پچھلے چالیس سال کے واقعات ہمارے سامنے ہیں پہلی جنگ عظیم میں ترک صدیوں کی حکومت کے بعد عرب سے ایک دن میں اور عراق سے ایک رات میں نکل گئے ۔ اس وقت کا روس (جسے اسٹیم رولر بتایا جاتا تھا) تباشے کی طرح بیٹھ گیا ۔ جرمنی جیتا جتایا ہار گیا ۔ اور کتنے گمنام اور پامال ملک برسات کے گھورے کی گھاس کی طرح دنیا کے نقشے پر رونما ہوگئے ۔

دوسری عظیم تر جنگ میں فرانس ایک ہفتہ بھی ڈٹا نہ رہا تاراج پایا گیا ، صفحۂ ہستی سے معدوم ہوتا دکھا گیا ۔ جاپانی (جو زندگی کو بچوں کا ایک کھیل سمجھتے تھے) لاکھوں کی تعداد میں اور اربوں قیمت کے سامان جنگ کے ساتھ بھیڑ بکریوں کی طرح گرفتار ہوگئے ۔ ———— ۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو انگریز (جن کی سلطنت پر سورج نہیں ڈوبتا تھا) اپنے وضع جھنجھٹ سے بیٹھے بٹھائے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح چلے گئے ۔

اس وقت کچھ ملک ہیں کہ ان کی قسمت ادھر میں ہے ۔ مراکش کشمکش میں ہے ۔ مصر فیصلہ کن انقلاب پر مصر ہے ۔ ایران کی سخت جان بھی ویران نظر آرہی ہے ۔

ہندوستان کی گویا تا حرکتِ مذبوحی کر رہا ہے۔ چین خانہ جنگی سے بے چین ہے۔ مشیّت پر کوریا نے اپنی مخالف بڑی بڑی متحدہ طاقتوں کو دھار سے کو دا کر دیا ہے۔

مگر یہ بھی خدا کی قدرت اور مشیّت ہے کہ اب ان ہی سے کتنے اتنے پٹ سے گئے ہیں کہ دفعتاً موقع بموقع ہمارے برّاعظم کوچک ہندوستان کی دست گیری کے لیے [illegible] آمادہ و مستعد رہتے ہیں ؎

چکور اور دُرّاج سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

کیا عجب ہے کہ خدا ہمارے بھی دن پھیر دے۔ "وما ذالک علی اللہ بعزیز"
خدا نے انسان کو جو تھوڑا اختیار و ارادہ دیا ہے اسے کام میں لا کر سعی کریں (کہ بس یہی انسان کے ہاتھ میں ہے) تو اس کے فضل سے اتمام کی ضرور امید رکھ سکتے ہیں

"ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم"

(اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ) پیغمبروں تک نے (جو افضل البشر ہیں) تقدیر پر کامل ایمان اور خدا پر کامل توکل کے باوجود خدا ہی کی بتائی ہوئی تدبیروں سے کبھی گریز نہیں کیا۔ نوحؑ نے طوفان سے بچنے کے لیے کشتی بنائی۔ ابراہیمؑ نے کافروں کی زبانیں کاٹنے کے لیے بتوں کے اعضا کاٹے۔ موسیٰؑ نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو فرعون کی "خدائی" سے نکال لے جانے ہی پر صبر کیا۔ رسول اللہ صلعم نے ہجرت ہی سے عافیت پائی۔ اور پھر مشکلات پر غالب آنے کے لئے تمام وہ تدبیریں اختیار کیں جن سے نہ صرف اس وقت ابوجہل اور عتبہ اور ولید جیسے دشمنانِ اسلام موذی کتوں کی موت مارے گئے بلکہ وہ ایسی تھیں کہ ان کی ادنیٰ تقلید کر کے آج کے

اہل دنیا بھی کامیاب ہو رہے ہیں ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

قرآن کریم نے اچھے اور برے اعمال کے نتائج بتا بتا کر اچھوں کی پیروی اور بروں سے کج روی کی مسلسل تاکید فرمائی ہے۔ "اسوۂ حسنہ" (اچھے نمونہ) میں ابراہیمؑ اور رسول اللہ صلعم کا خاص طور پر مذکور اور ان کی پیروی کا صاف طور پر امر ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پیغمبروں کی زندگیاں عیش و آرام کی زندگیاں تھیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ سخت بلائیں بھرنے والے انبیا تھے۔

شروانی نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ہمارے بزرگوں کو بھی زمانہ کے نشیب و فراز سے کیا سابقہ رہا۔ مگر انھوں نے ہمیشہ مناسب وقت عمل کیا۔ حتیٰ کہ گردش روزگار سے دوچار ہو کر ریاست سے محروم ہو گئے تو ادنیٰ ادنیٰ چاکریاں کر کے پیٹ پالنے سے عار نہ کیا۔ اور پھر موقع پاتے ہی بزور شمشیر اپنے متروکات و مقبوضات کو واپس لیا۔ ہم سے قریبا تر زمانے میں غدر ۱۸۵۷ء کا واقعہ بڑا ہوش ربا زمانہ تھا۔ (میں اسے "ہولناک" نہیں کہوں گا کیونکہ ۱۹۴۷ء کے ہوش ربا حادثہ نے اسے گرد کر دیا) "خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر" کا دور تھا۔ اس سے ٹھیک ایک صدی پہلے (۱۷۵۷ء میں) پلاسی کے میدان میں انگریزوں کے لئے "لمن الملک الیوم" کا نقارہ بج چکا تھا۔ حکومت کی تھیں کہ انگریزوں کی غلطیاں تھیں۔ مگر کچھ غلط فہمیاں ہونے پر سپاہ کا دبا ہوا (صحیح طور پر "آگ پہ تیل") ہوئیں۔ انگریزی فوج کے ہندوستانی حصہ کا ایک حصہ ابھرا اور کچھ منتظر موقع لوگوں نے اسے ابھارا۔ اور اس بغاوت و غداری کو "شاہی وفاداری" کے نام سے پکارا۔ بے شک شاذ علماء نے غدر کے جواز کے فتوے دئے۔ بے شک بعض آتش گیر مادوں نے ان سے خوب اثر لئے۔ مگر یہ بھی ایک مسلّم تاریخی کلیہ ہے

کہ وہ فتوے متفقہ تھے اور وہ تاثرات متفق علیہ نہ تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے طول و عرض میں رعایا کا سوادِ اعظم اُس طاقت کا حامی تھا جس نے تقریباً ڈیڑھ صدی کی طوائف الملوکی کے بعد فی الجملہ امن کی صورت پیدا کی تھی۔ انسان بالطبع امن کو فساد پر ترجیح دیتا ہے اور اس کے لیے ملکی و غیر ملکی اور قوم اور دین کا بھی امتیاز نہیں کرتا۔ چنانچہ جب رومی کئی صدی تک انگلستان پر فاتحانہ قابض رہتے اور انگریزوں کو امن و امان کا عادی بنا دینے کے بعد سنہ ۴۱۱ء میں محض اپنی خانگی ضروریات کی بناء پر انگلستان کو خیر باد کہنے لگے، (جیسا کہ سنہ ۱۹۴۷ء میں انگریزوں نے ہندوستان کو کہا) تو مفتوح و مملوک انگریز اُن کے جانے میں مزاحم آتے تھے۔ (اور سنہ ۱۹۴۷ء میں انگریز جو ہندوستان سے کس بیدردی کے ساتھ رخصت ہو گئے تو یہ ہمارے نفسوں کے دھوکے اور ہماری انانیت کے کرشمے تھے۔) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب حضرت ابو عبیدہؓ شام کو فتح کر کے اور خیدرہ (محض چند روز) اُس پر متصرف رہ لئے تو عیسائی بادشاہ ہرقل کے فوجی دباؤ کی وجہ سے مفتوحہ ملک کو (فی الوقت) چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ مگر اول تو اسی نہایت مختصر مدت میں شام کی عیسائی رعایا کو عیسائی اور مسلمان حکمرانوں کے طرزِ حکومت (ظلم و عدل) کا کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ دوسرے اسلام کے اصول کے مطابق حضرت ابو عبیدہ نے غیر مسلموں سے جو جزیہ "(فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنے کا ٹیکس) وصول کیا تھا وہ نہایت اہتمام کے ساتھ حبّہ حبّہ یہ کہہ کر (بلکہ لکھ دے کر) واپس کر دیا کہ "ہمیں خبر ملی ہے کہ ہمارے خلاف بہت بڑا فوجی اجتماع ہوا ہے، اور تم نے ہم سے یہ شرط کی تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور اب کہ ہم یہ نہیں کر سکتے، لہٰذا جو کچھ ہم نے تم سے لیا وہ ہم تم کو واپس کرتے ہیں۔" لکھا ہے کہ اس وقت غیر مسلم رعایا رو رو کر دعائیں کرتی تھی کہ خدا تمہیں پھر لائے۔ عیسائی لی ہوئی رقم واپس کرنا کیسا ہمارا اور رہا سہا بھی لوٹ لے جاتے۔

جسے غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے باغیوں نے "شہنشاہ" بنایا تھا (بہادر شاہ) وہ خود

اہل دنیا کبھی کامیاب ہو رہے ہیں ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پہ
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

قرآن کریم نے اچھے اور بُرے اعمال کے نتائج بتا بتا کر اچھوں کی پیروی اور بُروں سے کج روی کی مسلسل تاکید فرمائی ہے۔ "اسوۂ حسنہ" (اچھے نمونہ) میں ابراہیمؑ اور رسول اللہ صلعم کا خاص طور پر مذکور اور ان کی پیروی کا صاف طور پر امر ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پیغمبروں کی زندگیاں عیش و آرام کی زندگیاں تھیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ سخت بلائیں بھرنے والے انبیا تھے۔

شروانی نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ہمارے بزرگوں کو بھی زمانہ کے نشیب و فراز سے کیا سابقہ رہا۔ مگر انھوں نے ہمیشہ مناسب وقت عمل کیا۔ حتیٰ کہ گردش روزگار سے دوچار ہو کر ریاست سے محروم ہو گئے تو ادنیٰ ادنیٰ چاکریاں کر کے پیٹ پالنے سے عار نہ کیا۔ اور پھر موقع پانے پر بزور شمشیر اپنے متروکات و مفقود جائداد کو واپس لیا۔ ہم سے قریب تر زمانے میں غدر ۱۸۵۷ء کا واقعہ بڑا ہوش ربا تھا۔ (میں اسے ہولناک نہیں کہوں گا، کیوں کہ ۱۹۴۷ء کے ہوش ربا حادثہ نے اسے گرد کر دیا) "خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر" کا دور تھا۔ اس سے ٹھیک ایک صدی پہلے (۱۷۵۷ء میں) پلاسی کے میدان میں انگریزوں کے لئے "لمن الملک الیوم" کا نقارہ بج چکا تھا۔ کچھ شک نہیں کہ انگریزوں کی غلطیاں تھیں۔ مگر کچھ غلط فہمیاں ہونے پر معاملہ بگڑ گیا (زیادہ صحیح طور پر "آگ پر تیل") ہو گئیں۔ انگریزی فوج کے ہندوستانی حصہ کا ایک حصہ ابھرا اور کچھ منتظر موقع لوگوں نے اسے ابھارا۔ اور اس بغاوت و غداری کو "شاہی وفاداری" کے نام سے پکارا۔ بے شک شاذ علماء نے غدر کے جواز کے فتوے دیئے۔ بے شک بعض آتش گیر مادوں نے ان سے فوری اثر لیے۔ مگر یہی ایک مسلّم تاریخی کلیہ ہے

کہ وہ فتوے متفقہ نہ اور وہ "تاثرات متفق علیہ نہ تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے طول وعرض میں رعایا کا سواد اعظم اُس طاقت کا حامی تھا جس نے تقریباً ڈیڑھ صدی کی طوائف الملوکی کے بعد فی الجملہ امن کی صورت پیدا کی تھی۔ انسان بالطبع امن کو فساد پر ترجیح دیتا ہے اور اس کے لئے ملکی و غیر ملکی اور قوم اور دین کا بھی امتیاز نہیں کرتا۔ چنانچہ جب رومی کئی صدی تک انگلستان پر فاتحانہ قابض رہے اور انگریزوں کو امن وامان کا عادی بنا دینے کے بعد سنہ ۴۱۱ء میں محض اپنی خانگی ضروریات کی بناء پر) انگلستان کو خیر باد کہنے لگے، (جیسا کہ سنہ ۱۹۴۷ء میں انگریزوں نے ہندوستان کو کہا) تو مفتوح و مملوک انگریز اُن کے جانے میں بے حد مانع آتے تھے۔ (اور سنہ ۱۹۴۷ء میں انگریز جو ہندوستان سے کس مپرسی کے ساتھ رفو چکر ہو گئے تو یہ ہمارے لفظوں کے دھوکے اور ہماری انانیت کے کرشمے تھے۔) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب حضرت ابو عبیدہؓ شام کو فتح کر کے اور چند روز (محض چند روز) اُس پر متصرف رہ لئے تو عیسائی بادشاہ ہرقل کے فوجی دباؤ کی وجہ سے مفتوحہ ملک کو (فی الوقت) چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ مگر اول تو اسی نہایت مختصر مدت میں شام کی عیسائی رعایا کو عیسائی اور مسلمان حکمرانوں کے طرز حکومت (ظلم و عدل) کا کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ دوسرے اسلام کے اصول کے مطابق حضرت ابو عبیدہ نے غیر مسلموں سے جو "جزیہ" (فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنے کا ٹکس) وصول کیا تھا وہ نہایت اہتمام کے ساتھ حتیٰ یہ کہہ کر (بلکہ لکھ دے کر) واپس کر دیا کہ "ہمیں خبر ملی ہے کہ ہمارے خلاف بہت بڑا فوجی اجتماع ہوا ہے، اور تم نے ہم سے یہ شرط کی تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور اب کہ ہم یہ نہیں کر سکتے، لہٰذا جو کچھ ہم نے تم سے لیا وہ ہم تم کو واپس کرتے ہیں۔" لکھا ہے کہ اس وقت غیر مسلم رعایا رو رو کر دعائیں کرتی تھی کہ خدا انہیں پھر لائے۔ عیسائی ملی ہوئی رقم واپس کرنا کیسا ہمارا اور رہا سہا بھی لوٹ لے جاتے۔

جیسے غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے باغیوں نے "شمسو راجہ" بنایا تھا (بہادر شاہ) وہ خود

ہمایوں کے مقبرہ میں روپوش، واقعات سے بے خبر تھا۔ جہاں تک مسئلہ اسلام کا تعلق ہے نہ امیر تھا، نہ فقیر تھی۔ بے تحاشا لوٹ مار جاری تھی۔ غریب، بچے، بوڑھے، ضعیف، بیمار بے دریغ تہِ تیغ تھے۔ یہ کیسی جنگ آزادی تھی؟! ؎

گر ہمیں ست مسلمانی کہ واعظ دارد
وائے گر از پسِ امروز بود فردائے

ان حالات میں ہمارے دور بیں اور مآل اندیش بزرگوں نے اگر ایسی حکومت کا ساتھ دیا کہ اُس وقت صرف اسی سے امن و عافیت کی اُمید ہو سکتی تھی، تو غیر ملکیوں کی نہیں، کافروں کی نہیں، بلکہ اپنے ملک، اور اپنی قوم اور نوعِ انسان کی خدمت کا فرض ادا کیا!!!

انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے "کفر" کا ارتکاب نواب فضل اللہ خاں اور نواب صدر یار جنگ کے پردادا (باز خاں) سے ہوا۔ اس سے بڑھ کر انگریزوں کی نصرت و حمایت کی "بدعت" ۱۸۵۷ء میں باز خاں کے بیٹے اور دونوں نوابوں کے دادا داؤد خاں سے سرزد ہوئی۔ کیوں کہ انگریزی حکومت کا جو کام اور استحکام باز خاں کے زمانہ میں نظری تھا وہ داؤد خاں کے عہد میں بدیہی ہو چکا تھا۔

دوسرے یہ کہ انگریزوں اور اُن کی حکومت کے خلاف جو فتوے تھے وہ مفتیٰ بہ نہ تھے۔ اور ان فتووں کی تائید و تقلید میں جو خیالات و جذبات تھے وہ متفق علیہ نہ تھے۔ میں ان مفتی علماء اور اُن متشدد عقلا کی نیتوں کو نعوذ باللہ مشتبہ نہیں سمجھتا، بلکہ اُن علماء کے اجتہاد اور اُن عقلا کے اعتقاد کے اجر کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اور گو یا دِ جو یائے حق سوادِ اعظم کے اتباع کا حوالہ دیتا ہوں۔

پھر آج جو اس نام نہاد جنگ آزادی میں شریک نہ ہونے والوں پر نفرین کرتے ہیں وہ یہ بھی سوچیں کہ اس ہنگامہ کو جنگ آزادی بتانے کی خواہش ذہن میں منتقل ہوئے کتنے

جو اسے عقلی اور نقلی دلایل سے غدر اور بغاوت ثابت نہ کرتے تھے اور اپنے آباؤ اجداد کے اس میں مبتلا ہونے پر نازاں نہ تھے ؟!!

۱۸۵۷ء کے بعد ایک اور طوفان جو "عدم تعاون" کے نام سے اٹھا وہ ایسا تھا جس کی کوئی اخلاقی اور عقلی آئین اجازت نہیں دیتا تھا۔

اس کے مخالف زندہ ہیں، اس کے موافق زندہ ہیں، لہذا ان واقعات کی ادنیٰ مرتبہ میں بھی تفصیل طول فضول ہے۔ یہ مطبوعہ شکل میں اس مقدار میں اب تک موجود ہیں کہ ان کے بوجھ سے کتاب خانوں کی الماریاں کراہ رہی ہیں اور جن لوگوں نے وہ طوفان اٹھایا تھا ان میں سے بہت سے اس کے بعد سے تا ایں دم سر دھنتے دھنتے مر گئے۔ اور جو آج زندہ ہیں وہ رات دن سر دھنتے ہیں، اور کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی۔ اور یہ کہنے میں بھی مطلق باک نہیں ہے کہ آج کے چلتے ہوئے الفاظ "جمہوریت" "انصاف" "بے لوثی" "حق پسندی" "ایثار" "اتحاد" "تعاون" وغیرہ وغیرہ وغیرہ قطعاً بے معنی اور ان کے مصداق یکسر بے وجود ہیں سے

ہیں یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوئے

یہ سب اپنی خلوتوں میں ماتم کرتے ہیں کہ ہم نے بڑا ہی پاپ کیا جو اُن لوگوں کا کہنا نہ سنا جو یہ کہتے تھے کہ سے

تو خاک میں مل اور آگ میں جل، جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ، تعمیر نہ کر

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی یہ لوگ اپنی قسمتوں کو بدلنے پر آمادہ نہیں ہیں، کیوں کہ جس حکومت کی بنیاد خود خواستہ لادینی اور دانستہ نادانی اور (دنیا کی سب سے بڑی ۱۸، ۱۹ کروڑ کی) ناحق شناس رائے دہی پر ہو اس کی جمہوریت کیا ہوگی؟ اور اس جمہوریت کا صدر کیا ہوگا!! اور اس حکومت کا صدر اعظم کیا ہو سکے گا۔!!!

چڑھتے ہوئے خون کو ابراہیم اور پیر ہلاد کی ظاہری دل فریب مثال سے مشتعل کردینا آسان تھا۔ مگر نواب صدر یار جنگ جیسے "عالموں" اور نواب مزمل اللہ خاں جیسے "جاگیرداروں" کا یہ کہنا کہ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کایں رہ کہ تو می روی بترکستان است

[illegible] کے دوررس مصالح کو سمجھنا ایک ٹھنڈا دل اور فعال ذہن چاہتا تھا جس سے "مقاومت مجہول" یا "عدم تشدد" کی بے معنی اصطلاحوں کے واضع یکسر عاری و محروم تھے۔

ان صفحات میں اس بحث کی گنجائش نہیں ہے ورنہ اگر میں نواب صدر یار جنگ یا نواب مزمل اللہ خاں کی سوانح عمریاں لکھنے لگوں (جس کا بفضل خدا اہلیت رکھنے کا میں بلاخوف تردید مدعی ہو سکتا ہوں) تو بتاؤں کہ ان لوگوں نے کس جنگ کو جنگ آزادی سمجھا اور اس کے جیتنے کے لئے انھوں نے کس قسم کے آلات حرب استعمال کئے اور جن کی کامیابی کا ثبوت وہ روشنی ہے جو ۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء تک پھیلتی نظر آتی تھی اور جو ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے رفتہ رفتہ ماند پڑتی دکھائی دیتی اور شاید عن قریب بجھ جانے والی ہے ؎

در آرند دیوار روئیں ز پائے
جواناں بشمشیر و پیراں برائے

اور اگر "شروانی نامہ" کے مبحث کا میدان تنگ نہ ہوتا تو میں بتاتا کہ ان جامع حیثیات اصحاب نے اپنے اپنے دائرۂ عمل کے اندر ملک اور قوم کی ترقی کے لئے کیا کچھ کیا ہے ؎

شیخ کعبہ ہو کے پہونچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا

جیسا کہ ناظرین کو شروانی نامہ کے متن کے مطالعہ سے خود بھی محسوس ہوا ہوگا اس خاندان کی خیر ما بہ الامتیاز

خصوصیات

بھی تھیں۔ میں نے "تھیں" کا لفظ قصداً اور دانستہ اس لئے استعمال کیا کہ افسوس کہ اب وہ تیزی کے ساتھ محو ہو رہی ہیں۔

ازاں جملہ ایک اُن میں **موقع شناسی** تھی۔ وہ گرم و سرد اور سفید و سیاہ زمانہ کا پوری ہمت اور دور اندیشی سے مقابلہ کرتے تھے۔ اگر جنگ کی واقعی ضرورت معلوم ہوتی تھی (اور بغیر اس کے مفر نظر نہ آتا تھا۔) تو وہ ایک بے جگر سپاہی کی طرح سر بکف نظر آتے تھے۔ اور اگر اس میں فائدہ نہ دیکھتے تو اس سے کترا بھی جاتے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

مگر منزلِ مقصود کو برابر سامنے رکھتے اور اُمید کی صبح صادق ہوتے ہی مصروفِ کار ہو جاتے۔ اور اس درمیانی وقفہ کو بھی کسی نہ کسی مفید کام میں صرف کرتے، یہاں تک کہ خداوند تعالے ان پر فتح و نصرت کا دروازہ کھول دیتا۔

ہمارا خاندان **دین داری** میں نیک نام تھا لیکن لوگ اعمال میں سست تھے، عقائد میں وہ بھی بڑے چست تھے۔ ایک بزرگ (جو اپنے خاندان کے ایک خود مختار سردار تھے) رمضان کا روزہ نہ رکھتے تو کواڑوں کے اندر چھپ کے پانی پیتے، اور کھانا ٹھنڈا رات کا بچا ہوا کھاتے اور افطار کا استقبال اس شان سے کرتے جو ایک اعلیٰ درجہ کے روزہ دار کے شایاں ہے۔

ایک رئیس (جن کا تعلقہ دور دور تک مشہور تھا) نماز کے پابند نہ تھے۔ اتفاق سے ایک صاحب آ گئے جو اگرچہ بی اے تک تعلیم یافتہ تھے مگر بڑے کٹر پابندِ شریعت تھے۔ اور انھوں نے ٹوٹی جوتیوں کا ایک ہار بنوا رکھا تھا جو بے نمازی کے گلے میں بے تکلف

ڈال دیتے تھے۔ انھوں نے بیسیوں (کم از کم موسمی) نمازی پیدا کر دیئے تھے۔ ایک دن وہ صاحب اُن بے نمازی رئیس صاحب کے مستقر ریاست میں بھی وارد ہوئے۔ رئیس صاحب نے انھیں بلوایا۔ یہ گئے (لرزاں و ترساں) مگر جب وہ صاحب جوتیوں کا وہ ہار ہاتھ میں لیے ہوئے اس بندۂ خدا کے سامنے پہونچے تو اُس نے اپنی گردن جھکا دی اور خلوص نیت سے کہا کہ "یہ ہار پہلے میرے گلے میں ڈال دیجئے" یہ کہہ کر اور یہ سن کر دونوں رو دیئے

حتیٰ کہ (سوا ایک قدر قلیل حصّہ خاندان کے) بکثرت سے ایسے لوگ تھے جو کسی نہ کسی خانوادہ کے ساتھ سلسلۂ بیعت میں منسلک تھے۔

بزرگ چھوٹوں کے ساتھ (خواہ وہ دور ہی کے رشتہ دار ہوں) شفقت کا برتاؤ کرتے اور اُن کے مستقبل کا لحاظ رکھتے۔ چھوٹے اپنی نوبت میں اپنے بڑوں کا (خواہ وہ کسی مرتبہ میں بڑے ہوں) پورا پاس و ادب کرتے۔ مگر افسوس یہ اوصافِ حمیدہ اب جا بجا نہیں بلکہ مفقود ہیں۔

انھوں نے اپنی طرزِ معاشرت وہی قدیم سادہ رکھی جو شریف گھرانوں میں پشتوں اوپر سے چلی آتی تھی۔ اور باوجود اس کے کہ سر سید مرحوم کے زمانہ میں (سر سید کی تحریک سے) پتلون، ترکی کوٹ اور ترکی ٹوپی کا رواج ہو چلا تھا، مگر سوائے معدودے چند صاحبوں کے شروانی من حیث القوم اُٹھی۔ شرعی پاجامہ، انگرکھے یا اچکن اور عمامہ یا دو پلی ٹوپی (اور آخر میں آکر امروہہ اور میرٹھ کے کام کی) ٹوپی میں رہے۔ نواب صدر یار جنگ نے ترکی ٹوپی ۱۹۰۶ء میں اس وقت پہنی جب وہ لارڈ منٹو کے سامنے مطالبہ حقوق کے وفد میں گئے۔ اور یہ بوں کہ اس لئے ترکی ٹوپی اور کالی اچکن یا کوٹ کی یونیفارم میں ہونا ضروری ہوا۔

اس وقت کے رواج کے لحاظ سے تعلیم عام تھی۔ اور تعلیم دینیات مقدم تھی۔ تعلیم کا رواج لڑکیوں میں بھی تھا۔ اور چونکہ اختلاطِ ناجنس کی اجازت نہ تھی، اس لئے مرد معلم حتی الامکان شیخ فانی رکھے جاتے اور وہ بھی پردے میں بٹھائے جاتے تھے۔

نام نہاد "نئی روشنی" سے اتنی تاریکی میں تھے کہ نواب مزمل اللہ خاں صاحب اپنی بی بیوں اور بیٹیوں میں سے کبھی کسی کے کسی نسوانی جلسہ میں بھی شریک ہونے کے روادار نہ ہوئے میری والدہ کو بوجہ دانت نہ ہونے کے کھانے کی تکلیف رہتی تھی۔ مگر تا دم مرگ برسوں بہ مصیبت جھیلی اور پردہ کے شگاف میں سے بھی دندان ساز کو معائنہ لینے کی اجازت نہ دی۔ باوجود اس کے ہم میں تربیت اور تعلیم کے لحاظ سے بھی لڑکیاں نمونہ کی لڑکیاں ہوئیں۔

فیاضی میں خدا کے فضل سے ہمارا خاندان چاردانگ عالم میں مشہور ہوا جو نہ صرف خاندان یا ضلع یا صوبہ حتیٰ کہ نہ صرف ہندوستان کے اندر محدود رہی بلکہ اس کا فیض براعظم ہندوستان سے باہر تک پہونچتا تھا۔ سید احمد خاں نے شروانی اور لال خانی خاندانوں کی تقویت پر علی گڑھ میں کالج قائم کیا تھا۔ مصارف خیر کا سلسلہ اگرچہ خصوصاً (حال کی تاریخ میں) باز خاں اور داؤد خاں کے زمانہ سے جاری تھا اور عنایت اللہ خاں اور اسمٰعیل خاں سید صاحب کے معاونین سابقین اولین میں تھے۔ مگر نواب مزمل اللہ خاں نے اسے معراج کمال کو پہونچایا بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ نواب صاحب کے چندوں کا مجموعہ کسی خود مختار والئی ریاست کے عطایا کے مقابلہ میں آسانی سے لایا جا سکتا ہے۔ ہر مذہبی اور قومی اور ملکی اور رفاہ عام کی تحریکات میں مالی امداد کے لحاظ سے ہمارا خاندان کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ پھر یہ کہ ہمارے خاندان (خصوصاً نواب مزمل اللہ خاں) کی فیاضی بلا تفریق مذہب ملت بھی رہی۔

باوجود ایک خاص زمیندار اور رئیس خاندان ہونے کے ہمارے خاندان نے سیاست اور حقیقی جنگ آزادی میں بھی اس سے بہت زیادہ کام کیا جتنا "تین کے سپاہیوں" اور "گودڑ کے گدڑوں" نے کرنے کا دعوےٰ کیا۔

علی گڑھ کو جس حد تک ہمارے خاندان نے "علی گڑھ" بنایا وہ کوئی راز نہیں ہے۔ مگر یہ ضرور ایک راز ہے کہ ہمارے خاندان نے اس سے مطلق کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اور یہ بھی کوئی راز نہ ہونا چاہیئے کہ اس میں "علی گڑھ" کا مطلق کوئی قصور نہیں ہے، بلکہ

اس میں ہماری ہی لپست ہمتی اور کوتہ اندیشی کو سراسر دخل ہے ؎

طالب لعل و گہر نیست، وگرنہ خورشید
ہم چناں در عمل معدن و کان است کہ بود

علی گڑھ نے اپنی پون صدی کی زندگی میں علوم کے مختلف شعبوں میں ہزاروں نوجوانوں کو فائز المرام کر دیا۔ مگر ہمارے بچوں میں تمام شعبوں میں مل کر بھی اتنے نہ ہوئے کہ ایک ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی پندرہ[۱۵] پوروں پر بھی پورے گن لئے جائیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس میں بچوں کے والدین کے تساہل کو بھی کچھ کم دخل نہیں ہے لیکن (جہاں تک مجھے اپنے خاندان کے بچوں کا تجربہ ہے) میں اس الزام کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ سب بچوں پر ایک وقت آتا ہے کہ شرعاً و عرفاً وہ خود مکلف ہوتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

چو شد جامہ بر قد فرزند راست
نشاید از و مہر فرزند خواست

اس وقت اپنی عاقبت کو بنانے کی کوشش نہ کرنا (اور اکثر مثالوں میں والدین کی امیدوں کو پامال کرنا) اس میں کس کا قصور ہو سکتا ہے ؎

گر دست و تو گشتن و مردن گناہ من | دیدن پاک و رحم نہ کردن گناہ کیست
گیرم کہ وقت ذبح تپیدن گناہ من | دانستہ تشنہ تیغ نہ کردن گناہ کیست

ایک اور خصوصیت ہمارے خاندان کی یہ ہے جسے "چراغ تلے اندھیرا" کہنا چاہیئے یا فارسی کی ضرب المثل "مشعل بدست کور" کہا جاتا ہے۔ کہ ہم نے دنیا بھر کو روشنی دکھائی، اور اس سے مطلق فائدہ نہ اٹھایا۔ ہم نے لاکھوں روپیہ مسلم و غیر مسلم اور (شیدائیوں ہی بھی سہی) غیر مستحقوں پر صرف کیا۔ اس کا نعوذ باللہ افسوس نہیں، بلکہ بحمد اللہ اس پر فخر ہے۔ مگر حسرت اس کی ہے کہ ہم قرآن کریم کی بتائی ہوئی ترتیب سے

نہ چلے ہو دڑی الفرقیا سے نپلتی ہے ۔ نہ ہم نے خاص شروانیوں کو وظائف دیئے نہ اُن کے لیے میڈل قائم کیے ، نہ اُن کے لیے خاص بورڈنگ ہاؤس بنائے اور اس کا کیا ذکر کہ نہ خاص (کالج نہ سہی) خاص مدارس کھولے ۔ ہمارے (یادش بخیر) شروانی اسکول چھترہ کے ساتھ جلالی (ضلع علی گڑھ) مارہرہ (ضلع ایٹہ) اور کئی اور جگہ مدرسے کھلے ۔ ان سب غیر شروانی اسکولوں کو شروانیوں (خصوصًا نواب مزمل اللہ خاں) نے وقتًا فوقتًا واتر مالی امداد دی ۔ مگر انھوں نے اپنے شروانی اسکول کو (میں ہمیشہ کہوں گا نہ چلا سکے ، بلکہ میں نے ہمیشہ یہی کہا اور اب بھی یہی کہتا ہوں) کہ نہ چلایا ، نہ چلایا ، نہ چلایا ۔ حال آں کہ نہ صرف سر سید مرحوم اور کالج کے اس وقت کے پرنسپل مسٹر آرچبلڈ اور پروفیسر (بعدہٗ سر تھیوڈور) مارلسین کو خاص توجہ تھی ۔ اس نے ہندوستان سے باہر تک شہرت حاصل کی ۔ اس کا خرچ صرف ڈیڑھ سو روپے ماہوار تھا اور فی طالب علم مصارف تقریبًا دس روپے ماہ وار ہوتے تھے ۔ اور اس نے پہلی ہی کھیپ میں طالب علم ایسے ایسے نکالے جن کا نمونہ تصدق احمد خاں ، صابر علی خاں ، افتخار احمد خاں ، فدا احمد خاں ہیں ۔ اسے میں کیا کہوں اور کوئی کیا کہے سوائے اس کے کہ ۔۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ہماری برادری میں رسوم کا مسئلہ بھی قابل ذکر ہے ۔ ایک زمانہ میں (شروانیاں سلف سے) نہایت مسرفانہ اور خلاف شرع رسوم جاری تھیں ۔ مگر باز خاں کے بیٹوں داؤد خاں اور قاسم زماں خاں نے نہایت قوت کے ساتھ یک بارگی ان کو مٹا دیا ۔ یہ اب سے ستّر برس سے زیادہ کی بات ہے ۔ اُن کے متعلق "مسائل اربعین" کے نام سے کتاب کی شکل میں چالیس فتوے تیار ہوئے تھے ۔ اور اسی زمانہ میں اردو

میں ترجمہ ہوکر "تحفۃ المسلمین" کے نام سے شایع ہوئے تھے جس کا دوسرا ایڈیشن بہت اہتمام سے مولوی حاجی عبیدالرحمٰن خاں نے شروانی پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر حسبۃً للہ شائع کیا۔ مگر اب بھی بہت سی رسوم اصلاح طلب ہیں جن میں سے سب کی سب مسرفانہ ہیں، اکثر مفسدانہ ہیں اور بعض حیاسوز (لہذا بالکل ہی خلاف شرع) ہیں۔ ایک رسم (جو سرنگ کی طرح نہایت خاموشی سے اب تک اپنا کام کر رہی ہے) سلسلۂ مناکحت کی تنگی ہے۔ اس سلسلہ میں خود ہماری برادری کے اندر حلقے اور دائرے ہیں۔ اگرچہ وہ ہم سے ایک پشت اوپر ہی سے ٹوٹنے شروع ہو گئے تھے لہٰذا اب ان میں اور بھی بڑے بڑے رخنے پیدا ہو گئے ہیں تاہم ان کا وجود ابھی واضح نمایاں ہے۔ میں سول میرج کو حرام جانتا ہوں۔ کتابیات کے نکاح کی حلت پر میرا ایمان ہے۔ مسلمانوں کی باہم مناکحت بلالحاظ ذات برادری قطعاً جائز ہے۔ تاہم "کفو" (جوڑ) کو جو اسلام نے مستحب قرار دیا ہے اس میں بڑے اجتماعی فوائد ہیں جن پر بحث کرنا طول سے خالی نہیں۔ جوڑ کا عمل حیوانات (حتیٰ کہ نباتات) میں بھی ہے۔ چرند، پرند، درند، جوڑا بناتے ہیں۔ مگر ان کی نسلیں ضرور مختلف ہوتی ہیں۔ اور یہ اپنی نسلی اور نوعی خصوصیات سے جدا ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے دو مختلف النوع حیوانوں کو ملانے سے جو ایک تیسری نوع پیدا ہوگی بے شک اس کی بھی کوئی مفید خصوصیت ہوگی۔ مگر ان دونوں کی متعدد خوبیاں زائل ہوں گی۔ مثلاً گدھے اور گھوڑی کو ملانے سے ایک بارکش حیوان ضرور پیدا ہو جائے گا مگر اس میں وہ گھوڑے کی تیزی اور شوخی [illegible] دور تک نہ ہوگی۔ آم کی قلم سے ثمر بہشت ضرور پیدا ہو جاتا ہے مگر وہ تخمی کی سی سبکی اور لطافت اور زود ہضمی اور خوش ذائقی نایاب ہوتی ہے۔ عملی درست کاری سے گلاب کے پھول کو غیر معمولی حد تک بڑا بنایا جا سکتا ہے، مگر اس میں وہ قدرتی پھول کی مشام نوازی و نظر فریبی نہیں ہوتی ہے۔

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت، نہ تیری سی بُو ہے

نئے خاندانوں اور نئے گھرانوں میں (خواہ وہ کتنے ہی اونچے کیوں نہ ہوں) رشتے کرنے سے نفرت کی حد تک احتیاط ہی کا نتیجہ تھا کہ حاجی داؤد خاں (بھیکم پور) اور حاجی حسن علی خاں (بلونہ) اور اُن سے بھی اوپر حاجی باز خاں (بھیکم پور) اور نجیب خاں خدا بخش خاں (بلونہ) کے عہد سے پہلے اگر نواب ثابت خاں[1] والی (گورنر) کول (علی گڑھ) کی بیٹی دلیل خاں ابن شاہ محمد خاں (مورث خاندان بلونہ) کو بخوشی آجاتی اور یا پھر بیٹی بیرام[2] خاں نائب حکومت (لفٹنٹ گورنر) نواب بنگش والی فرخ آباد (متبنٰی سہاور) کی بیٹی بکراہت و ناخوشی نہ آتی (کہ چوکوٹ ڈھلوائی گئی اور جہیز کی ہزاروں روپیہ کی مالیت لٹوائی گئی) تو شاید کم از کم خاندان بلونہ کی املاک کا جغرافیہ آج بالکل ہی مختلف ہوتا۔ اور یہ دوسری بات ہے کہ اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو کہ مثل چھوٹے کاشتکاروں کے چھوٹی زمینداریوں اور مثل سلطنتوں کے بڑی بڑی ریاستوں کا ہوا۔ اور کون جانتا ہے کہ آج کی شمالاً جنوباً کوہ ایورسٹ سے راس کماری اور شرقاً غرباً خلیج بنگال سے بحیرۂ عرب تک پھیلے ہوئے براعظم کو چک ہندوستان کا کل کے دن کیا حشر ہوگا۔ کیوں کہ؎

ریاست بہ بست کہ بے غم نماند ست ۔۔۔ کہ اندر ست شان وستہابجا است
وفادر کہ جوید جو پیالہ گسیخت ۔۔۔ خراج از کہ خواہد جو دہقاں گریخت
ہنیت لب نہ ہست گر بستو ہی ۔۔۔ کہ گر خار کاری سمن ندر وی

---

[1] شروانی نامہ حصہ اول ص ۱۰۸ حصہ دوم ص ۲۳۸ نیز رسالہ حافظ محمد سمیع اللہ خاں مرحوم ۱۳۰۶ھ۔

[2] شروانی نامہ حصہ دوم ص ۲۳۹ و رسالہ محمد سمیع اللہ خاں مرحوم

میں نے خاندانِ شروانی کی جو خصوصیات اور بے شمار گرانی بتیں اور اُن کی جو بھلی بری نوعیت بتائی ہے وہ صرف اپنی ناقص فہم کی حد تک ہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ اُن سے میرے ناظرین کو اختلاف ہو۔ لیکن جس بات سے اتفاقاً کسی کو اختلاف نہ ہونا چاہیئے وہ یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو اپنے بزرگوں کی خوبیوں کو لینا اور اُن کی برائیوں سے درگزر کرنا چاہیئے۔ اور اخلاقاً انھیں اس کا یقین رکھنا چاہیئے کہ اُن کے باپ دادا نے انھیں اپنے سے بڑا دیکھنا چاہا۔ اور یہ ایک فطری جذبہ ہے کہ انسان اگر کسی کو اپنے سے بڑا اور بہت بڑا اور بہت ہی بڑا دیکھنا چاہتا ہے تو صرف اپنی اولاد کو۔ اور اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس دور کے باپوں نے اپنے بیٹوں کو

"میاں"

بنایا۔ بے شک اب سے پہلے بھی "میاں" ہوتے تھے، مگر وہ صرف تعارف کے لیئے (مثلاً بڑے میاں، منجھلے میاں، چھوٹے میاں) بخلاف اب کے "میوں" کے کہ وہ تربیت کے لیئے ہوئے، اور ایسے کہ نام کے لحاظ سے گویا گم نام ہی ہو گئے۔ لہٰذا اپنے زمانے کے "ملاؤں" کی طرف سے (کہ خود میں بھی اُن میں سے ایک ہوں) اُن "میوں" سے ادب کے ساتھ التجا ہے کہ وہ اپنے اندر اپنے بزرگوں کی خوبیاں پیدا کریں کہ ؎

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف
مگر اسبابِ بزرگی ہمہ آمادہ کنی

کون کہہ سکتا ہے کہ نواب صدر یار جنگ اور نواب مزمل اللہ خاں نے باپ دادا کا نام روشن نہ کیا اور ان کی روح کو مسرور نہ رکھا ہوگا۔ بغیر ذاتی خوبیوں کے باپ دادا پر فخر کرنے والوں کو لامحالہ یہ سننا پڑتا ہے کہ ؎

اِن افتخرت بآباءٍ مضوا سلفاً قلنا صدقت ولکن بئس ما ولدوا

(اگر تمھیں گزرے ہوئے باپ دادوں پر فخر ہو، تو ہم کہیں گے کہ تم سچے ہو، وہ ایسے ہی تھے، مگر اُن کی اولاد بری ہوئی)۔

بے شک وقت بہت سخت پڑا ہوا ہے، اور انسانوں کے انسانوں پر ظلم بہت بڑھے ہوئے ہیں، لیکن میں زمانہ کو بُرا کہنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ خداوند تعالےٰ کے اس ارشاد پر ہے جو اُس نے اپنے مخبرِ صادق صلعم کی زبانی دیا ہے کہ "لا تسبوا الدہر فانا الدہر" (زمانہ کو بُرا نہ کہو، کیوں کہ زمانہ تو میں ہی ہوں) بے شک انسان بدلتا اور بد سے بدتر ہوتا رہتا ہے، مگر وہ تجلی حیث والا اپنی شان رحیمی و کریمی و حلیمی کے ساتھ جیسا ازل میں تھا، اب بھی ہے اور ویسا ہی ابد تک رہے گا۔

ہمہ تند د میرد تو جاوید پایہ
کہ ہرگز نمرد و نمیرد خدائے

پس اے عزیزو! اور اے وہ جن سے آئندہ امیدیں وابستہ ہیں!!
تم خدا کے بتائے اور بتائے ہوئے قانون پر چلو۔ اپنے اخلاق اور اعمال درست کرو۔ خوف کے ساتھ کوشش کرو، اور امید کے ساتھ کامیابی کا انتظار کرو۔ لہٰذا ہر ہماری اب صرف چند ساعتیں اور بس چند سانسیں باقی ہیں۔ اور ہم سوائے دعا کے (کہ اگر سمجھو تو وہ بھی بڑی چیز ہے) تمہارے لئے اب کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم نے تمھیں زندگی کے دوشاخہ راستہ پر کھڑا کر کے حتی الامکان تمھیں سیدھا راستہ بتایا تھا، اگر تم اس پر چلے تو ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا صرف خدا ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک ابھی تم ابتدا ہی کی اس منزل میں ہو کہ اگر غلط راستہ پر پڑ لئے گئے تو مڑ کر اور دو قدم واپس چل کر پھر سیدھے راستہ پر آسکتے ہو۔ آگے تم جانو، ہم تو سے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں! خوش رہو! ہم دعا کر چلے!!!

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○

ترجمہ:- میں نے نہیں کہا اُن سے مگر وہی کہ حکم دیا تو نے مجھے اُس کا، وہ یہ کہ بندگی کرو اللہ کی جو پالنے والا ہے میرا اور پالنے والا ہے تمہارا۔ اور میں اُن کا نگراں تھا جب تک میں اُن میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے پھیر لیا تو تو ہی اُن کا نگہبان تھا، اور تو ہی سب چیز سے خبردار ہے۔

محمد مقتدیٰ خاں شروانی

[illegible] علی گڑھ
[illegible]
نومبر ۱۹۵۳ء

از راقم الحروف محمد مقتدیٰ خاں شروانی ؎

اے عزیزو! اور اے مری جانو! دورِ گردونِ دوں سے بیگانو!!
دل سے نکلی ہوئی مری مانو!!! اور نہیں مانتے تو تم جانو!!!!

فہرستِ معطیان

ذیل میں ہم اُن مہربانانِ قدردان کی فہرست دلی شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں جنھوں نے مالی امداد فرمائی جس سے ان اوراقِ پریشاں نے اشاعت پائی۔

ایک وقت تھا کہ ہم میں کتنے ایسے اصحاب موجود تھے جو اس کتاب سے کہیں زیادہ کے مصارف کی انفرادی طور پر بے تکلّف کفالت فرما سکتے، بلکہ اگر انھیں اس کا موقع نہ دیا جاتا تو وہ اپنے لئے عار تصوّر فرماتے۔ مگر ؎

زمانہ دگرگونہ آئیں نہاد

شد آں مرغ کو خایہ زرّیں نہاد

تاہم مقامِ شکر ہے کہ بفضلِ خدا خاندان کی اجتماعی توجہ سے موجودہ حالات میں بھی یہ کام سرانجام پاسکا۔ جن سرپرستوں کی رقوم معتدبہ ہیں اُن کی ہمدردی ظاہر ہے، مگر قلیل رقم والے بھی صد آفریں ہیں کہ انھوں نے اس کڑی گھڑی ...

داوؔں

۲۔ مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب

حبیب گنج

۳۔ مولوی حاجی عبید الرحمٰن خاں صاحب

بھیکم پور

۴۔ نواب رحمت اللہ خاں صاحب

علی گڑھ

۵۔ مولوی احمد اللہ خاں صاحب سکندرہ (راؤ) مختار عدالت کلکٹری

دتاولی

۶۔ پروفیسر حاجی ہارون خاں صاحب (حال نزیل حیدرآباد دکن)

حسن پور

۷۔ حافظ حاجی عبد الجلیل خاں صاحب

۸۔ حاجی نصرت اللہ خاں صاحب بی اے (علیگ) حال تحصیل دار راٹھ ضلع ہمیر پور۔

[illegible] صاحب

۱۵ - خالد عباس سلمہٗ طالب علم مسلم یونیورسٹی اسکول

۱۶ - مطیع اللہ خاں صاحب سرائے۔

بلونہ

۱۷ - بغرض یادگار و ایصال ثواب محمد سمیع اللہ خاں مرحوم جنھوں نے خاندان شروانی میں شجرہ (شاخ بلونہ) سب سے پہلے بصورت رسالہ ۱۳۰۶ھ میں مرتب کیا جس نے کتاب ہذا (شروانی نامہ) کی ترتیب میں بہت مدد کی۔

۱۸ - بغرض یادگار و ایصال ثواب حاجی عبد الرشید خاں مرحوم (والد شروانی برادرز) جنھوں نے اپنے دادا سے خاندانی شجرہ کی یادداشتیں لکھیں جن سے سمیع اللہ خاں نے فائدہ اٹھایا۔

۱۹ - بغرض یادگار و ایصال ثواب مسٹر تصدق احمد خاں شروانی مرحوم بیرسٹر ایٹ لا جنھوں نے بچپن سے سیاست میں حصہ لیا اور پھر گاندھی جی کے دوش بدوش کام کیا۔

۲۰ - مسٹر نثار احمد خاں شروانی ... ڈاک خانہ ...

... اپنے بھائی تصدق احمد خا...

گولڈورکس نزیل کراچی پاکستان)

۲۵ - محمد شاکر علی خاں صاحب بی اے (علیگ) حال پاکستان ملٹری سروس متعینہ راولپنڈی (مغربی پنجاب)

۲۶ - محمد ناظر علی خاں صاحب (مطابق صدر)

۲۷ - محمد ناصر علی خاں سلمٗہ (زیر ٹکنیکل ٹریننگ)

۲۸ - محمد جعفر علی خاں صاحب -

۲۹ - محمد مملوک الرحمٰن خاں صاحب -

۳۰ - ڈاکٹر مشکور الحسن خاں صاحب (ہومیوپیتھک) نزیل کراچی پاکستان)

۳۱ - بغرض یادگار و ایصال ثواب محمد منظور الحسن خاں مرحوم (بنیٹ کالج شیفیلڈ انگلستان سیلس مین شپ اسکالر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس گولڈن جوبلی میڈلسٹ الکٹرک ڈپلوما ہیڈ ایلین کراچی پیدائش ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ ستمبر ۱۹۱۹ء وفات بعارضہ گردہ رجب ۱۳۷۰ھ اپریل ۱۹۵۱ء

۳۲ - محمد منصور الحسن خاں صاحب (سابق ہیڈ ورکشاپ ماہولڈر کانپور والک شروانی شوشو علی گڑھ و اگزامینر گورنمنٹ ہارنس و سیڈلری فیکٹری کانپور حال اسٹینو ٹائپسٹ ۔ ۔ ۔ ۔

ان مرتب حاجی مرحوم (ملاخ ورچا ڈاکٹر

اب کتاب کی تیاری و تکمیل کے بالکل آخری مرحلہ میں جو اطلاع میاں محمد حسن مرتضےٰ خاں عرف راحت میاں سلمہٗ (پسر مولوی حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی الکٹرک ڈپلوما ہولڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ حال متعینہ براڈ کاسٹنگ و سگنیلنگ ڈپارٹمنٹ کراچی پاکستان) کے ذریعہ سے ملی ہے یہ ہے کہ ان کو ایسے اصحاب ملتے ہیں جو پنجاب اور راجستھان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو شروانی بتاتے ہیں۔ کراچی میں ایک سال سے زیادہ سے "شروانی کلب" قائم ہے جس کے باقاعدہ عہدہ دار اور ممبر اور قواعد ہیں۔ وقتاً فوقتاً جلسے ہوتے ہیں۔ ایک صاحب بالکل حال میں آکر ایک جلسہ میں شریک ہوئے جن کا نام سردار خاں شروانی ہے سیالکوٹ (پنجاب) کے رہنے والے ہیں۔ کھیل کے سامان کی تجارت کرتے ہیں۔ بروایت اُن کے سیالکوٹ میں تقریباً بیس[20] خاندان شروانیوں کے آباد ہیں ان کا اپنا مدرسہ، مسجد، قبرستان ہے۔ انھی کے زیرِ اہتمام ایک مسافرخانہ اور لائبریری ہے۔ افراد خاندان کا عام پیشہ زمینداری ہے۔ مورث اعلیٰ کا نام اکبر خاں شروانی بتاتے ہیں جو کافی عرصہ ہوا سیالکوٹ میں آکر بس گئے تھے۔ راقم آثم عباس شروانی کی دعا ہے کہ خدا [illegible] رحم و کرم فرمائے

آمین،

۴۰ - بغرض ایصال ثواب و یادگار محمد عبدالمجید خاں (پسر نجیب خاں و نبیرۂ رشید خاں جو بڑے قابل تھے اور جن کی مدد سے محمد سمیع اللہ خاں نے سب سے اول سنہ ۱۳۰۶ھ میں گویا اب سے ۶۵ سال پہلے حیات شروانی کے نام سے رسالہ کی مرتب شکل میں خاندان شروانی کے ایک حصہ کے شجرے اور حالات لکھے)

۴۱ - بیگم جعفر علی خاں (پسر کلاں مولوی محمد صابر علی خاں ایم اے ایل ایل بی)

۴۲ - ثوبیہ خاتون (بنت مولوی محمد صابر علی خاں زوجہ مسٹر محمد شاکر علی خاں بی اے تنزل راولپنڈی پاکستان)

تتمہ فہرست معطیان جو اصل فہرست چھپ جانے کی وجہ سے بے ترتیب ہے

۴۳ - حافظ مولوی حاجی علی اکبر خاں شروانی (ذیل حسن پور)

۴۴ - لیڈی مزمل (والدہ نواب رحمت اللہ خاں "حیات میاں" ذیل بھیکم پور)

۴۵ - عطیہ رحمت بیگم عرف بوبو" (بنت نواب مزمل اللہ خاں زوجہ غلام سبطین خاں "افضال میاں" ذیل دادوں) (۴۶) احمد کامل مصطفیٰ خاں بورڈ کالونی

تتمہ حالات - ہم منتظر تھے ... چھپ ... سے زیادہ جگہ خوشی کے ساتھ ... ان میں موجود ہیں مگر ساتھ ہی

مجلس

"لوح کشائی" و "ورق نمائی" شروانی نامہ

نواب حمت اللہ خاں صاحب (حیات میاں) مجلس نے خلف رشید نواب سر محمد مزمل اللہ خاں بہادر مرحوم کے علمی و ادبی ذوق کی بنا پر منزل میں منعقد ہوئی۔ کتاب کا مطبوعہ نسخہ مولف صاحب کی خدمت میں مولوی حاجی محمد جان خاں صاحب نے پیش کیا۔ جس کے غلاف پر مولف اور کتاب کا نام لکھا ہوا تھا اور حبیب اللہ خاں ("چھٹن میاں") لیسر کو ایک ترتیب مولوی حاجی محمد مقتدی خاں شروانی صاحب کی کھینچی ہوئی تصویر بھی تھی۔ مقامی اصحاب خاندان شروانی شریک تھے۔ کتاب کی تمام حاضرین نے زیارت کی۔ اور ایک نہایت ضروری اور دیرینہ آرزو کے بعد پورا ہونے والے کام پر خدا کا شکر اور خوشی کا اظہار کیا۔ اور مولف صاحب کو مبارکباد اور دعا دی۔ معزز و علم دوست نوجوان ... تکلف عصرانہ بھی تھا جس سے پہلے ... سے ان کے والد

مولف حیات مسعودی و تاریخ النواریخ و سابق سکریٹری سنٹرل سُنی وقف بورڈ صوبجات متحدہ

ثانی مورخ عباس خاں شروانی (عہد اکبر اعظم دہم صدی ہجری) ملکہ لاثانی ـ

عباس خاں احباب گرامی و محترم
گلہائے رنگا رنگ ہیں جس میں کھلے ہوئے
بیدار بخت اگلوں کا اک قصہ خواں ہے یہ
اپنی ہی سعی آپ نے کی (تا بحد قدر)
اعراض اس سے جو کرے اس کو کیا کہوں
اصلی ہنر ہے پیروی اہل فضل و مجد
وہ درد کون سا ہے کہ جس کی دوا نہیں
سنجیدہ مار میں ہر بیڑا (بلا ریب و شک) مگر
حلال مشکلات ہے وہ ذات با ثبات
جو ہے خدا پرست بھلا اس کو اس سے کیا
اصلی ہے ماضی، حال کا کیا اعتبار ہے؟
بس کام اپنا گوشت ... ...

شروانی نامہ ایک گلستاں عجیب ہے
ہر گل ہر اک صفت میں عجیب و غریب ہے
خوابیدہ بخت پھلوں کا گویا نقیب ہے
انجام خیر کا تو خدا ہی حسیب ہے
سیکھے ادب جو اس سے وہ صاحب نصیب ہے
ظاہر میں گو اصیل و شریف و نسیب ہے
یہاں درد ہی نہیں ہے و گر نہ طبیب ہے
اور بھی کوئی حافظ و یار و رقیب ہے
گو اس میں شک نہیں ہے کہ طوفاں مہیب ہے
ناقوس کی صدا کہ نشان صلیب ہے
جس کی نظر آل پہ ہو وہ لبیب ہے
ایماں ہے کہ روز جزا عن قریب ہے
... بسر ... ... ذات ...